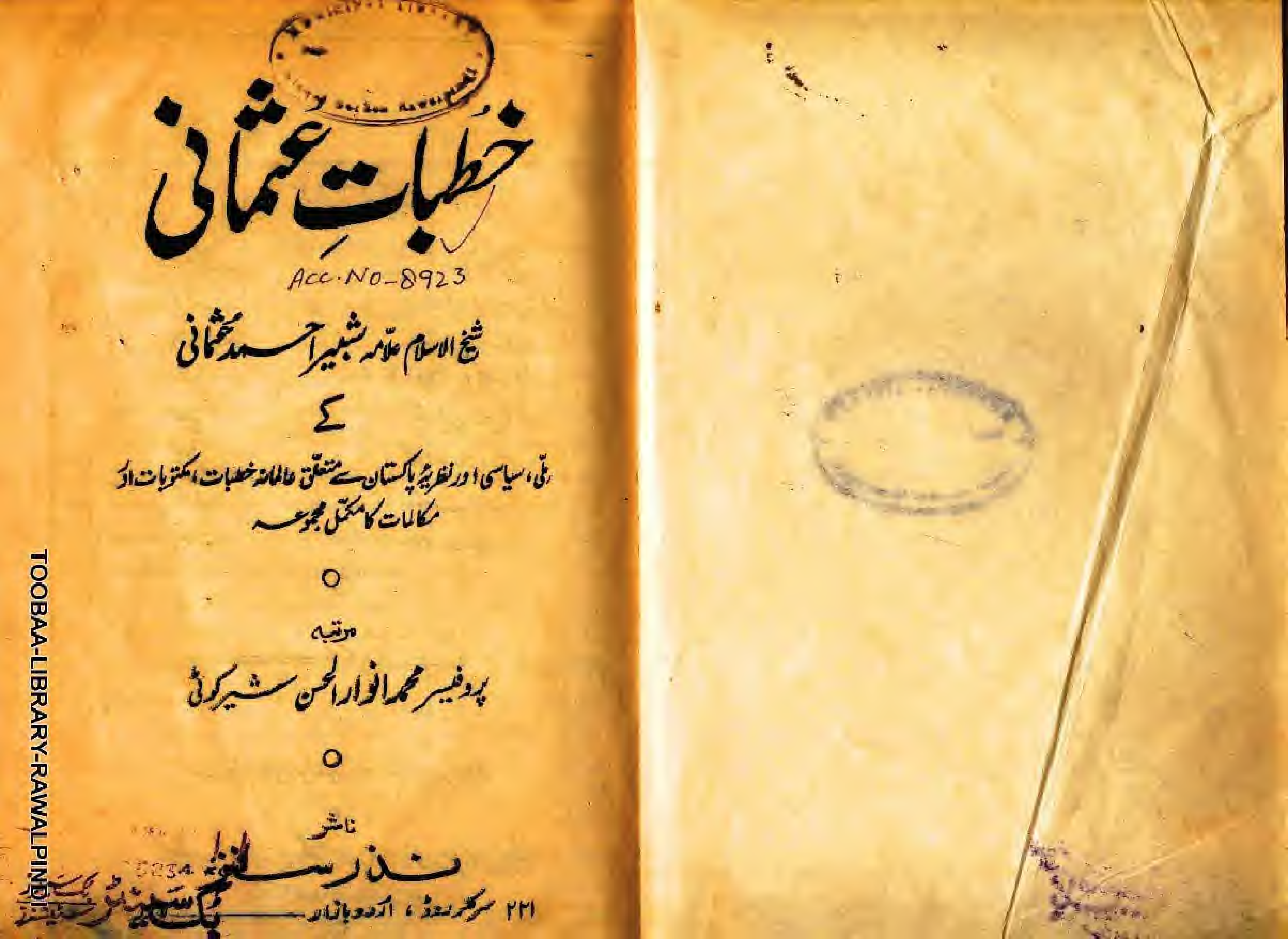


خطباتِ عثمانی
شیخ الاسلام
علامہ شبیر احمد عثمانی
کے ملی اور سیاسی خطبات
نظریہ پاکستان کی
انسائیکلوپیڈیا
اَطِیعُوا اللہَ
قرآن
اِنِ الحُکمُ اِلّا لِلّٰہِ
وَاَطِیعُوا الرَّسُولَ
سُنّت
مَن یُطِعِ الرَّسُولَ فَقَد اَطَاعَ اللہ
مرتبہ: پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی
پبلشرز: نذر سنز ۲۲۱ سرکلر روڈ، لاہور



خطباتِ عثمانی
﴿شیخ الاسلام علاّمہ شبیر احمد عثمانی کے ملّی و
سیاسی خطبات مع مکتوبات﴾
مرتّبہ: پروفیسر انوارالحسن شیرکوٹی
برفرمائش خاص: محمود غزنوی



خطباتِ عثمانی

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی

کے

ملی، سیاسی اور نظریہ پاکستان سے متعلق عالمانہ خطبات، مکتوبات اور
مکالمات کا مکمل مجموعہ

o

مرتبہ

پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی

o

ناشر
نذر سنز
۲۲۱ سرکلر روڈ، اردو بازار

سوانح کتاب

نام کتاب	خطباتِ عثمانی
مرتب	پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی
اشاعتِ اوّل	ربیع الاوّل ۱۳۹۲ھ مطابق اپریل ۱۹۷۲ء
مطبع	تعلیمی پریس لاہور
ناشر	نذر سنز، لاہور
تعداد	ایک ہزار
قیمت	۲۵ روپے

ملنے کا پتہ

(۱)

نذر سنز پبلشرز ۲۲۱- سرکلر روڈ، لاہور

(۲)

شبیر احمد اکیڈمی، مکتبۂ انوار ۱۲۹- دہلی پنجابی کالونی، لائلپور

ڈاکٹر محمد انصار الحسن مینیجر

فہرست مضامین خطباتِ عثمانیؒ



علامہ شبیر احمد عثمانی علیہ الرحمۃ سید ذوالفقار علی بخاری (کنٹرولر نشریات) کے ہمراہ تبادلہ خیالات فرماتے ہوئے

نظریۂ پاکستان ہمیشہ کے لیے ایک لازوال حقیقت ہے

کوئی صاحب یہ اعتراض کرنے کا حق نہیں رکھتے کہ سقوط پاکستان شرقی سے نظریۂ پاکستان ختم ہوگیا کیونکہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ دار الحرب کے جس خطہ کو بھی وہ دار الاسلام بنانے کی قدرت رکھتے ہوں اس کو کفار کے قبضے سے نکال کر مسلمانوں کے لیے ملّی، قومی اور سیاسی غلبہ حاصل کریں اور یہ حقیقت لازوال ہے لہذا نظریۂ پاکستان بھی لازوال ہے۔ اور اب پھر مشرقی پاکستان کے مسلمان اس نظریہ کی بقا کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔

مصنف

ایک قابلِ توجہ اہم بات

ہم ۱۹۴۵ء کے متحدہ ہندوستان کے مرکزی اسمبلی کے انتخابات کے بعد مسلم لیگ اور کانگریس کی کابینہ اور وزارتوں کے بارے میں یہ لکھنا بھول گئے کہ مسلم لیگ نے سالانہ بجٹ کے سیکشن اور بعض دوسری نشستوں میں اسمبلی میں کانگرس کی وزارت کے ساتھ تعاون کیا چنانچہ خان لیاقت علی نے جو وزیر خزانہ تھے سالانہ بجٹ پیش کیا تھا اور اس بجٹ کی ملک نے تحسین کی تھی۔ بعد ازاں لیگ نے کانگریس کابینہ سے اشتراک عمل چھوڑ دیا۔ ازراہ کرم نوٹ فرمالیجیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

پیشِ لفظ

شیخ الاسلام حضرت علامہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نور اللہ مرقدہ آسمان شریعت اسلامیہ کے درخشندہ آفتاب تھے۔ وہ ایک بہت بڑے محدث، جلیل القدر مفسر، عظیم المرتبہ متکلم، رفیع الشان فقیہ، بہترین مقرر، اعلیٰ درجے کے انشاء پرداز اور بلند پایہ سیاستدان تھے۔ ان کے ان کمالات کا اعتراف کرنے والے چوٹی کے علماء اور متحدہ ہندوستان کے سیاستدان بہت سے دنیا سے رخصت ہو گئے اور ابھی بہت سے باقی ہیں ان کے متعلق ہر طبقۂ خیال کے اونچے لوگوں نے جو کچھ کہا ہے وہ ہماری مصنفہ کتاب "تجلیات عثمانی" اور "حیات عثمانی" کا مطالعہ فرمائیں جن میں "تجلیات عثمانی" ۱۹۵۸ء میں چھپ کر کبھی کی شائع ہو چکی اور "حیات عثمانی" بھی عنقریب منصۂ شہود پر آنے کو ہے۔ ہاں ان کے علم و فضل کی ایک جھلک ان مکتوبات میں بھی مل جائے گی جو "انوار عثمانی" کے نام سے ۱۹۶۶ء میں مکتبۂ اسلامیہ مولوی مسافر خانہ بندر روڈ کراچی سے چھپ کر شائع ہو چکے ہیں جن میں علامہ کے پرائیویٹ، علمی، فقہی اور سیاسی خطوط کو ہم نے یکجا ترتیب دے کر اس خدمت سے بھی سعادت اندوزی کی ہے لیکن میں اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس کر رہا ہوں کہ حضرت علامہ کا وہ تمام کام (WORK) جو ملکی سیاسیات یعنی جنگ طرابلس، تحریک خلافت، بالخصوص حصول پاکستان، تائید مسلم لیگ اور نظریۂ پاکستان، صوبہ سرحد کا ریفرنڈم، مسئلہ کشمیر، پاکستان میں آئین اسلام کا نفاذ، قرارداد مقاصد کی تجویز و تائید، ممالک اسلامیہ کے باہم اتحاد کی تحریک سے متعلق ہے اس کو یکجا جمع کر دوں اور ان کے سیاسی خطبوں، مکتوبات، بیانات، تقاریر کی ایک انسائیکلو پیڈیا مرتب کر دوں جو جامع ہو یہ انسائیکلو پیڈیا اگرچہ زیادہ ضخیم نہ ہو گا لیکن ان کے تمام کام کا مختصر مرقع ہو گی جو ہندوستان سے عموماً اور پاکستان کے کارناموں سے خصوصاً وابستہ ہو گی۔

باور کیجئے کہ اگر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی مسلم لیگ میں شرکت کر کے شریعت اسلامیہ کی روشنی میں متحدہ ہندوستان کے مسلمانوں کے سواد اعظم کی رہبری نہ کرتے تو مسلم لیگ کی طرف ہوا کا رخ موڑنا اور نظریہ پاکستان کی طرف سیاست کے دھارے کا منہ پھیرنا ناممکن نہیں تو دشوار بہت تھا درانحالیکہ جمعیۃ العلماء ہند دہلی کے اعاظم کار، مجلس احرار کے شعلہ بیان نقار، جماعت اسلامی کے نثار، انجمن خاکسار کے بیلچہ بردار، صوبہ سرحد کے سرخپوش ڈاکٹر خان اور گاندھی کے چیلے عبدالغفار، پنجاب کے یونینسٹ انگریزوں کے حاشیہ بردار، سندھ میں جی ایم سیدوں کے نکوار سارے کے سارے لیگ کے قائد اور تحریک مسلم لیگ کے یکسر مخالف تھے۔

سیاست کی اس گھٹاٹوپ سیاہی میں جانشین حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم تلمیذ اسیر مالٹا شیخ الہند مولانا محمود حسن، متکلم اسلام مولانا شبیر احمد عثمانی اٹھا جنکی تحریروں اور تقریروں نے مخالفت کے بادلوں کو چھانٹ کر رکھدیا اور مسلمانان ہندوستان کو شرعی حیثیت سے دلائل اور براہین سے مطمئن کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

سچ پوچھئے تو یہ سب منجانب اللہ تھا اس کو پاکستان بنانا تھا جو بنا دیا اور دنیا کے نقشے پر جس ملک کا نام و نشان نہ تھا متحدہ ہندوستان میں سے ایک قطعۂ زمین کاٹ کر احکم الحاکمین نے اس کو پاکستان کے نام سے نامزد کردیا۔

میرا دماغ ہمیشہ اس سوچ میں رہتا کہ یا الٰہ العالمین ایک طرف تیرے بڑے نیک بندے جن میں علماء، صلحا، صوفیا اور درویش ہیں پاکستان کی بجائے انکا اجتہادی خیال متحدہ ہندوستان کے حق میں ہے۔ دوسری طرف چند دنیادار اور ان کے رفقاء اور ان سے متاثر ہونے والے عوام ہیں لیکن ان کے برگزیدہ ہستیوں کی تمام کوششیں مسلم لیگ کے قائد کے مقابلے میں پسپا ہو رہی ہیں آخر یہ کیا ماجرا ہے مگر اللہ کی شان ذوالجلالی نے مجھ پر یہ راز آشکارا کیا کہ ہم چاہیں تو فاسق و فاجر سے وہ کام لے لیں جو بڑے بزرگوں سے نہ لیں جیسا کہ تاریخ کے صفحات میں اس قسم کے واقعات کی بے شمار نظیریں ملتی ہیں۔

غرض پاکستان بن گیا تو ثابت یہ ہوا کہ مشیت ایزدی خود پاکستان چاہتی تھی۔ کیونکہ کسی ملک کا بنانا یا کسی کو بادشاہ یا صدر کے لئے منتخب کرنا یہ صرف قدرت ہی کی مشیت کے جلوے ہوتے ہیں۔

الغرض تحریک پاکستان میں اگر ایک طرف دنیاوی حیثیت سے قائداعظم کی خدمات ہیں تو دوسری طرف اتنی ہی شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی دینی خدمات ہیں۔ اس لئے پاکستان کو دونوں کی مشترکہ کوششوں کا ثمرہ خیال کرنا چاہئے۔

اس مرد بزرگ کی تمام زندگی تحصیل علم سے فراغت کے بعد خدمت اسلام و خدمت مسلمین اور خدمت ملک میں گذری۔ اس کے قلم اور اس کی زبان نے شریعت کے اسرار آشکار کئے اور اس کے کردار نے مسلمانوں میں زندگی کی روح دوڑا دی۔

پاکستان کے لئے یہ جدوجہد اور یہ تگ و دو محض اس مقصد کے لئے کی گئی تھی کہ اس خطۂ زمین میں پاکستانی مسلمان قرآن و سنت کے قوانین کو نافذ کریں گے اور اپنی تہذیب، اپنی ثقافت اپنے علوم و فنون اور اپنی زبان اردو کو فروغ دینے کے لئے کسی کے تابع اور محتاج نہ رہیں گے۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی تھے اسی مقصد عظیم کی خاطر اپنی زندگی کے آخری سال قربان کئے۔ ان کے دل میں یہ تڑپ تھی کہ پاکستان میں اسلامی احکام و قوانین کا اجراء اپنی آنکھوں سے دیکھیں مگر قدرت نے جس سے جتنا کام لینا مقدر کیا ہے اس قدر خدمت لے کر اس کی زندگی کا پیمانہ لبریز کر دیتی ہے۔ قائد پاکستان کی زندگی کا مقصد پاکستان کا وجود تھا اور شیخ الاسلام کی زندگی کا مطمح نظر قدرت کے نزدیک قرارداد مقاصد کی تجویز کو پاس کرانا تھا تاکہ پاکستان کا آئندہ قانون قرآن و سنت پر رکھا جائے۔ یہی سر دست قدرت کا منشا ان دونوں شخصیتوں کے بارے میں معلوم ہوتا ہے۔

ہمارے نزدیک پاکستان کی صورت میں ہندوستان کے ایک چوتھائی حصے کو مسلمانوں کے لئے قدرت کا تجویز کرنا ایک جزئی تجویز ہے۔ ورنہ مسلمانان ہندوستان کا کلی مطالبہ تمام ہندوستان کو زیر نگیں لاکر ہندوؤں پر اپنی بالادستی قائم کرنا تھا جیسا کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے لیکر ۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی تک مسلمانان ہندوستان کا نظریہ رہا۔ یہی مولانا سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک کا مقصد اور یہی شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب اسیر مالٹا رحمۃ اللہ کا نظریہ تھا۔ مگر حکومت برطانیہ کے دور میں حالات قطعاً بدل چکے تھے۔ اب نہ باہر کے مسلمان ممالک میں وہ جذبہ تھا جو محمود غزنوی، شہاب الدین غوری، محمد بن قاسم اور بابر میں تھا اور نہ ہندوؤں میں وہ طوائف الملوکی اور قوت کا انتشار تھا جو مسلمان فاتحین کے دور میں تھا۔ اب اس کے سوا اور چارہ ہی کیا تھا کہ جن علاقے اور جن صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہو وہاں کے حصے میں پاکستان کو منوا لیا جائے اور بنوا لیا جائے۔

اب یہ موجودہ دور کے مسلمانان ممالک کے اتحاد اور جذبۂ ایمانی پر موقوف ہے کہ وہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے نقش قدم پر چل کر ہندوستان پر اپنا اقتدار قائم کریں۔ ہمارے نزدیک دلی کے شاہجہانی قلعے پر پاکستانی جھنڈا لہرائے بغیر پاکستان نامکمل ہے لیکن ابھی تو ہمارے اقتدار

سے کشمیر بھی باہر ہے۔ سب سے پہلے پاکستان کی سرحدوں کو مضبوط بنانے کے لئے کشمیر کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ یہ کام ۱۹۶۵ء کی جنگ میں قریب تھا کہ قدرت نے کچھ اور ہی سوچا اور پاکستان کی فاتح افواج کو چھمب اور جوڑیاں کو فتح کرانے کے بعد پسپا کر دیا۔ ورنہ اکھنور کی منزل سامنے تھی اور اسکو فتح کرنے کے بعد کشمیر ہمارے قدموں میں پڑا تھا۔

بہرحال پاکستان کی منزلِ مقصود اتنے ہی قطعۂ ارضی پر بس کرنا ہرگز نہیں ہے بلکہ بقول اقبال ؎

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں　　ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بو پر　　چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں
تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا　　ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں
اسی روز و شب میں اُلجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

قدرت نے پاکستان کو بھارت پر ایک زبردست اور کاری ضرب کے لئے بنایا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ سعادت کس مردِ مجاہد کے حصے میں آئیگی کہ وہ دِلّی کے شاہجہانی قلعے پر پاکستانی جھنڈا لہرائیگا۔ دہلی کی شاہجہانی مسجد کے منبر و محراب اور اسکے سر بفلک مینار، قطب کی لاٹ لال قلعہ، نظام الدین اولیاء کا مزار اور ہمایوں کا مقبرہ کسی مردِ مجاہد کیلئے چشم براہ ہیں۔

ہاں تو ذکر علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کا تھا کہ وہ قرارداد مقاصد پاس کرا کر ایک ایسی بنیاد رکھ گئے ہیں جس کے بغیر مسلمانانِ پاکستان کی فلاح ناممکن ہے اور یقیناً یہ ان کی روح کا تصرف کہ آج پاکستان کے اعاظم رجال اگلے ماہ دسمبر ۱۹۷۰ء میں آنے والے الیکشن کے لئے تمام کے تمام اسلامی آئین کا دم بھر رہے ہیں۔ خدا کرے کہ علامہ کی یہ تمنا پوری ہو اور ان کی روح کی خوشی کا سامان پیدا ہو۔ ؎

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ تیرے در کی دربانی کرے

محمد انوار الحسن شیرکوٹی
۱۲ رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ
۱۳ نومبر ۱۹۷۰ء بروز جمعۃ المبارک
لائل پور

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خطباتِ عثمانی

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کی سیاسی سرگرمیوں کو از ابتدا تا انتہا ہم نے بتدریج "تجلیاتِ عثمانی" کے "سیاسیاتِ عثمانی" کے عنوان کے ماتحت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ یہاں ان تاریخی واقعات کا تکرار مقصود نہیں بلکہ ترتیبِ مضامین کے لئے انکا اجمالی تذکرہ مقصود ہے تاکہ ان "خطبات" اور "سیاسی مراسلات" سے ان کا رابطہ قائم کیا جاسکے۔

یہاں اتنی بات اور عرض کر دوں کہ ہم نے اپنی اس تالیف کا نام "خطباتِ عثمانی" رکھا ہے کیونکہ اصل مدعا اس تالیف سے یہی ہے کہ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات جو منتشر صورت میں ہیں ان کو یکجا کر دیا جائے اس لئے ہماری یہ ترتیب اسی نام یعنی "خطباتِ عثمانی" کی مستحق ہے۔ ورنہ تمام مکتوبات کا مجموعہ "انوارِ عثمانی" کے نام سے جیسا کہ ہم اس تالیف کے مقدمے میں بیان کر چکے ہیں۔ پہلے شائع کیا جا چکا ہے۔ البتہ سیاسی مکتوب، کا اس تالیف میں بھی منسلک کرنا محض ان ہی خطبات کی وجہ سے ہے کہ ان دونوں کا تاریخی طور پر چولی دامن کا ساتھ ہے۔

حضرت عثمانی کی زندگی کا مختصر خاکہ

علامہ موصوف ۱۰ محرم ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۵ء کو پردۂ عدم سے ظہور میں آئے آپ کی ولادت راقم الحروف کے خاص مقام ضلع بجنور میں ہوئی جہاں ان دنوں علامہ کے والدِ محترم مولانا فضل الرحمٰن صاحب عثمانی تلمیذ مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سرکاری مدارس کے ڈپٹی انسپکٹر تھے۔ مولانا فضل الرحمٰن صاحب دہلی کالج دہلی کے تعلیم یافتہ بڑے فاضل اور اردو فارسی کے بہترین ادیب اور شاعر تھے اور حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بنائے دارالعلوم دیوبند میں رفیق تھے۔ نہ صرف رفیق بلکہ دارالعلوم کے آغاز ۱۸۸۲ء سے ۱۹۲۵ء وفات تک تینتالیس سال دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے سرگرم رکن رہے علامہ عثمانی انہی کے نورِ نظر اور چراغِ خانہ تھے۔

حضرت عثمانی دارالعلوم دیوبند کے فاضل، شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کے ارشد

تلامذہ میں سے تھے ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۸ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے۔ دورۂ حدیث میں تمام طلبہ سے فرسٹ آئے۔ ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ میں آپ کی شادی ہوئی۔ آپ کی اہلیہ محترمہ ابھی بقید حیات ہیں۔ لیکن اولاد سے قطعاً محروم رہے۔

دارالعلوم دیوبند میں اعلیٰ درجے کے اساتذہ میں سے تھے لیکن فی سبیل اللہ پڑھاتے تھے یہ انکی امتیازی شان تھی۔ متوسط کتابوں سے لیکر مسلم شریف اور بخاری شریف تک کی تعلیم دی تمام علوم معقول و منقول، منطق، فلسفہ، ریاضی، فقہ، حدیث اور تفسیر میں مہارت رکھتے تھے۔ عہد طالب علمی ہی میں جو کتاب پڑھتے دوسرے ہمدرسوں کو پڑھاتے۔ طلبہ کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگ جاتے۔

مدت تک دارالعلوم میں خدمت درس و تدریس کے بعد ڈابھیل کے جامعہ اسلامیہ میں پڑھانے کا شغل اختیار فرمایا۔ یہ ۱۹۲۸ء کا واقعہ ہے۔ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کے وصال ۱۹۳۳ء کے بعد وہاں کے شیخ الحدیث یعنی صدر ہوئے۔ پھر دارالعلوم دیوبند میں ۱۹۳۵ء میں صدر مہتمم یا وائس چانسلر کے عہدے کے لئے اراکین انتظامیہ نے آپ کو منتخب کیا۔ سات سال کے بعد دارالعلوم دیوبند کی صدارت سے دستکش ہوگئے۔

۱۹۴۳ء میں ڈابھیل کی صدارت پر وہاں کے اراکین نے پھر بلا لیا۔ نظام حیدرآباد میر عثمان علی خاں نے اپنے یہاں اسلامی دارالعلوم کے لئے آپ کو صدر کی حیثیت سے مقرر کیا، کہ اتنے میں پاکستان بن گیا۔ چونکہ آپ بنگال کے حلقے سے متحدہ ہندوستان کی مرکزی اسمبلی کے ممبر بھی تھے اس لئے تقریب پاکستان کی غرض سے دیوبند سے کراچی پہنچے۔ آپ نے مسلم لیگ کی تائید اور نظریۂ پاکستان کے لئے بڑا کام کیا۔ پاکستان کی قومی اسمبلی کے ممبر ہونے کے باعث آپ نے قرارداد مقاصد پاس کرائی۔

تقریر و تحریر میں لاثانی تھے۔ بڑے ذہین، مبصر، مفکر اور دیدہ ور عالم تھے۔ آپ کی یوں تو کئی تصانیف ہیں۔ لیکن تفسیر قرآن کریم اور مسلم کی شرح فتح الملہم آپ کے زبردست شاہکار ہیں۔ متحدہ ہندوستان کے تمام علماء آپ کی علمیت کا لوہا مانتے تھے۔ تحریک خلافت، جمعیۃ العلماء، موتمر الانصار، ہندو مسلم اتحاد کے پلیٹ فارموں اور عام مواعظ کے جلسوں میں آپ کی دھواں دھار فصیح و بلیغ اور موثر تقریروں نے تہلکہ مچایا ہوا تھا۔

موتمر مکہ میں جمعیۃ العلماء ہند کی طرف سے نمائندہ بنکر تشریف لے گئے اور عربی زبان میں وہاں زبردست تقریریں کیں اور شاہ سعود اور دوسرے علمائے ممالک سے علمی، فقہی مکالمے اور مباحثے کئے۔

بالآخر موت سے کوئی مفر نہیں۔ جو آیا فنا سے دوچار ہوا۔ شیخ الاسلام نے بھی دنیا میں

اپنا کردار ادا کیا اور بیسویں نصف صدی میں اسلام، مسلمان قوم اور وطن کی خدمات جلیلہ انجام دے کر ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء مطابق ۲۱ صفر ۱۳۶۹ھ بروز سہ شنبہ ساڑھے گیارہ بجے قبل دوپہر بغداد الجدید بہاولپور میں انتقال فرمایا اور ۱۴ دسمبر کو کراچی میں اس آفتاب علم کو زیر زمین دفن کر دیا گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

شیخ الاسلام کی سیاست کا آغاز

حضرت شیخ الاسلام کو دارالعلوم دیوبند میں اپنے استاذ شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ اسیر مالٹا سے سیاست وراثت میں ملی اور شیخ الہند کے حصے میں یہ جذبۂ حریت و جہاد اپنے استاذ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے آیا۔ اور خود دارالعلوم کا بنیادی مقصد تبلیغ دین، اشاعت اسلام، تخلیق علماء اور تعمیر ملت اسلامیہ رہا ہے اس لئے دارالعلوم دیوبند کا ہر فاضل اور تعلیم یافتہ ہمیشہ اس جذبۂ حریت و سیاست سے سرشار رہا الا ماشاء اللہ۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے اپنے مرشد حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی کمان میں ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف شاملی ضلع مظفر نگر کے میدان میں جہاد کا میدان گرم کیا۔ پھر جب کبھی بھی ترکی خلیفہ کی روس یا دوسرے غیر مسلم یورپین سلاطین سے جنگ ہوئی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب انکی مالی اور قلمی اعانت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے تھے۔

۱۸۵۳ء سے ۱۸۵۶ء کے دوران میں جنگ کریمیا کے نام سے ترکی اور روس میں جنگ ہوئی اس زمانے میں زار روس نکولس اول (Nicholas I) ترکی پر اپنا قبضہ چاہتا تھا لیکن ترکی پر اس کے قبضے سے فرانس اور برطانیہ کو بھی خطرہ تھا لہٰذا ان دونوں نے ترکی کی مدد کی لیکن پھر بھی ترکی کے بعض علاقوں پر قبضہ کر لیا نیز ترکوں کا بحری بیڑا تباہ کر دیا۔ چونکہ یہ جنگ بحیرۂ اسود کے جزیرہ نما کریمیا میں لڑی گئی اس لئے تاریخ میں اسکو کریمیا کی جنگ سے یاد کیا جاتا ہے۔

بعد ازاں ۱۸۷۷ء میں بلغاریہ نے ترکی سلطنت کے خلاف جنگ چھیڑ دی۔ روس نے اس کا ساتھ دیا۔ ترکی حکومت کے جانباز مرد دلیر غازی عبدالکریم نے دشمنوں کے دانت کھٹے کر دئے اس جنگ کے موقع پر مولانا محمد قاسم صاحب نے بڑی مالی اور قلمی اعانت کی۔ یہ زمانہ سلطان عبدالحمید خلیفۂ ترکی کا تھا۔ مولانا محمد قاسم صاحب نے اس سلسلہ میں عربی اور اردو قصائد میں سلطان عبدالحمید اور غازی عبدالکریم سپہ سالار کی بڑی تعریف لکھی ہے۔ چند اشعار

یہ ہیں۔ ؎

غرور روس کو تھا اپنی سخت جانی پر | پہ تیغ ترک میں نکلا اجل کا اصل خمیر
فراسے سندلی جب نجات دنیا میں | تو بھاگنے لگے روسی ہوئے حصار سعیر
جو آرزو ہے تو یہ ہے کہ سر پہ سلطاں | وہ بادشاہ ہو یہ اس کے آگے سکندر فقیر
وہ کون قیصر عالی گہر، کرم گستر | وہ کون حضرت عبدالحمید خان خبیر
فلک پہ اس کے ہیں مہر و ماہ نور افشاں | تو ہے زمیں پہ عبدالکریم عالمگیر
اسی کی ہمت مردانہ تھی کہ عمر دینہ کو | ذرا سی دیر میں پھر ہٹ کے کر لیا تسخیر

کرے ہے قاسم مسکیں دعا پہ ختم کلام
مدد پہ اسکی ہمیشہ رہے خدائے قدیر

ان اشعار سے مولانا کا جوش اسلامی اور خلافت ترکیہ عثمانیہ کی حمایت کا ولولہ صاف ابھرتا نظر آتا ہے سلطان عبدالحمید تک ترکوں کی سلطنت تباہی کے گرداب میں پھنس چکی تھی۔ آسٹریا اور ہنگری کے علاقے ترکوں سے نکل چکے تھے، مقبوضہ علاقوں کے امیر بغاوت پر آمادہ تھے۔ سرویا اور بلغاریہ نے سر اٹھایا، البانیہ نے بغاوت کی، روس نے کچھ علاقے دبا لئے۔ اب ترکی یورپ کا "مرد بیمار" تھا۔ سلطان عبدالحمید نے تخت نشین ہوتے ہی یورپ کی طاقتوں کا مقابلہ کیا اور ان کا زور توڑا۔ ادھر برطانیہ اور فرانس نے بھی روس کو آگے نہ بڑھنے دیا۔

جنگ بلقان ۱۹۱۲ء خلافت عثمانیہ ترکی اور یورپ کے دوسرے ملکوں میں جنگ کا یہ سلسلہ چلتا ہی رہا تا آنکہ ۱۹۱۲ء میں بلقان کی ریاستوں بلغاریہ، سربیا اور یونان نے اٹلی کے بھڑکانے سے ترکوں پر حملہ کر دیا۔

جنگ بلقان اور علمائے دیوبند ۱۹۱۲ء کی اس جنگ بلقان پر دارالعلوم دیوبند کے تمام اساتذہ اور طلبہ نے حضرت شیخ الہند کی تحریک پر دن رات کام کیا۔ اس زمانے میں ریڈ کراس سوسائٹی کی سطح پر خلافت ترکیہ میں "ہلال احمر" کے نام سے انجمن قائم تھی۔ اسی نقش قدم پر ہندوستان کے شہروں میں بھی مسلمانوں نے اس نام کی انجمنیں قائم کیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے اس انجمن کے نام پر بہت روپیہ جمع کر کے ہلال احمر کو بھیجا۔ دارالعلوم دیوبند کو اس دوران میں بند کر دیا گیا۔ اس وقت علمائے دیوبند کے سامنے تعلیم سے زیادہ سلطنت عثمانیہ کی حفاظت و حمایت اور اسکا دفاع تھا۔ شیخ الہند اور آپ کے جلیل القدر شاگردوں نے اس زمانے میں ہندوستان کے دورے کئے اور روپیہ جمع کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ حضرت مولانا

حسین احمد صاحب سفرنامہ شیخ الہند میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"بلقان کے خونخوار اور طرابلس کے سنگین واقعے نے مولانا (شیخ الہند) کے دل و دماغ پر نہایت عجیب و غریب حیرت کن اثر ڈالا۔ چنانچہ اس وقت (حسب طریقہ استاذ اکبر مولانا محمد قاسم صاحب قدس اللہ سرہ العزیز بزمانہ جنگ روس) مولانا نے پوری جان توڑ کوشش امداد اسلام میں فرمائی۔ فتوے چھپوائے مدرسہ (دارالعلوم دیوبند) کو بند کر دیا۔ طلبہ کے وفود بھجوائے۔ خود بھی ایک وفد کے ساتھ نکل پڑنے کیلئے اور ہر طرح سے مدد کی۔ ترغیب دے کر ایک اچھی مقدار بھجوائی۔ مگر اس پر بھی چین نہ پڑا کیوں کہ جنگ بلقان کے نتیجے نے دوربینوں کو بالکل غیر مطمئن کر دیا تھا اور بتا دیا تھا کہ یورپ کے سفید عفریت اسلام کے ٹمٹماتے چراغ کو گل کر دینے کی فکر میں ہیں۔ پھر ذمہ داران برطانیہ مثل اسکوتھ وغیرہ کی روباہ بازیاں، خرس روس کی جفا کاریاں تو یقین دلاتی تھیں کہ تقسیم ترکی اور اجراء وصایا گلیڈ سٹون کا زمانہ سر پر ہی آگیا ہے۔" (سفرنامہ شیخ الہند ص)

اس زمانے میں روپیہ کی بے حد قدر و قیمت تھی۔ شیخ الہند نے ایک زر خطیر جمع کر کے بھجوایا۔ جو تقریباً ایک لاکھ کے لگ بھگ تھا یا ایک لاکھ سے زیادہ مولانا عبیداللہ صاحب سندھی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

"الحمد للہ کہ دارالعلوم نے اپنے محترم بانیوں کی اس سنت حسنہ کو مرنے نہیں دیا جو ۱۲۹۴ھ کی جنگ روس و روم کے موقع پر فراہمی چندہ میں ان بزرگواروں نے جاری کی تھی۔ اس وقت باوجود عام بے حسی کے بعض خاصان حق نے لاکھ سے زیادہ روپیہ قونصل بمبئی کی معرفت بھجوایا تھا۔"
(القاسم رسالہ دیوبند ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ)

مولانا عبیداللہ صاحب سندھی کا اشارہ بعض خاصان حق سے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ہے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کی سیاست کا پہلا دور

جنگ بلقان کے اس دور میں حضرت مولانا شبیر احمد صاحب کب فارغ ہو کر بیٹھ سکتے تھے آپ نے مختلف شہروں اور قصبات اور دیہات کے دورے کئے اور اس مجاہدانہ کارنامے میں بھرپور حصہ لیا یہاں سے آپکی زندگی کا پہلا دور شروع ہوتا ہے۔

مولانا کا نظریہ یہ تھا کہ مسلمانان عالم کا احیا اور انکا اقتدار سلطنت عثمانیہ کے بقا میں ہے

اگر سلطنت ترکیہ باقی نہیں رہتی تو خلافت ترکیہ کے ختم ہو جانے سے مسلمانوں کی مرکزیت کا خاتمہ ہو جائے گا چنانچہ اپنے استاد شیخ الہند کے اشارے اور خود اپنے ذاتی جذبۂ اسلامی سے آپ نے جنگ بلقان میں تاریخی کردار ادا کیا۔ اخبار امروز کراچی لکھتا ہے:-

"مولانا شبیر احمد صاحب کو شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب جیسے جید عالم باعمل کے آگے زانوئے تلمذ تہ کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ شیخ الہند وہ بزرگ تھے جنہوں نے تعلیمات قرآنی کی روشنی میں مسلمانوں کو نہ صرف یہ کہ سچے دین کا انعام دیا بلکہ اس دور کے مخصوص سیاسی حالات کے متعلق اسلامی نقطۂ نگاہ سے بھی مسلمانوں کو ایک سیاسی لائحہ عمل کی طرف بلایا۔

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی بھی اس سے متاثر ہوئے۔ جنگ بلقان کے زمانے میں (سنہ ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۲ء) میں مولانا (عثمانی) نے انجمن ہلال احمر کی تحریک میں نمایاں حصہ لیا۔" (امروز کراچی ایشو ۱۵ر دسمبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۵ کالم ۱)

اخبار احسان کے ایڈیٹر ابو سعید بزمی لکھتے ہیں:-

"جب یورپ کی طاقتیں ترکوں کو تباہ و برباد کرنے پر متفق ہو کر ان پر حملہ آور ہو گئیں تو ہندوستان میں جذبات ہمدردی کا جوالا مکھی پھٹ پڑا ...... شیخ الاسلام (علامہ شبیر احمد عثمانی) کے جذبۂ اخوت میں جوش پیدا ہوا اور آپ نے بذات خود چندہ جمع کیا۔ ہلال احمر کے کام میں آپ نے دن رات ایک کر دیا اور ایک سچے مومن اور مجاہد کی طرح مردانہ وار ترکوں کی مدد کی۔" (اخبار احسان ۱۵ر دسمبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۱ کالم ۱)

ان عبارتوں سے اور اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر مولانا کا جنگ بلقان میں حصہ لینا ایک تاریخی حقیقت ہے۔ اور یہ بھی کہ دار العلوم دیوبند نے اس خصوص میں بہت ہی زیادہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا حتیٰ کہ دار العلوم سے بھی غفلت سامانی ہوئی اور اس کا خزانہ ہلال احمر اور جنگ بلقان کے چندوں کی وجہ سے خالی رہ گیا۔

مولانا سراج احمد صاحب استاد دار العلوم و نائب مدیر رسالہ القاسم دار العلوم دیوبند لکھتے ہیں:-

"سال گذشتہ میں چونکہ جنگ بلقان کی وجہ سے ترک مظلوموں کی امداد کی طرف عامۂ مسلمین متوجہ تھے۔ ہر شہر قصبہ اور اکثر دیہات میں "ہلال احمر" کی انجمنیں قائم تھیں وفود جا بجا پھرتے تھے اور خود دار العلوم دیوبند اور اس کی جمعیت کے اجزاء اس کار خیر کے لئے وقف تھے اس لئے دار العلوم دیوبند کی آمدنی ایک مدت تک

بند رہی۔" (رسالہ دار العلوم دیوبند القاسم ماہ ذوالحجہ ۱۳۳۱ھ صفحہ ۱۳)

نہ صرف یہ کہ علمائے دیوبند نے اس میں بھرپور حصہ لیا، چندہ جمع کیا اور خود بھی دیا بلکہ دار العلوم دیوبند کے خزانے کی تہی دستی کی طرف سے غافل ہو گئے۔ غافل نہیں بلکہ اب چندہ صرف ہلال احمر کے لئے ہی رہ گیا تھا اور مسلمانان ہندوستان پوری طرح جنگ بلقان کے چندے کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

دار العلوم کا فتویٰ اور جنگ بلقان

پھر علمائے دیوبند نے جنگ بلقان سے متعلق لٹریچر کی اشاعت میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یہاں کے مرکز سے جنگ بلقان کے باعث ترکوں کی مدد کو فرض قرار دیا گیا اور اس مضمون کا دار العلوم سے فتویٰ جاری ہوا جو ایک لاکھ سے زیادہ کی تعداد میں چھپوا کر ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیلا دیا گیا۔ مولانا عبید اللہ سندھی فاضل دیوبند و تلمیذ شیخ الہند و رفیق خاص تحریک "ریشمی رومال" لکھتے ہیں:-

"دار العلوم کا فتویٰ جو گذشتہ (القاسم کے) نمبر میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ اب تک مختلف طور پر ایک لاکھ سے زیادہ چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔ دار العلوم اور اس کے متعلق مدارس کے مدرسین اور طلبہ کے وفود قصبات اور دیہات تک ہند کے اطراف میں دورہ کر کے رؤسا، علما، مشائخ اور عوام کو متوجہ کرتے رہے ہیں۔ محض ان لوگوں (وفود دار العلوم دیوبند) کے مواعظ اور اس جماعت کی مساعی جمیلہ سے ایک بڑی مقدار جس کا تخمینہ تین لاکھ روپیہ سے کم نہیں کیا جاتا مقامی انجمنوں اور اخبارات کے ذریعہ سے بھیجا گیا ہے۔" (القاسم ذوالحجہ ۱۳۳۰ھ دسمبر ۱۹۱۲ء)

ان تحریری شہادتوں سے واضح ہے کہ دار العلوم کے علماء نے اس قومی اور اسلامی خدمت کے لئے جنگ بلقان کے موقع پر ترکی سلطنت عثمانی کی خاطر کیا کچھ نہ کیا۔

دار العلوم کی اسلامی اور قومی خدمات

دار العلوم دیوبند کا بانی جب ۱۸۵۷ء کے جذبۂ جہاد میں سرشار ہو کر انگریزوں کی حکومت کو ہندوستان سے نکال کر سلطنت مغلیہ کو دوبارہ برسر اقتدار لانے کے لئے بیتاب تھا تو دوسری طرف کریمیا کی جنگ میں بھی پوشیدہ طور پر ترکوں کی طرف سے جہاد میں شامل ہو کر جہاد کے لئے روانہ ہو چکا تھا اور ان کے ساتھ علمائے دیوبند کی ایک جماعت حج کو روانہ ہوئی تھی جس میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب شیخ الحدیث و صدر مدرس دار العلوم دیوبند اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کے علاوہ کوئی ساٹھ عالم تھے یہ زمانہ کریمیا

کی جنگ کا تھا۔ ہندوستان میں شہرت ہو گئی کہ یہ حضرات حج کے ارادے سے جہاد کے لئے روانہ ہوئے ہیں۔ چنانچہ مولانا محمد قاسم صاحب ۹ شوال ۱۲۹۴ھ مطابق ۱۸۷۶ء وطن سے روانہ ہوئے اور روانگی سے ذری پہلے اپنے شاگرد حکیم رحیم اللہ بجنوری کو ایک مکتوب لکھا تھا۔ اس خط کا یہ حصہ ملاحظہ ہو۔

حررت الیوم ما حررت وانا علی عجل لما انا علی ظهر السیر غداً اوبعد غد انشاء اللہ تعالیٰ فتسمع قریباً ان قاسماً راح بعیداً (انوار قاسمی جلد اول ص ۳۳)

آج میں نے جو کچھ لکھا لکھ دیا اور میں جلدی میں ہوں۔ کیوں کہ میں کل یا پرسوں سفر پر جا رہا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب تم سن لوگے کہ قاسم بہت دور چلا گیا۔

خط کے تیور بتا رہے ہیں کہ حج کر کے اللہ کے گھر اور محمد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے پر حاضری کے بعد ترکی کو روانہ ہو جائیں گے تاکہ غازی یا شہید بننا نصیب ہو۔

حکیم رحیم اللہ صاحب بجنوری استاذ محترم کی اس اچانک روانگی پر سخت حیران ہوئے۔ ان کے دل میں جو خیال کھٹکا وہ یہ تھا کہ کریمیا کی جنگ میں حصہ لینے کے لئے تشریف لے گئے ہیں۔ کیونکہ اس سے پہلے مولانا دو حج ایک فرض اور دوسرا والد مرحوم کی طرف سے حج بدل کر چکے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں :-

"ولما کان ذالک الزمان المعلوم زمان محاربة الروس الروم فمن اجل ذالک ظن الظانون ان ذهابه رحمه الله فی هذا الوقت الی دیار العرب لیس الا لغرض ان یدخل فی زمرة احیاء لا یموتون .... فظنوا انه لیس داع لذهابه العالی الی تلک الدیار فی هذه المرة الا امر فخیماً لشأن احری لشأنه الفخیم ومناسباً لعلو همته ومقتضی لعادة المستقرة و لطیف هذا الخیال یدون التفکر فی المآل عرض لبالی باقتضاء الطبع من فرط الحزن والملال" (انوار قاسمی جلد اول ص ۳۳)

اور چونکہ یہ زمانہ روس کا سلطان روم (ترکی عبدالحمید خاں) سے جنگ کا زمانہ تھا اس لئے گمان کرنے والوں نے گمان کیا کہ اس وقت میں دیار عرب کو آپ کا جانا ایک خاص غرض کے سوا نہیں ہے اور وہ یہ کہ وہ اپنے آپ کو شہید کر کے ان زندوں میں شامل ہو جائیں جو کبھی نہیں مرتے۔ ...... تو لوگوں نے گمان کیا کہ عالی جناب کا دیار عرب کی طرف اس مرتبہ جانا کسی خاص مہم کیلئے ہے جو آپ کی شان کے شایاں اور آپ کی بلند ہمتی کے مناسب اور آپ کی ہمیشہ کی عادت کے تقاضے کے مطابق ہے اور انجام سوچے بغیر اس عمدہ ارادے کا دل میں آنا طبیعت میں غیر معمولی حزن اور ملال کے تقاضے کی بنا پر ہے۔

اس عبارت میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے بارے میں لوگوں کا گمان اور آپ کی والہانہ مجاہدانہ طبیعت کی اداؤں کا نقش صاف ابھرا نظر آتا ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جہاد کی نیت کا کیا ثبوت ہے تو سنئے جب مدینہ منورہ سے مولانا محمد قاسم صاحب مکہ مکرمہ واپس لوٹے ہیں تو ایک ماہ وہاں حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پیر و مرشد کے پاس پھر ٹھہرے جیسا کہ تذکرۃ الرشید میں مولانا عاشق الٰہی صاحب نے لکھا ہے۔

"بیس یوم (مدینہ منورہ میں) قیام فرما کر یہ مقدس بھر پور مجمع مکہ واپس ہوا اور پھر یہاں ایک مہینے سے زیادہ مکہ معظمہ میں قیام کیا .... اور حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ نے مع اپنے خاص رفقا کے جانے کا نام نہ لیا۔" (تذکرہ ص ۲۲)

یہ چند رفقا کون تھے ان میں سے ایک مولانا محمد قاسم صاحب تھے۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے حضرت حاجی صاحب سے کہا کہ آپ ہی ان کو ہندوستان جانے کا حکم دیجئے۔ آخر پیر و مرشد کے کہنے پر واپسی کا ارادہ کیا۔ اس کے بعد مولانا عاشق الٰہی صاحب لکھتے ہیں :-

"اتفاق سے جس روز چلنا قرار پایا تھا اسی دن پلونا کے فتح ہونے اور روس کے قبضے میں آجانے کی وحشتناک خبر مکہ میں پہنچی مگر اس طرح کہ تصدیق و تحقیق کی کوئی صورت نہ پائی بعید کہ اس خبر نے طبعی رنج و غم اور تحقیق کی طلب و فکر کے باعث پھر قصد سفر ملتوی کرنے پر مجبور کیا لیکن اعلیٰ حضرت حاجی صاحب نے یہ فرما کر کہ "سلسلۂ اخبارات بند ہو رہا ہے یہاں مہینوں میں بھی تصدیق یا تکذیب اس خبر کی نہ ہو سکے گی۔ جاؤ بسم اللہ کرو جو کچھ مقدر تھا ہوا اور جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا۔" (تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۲۴۱)

دیکھئے بعض خاص حضرات کا مکہ مکرمہ میں اتنا قیام اور پھر پلونا کو روس کے فتح کرنے کی خبر اور مولانا محمد قاسم صاحب وغیرہم کا سفر کو ملتوی کرنا، حاجی صاحب کا یہ فرمانا کہ جو مقدر میں تھا ہو گیا اور جو ہونا ہے وہ بھی ہوگا تم ہندوستان کو روانہ ہو جاؤ یہ باتیں صاف طور پر مولانا محمد قاسم صاحب اور ان کے بعض خاص رفقا کی نیت کی غمازی کر رہی ہیں۔

خود مولانا عاشق الٰہی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے۔

"لوگوں کے ذہنوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ یہ حضرات دینی معاونت (جہاد) کیوں نہیں فرماتے اس کے لئے بحیلۂ سفر حجاز حقیقت میں ملک روم کا سفر کر رہے ہیں ترکی سلطنت کی طرف سے والنٹیر جماعت میں شامل ہو کر مجاہد فی سبیل اللہ بنیں گے اور جس کے نصیب میں مقدر ہے جام شہادت پی کر حیات ابدی حاصل کرے گا۔

(تذکرۃ الرشید ص ۲۲۹-۳۰ جلد اول)

الغرض مکہ مکرمہ کے ایک ماہ قیام میں یہی پختہ تجویز ہوتی رہی کہ ترکی چل کر جہاد میں شرکت کی جائے۔

شیخ الہند مولانا محمود حسن اور تحریک ریشمی رومال

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی زندگی جذبۂ جہاد، جذبۂ شہادت، اشاعت اسلام دعوت الی اللہ اور اعلاء کلمۃ اللہ اور عیسائیوں اور آریوں کے ساتھ مناظروں میں گذری۔ اسی نقش قدم پر دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا محمود حسن اسیر مالٹا کی حیات طیبہ بسر ہوئی۔ جنگ بلقان کے دوران مولانا شیخ الہند نے مستقبل پر نظر ڈالی اور اس خیال میں محو ہو گئے کہ کسی طرح انگریزوں سے ہندوستان کو خالی کرایا جائے اور ممالک اسلامیہ ترکی، ایران، افغانستان اور آزاد قبائلی علاقوں کو متحد کر کے ہندوستان پر حملہ کرایا جائے اور پھر دوبارہ مسلمانوں کی حکومت قائم کی جائے۔ اسی تحریک کا نام برطانیہ نے ریشمی رومال کی سازش قرار دیا۔

جمعیۃ الانصار کا قیام

مولانا نے پہلے تو ہندوستان کے مسلمانوں میں بیداری اور دینداری کا جذبہ پیدا کرنے کی سوچی اس مقصد کے لئے انہوں نے جنگ بلقان ۱۹۱۲ء سے پہلے ۱۹۰۹ء میں دارالعلوم دیوبند میں جمعیۃ الانصار قائم کی اور مولانا عبید اللہ صاحب مرحوم سندھی خاص وفادار شاگرد کو اس کا کنوینر بنایا۔ اس جمعیت کا سب سے پہلا اجلاس ۱۵، ۱۶، ۱۷ اپریل ۱۹۱۱ء مطابق شوال ۱۳۲۹ھ کو مراد آباد میں منعقد ہوا جس میں علی گڑھ، ندوہ، دارالعلوم دیوبند اور ہندوستان کے اعاظم رجال شامل ہوئے۔ جمعیۃ الانصار کا دوسرا اجلاس اگلے سال میرٹھ میں ہوا اور بعد ازاں شملے میں۔ ان جلسوں میں بڑا اجتماع ہوتا تھا شیخ الہند کی سکیم پر عمل کیا جاتا تھا اور پروگرام بنتے تھے۔ ان جلسوں کی کامیابی اور مسلمانوں کی بیداری سے حکومت برطانیہ چونک اٹھی۔

علامہ شبیر احمد عثمانی اور جمعیۃ الانصار

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نے جمعیۃ الانصار میں بڑا کام کیا۔ مراد آباد کے اجلاس میں ایک زبردست مقالہ "الاسلام" کے نام سے پڑھا جس میں مذہب اسلام کی صداقت اور اس کے اصول پر عقلی حیثیت سے بحث کی گئی تھی۔ اس مقالے کو سن کر بڑے بڑے علماء متاثر ہوئے خود مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ:

"مولانا شبیر احمد صاحب کے ہوتے ہوئے اب ہمیں کوئی فکر اور غم نہیں رہا"

مولانا سید سلیمان صاحب ندوی لکھتے ہیں:

"جمعیۃ الانصار کا بہت بڑا جلسہ مراد آباد میں ہوا جس میں علی گڑھ اور ندوہ اور دیوبند کے

اکثر رجال علم و عمل جمع ہوئے اور تمام ہندوستان سے مسلمانوں کا بڑا مجمع اس میں شریک تھا۔ ندوہ سے حضرت الاستاذ مولانا شبلی مرحوم شریک ہوئے تھے۔ اس جلسے میں مولانا شبیر احمد صاحب نے "الاسلام" کے نام سے اپنا ایک کلامی مضمون پڑھ کر سنایا حاضرین نے بہت داد دی۔" (المعارف اپریل ۱۹۵۰ء)

جمعیۃ الانصار کا دوسرا اجلاس میرٹھ

جمعیۃ الانصار کا دوسرا اجلاس ۶-۷ اپریل ۱۹۱۲ء مطابق ۱۷، ۱۸ ربیع الآخر ۱۳۳۰ھ کو میرٹھ میں ہوا۔ شیخ الہند سرپرستی فرما رہے تھے۔ مولانا عبید اللہ سندھی کنوینر تھے۔ علامہ مولانا عثمانی نے اس اجلاس میں "الدار الآخرۃ" کے عنوان پر علماء کے بھرے جلسے میں جس میں پبلک کا بہت بڑا ہجوم تھا زبردست تقریر فرمائی۔

جمعیۃ الانصار کا اجلاس شملے میں

میرٹھ کے بعد جمعیت کا جلسہ شملے میں دوبارہ ہوا اور ان میں بھی حضرت عثمانی نے تقریر فرمائی جس سے لوگ بہت متاثر ہوئے اور دوبارہ تقریر کی فرمائش کی گئی بعد ازاں علامہ نے کراچی میں بھی جمعیۃ الانصار کی شاخ قائم کی۔

ہاں تو یہ جمعیت الانصار شیخ الہند کی ہی تحریک تھی۔ اس کے جلسوں کے باعث ہندوستان کے مسلمانوں میں مذہبی بیداری پیدا ہوئی۔

ریشمی رومال کی تحریک

جمعیت الانصار کے جلسوں کے فوراً بعد جنگ بلقان آ گئی۔ شیخ الہند نے مولانا عبید اللہ صاحب سندھی کو کابل بھیجا اور آزاد قبائل میں بھی۔ ادھر مولانا منصور انصاری کو بھی قبائلی علاقوں میں بھیج کر اس تحریک کو چلانے کی سکیم بنائی اور خود سلطنت عثمانیہ ترکی کے اہل حل و عقد سے ملنے اور اپنی سکیم کو ان کے سامنے رکھنے کے لئے حجاز کا سفر کرنے کا ارادہ کیا۔ اس زمانے میں حجاز سلطنت عثمانیہ ترکیہ کے زیر انتظام تھا۔ چنانچہ شیخ الہند شوال ۱۳۳۳ھ میں حجاز کو روانہ ہو گئے۔ ۲۸ ذوالقعدہ ۱۳۳۳ھ کو بخیریت مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ غالب پاشا گورنر مکہ معظمہ، بصری پاشا گورنر مدینہ منورہ اور انور پاشا اور جمال پاشا وغیرہم سے ملاقاتیں ہوئیں اور استنبول جانے کا ارادہ کیا۔ پھر خود حجاز میں انقلاب آیا شیخ الہند کو انگریزوں نے شریف مکہ کے ذریعہ گرفتار کرایا اور مقدمہ چلا کر مالٹا میں قید کر دیا تا آنکہ ۱۹۱۹ء میں رہائی ہوئی۔ اس کی تفاصیل "سفرنامہ شیخ الہند" میں ملاحظہ کیجئے۔

غرض یہ ہے کہ علمائے دیوبند نے جہاں مذہبی، تبلیغی، اصلاحی خدمات انجام دیں وہاں سیاسی انقلاب برپا کرنے اور ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت قائم کرنے کا برابر سلسلہ جاری رکھا اور تحریک ولی اللہی مولانا سید احمد شہید اور مولانا محمد اسمعیل صاحب شہید کے مشن کو جاری رکھا۔

جنگ عظیم ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء
اور
تحریک خلافت

جنگ بلقان ۱۹۱۲ء آپس میں صلح کے ذریعہ ختم ہو چکی تھی لیکن ۱۹۱۴ء میں ترکوں اور برطانیہ میں جنگ چھڑ گئی جو ۱۹۱۸ء تک جاری رہی اور ۱۱ر نومبر ۱۹۱۸ء کو دن کے گیارہ بجے باہم صلح ہو کر ختم ہوئی۔ اس جنگ کے پس منظر اور دیگر تفصیلات کو ہم نے "تجلیات عثمانی" میں علامہ عثمانی کی سیاسیات کے ماتحت پیش کیا ہے۔ یہاں تو صرف اجمالی خاکہ پیش کرنا مقصود ہے۔

دراصل ابتداء میں یہ جنگ سرویا اور آسٹریا کی تھی لیکن پھر اس نے عالمگیر جنگ کی صورت اختیار کر لی جس میں دو گروپ بن گئے۔

۱۔ ایک گروپ میں انگلینڈ، فرانس، روس، امریکہ، اٹلی، جاپان، بلجیم، یونان، رومانیہ چین اور سرویا تھے۔ یہ اتحادیوں کا گروپ کہلایا۔

۲۔ دوسرے گروپ میں جرمنی، آسٹریا، ترکی اور بلغاریہ تھے۔ اس جنگ میں اتحادیوں نے ترکوں کو نشانہ بناتے ہوئے بغداد اور بیت المقدس کو فتح کر لیا۔ عراق اور شام ترکوں کے قبضے سے نکل گئے۔ ترکوں کو شکست ہوئی۔ بلغاریہ نے ہار مان لی، آسٹریا نے بھی ہتھیار ڈال دئے۔ اکیلا قیصر رہ گیا۔ قیصر تخت چھوڑ کر اپنے ولی عہد کے ساتھ ہالینڈ بھاگ گیا۔ اور جرمنوں نے صلح کی درخواست کی۔ چنانچہ صلح ہو گئی۔

مسئلہ خلافت آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد کسی ایسے شخص کی ضرورت رہی جو اللہ کے احکام ان کا خلیفہ بن کر اسلامی حکومت میں جاری کرے۔ ایسا شخص خلیفہ کہلاتا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق اور پھر حضرت عمر اور پھر حضرت عثمان اور پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم خلافت کے عہدے پر متمکن رہے اور احکام الٰہیہ کا نفاذ کرتے رہے۔ خلافت راشدہ کے بعد خلافت امیہ خاندان میں چلی گئی اور وہ کسی نہ کسی شکل میں خلافت کا کام انجام دیتے رہے بعد ازاں خلافت بنی عباس میں آگئی اور پھر ہوتے ہوتے خاندان عثمانیہ ترکیہ کی طرف منتقل ہوئی۔

صاف ظاہر ہے کہ اسلام میں خلیفہ کی اہمیت کیا ہے اور خلافت کے بغیر اسلامی طاقت باقی نہیں رہتی۔ خلیفۂ وقت کا خطبے میں نام لیا جاتا ہے۔ غرض یہ کہ جس درجے میں بھی تھی

ترکوں کو شکست ہوئی تو ۱۹۱۸ء میں محمد ارشاد کے انتقال کے بعد سلطان وحید الدین خلیفہ برائے نام تھے۔ جس نوجوان پارٹی نے ترکوں کو جنگ میں دھکیلا تھا وہ قسطنطنیہ سے بھاگ نکلی سلطان وحید الدین خاں کی ماتحتی میں وزارت بنی جنہوں نے مخالف ملکوں سے صلح کرنی چاہی لیکن ترکی برباد اور بے حد کمزور ہو گیا تھا اس لئے اس نے بھی صلح کرنی چاہی مگر مخالفین نے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دشمنوں نے ترکی کو باہم تقسیم کر لیا۔

سلطنت عثمانیہ ترکیہ کا بٹوارہ اور مصطفےٰ کمال کا عروج قسطنطنیہ، ارمینیہ اور مشرقی اناطولیہ روس کے حصے میں آیا، شام، سکندرونہ اور موصل فرانس کو دے دیا گیا اور بغداد اور فلسطین کا علاقہ برطانیہ نے لے لیا۔ بات طویل ہے تجلیات عثمانی میں تفصیل پڑھئے۔ اللہ تعالیٰ نے مصطفیٰ کمال کو اٹھایا جس نے اتحادیوں سے بقوت بازو اپنا علاقہ واپس لے لیا اور سمرنا فتح کر کے یونان کو بھی شکست فاش دی جسکو اتحادیوں نے اکسایا تھا۔ الغرض مصطفےٰ کمال نے سمرنا تھریس فتح کیا اور قسطنطنیہ سے اتحادیوں کو بھی نکال باہر کیا۔

ہندوستان کے مسلمانوں میں جوشِ خلافت

جب اتحادی، خلافت عثمانیہ کے حصے بخرے کر رہے تھے تو ہندوستان کے مسلمان جوش غضب میں اپنے قابو سے باہر ہو گئے۔ ترکوں کی حمایت میں زبردست تحریک خلافت چلی ہندوستان کے مسلمانوں کا بچہ بچہ لیڈر بن گیا۔ وہ برطانیہ جس کے خلاف کوئی زبان کھول نہیں سکتا تھا اس کا مسلمانوں کے دل سے بالکل رعب نکل گیا۔ رات دن خلافت کا زور بڑھ رہا تھا اور انگریزوں کو مولانا محمد علی اور ان کے بھائی مولانا شوکت علی اور تمام حریت پسند مسلمان لیڈروں نے حواس باختہ کر دیا۔ شاعروں نے تحریک خلافت کے لئے جوش انگیز نظمیں لکھیں ؎

بولی اماں محمد علی کی ✽ جان بیٹا خلافت پہ دیدو

اسی دور کی نظم کا شعر ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر انصاری۔ حکیم اجمل خاں، حسرت موہانی۔ مولانا عبد الماجد بدایونی، مولانا مظہر الدین شیرکوٹی، مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی، مولانا احمد سعید صاحب دہلوی یہ تمام حضرات خلافت میں شریک ہو گئے۔ بے شمار روپیہ ہندوستان کے مسلمانوں نے چندے میں جمع کر کے ترکوں کو بھیجا۔

ہندو لیڈروں کی شرکت مسلمانوں میں تحریک خلافت کے جوش و خروش کو دیکھ کر ہندو قوم کو بھی جھرجھری آئی اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر آزادی کی تحریک کا جھنڈا

بلند کر دیا۔ یہاں سے ہندو مسلم اتحاد کا ولولہ اٹھا اور دونوں قوموں میں ایسی یگانگت ہوئی کہ ایک دوسرے پر قربان ہوا جاتا تھا۔ ہندو مسجدوں کے منبروں پر بیٹھ کر تقریریں کرتے اور مسلمانوں کو ہندو مندروں میں خوش آمدید کہتے۔ ہندوؤں کی قیادت گاندھی، تلک، موتی لال نہرو وغیرہم کر رہے تھے اس زمانے میں مسلمان اور ہندوؤں کی زبانوں پر اس قسم کے نعرے بھی آ گئے تھے :-

"مندر میں اذاں دلوا دیں گے مسجد میں ناقوس بجا دینگے"

جمعیۃ العلمائے ہند دہلی ۱۹۱۹ء

یوں تو خلافت کے عظیم الشان جلسے ہر چھوٹے بڑے شہر اور قصبے بلکہ گاؤں گاؤں میں منعقد ہوتے تھے لیکن ۲۳ر نومبر ۱۹۱۹ء کا اجلاس خلافت جب دہلی میں منعقد ہوا تو اس میں طے پایا کہ مذہبی اور سیاسی امور میں علماء کو عوام مسلمانوں کی رہبری کرنی چاہئے اس مقصد کے لئے ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ العلمائے ہند کی بنیاد رکھی گئی۔

شیخ الہندؒ کی مالٹا سے رہائی ۱۹۲۰ء اور ہندوستان میں آمد

حضرت شیخ الہندؒ جنگ بلقان اور طرابلس کے بعد جنگ عظیم ۱۹۱۵ء میں حجاز گئے تھے اور مالٹا میں اسارت کے دن کاٹ کر اب ۱۳ر جون ۱۹۲۰ء مطابق ۲۶ر رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ کو دیوبند واپس پہنچے تو ملک میں تحریک خلافت اور ہندو مسلم اتحاد کو اپنے عروج پر پایا۔ چنانچہ انہوں نے ترکوں کی حمایت اور انگریزوں کی مخالفت میں آتے ہی کام شروع کر دیا۔

علمائے دیوبند اور تحریک خلافت

جب ہندوستان میں تحریک خلافت چلی تو علمائے دیوبند خلافت کے مذہبی نظریہ کے باعث اس تحریک میں آگے بڑھے اور پورا دارالعلوم دیوبند، اسکے اساتذہ، اسکے منتظمین اور طلبہ نے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ چندے کئے اور ترکوں کی بڑی مدد کی۔ کوئی جلسہ ملک میں ایسا نہ ہوتا تھا جس میں دارالعلوم دیوبند کا کوئی نمائندہ نہ ہوتا ہو۔

حضرت مولانا حسین احمد صاحب اور تحریک خلافت

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو جب حجاز سے شریف مکہ کے ذریعہ انگریزوں نے گرفتار کرا کر مقدمہ چلایا تو حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ اس زمانے میں مدینہ منورہ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہو کر اپنے والدین کے ہمراہ ہجرت کرنے کے باعث مقیم تھے اور مسجد نبوی میں درس دیتے تھے۔ حضرت شیخ الہند کے ساتھ وہ بھی مالٹا کو روانہ کئے گئے اور اپنے استاذ کے ساتھ مالٹا

میں محبوس رہے وہ بھی استاذ محترم کے ہمراہ ہندوستان آئے تو خلافت کی تحریک میں انہوں نے بھرپور حصہ لیا۔ حکومت برطانیہ نے پہلی مرتبہ غالباً ۱۹۲۱ء میں شیخ الہند کے مکان پر سے انہیں گرفتار کرنا چاہا کہ وہ وہاں مقیم تھے مغرب کے بعد گرفتاری کے لئے پولیس آئی لیکن دیوبند کے مسلمانوں کے بے پناہ ہجوم نے گرفتار نہیں ہونے دیا۔ لیکن حکومت کے آدمی رات کے آخری حصے میں گرفتار کر کے سپیشل ٹرین میں لے گئے، مقدمہ چلا، جیل گئے۔ مولانا محمد علی اور شوکت علی پر بھی ان کے ساتھ ہی مقدمہ چلایا گیا۔ کراچی میں ایک انگریز نے مقدمے کی سماعت کی اور سزا کا حکم سنایا۔ اندیشہ تھا کہ کہیں پھانسی کا حکم نہ ہو جائے۔ اس زمانے میں عام طور پر لوگوں اور لڑکوں کی زبان پر یہ اشعار ہوتے تھے۔ ؎

اے حسین احمد حق کے فدائی　　آبرو دین و دنیا میں پائی

کی بڑوں سے بھی تم نے بھلائی　　اے حسین احمد حق کے فدائی

تحریک خلافت سے حضرت مولانا مدنیؒ کی سیاسی سرگرمیاں بڑھ گئیں۔ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۲۰ء کے بعد اسارت فرنگ سے واپسی پر چھ ماہ کے بعد انتقال فرما چکے تھے۔ مولانا عبید اللہ سندھی کابل میں جلاوطنی کی زندگی گذار رہے تھے۔ اب شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی مجاہدانہ سپرٹ کے امین مولانا مدنیؒ تھے۔ چنانچہ اپنی تمام زندگی انہوں نے انگریز دشمنی اور ہندوستان کی آزادی کے حصول کے لئے گذار دی۔ حقیقت یہ ہے کہ علمائے دیوبند میں مولانا مدنی کی ہستی قید و بند اور دار و رسن کو ذرا بھی تو نظر میں نہ لاتی تھی وہ جماعت دیوبند میں ایک نڈر عالم اور بے باک شخصیت تھے۔

شیخ الہند کے دوسرے تلامیذ

شیخ الہند ایسے خوش قسمت انسان تھے کہ ان کو قدرت سے امام العصر مولانا سید محمد انور شاہ صاحب، مولانا سید حسین احمد صاحب، مولانا عبید اللہ صاحب سندھی، مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم جیسے شاگرد حضرات نصیب ہوئے۔

ہندوستان کی عام سیاسی حالت اور تحریک خلافت و ہجرت

تحریک خلافت نے اور کئی تحریکوں کو جنم دیا۔ کانگریس میں جان پڑی۔ جمعیۃ العلماء کا باعث خلافت کی تحریک ہوئی اور مسلم لیگ نے بھی پر پرزے نکالنے شروع کئے ایک ہی شہر میں خلافت، جمعیۃ العلماء، مسلم لیگ اور کانگریس کے جلسے ہوتے جلوس نکلتے۔ ہندو مسلم اتحاد کے نعرے لگتے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ حکومت ہند برطانیہ کی گرانٹ اور اسکے زیر اثر نیم سرکاری قومی اداروں مثلاً مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

کو بند کرنے اسکا بائیکاٹ کرنے کے لئے مولانا محمد علی جوہر نے زور لگایا لیکن خدا بھلا کرے ڈاکٹر ضیاء الدین مرحوم کا کہ انہوں نے مسلم یونیورسٹی کو سنبھالے رکھا۔ بنارس یونیورسٹی جس کے کرتا دھرتا پنڈت مدن موہن مالوی تھے انہوں نے کسی کو اپنے پاس پھٹکنے نہ دیا۔ ان میں ہندو ذہنیت کام کر رہی تھی۔

ہجرت

اسی تحریک کے زیر اثر مسلمانوں نے مسلمانوں کو کابل ہجرت کرنے کی تلقین کی۔ کتنے ایک آدمی ہجرت کر گئے لیکن سخت مصائب اور مشکلات کا انہیں وہاں سامنا کرنا پڑا اور کتنے ہی پھر ہندوستان کو واپس لوٹے۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب اور تحریک خلافت

اس طوفان خیز تحریک خلافت اور ہندو مسلم اتحاد میں دار العلوم دیوبند کا ایک عظیم الشان عالم حضرت مولانا اشرف علی صاحب شریک نہیں ہوا۔ وہ اس ساری تحریک کو اپنے خیال میں درست نہیں سمجھتے تھے۔ انہوں نے علی الاعلان فرمایا کہ ہندوؤں سے اتحاد کسی صورت ممکن نہیں۔ ہندو اپنی فطرت کے باعث کبھی مسلمان کا دوست نہیں ہو سکتا۔ اس سے انگریز بدرجہا بہتر ہے لیکن تحریک کے اس زمانے میں جو بھی ہندو مسلم اتحاد کے خلاف بات کرتا اس کے لئے سخت مشکلات اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ انگریزوں کا وظیفہ خوار اور گورنمنٹ کا آدمی بتاتے۔ قتل کی دھمکیاں دی جاتیں۔ چنانچہ حضرت تھانویؒ اپنے ایک ملفوظ میں فرماتے ہیں:۔

"زمانہ تحریک خلافت میں مجھ پر قسم قسم کے الزامات لگائے گئے اور بعض عنایت فرماؤں نے دھمکی کے خطوط بھی لکھے کہ یا تو شریک ہو جاؤ ورنہ عنقریب تمہارے چراغ زندگی کو گل کر دیا جائے گا۔ غرض ایک ہڑبونگ مچا ہوا تھا۔ اس لئے کہ ایسے لوگوں کے نہ قلب میں دین تھا نہ خدا کا خوف نہ کوئی قاعدہ اور آئین جو جی میں آیا کر لیا جو منہ میں آیا بک دیا۔ میں اس زمانے میں بھی حسب معمول جنگل جایا کرتا تھا اب بھی چلا جاتا ہوں۔ ایک دن ایک بوڑھا ہندو راجپوت جنگل میں ملا۔ اس نے کہا میاں کچھ خبر بھی ہے کہ کیا ہو رہا ہے یعنی تمہارے متعلق کیا کیا تجویزیں ہیں۔ میں نے کہا مجھے اس چیز کی بھی خبر ہے جسکی تمہیں خبر ہے اور ایک اور چیز کی بھی خبر ہے جس کی تمہیں خبر نہیں۔ وہ یہ کہ بدون خدا کے حکم کے کوئی کچھ نہیں کر سکتا تو وہ ہندو کہتا ہے تمہیں کچھ جوکھم یعنی خطرہ نہیں۔ جہاں جاؤ پھرو۔

(ملفوظات حصہ چہارم ص۲۷۵)

حقیقت بھی یہ ہے کہ حضرت تھانویؒ کی زندگی خطرے میں تھی۔ جہاں اور الزامات لگائے گئے

ان میں ایک یہ بھی تھا کہ آپ کو حکومت برطانیہ سے مخالفت کے لئے وظیفہ ملتا ہے۔ مگر یہ مرد بزرگ اپنی دانش نورانی سے ہندو مسلم اتحاد کی تحریک کا مخالف تھا اور رہا۔

آمدم بر سر مطلب

میری اس تحریر کا مقصد یہ ہے کہ تحریک خلافت میں علمائے دیوبند نے عام مسلمانوں کا ساتھ دیا اور بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس لئے ہند و پاک کے مسلمانوں کو علمائے دیوبند کے جہاد حریت کو نظر انداز کرنا اور اسلامی و مذہبی خدمات نظریۂ پاکستان کے سلسلے میں نظر انداز کرنا تاریخ سے ناواقفیت کے سوا اور کیا کہئے۔ دراصل نظریۂ پاکستان اور مسلم لیگ کی مخالفت دار العلوم دیوبند کی پالیسی میں ہرگز شامل نہ تھی۔ ہم اس سلسلے میں آئندہ اوراق میں کلام کریں گے۔

ایک اور بڑی شخصیت جس نے تحریک خلافت میں حصہ لیا وہ حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جنکے خطبات سیاسیہ کے لئے ہم نے یہ تمہید قائم کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بھی اس تحریک میں بہت پیش پیش رہے اور اس دور کا کوئی خاص اجتماع ان کی شرکت سے خالی نہیں رہا۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ

کا

تحریک خلافت میں حصہ

سیاست عثمانی کا دوسرا دور

سلطنت عثمانیہ اور خلافت ترکیہ کی تباہی اور تقسیم جب ہو رہی تھی اور مصطفیٰ کمال نے انقرہ میں نوجوان ترکوں کو ایک مرکز پر جمع کر کے فوجی تربیت کے بعد دول یورپ کو للکارا تو ادھر سے مسلمانان ہند نے بھی حکومت برطانیہ ہند کو خوب جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ تا آنکہ انگریز کے خلاف ہندوستان میں نفرت کا بازار گرم ہو گیا۔ جمعیۃ العلمائے ہند جو ۱۹۱۹ء میں معرض وجود میں آئی اس میں ہر مکتبۂ فکر دیوبند، بریلی اور اہلحدیث کے علماء شامل تھے۔ جمعیت نے اس قدر کام کیا کہ اسکی تاریخ میں تحریک خلافت کا کارنامہ قابل یادگار رہے گا۔ غرض یہ ہے کہ علماء تحریک خلافت

مسلم لیگ، ہندو مسلم اتحاد اور مسلم وغیر مسلم اجتماعات میں حصہ لیتے تقریریں کرتے۔
تحریک خلافت کی بنیاد بھی ۱۹۱۹ء میں پڑی تھی اور اس کے عظیم الشان جلسے ہوئے جن کی تفصیل یہ ہے:۔

۱- پہلا اجلاس امرتسر میں مولانا شوکت علی کی زیر صدارت ہوا۔
۲- دوسرا اجلاس فروری ۱۹۲۰ء میں غلام محمد صاحب بھرگری کی زیر صدارت بمبئی میں۔
۳- تیسرا اجلاس ۲ر جنوری ۱۹۲۱ء کو زیر صدارت عبد الماجد بدایونی بمقام ناگپور۔
۴- چوتھا اجلاس ۲۶ر دسمبر ۱۹۲۱ء بصدارت حکیم اجمل خاں بمقام احمد آباد۔
۵- پانچواں ۲۷ر دسمبر ۱۹۲۳ء بمقام گیا زیر صدارت ڈاکٹر انصاری۔
۶- چھٹا اجلاس ۱۹ر مارچ ۱۹۲۴ء زیر صدارت مولانا محمد علی جوہر بمقام کلکتہ۔
۷- ایک خاص اجلاس ۲۴-۲۵ر جون ۱۹۲۴ء کو دہلی میں ہوا۔
۸- آٹھواں اجلاس ۲۴ر دسمبر ۱۹۲۵ء بصدارت مولانا ابو الکلام آزاد بمقام کانپور
۹- نواں اجلاس ۸-۹ر مئی ۱۹۲۶ء کو زیر صدارت سید سلیمان ندوی دہلی میں۔
۱۰- دسواں گیارھواں اور بارھویں تین اجلاس ۱۹۲۷ء میں بمقام لکھنؤ مدراس وغیرہ ہوئے۔
۱۱- ۲۵ر دسمبر ۱۹۲۸ء کو بصدارت مولانا محمد علی جوہر کلکتے میں منعقد ہوا۔
۱۲- ۳۰ر مئی ۱۹۳۱ء کو بمبئی میں ہوا۔
۱۳- ۲۷ر ستمبر ۱۹۳۲ء کو اجمیر میں ہوا۔
۱۴- ۱۵ر دسمبر ۱۹۳۳ء کو بمبئی میں۔ (ماخوذ از مسلمانوں کا روشن مستقبل)

ان اجلاسوں میں علامہ عثمانی کی تقریریں ہوئیں اور تقریباً اکثر جلسوں میں شرکت فرمائی۔

جمعیۃ العلماء کے اجلاس

۱- جمعیۃ العلماء کے جلسوں میں پہلا جلسہ ۲۸ر دسمبر ۱۹۱۹ء بمقام امرتسر
۲- دوسرا جلسہ بصدارت شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب ۱۹ تا ۲۱ر دسمبر ۱۹۲۰ء بمقام دہلی۔
۳- تیسرا اجلاس ۱۹ر نومبر ۱۹۲۱ء بمقام لاہور زیر صدارت مولانا ابو الکلام آزاد۔
۴- چوتھا اجلاس ۲۴ر دسمبر ۱۹۲۲ء بمقام گیا زیر صدارت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی سابق مہتمم دار العلوم دیوبند و برادر بزرگ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی۔
۵- پانچواں اجلاس از ۳۰ر دسمبر ۱۹۲۳ء تا ۲ر جنوری ۱۹۲۴ء بصدارت مولانا حسین احمد صاحب مدنی بمقام کوکناڈا
۶- چھٹا اجلاس ۱۱ر تا ۱۶ر جنوری ۱۹۲۵ء زیر صدارت مولانا سجاد صاحب بمقام مراد آباد

یہاں سے صفحات 17 تا 29 دوبارہ آگئے ہیں۔

اکثر رجال علم و عمل جمع ہوئے اور تمام ہندوستان سے مسلمانوں کا بڑا مجمع اس میں شریک تھا۔ ندوہ سے حضرت الاستاذ مولانا شبلی مرحوم شریک ہوئے تھے۔ اس جلسے میں مولانا شبیر احمد صاحب نے "الاسلام" کے نام سے اپنا ایک کلامی مضمون پڑھ کر سنایا حاضرین نے بہت داد دی۔" (المعارف اپریل ۱۹۵۰ء)

جمعیۃ الانصار کا دوسرا اجلاس میرٹھ

جمعیۃ الانصار کا دوسرا اجلاس ۶-۷ر اپریل ۱۹۱۲ء مطابق ۱۹-۲۰ر ربیع الآخر ۱۳۳۰ھ کو میرٹھ میں ہوا۔ شیخ الہند سرپرستی فرمارہے تھے۔ مولانا عبید اللہ سندھی کنوینر تھے۔ علامہ مولانا عثمانی نے اس اجلاس میں "الدار الآخرۃ" کے عنوان پر علماء کے بھرے جلسے میں جس میں پبلک کا بہت بڑا ہجوم تھا زبردست تقریر فرمائی۔

جمعیۃ الانصار کا اجلاس شملے میں

میرٹھ کے بعد جمعیت کا جلسہ شملے میں دوبارہ ہوا اور ان میں بھی حضرت عثمانی نے تقریر فرمائی جس سے لوگ بہت متاثر ہوئے اور دوبارہ تقریر کی فرمائش کی گئی بعد ازاں علامہ نے کراچی میں بھی جمعیۃ الانصار کی شاخ قائم کی۔

ہاں تو یہ جمعیت الانصار شیخ الہند کی ہی تحریک تھی۔ اس کے جلسوں کے باعث ہندوستان کے مسلمانوں میں مذہبی بیداری پیدا ہوئی۔

ریشمی رومال کی تحریک

جمعیت الانصار کے جلسوں کے فوراً بعد جنگ بلقان آگئی۔ شیخ الہند نے مولانا عبید اللہ صاحب سندھی کو کابل بھیجا اور آزاد قبائل میں بھی۔ ادھر مولانا منصور انصاری کو بھی قبائلی علاقوں میں بھیجکر اس تحریک کو چلانے کی سکیم بنائی اور خود سلطنت عثمانیہ ترکی کے اہل حل وعقد سے ملنے اور اپنی سکیم کو انکے سامنے رکھنے کے لئے حجاز کا سفر کرنے کا ارادہ کیا۔ اس زمانے میں حجاز سلطنت عثمانیہ ترکیہ کے زیر انتظام تھا۔ چنانچہ شیخ الہند شوال ۱۳۳۳ھ میں حجاز کو روانہ ہوگئے۔ ۲۸ر ذو القعدہ ۱۳۳۳ھ کو بخیریت مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ غالب پاشا گورنر مکہ معظمہ، بصری پاشا گورنر مدینہ منورہ اور انور پاشا اور جمال پاشا وغیرہم سے ملاقاتیں ہوئیں اور استنبول جانے کا ارادہ کیا۔ پھر خود حجاز میں انقلاب آیا۔ شیخ الہند کو انگریزوں نے شریف مکہ کے ذریعہ گرفتار کرایا اور مقدمہ چلا کر مالٹا میں قید کر دیا تا آنکہ ۱۹۱۹ء میں رہائی ہوئی۔ اس کی تفاصیل "سفرنامہ شیخ الہند" میں ملاحظہ کیجئے۔

غرض یہ ہے کہ علمائے دیوبند نے جہاں مذہبی، تبلیغی، اصلاحی خدمات انجام دیں وہاں سیاسی انقلاب برپا کرنے اور ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت قائم کرنے کا برابر سلسلہ جاری رکھا اور تحریک ولی اللہی، مولانا سید احمد شہید اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید کے مشن کو جاری رکھا۔

مسلم لیگ، ہندو مسلم اتحاد اور مسلم و غیر مسلم اجتماعات میں حصہ لیتے تقریریں کرتے۔

تحریک خلافت کی بنیاد بھی ۱۹۱۹ء میں پڑی تھی اور اس کے عظیم الشان جلسے ہوئے جن کی تفصیل یہ ہے:۔

۱۔ پہلا اجلاس امرتسر میں مولانا شوکت علی کی زیر صدارت ہوا۔
۲۔ دوسرا اجلاس فروری ۱۹۲۰ء میں غلام محمد صاحب بھرگری کی زیر صدارت بمبئی میں۔
۳۔ تیسرا اجلاس ۲ر جنوری ۱۹۲۱ء کو زیر صدارت عبدالماجد بدایونی بمقام ناگپور۔
۴۔ چوتھا اجلاس ۲۶ر دسمبر ۱۹۲۱ء بصدارت حکیم اجمل خاں بمقام احمد آباد۔
۵۔ پانچواں ۲۷ر دسمبر ۱۹۲۳ء بمقام گیا زیر صدارت ڈاکٹر انصاری۔
۶۔ چھٹا اجلاس ۱۹ر مارچ ۱۹۲۴ء زیر صدارت مولانا محمد علی جوہر بمقام کلکتہ۔
۷۔ ایک خاص اجلاس ۲۴۔ ۲۵ر جون ۱۹۲۴ء کو دہلی میں ہوا۔
۸۔ آٹھواں اجلاس ۴ر دسمبر ۱۹۲۵ء بصدارت مولانا ابوالکلام آزاد بمقام کانپور
۹۔ نواں اجلاس ۸۔ ۹ر مئی ۱۹۲۶ء کو زیر صدارت سید سلیمان ندوی دہلی میں۔
۱۰۔ دسواں گیارھواں اور بارھویں تین اجلاس ۱۹۲۷ء میں بمقام لکھنؤ مدراس وغیرہ ہوئے۔
۱۱۔ ۲۵ر دسمبر ۱۹۲۸ء کو بصدارت مولانا محمد علی جوہر کلکتے میں منعقد ہوا۔
۱۲۔ ۳۰ر مئی ۱۹۳۱ء کو بمبئی میں ہوا۔
۱۳۔ ۲۷ر ستمبر ۱۹۳۲ء کو اجمیر میں ہوا۔
۱۴۔ ۱۵ر دسمبر ۱۹۳۳ء کو بمبئی میں۔ (ماخوذ از مسلمانوں کا روشن مستقبل)

ان اجلاسوں میں علامہ عثمانی کی تقریریں ہوئیں اور تقریباً اکثر جلسوں میں شرکت فرمائی۔

جمعیۃ العلماء کے اجلاس

۱۔ جمعیۃ العلماء کے جلسوں میں پہلا جلسہ ۲۸ر دسمبر ۱۹۱۹ء بمقام امرتسر
۲۔ دوسرا جلسہ بصدارت شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب ۱۹ تا ۲۱ر دسمبر ۱۹۲۰ء بمقام دہلی۔
۳۔ تیسرا اجلاس ۱۹ر نومبر ۱۹۲۱ء بمقام لاہور زیر صدارت مولانا ابوالکلام آزاد۔
۴۔ چوتھا اجلاس ۲۴ر دسمبر ۱۹۲۲ء بمقام گیا زیر صدارت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند و برادر بزرگ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی۔
۵۔ پانچواں اجلاس از ۳۰ر دسمبر ۱۹۲۳ء تا ۲ر جنوری ۱۹۲۴ء بصدارت مولانا حسین احمد صاحب مدنی بمقام کوکناڈا
۶۔ چھٹا اجلاس ۱۱ر تا ۱۶ر جنوری ۱۹۲۵ء زیر صدارت مولانا سجاد صاحب بمقام مراد آباد

کہ لاکھوں مسلمانوں کو تہ تیغ کیا۔ تمام دنیا کی مقدس ترین مساجد کو خلیفۃ المسلمین کے ہاتھوں سے چھینا اور اس چھیننے کے لئے جو جنگ کی گئی اُس کو کروسیڈ (صلیبی جنگ) سے تعبیر کیا۔ مکہ اور مدینے پر اسلام کے ایک ایسے باغی کی حکومت قائم کرائی جس کے حکم سے اُس خانۂ خدا اور آرام گاہ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بے حرمتی ہوئی اور جس حرم امن سے ایک ادنیٰ جانور کا پکڑنا بھی گناہ ہے وہاں سے بہتیرے غریب الوطن پرستاران خدا کو گرفتار کر لیا گیا۔

پھر یہی نہیں کہ جو کچھ گذر گیا۔ بلکہ اس منٹ تک بھی جبکہ میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں اس قوم کی ہوس ملک گیری اور درندگی میں کچھ کمی نہیں آئی۔ اُس کی توپیں ابھی تک دجلہ اور فرات کے دہانوں پر خاموش نہیں ہوئیں۔ اُسکے جہازوں نے ابھی تک عراق وغیرہ کے کلمہ پڑھنے والوں کو پناہ نہیں دی۔

اگر واقعی ہندوستان کے مسلمان سمجھ رہے ہیں کہ ایسی قوم ہماری جان و مال اور عزت و آبرو کی محافظ ہے اس لئے ہمیں اُس کے مقابلے پر کچھ ہاتھ پاؤں ہلانے کی ضرورت نہیں تو میں کہتا ہوں کہ یہ لوگ اسلام کی حقیقت اور اُس مضبوط رشتہ اتحاد و اخوت سے محض جاہل یا غافل ہیں جس نے جہالت کی تمام رسوم مخالفت و مواخاۃ کو اٹھا کر شرق و غرب کے مسلمانوں میں ایک خالص روحانی برادری قائم کی۔ اللہ جل شانہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کو آپ بار بار پڑھئے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ۔ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ ۔ اَلْمُؤْمِنُوْنَ يَدٌ عَلٰى مَنْ سِوَاهُمْ ۔ اَلْمُؤْمِنُوْنَ كَرَجُلٍ وَّاحِدٍ اِنِ اشْتَكٰى عَيْنُهٗ اشْتَكٰى كُلُّهٗ ۔ وَاِنِ اشْتَكٰى رَاْسُهٗ اشْتَكٰى كُلُّهٗ۔ یہ احکام سلطان المعظم سے لیکر ادنیٰ انسان تک بدون تخصیص حبشی اور رومی اور ہندی اور افغانی کے سب پر حاوی ہیں اور مغرب کے مسلمان پر اگر کوئی ظلم ہو تو مشرق کے مسلمان پر اُس کی حمایت و نصرت ہر ممکن طریق سے واجب ہے۔

مسلمانان ہند اور برٹش میں معاہدہ بہت دنوں تک ہندوستان میں یہ بحث ہوتی رہی کہ ہندوستانی رعایا اور برٹش گورنمنٹ کے درمیان کچھ ایسے معاہدات ہیں جنکی بناء پر یہاں کے مسلمان انگریزوں کے مقابلے میں دوسری جگہ کے مسلمانوں کو مدد دینے سے معذور ہیں۔ اور ان حضرات کا استدلال اس آیت کے عموم الفاظ سے تھا وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۔

میں علماء کے اختلافات کا فیصلہ کرنے کی لیاقت نہیں رکھتا۔ ہاں یہ گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ اب ان اختلافات کا فیصلہ خود برٹش گورنمنٹ نے کر دیا ہے۔ پچھلے زمانہ کو چھوڑ کر اُس نے جو عہد ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ ترکی حکومت سے برسر جنگ ہونے کے وقت کئے تھے اُن کا جو حشر ہوا وہ اس وقت آپکے سامنے ہے اگر وہ وعدے ایسی بے دردی سے فراموش نہ کر دیئے

جاتے جن پر مغرور و مفتوں ہو کر بہت سے ناعاقبت اندیشوں نے اپنے ہم مذہب لوگوں کو تباہی کی طرف دھکیلا، تو آج آپ کا اور ہمارا اجتماع اِس ہیئت کذائی سے نہ ہوتا۔ اور نہ آج ساری دنیا کے مسلمان مصائب کے اِس اضطراب انگیز طوفان میں غلطاں و پیچاں نظر آتے۔

مسلمانوں کو مسلمان بننا چاہیئے

بہر حال اب ہم کو یہ شکوہ نہیں رہا کہ دوسروں نے ہمارے ساتھ ایسا کیوں کیا۔ بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ اب ہم کو اُن کے ساتھ بلکہ خود اپنے ساتھ کیا کرنا چاہئے۔ آپ میں سے ہر شخص غالبًا دل ہی دل میں یہ کہتا ہو گا کہ میں آپکو اس درد کا کوئی انوکھا علاج بتاؤں گا۔ یا کوئی نرالی ترکیب جو ہمارے مصائب کا خاتمہ کر دے گی تلقین کرونگا۔ لیکن میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ اِس انتظار کی تکلیف نہ اُٹھائیں۔ میں آپ سے صرف ایک ایسی چیز کے حاصل کرنے کو کہونگا جس کو آپ سمجھ رہے ہیں کہ وہ پہلے سے حاصل ہے یعنی میں مسلمانوں کو کہتا ہوں کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ ایمان کا دعویٰ رکھنے والوں سے کہتا ہوں کہ وہ اپنے اندر ایمان پیدا کریں۔ آپ شاید اس کو تحصیل حاصل قرار دیں مگر میں فی الحقیقت آپ کو خدا کا یہ کلام سنا رہا ہوں۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ	اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اُسکے رسول پر اور اُس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر نازل فرمائی اور اِس کتاب پر جو اُس سے پہلے نازل کی۔

ایمان کا ثبوت عمل سے

ایمان باللہ کے یہ معنی نہیں کہ آدمی محض زبان سے اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ کا دعویٰ کرے اور جب اس اٰمَنْتُ کا موقعہ آئے تو خدا کے روبرو جھوٹا ثابت ہو۔ اگر ایمان باللہ کا مصداق صرف اتنا ہی ہوتا تو انبیاء کی زبانی منافقین اس قدر رسوا نہ ہوتے اور نہ جہنم میں سب سے نیچے کا طبقہ اُن کا مسکن بنایا جاتا اور نہ حق تعالیٰ یوں فرماتے۔

الٓمّٓ ۚ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۔	کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ محض اٰمنّا کہنے پر چھوڑ دئے جائیں گے اور اُن کی آزمائش نہ ہو گی حالانکہ ہم نے اُن سے پہلے لوگوں کا امتحان کیا ہے تو ضرور ہے کہ جانچ کرے گا اللہ اُنکی جو سچ بولتے ہیں اور اُن کی جو جھوٹ بولتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بہت سے لوگ ایسے تھے جو زبان سے کلمہ پڑھتے تھے اور بجائے خود وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ مسلمان ہیں لیکن جب کوئی تکرار اور نزاع پیش آتی تو وہ بجائے کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے معاملات کفار کے پاس لیجانے کو پسند کرتے تھے تاکہ وہ اُن کے حسب خواہش فیصلہ کر دیں ایسے لوگوں کی نسبت حق تعالیٰ نے فرمایا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۔ وَاِذَا قِيْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۔	کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جن کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ اُس پر جو آپکی طرف نازل کیا گیا اور اُس پر جو تم سے پہلے نازل کیا گیا تھا ایمان رکھتے ہیں (اور پھر بھی) وہ یہ چاہتے ہیں کہ اپنے نزاعات کو شیطان کیطرف لیجائیں حالانکہ اُن کو حکم دیا گیا ہے اُس سے بیزار رہنے کا، اور شیطان چاہتا ہے کہ اُنکی گمراہی کو بہت دُور تک پھیلاتا چلا جائے اور جب اُن لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی طرف بڑھو جو خدا نے نازل کی اور رسول کی طرف (جسے خدا نے بھیجا) تو تم منافقین کو دیکھو گے کہ وہ تم سے اعراض کرتے ہیں۔

خدا کے سوا کسی کے سامنے نہ جھکو

اب آپ دیکھ لیجیے کہ کتنے مسلمان ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور انہوں نے اپنے معاملات کی باگ کفار اور شیاطین کو چھوڑ کر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ میں دے دی ہے۔ انسانی قوانین اور شیطانی احکام کے آگے وہ گردنیں جھکا دیتے ہیں۔ لیکن جب اُن کو کوئی آسمانی حکم اور قدسی پیغام دیا جاتا ہے تو وہ تیوریاں چڑھا کر کھسکنے لگتے ہیں۔

اے خدا کی زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے رہنے والو! کیا اُس شہنشاہِ مطلق احکم الحاکمین کی حکومت کا حلقہ تمہاری گردنوں میں نہیں رہا جو تم نے انسانی رعب و داب سے خوف زدہ ہو کر اُس سے بغاوت پر کمر باندھی ہے۔ خوب سمجھ لو! کہ خدا کی گرفت بہت سخت ہے۔ جب اس کی شمشیر انتقام بے نیام ہوتی ہے اور اُس کے عذاب کا کوڑا برسنے لگتا ہے تو اُس کے مجرم کے لئے کہیں پناہ نہیں۔ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ۔ للہ مسلمان اپنے اوپر

رحم کھائیں اور ازل میں جو عہد انہوں نے اپنے خدا سے باندھا ہے اُسے پورا کریں اور سب مل کر خدا کی نہ ٹوٹنے والی رسّی کو مضبوطی سے پکڑلیں کہ یہ رسّی ٹوٹ تو نہیں سکتی مگر چھوٹ سکتی ہے۔

اسلام مکمل مذہب ہے

اے حضرات! مذہب اسلام ایک مکمل مذہب ہے جس میں قیامت تک پیش آنے والی ضرورتیں مسلمانوں کو بتھادی گئی ہیں کوئی حالت سختی اور آسانی کی ایسی نہیں جس کا بیان کسی نہ کسی طور پر خدا کی کتاب اور اُس کے رسولؐ کے کلام میں نہ ہو اور ہماری سہولت کے لئے فقہاء و مجتہدین رضی اللہ عنہم نے کتاب و سنت سے یہ تمام احکامات مستنبط کر کے اپنی کتابوں میں درج فرما دیئے ہیں۔ اس لئے یہ بات بالکل ناممکن ہے کہ اسلام کی جو ضروریات ہم کو اس وقت پیش نظر ہیں اُن کے متعلق کوئی حکم اور کوئی تبصرہ حق تعالیٰ کے کلام میں نہ ہو۔

قرآن حکیم نے فتح و نصرت اور ہزیمت و مغلوبیت کے سب اسباب اپنے معجز بیان میں بتلا دیئے ہیں۔ اُس نے بہ بانگ دہل یہ اعلان کیا ہے کہ کوئی قوم اُس وقت تک ذلیل و خوار نہیں ہوتی جب تک وہ خود اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے۔ خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ لوگ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے ہیں۔ اس لئے ہمیں بجائے اس کے کہ ہم دشمنوں کے مظالم شمار کریں اُن مظالم کا محاسبہ کرنا چاہیئے جو ہم نے خود اپنے اوپر نازل کئے ہیں۔ تنبیہاً عرض کرتا ہوں کہ

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں غالباً دو مرتبہ لشکر اسلام کو کفار کے مقابلے میں ہزیمت ہوئی وہ بھی عارضی۔ ایک غزوۂ احد میں جبکہ تیر اندازوں کی جماعت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عدول حکمی کی اور آپس میں مختلف ہو گئے۔ اور دوسرے غزوۂ حنین میں جبکہ انہیں اپنی کثرت تعداد پر غرور ہوا اور وہ یہ سمجھے کہ ہمارا اتنا بڑا لشکر کسی طرح مغلوب نہیں ہو سکتا۔

ان دونوں مواقع میں حق تعالیٰ نے اُن کی ہزیمت کو نہ تو فوج کی کمی سے منسوب کیا اور نہ اُن کی بے سروسامانی سے اور نہ اُن کے دشمنوں کی شان و شکوہ سے۔ البتہ قرآن مجید میں اُحد کے متعلق تو یہ فرمایا:

حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۔

تا آنکہ جب تم نے بزدلی کی اور امر دینی میں جھگڑنے لگے اور عدول حکمی کی اس کے بعد کہ اللہ نے تمہیں وہ چیز دکھلائی جس کو تم پسند کرتے ہو۔ تم میں سے بعض وہ ہیں جو دنیا کو طلب کرتے ہیں اور بعض وہ ہیں جن کو آخرت مطلوب ہے۔

اور حنین کے بارے میں یہ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۔

اور حنین کے دن جبکہ تمہاری کثرت نے تمہیں مغرور بنا دیا پھر وہ کثرت تم کو کچھ بھی مستغنی نہ کر سکی اور تم پر زمین باوجود وسعت کے تنگ ہو گئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔

صحابہ کا ایمان اور تقویٰ

اے حضرات! آپ صحابہ کے ایمان و تقویٰ اور صبر و ثبات کو دیکھ لیجئے اور یہ بھی کہ اُن کے درمیان خدا کے پیارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) جلوہ افروز تھے۔ مگر ایک تھوڑی سی بے اعتدالی سے تمام مسلمانوں کو ہزیمت اٹھانی پڑی۔ پس آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ ہم میں وہ کتنے اجزاء قوۃ ایمانیہ اور عمل صالح اور طاعت ربانی کے باقی ہیں جنکی وجہ سے خدا ہم کو اپنا دوست قرار دے اور اپنے دشمنوں کے ہاتھوں سے سزا نہ دلائے۔

میرا مشورہ یہ ہے کہ تمام علماء ملکر مسلمانوں کو اپنے اپنے حلقۂ اثر میں فشل (بزدلی) تنازع (نااتفاقی) اور عصیان (نافرمانی) اور اعجاب اور غرور سے بچانے کی کوشش کریں۔ اور اُن کا شیرازہ مجتمع کریں اور جو اختلافات خود علماء میں ہوں اُن کو اخلاص اور صاف دل سے آپس میں طے کر لیں۔

اگر آپ ایسا کرینگے تو میں سچ کہتا ہوں کہ یہ وہ ہتھیار ہے جس کے آگے کوئی ہتھیار نہیں چل سکتا کسی قوم کے فتح و ظفر کے دو ہی طرح کے سامان ہو سکتے ہیں مادی یا روحانی اور وہ دونوں وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ میں داخل ہیں۔ پس اگر دوسری قوموں کے جواب میں کوئی مادی طاقت آپ مہیا نہیں رکھتے تو روحانی طاقت اپنے اندر پیدا کیجئے تاکہ خدا کے فرشتے آسمان سے تمہاری مدد کو پہنچیں۔

ترک موالات کا مشورہ

انہیں روحانی اسلحہ میں سے ایک وہ ہتھیار ہے جسکو ترک موالات یا ترک تعاون سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ ترک موالات کی تحریک انشاء اللہ یقیناً مؤثر ہے۔ بشرطیکہ قوم متفق ہو کر اسکو انجام دے۔ اگرچہ سیاسی اور مذہبی حیثیت سے اس میں بہت سے شبہات بھی پیدا کئے گئے ہیں لیکن جس قدر اس مسئلہ پر نکتہ چینی کی جارہی ہے اسی قدر وہ زیادہ واضح اور قوی ہوتا جاتا ہے۔

جو لوگ اس تحریک کی مخالفت کر رہے ہیں خواہ سمجھ کر یا ناسمجھی سے ہم اُن کے بھی ایک طرح ممنون ہیں کہ اُن کے اعتراضات کی وجہ سے اس مسئلہ پر اپنی معلومات بڑھانے کا ہمیں اور زیادہ موقع ملتا ہے ؎

اتنا ہوں تری تیغ کا شرمندۂ احسان
سر میرا ترے سر کی قسم اُٹھ نہیں سکتا

تحریر شیخ الہند کی وضاحت

چند روز ہوئے علی گڑھ کالج کے طلباء کی درخواست پر میرے واجب الاحترام اُستاذ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دامت برکاتہم نے اس مسئلہ کے متعلق ایک تحریر[1] مرتب کرکے بھیجی تھی۔ جو شائع بھی ہو گئی ہے اُسکے بعد بعض علماء کے مضامین دیکھ کر مجھے مناسب معلوم ہوا کہ آج اُس کی قدرے توضیح کر دی جائے۔

میری غرض اس سے اہلِ فہم و انصاف کو مطمئن کرنا ہے کیونکہ بحث و ردّ و کد سے بجز اسکے کچھ نتیجہ نہیں کہ نا اتفاقی اور اختلاف کو اور ترقی ہو۔

آجکل سب سے زیادہ جو غلط فہمی پھیل رہی ہے وہ یہ ہے کہ "ترکِ موالات" دوستی اور محبت چھوڑنے کا نام ہے لیکن تعلقات اور معاملات کا چھوڑنا اس میں داخل نہیں۔

موالات کے لغوی معنیٰ

میں کہتا ہوں کہ موالات کے لغوی معنی باہم ایک دوسرے کو ولی بنانے کے ہیں اور ولی کے معنی قاموس اللغت میں دیکھ لیجئے۔ دوست کے بھی ہیں اور ناصر و مددگار کے بھی ہیں اور قریب کے بھی اور متصرف کے بھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آیات موالات میں ان میں سے کس معنی کا قصد کیا گیا ہے۔ امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ جن کی تفسیر کو اُم التفاسیر کہنا چاہیئے اولیاء کی تفسیر اعوانًا و انصارًا و ظھرًا سے فرما رہے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ موالاتِ ممنوعہ کے معنی معاونت اور مناصرت کے ہیں۔

حاطب بن ابی بلتعہ کا خط کفارِ مکہ کے نام

سورۂ ممتحنہ کی پہلی آیت سب جانتے ہیں کہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضؓ کے واقعہ میں نازل ہوئی یہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ وہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ بدر میں شریک تھے لیکن انہوں نے ایک دنیوی مصلحت کے لئے مدینۂ منورہ سے کفارِ مکہ کو ایک پوشیدہ خط لکھا جس میں یہ تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر تم پر اندھیری رات اور ایک اُمنڈنے والے سیلاب کی طرح ٹوٹنے والا ہے تم اپنے بچاؤ کا انتظام کر لو۔

واقعہ طویل ہے۔ حاصل یہ ہے کہ وہ خط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے راستے میں

---

[1] علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طلبہ نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے ترکِ موالات کے بارے میں فتویٰ حاصل کیا تھا۔ آپ نے انگریزوں یعنی حکومت برطانیہ و ہند کے ساتھ تعاون اور موالات کو اس فضا میں ناجائز قرار دیا تھا۔ طلبہ میں اس فتوے سے بہت جوش پیدا ہوا اور اکثر لڑکوں نے یونیورسٹی کا بائیکاٹ کر دیا۔ ڈاکٹر ضیاء الدین جو اس زمانے کے وائس چانسلر تھے انہوں نے کچھ عرصے کے لئے یونیورسٹی بند کر دی۔ اس اثناء میں طلبہ کے والدین کو وائس چانسلر کی طرف سے خطوط موصول ہوئے کہ اگر آپ کا لڑکا یونیورسٹی میں آکر تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے اور اسٹرائک میں حصہ نہ لے تو آجائے ورنہ نہیں۔ چنانچہ پھر دوبارہ یونیورسٹی کھل گئی تھی۔ انوار

پکڑ لیا گیا اور حضرت حاطب بحیثیت مجرم کے جناب رسالتمآب میں حاضر کئے گئے۔ آپ نے اُن سے وجہ دریافت کی۔ انہوں نے کہا کہ میں اللہ اور اُس کے رسولؐ پر ایمان رکھتا ہوں۔ نہ میں دینِ حق سے پھرا ہوں اور نہ کفر سے راضی ہوا ہوں۔ بات صرف اتنی ہے کہ مکہ میں میرے اہل و عیال تنہا تھے میرا کوئی خاندان وہاں نہ تھا جو اُن کی حفاظت کرتا۔ خط لکھنے سے میری غرض یہ تھی کہ کفارِ مکہ میرے اہل و عیال کے بارے میں میری کچھ رعایت کریں اور یہ میں یقین رکھتا تھا کہ اللہ ضرور اپنے وعدے کو جو اپنے رسولؐ کے ساتھ کیا ہے پورا کرے گا۔ اور میرا خط اُن لوگوں کو خدا کی سزا سے نہیں بچا سکتا۔

ان واقعات کو پڑھ کر آپ بتائیے کہ کیا حضرت حاطبؓ کو کفار کے ساتھ واقعی محبتِ قلبی اور دوستانہ تعلق تھا۔ کوئی شخص اصحابِ بدری کی نسبت ایسا یقین نہیں کر سکتا۔ البتہ ایک ظاہری معاملہ معاونت کا انہوں نے کفار کے ساتھ ایسا کیا تھا جو ایک رفیق، رفیق کے ساتھ کرتا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُم مِّنَ الْحَقِّ

اے مسلمانو! میرے دشمن اور اپنے دشمن کو یار و مددگار مت بناؤ پیغام بھیجتے ہو تم اُن کی طرف دوستی کا۔ حالانکہ وہ منکر ہوئے ہیں اس سچائی کے جو تمہارے پاس آئی ہے۔

پس بداہۃً ثابت ہوا کہ موالات صرف محبتِ قلبی تک محدود نہیں بلکہ ہر ایسا معاملہ اور ہر ایسی اعانت و امداد جس سے ایک دوسرے کی رفاقت مترشح ہوتی ہو موالات کے تحت میں داخل ہے اگر آپ اس سے زیادہ وضاحت چاہتے ہیں تو فتح البیان میں ذیل کا واقعہ پڑھیے۔

عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قُلْتُ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ أَنَّ لِي كَاتِبًا نَصْرَانِيًّا فَقَالَ مَا لَكَ وَلَهُ قَاتَلَكَ اللَّهُ وَتَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ أَيْ

ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ میرے پاس ایک نصرانی کاتب ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اُس سے کیا تعلق۔ کیوں تم نے ایک مسلمان کاتب نہ رکھا کہ تم نے اللہ کا یہ کلام نہیں سُنا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۞

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۞

قُلْتُ لَهُ دِينُهُ وَلِي كِتَابَتُهُ فَقَالَ لَا أُكْرِمُهُمْ إِذْ أَهَانَهُمُ اللَّهُ وَلَا أُعِزُّهُمْ إِذْ أَذَلَّهُمُ اللَّهُ

میں نے عرض کیا کہ اُس کا مذہب اُس کیلئے ہے اور اُس کی کتابت میرے لئے۔ فرمایا میں اُن کا اکرام نہیں کر سکتا جبکہ اللہ نے اُن

وَلَا اُدْنِيهِمْ اِذَا بَعَّدَهُمُ اللّٰهُ قُلْتُ اِنَّهُ لَا يَتِمُّ اَمْرُ الْبَصْرَةِ اِلَّا بِهٖ فَقَالَ مَاتَ النَّصْرَانِيُّ وَالسَّلَامُ يَعْنِي هَبْ اَنَّهُ مَاتَ فَمَا اَلصُّنْعُ بَعْدَهٗ فَمَا تَعْمَلُهٗ بَعْدَ مَوْتِهٖ فَاعْمَلْهُ الْاٰنَ وَاسْتَغْنِ عَنْهُ بِغَيْرِهٖ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔

کی اہانت کی ہے اور نہ میں اُن کی کوئی عزت کرسکتا ہوں جبکہ خدا نے انہیں ذلیل کیا ہے اور نہ میں اُنہیں نزدیک کرسکتا ہوں جبکہ اللہ نے اُنہیں دور پھینک دیا ہے میں نے عرض کیا البصرہ کا انتظام بدوں اُسکے مکمل نہیں ہو سکتا۔ فرمایا نصرانی مرگیا تو تم کیا کروگے۔ جو اُس کی موت کے بعد کرو وہ اب ہی کرلو اور کسی مسلمان سے کام لیکر اُس سے مستغنی ہوجاؤ۔

ترکِ موالات اور ترکِ تعاون

میں خیال کرتا ہوں کہ ایسی ایسی صریح تفاسیر کے بعد ہر ایک سمجھدار آدمی یقین کریگا کہ ترکِ موالات اور ترکِ تعاون متقارب الفاظ ہیں۔ ہاں ترکِ تعلقات یا ترکِ معاملات ان دونوں میں اُن دونوں سے کچھ زیادہ تعمیم ہے۔ ہماری غرض صرف اسقدر ہے کہ جو تعلقات اور معاملات موالات اور مناصرت کے تحت آجائیں وہ حرام ہیں اور جن تعلیم یافتہ لوگوں نے ترکِ موالات کے خلاف مضامین لکھے ہیں۔ اُن کو بھی انجام کار ایک بڑا حصہ ظاہری افعال و معاملات کا موالات کے تحت میں داخل کرنا پڑا ہے۔

بلاشبہ ترکِ موالات کا حکم ایک دائمی اور عام حکم ہے لیکن اس قوم کے مقابلے میں وہ زیادہ مؤکد ہو جاتا ہے جس نے اعلانیہ مسلمانوں پر چڑھائی کی اور اُن کو اُن کی بستیوں سے نکالا۔ اور ان کے نکالنے میں مدد دی۔ ایسے ظالموں کے ساتھ کسی نرمی اور مروت اور بھلائی کی اجازت نہیں۔ چنانچہ سورۂ ممتحنہ کی یہ آیت جو علی ارجح الاقوال منسوخ نہیں ہے کفار کی اس تقسیم کو خوب ظاہر کرتی ہے۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۔ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ

اللہ تعالیٰ تم کو اُن لوگوں کے ساتھ نیکی کرنے منصفانہ سلوک کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے تم سے دین کے معاملے میں لڑائی نہیں کی اور نہ تم کو تمہاری بستیوں سے نکالا۔ بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو چاہتا ہے۔ خدا تو تم کو اُن لوگوں کی موالات سے روکتا ہے جو تم سے دین کے معاملے میں لڑے اور جنہوں نے تم کو تمہاری بستیوں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں مدد دی اور

يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ

جو لوگ اُن سے موالات کریں وہ ہی ظالم ہیں

ترکِ موالات ترکِ محبت کے مترادف ہے بعض کی رائے

بہت سے علماء جو ترکِ موالات کو ترکِ محبت کا مرادف کہتے ہیں اُنکا خیال ہے کہ اس حکم میں کفار کی کچھ تخصیص نہیں بلکہ تمام فساق و فجار اور اہل بدع اور اہل اہوا سے بھی محبت ترک کرنا واجب ہے میں کہتا ہوں کہ اگر فساق و فجار وغیرہ ان حضرات کے نزدیک مسلمان ہیں تو اُنکے اسلام اور بعض اعمال حسنہ کی وجہ سے اُنسے محبت رکھنا اور فسق و فجور کی حیثیت سے مبغوض سمجھنا واجب ہے۔ دیکھئے امام غزالیؒ احیاء العلوم میں یہی فیصلہ دیتے ہیں کہ

فان قلت فكل مسلم فاسلامه طاعة منه فكيف ابغضه مع الاسلام فاقول تحبه لاسلامه و تبغضه لمعصيته وتكون معه على حالة لو قست بحال كافر او فاجر ادركت تفرقة بينهما و تلك التفرقة حبٌّ للاسلام وقضاءٌ لحقه وقدر الجناية على حق الله والطاعة له كالجناية على حقك والطاعة لك فمن وافقك على غرض وخالفك فى اخر فتكون معه على حالة متوسطة بين الانقباض والاسترسال وبين الاقبال والاعراض وبين التودد اليه والتوحش منه۔

اگر تم کہو کہ ہر مسلمان کا اسلام اُس کی ایک طاعت ہے پھر اسلام کے ہوتے ہوئے ہم اُسکو کیسے مبغوض سمجھیں تو میں کہتا ہوں کہ تم اسلام کی وجہ سے اُسکو محبوب اور معصیت کی وجہ سے مبغوض سمجھوگے اور اسکے ساتھ ایسے انداز پر ہوگے کہ اگر اُس کا اور ایک کافر کا موازنہ کرو تو تم دونوں میں فرق پاؤگے اور یہ فرق اسلام کی محبت اور اُس کا حق ادا کرنے کی وجہ سے ہے اور اللہ کے جرم اور اس کی فرماں برداری کو اپنے جرم اور فرمانبرداری کی طرح سمجھو۔ جو شخص تمہاری ایک غرض میں موافق اور دوسری میں مخالف ہو تو تم اُس کیساتھ ایک توسط کی حالت پر رہوگے کہ نہ پورا انقباض ہی ہوگا نہ پورا انشراح نہ پوری توجہ نہ پورا اعراض نہ پورا اُنس نہ پوری وحشت اُن کے بین بین ایک کیفیت ہوگی۔

بہرکیف میں پھر اپنے مطلب اصلی کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ ترکِ موالات مع الکفار ضروری ہے اور ہمیشہ سے ضروری ہے یہ کوئی جدید حکم نہیں البتہ اس کی بعض جزئیات پر حسب ضروریات زمانہ علماء نے متنبہ کردیا ہے۔

انگریزی تعلیم کے اثرات

مروجہ انگریزی تعلیم جن کا اثر یہ ہے کہ مسلمان طلبہ نصرانیت کے

رنگ میں رنگے جائیں یا اپنے مذہب اور مذہب والوں کا مذاق اڑائیں۔ یا حکومت وقتیہ کی پرستش کرنے لگیں اور وہ سرکاری ملازمتیں جن کا نتیجہ محض سرکار کی غلام بنانے والی پالیسی کو مضبوط کرنا ہو وہ سب موالات کے تحت میں ہمیشہ سے شامل ہیں۔ البتہ انگریزی حکومت کے موجودہ معاملات نے اسکو اور زیادہ شدید بنا دیا ہے۔

انگریزی اور دوسروں کے علوم وفنون سیکھنا جائز ہیں

انگریزی تعلیم گاہوں کے متعلق ترک موالات کے سلسلہ میں ہم فی الحقیقت اُن ہی شرائط کو پورا کرانا چاہتے ہیں جنکے بعد ایک اجنبی زبان کا سیکھنا اور دوسری قوموں کے علوم وفنون حاصل کرنا شرعاً جائز ہیں اور مسٹر محمد علی وغیرہ بھی ایک حد تک اسی کوشش میں رہے ہیں۔

یہ بات بہت زیادہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو مسلمان قوم اپنی بدبختی سے کسی کافر قوم کے زیر حکومت آگئی ہو اور اپنے ہاتھ پاؤں غیر مسلم حکمرانوں سے خوب بندھوا چکی ہو اُس کی قابل تاسف بیچارگی کا خیال فرما کر حق تعالیٰ شانہ نے ترک موالات کے حکم میں تھوڑی سی گنجائش بھی رکھی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:-

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً۔	مسلمان مسلمانوں کے سوا کافروں کو اپنا یار و مددگار نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اُسکو اللہ سے کچھ سروکار نہیں۔ مگر یہ کہ تم اُن سے اپنا بچاؤ کرتے رہو۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:-

عن ابن عباس قال نهى الله المؤمنين ان يلاطفوا الكفار ويتخذوهم وليجة من دون المؤمنين الا ان يكون الكفار عليهم ظاهرين فيظهرون لهم اللطف ويخالفونهم في الدين وذلك قوله تعالى إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً	حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ نے مسلمانوں کو اس سے روک دیا ہے کہ وہ کفار سے ملاطفت کا برتاؤ کریں اور مسلمانوں کے سوا ان کو اپنا رازدار بنائیں۔ مگر یہ کہ کفار اُن پر غالب آجائیں تو یہ ہوسکتا ہے کہ اظہار لطف کے ساتھ ساتھ مذہبی معاملات میں اُنکے مخالف رہیں اور یہی مطلب ہے خدا کے کلام إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً کا

اس قدر رعایت سے یہ سمجھنا چاہئے کہ ترک موالات کی مخاطب یہ محکوم قوم بالکل نہ رہی یا موالات کفار کی حرمت اصل سے جاتی رہی۔ بلکہ إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً کا استثناء اگر منسوخ نہیں

ہوا جیسے کہ بعض سلف کا قول ہے تو وہ محکوم ومقہور مسلمانوں کو محض اس سے آگاہ کرتا ہے کہ ترک موالات میں اپنے بچاؤ کا پہلو ملحوظ رکھ سکتا ہے اور اسی اعتبار سے ترک موالات کے حکم میں یہ استثناء میرے نزدیک آیۃ جہاد کے اُس استثناء سے مشابہ ہوگا جو وَمَن يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ کے ساتھ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ سے کیا گیا ہے۔

پس ترک موالات کے وقت ایک محکوم ومقہور قوم کو حاکم وقاہر قوم کے مقابلے میں اپنے نفع وضرر کا پورا پورا موازنہ کر لینا چاہئے اور جہاں تک ہوسکے کوئی ایسی صورت نہ اختیار کی جائے جس سے مسلمانوں کی تمام ہلاکت کا اندیشہ ہو۔ یا وہ بحالت موجودہ اُن کی طاقت سے باہر یا ناممکن العمل ہو اور غالباً اسی مصلحت سے تحریک ترک موالات کے حامیوں نے اُس پر عمل کرنے کے تدریجی منازل قائم کئے ہیں۔

اور شاید اسی طرح کی مصلحت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں قریش کی مقاطعت ٹوٹ جانے کی دعا فرمائی کہ اُس حالت ضعف وقلت ومجبوری میں اُس سے سراسر مسلمانوں کا نقصان تھا اور اُس مجبوری کی وجہ سے مکی زندگی میں آپ کو کفار کے مقابلے پر سیف وسنان سے کام لینے کا حکم نہیں تھا بلکہ برابر صبر اور کف ید (دست کشی) ہی کی تعلیم دی جاتی رہی۔

کفار سے بیع وشرا موالات میں شامل نہیں

اس موقع پر یہ بھی فراموش نہ کیجئے کہ نفس بیع وشراء واجارہ وغیرہ معاملات موالات میں داخل نہیں۔ ہاں اگر بیع ایسی چیز کی کافر محارب کے ہاتھ کی جائے جس سے وہ مسلمانوں کے مقابلے پر کام لیگا مثلاً ہتھیار کی یا لوہے کی (جو ہتھیار کا مادہ ہے) اسکو ہدایہ وغیرہ میں ممنوع لکھا ہے اور قرآن شریف میں وارد ہے کہ

وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ	گناہ اور ظلم کی مدد مت کرو۔
فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكَافِرِينَ	کافروں کے مددگار مت بنو۔

کیا تجارتی تعلقات کا انقطاع ترک موالات میں شامل نہیں ہے

بہر حال جس چیز یا جس معاملہ میں سے کافر کی اعانت مسلمانوں کی بربادی میں ہوتی ہو۔ ان نصوص سے صراحتاً وہ ممنوع ہے۔ اب آپ حضرات للہ غور فرمائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی یہودی سے جو اُس وقت مسلمانوں سے برسر پیکار نہ تھا اپنی زرہ رہن رکھ کر قرض لینا یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فاقہ کشی کی حالت میں کسی معاہد یہودی کا باغ چند چھواروں کی اجرت پر سینچنا۔ اسی طرح کے معاملات ہیں جیسا کہ آج انگریزی گورنمنٹ کی ملازمت کے ملازم طوعاً وکرہاً جبر واستبداد کی مشین کا ایک پرزہ ہیں جن کو خواہی نخواہی اس اثم وعدوان اور

تحکیم بغیر ما انزل اللہ کی پالیسی کا پہیہ ڈھکانا پڑتا ہے۔ جس سے کہ اقوام کی غلامی کا گلو گیر پھندا روز بروز تنگ ہوتا جا رہا ہے اور جو ابھی ملازم نہیں مگر سرکاری کالجوں میں پڑھ رہے ہیں یا سرکاری یونیورسٹیوں کی ڈگریاں حاصل کرنے کی تمنا میں ہیں، وہ بڑی جد و جہد کے ساتھ اس ساعت کے امیدوار ہیں جبکہ وہ اپنے ہم قوموں اور ہم وطنوں کی آزادی کو ہمیشہ کے لئے ناممکن بنانے کے قابل ہوں۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ گورنمنٹ کا سب سے بڑا کام چلانے والا آلہ سرکاری ملازم ہے اور سرکاری تعلیم گاہوں کے طالبعلم وہ لوہا ہیں جن سے یہ آلہ بنتا ہے۔

اعتراض کہا جاتا ہے کہ تجارتی تعلقات کا منقطع کرنا ترک موالات میں داخل نہیں ہے ثمامہ بن اثال حنفی رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے کے بعد یمامہ کا غلہ مکہ والوں کے پاس بھیجنے سے روک دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بندش کو توڑا۔

جواب لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اس پر تھا کہ مکہ والوں نے تنگ آکر فریاد کی اور یہ لکھا کہ اَلَسْتَ تَأْمُرُ بِصِلَةِ الرَّحِمِ وَاِنَّكَ قَدْ قَطَعْتَ اَرْحَامَنَا وَقَدْ قَتَلْتَ الْاٰبَاءَ بِالسَّيْفِ وَالْاَبْنَاءَ بِالْجُوْعِ۔ پس اس قسم کی صلہ رحمی کو جو ایسی ضیق اور عجز کے اظہار کے بعد کی جائے کون حرام کہتا ہے۔ ہم تو ان تجارتی تعلقات کو بند کرنا چاہتے ہیں جن سے یورپ کے سرمایہ داروں کے پیٹ اتنے بڑے ہو رہے ہیں کہ ان کی جوع البقر نے تمام روئے زمین کے مسلمانوں کو ہضم کر لینا چاہا ہے مجھے امید ہے کہ حکومت اور تجارت کا باہمی تعلق جو یورپ امریکہ وغیرہ کے حکمرانوں کو عرصۂ دراز سے آپس میں ٹکرا رہا ہے۔ آپ اس سے تجاہل نہ برتیں گے۔

میں تو یہ کہتا ہوں کہ خواہ تجارتی تعلقات کا انقطاع ترک موالات کے تحت میں آئے یا نہ آئے لیکن اس زمانہ میں وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ کے بہت بڑے افراد میں سے ہے اور اس لئے جس قدر استطاعت ہو اس میں کوشش ہونی چاہئے۔ اگر نیک نیتی سے ایسا کیا گیا تو عجب نہیں کہ آپ کی یہ کوشش اس کوشش کی نوع میں داخل ہو جائے جس کے ذیل میں غزوۂ بدر واقع ہوا۔ میری آرزو ہے کہ آپ زاد المعاد وغیرہ میں ان سرایا (وہ لڑائیاں جن میں حضور شریک نہیں ہوئے) کا حال ضرور پڑھیں جو بدر سے پہلے تجارتی قافلوں کے مقابلہ پر بھیجے گئے اور جو آخر کار اس سب سے زیادہ مبارک غزوۂ بدر پر منتہی ہوئے۔

بہرحال ہمارا مقصد یہ ہے کہ تا امکان ہم ظالموں کے بازوؤں کو قوی نہ بنائیں اور احتیاط کے ساتھ اپنے مقدور کے موافق ہر ایسا تعلق منقطع کریں جس سے اب اور آئندہ ہماری امداد اور تائید اس ظلم و عدوان میں سمجھی جاتی ہو۔

ترک موالات اور خوف افلاس

مجھے سخت حیرت ہے کہ آجکل بہت سے علماء ان تعلقات کو قطع کرنے میں مسلمانوں کو مفلسی سے ڈراتے ہیں اور کاد الفقر ان یکون کفرا کا وعظ سنا رہے ہیں۔ حالاں کہ اب سے چالیس برس پہلے جب یہی وعظ سرسید نے علی گڑھ کالج کی بنیاد رکھتے وقت کہا تھا اس وقت تمام علماء ربانیین نے اس پر کیا کیا فتوے دئے تھے۔ سرسید بھی تو کہتے تھے کہ اگر مسلمان اس وقت انگریزی تعلیم نہ پائیں گے یا وہ دوسری قسم کے ذلیل افعال مثلاً دھوکا، فریب، گداگری، چوری، ڈکیتی وغیرہ کے مرتکب ہوں گے۔ یا جو کچھ گھر میں سرمایہ ہوگا اس کو چاٹیں گے اور بقیہ گھر اور جائدادیں بنیوں کے حوالے کر دیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔

جواب لیکن آپ کو معلوم ہوگا کہ اکابر علماء نے ایک نہ سنی اور ان بد اندیشوں کا یہی جواب دیتے رہے کہ اَلشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا (ترجمہ) شیطان تم کو افلاس سے ڈراتا ہے اور بےحیائی کا حکم کرتا ہے اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ فرما دیا ہے۔

اور وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ یعنی تم اگر تنگی سے ڈرتے ہو تو اللہ تم کو جلد اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔

سرسید اور حکومت برطانیہ

اخبار مشرق کے ایک مراسلہ نگار نے لکھا ہے کہ "افسوس لیڈران قوم نے اس وقت اپنے سچے خیر خواہوں کو بدخواہ اور گاندھی جیسے حقیقی دشمنوں کو خیر خواہ سمجھ لیا ہے وہ ہماری تو کیا سنیں گے اپنے مسلّم عاقل یعنی سرسید کو بھی نہیں مانتے جن تعلقات کی آج یہ لوگ بے قدری کر رہے ہیں۔ یہ وہ تعلقات ہیں جو سرسید نے اپنا اور اُن کا دین و ایمان آبرو و عزت بیچ کر قائم کئے تھے۔ اب تم جان سکتے ہو کہ یہ تعلقات تم کو کس قدر گراں قیمت پر پڑے ہیں۔ پس یہ سخت غلطی ہوگی کہ ایسی گراں خریدی ہوئی چیز کو یوں مفت ہندوؤں کے حوالے کر دو۔ اس سے زیادہ اور کیا بے عقلی ہوگی۔"

ان فیصلہ کن جملوں خصوصاً خط کشیدہ سطر کو غور سے پڑھئے یہ لوگ خود اقرار کر رہے ہیں کہ جن سرکاری تعلقات کے ترک پر اس وقت زور دیا جا رہا ہے وہ سرسید نے دین و ایمان اور عزت و آبرو بیچ کر خریدے تھے۔ پس اب میں اُن ہی کو حَکَم ٹھہراتا ہوں کہ کیا ایسے تعلقات کا رکھنا ایک مسلمان کو ایک منٹ کے لئے بھی جائز ہے اور کیا اب ان تعلقات کا موالات میں داخل ہونا محل تردد ہے۔

مشورہ مشورہ دیا گیا ہے کہ ان تعلقات کو ہاتھ سے مت جانے دو اور اپنا کھویا ہوا دین وایمان واپس لینے کی کوشش کرو۔ مگر حضرات واضح رہے کہ جس چالاک گاہک کے ہاتھ یہ معاملہ ہوا ہے وہ اس قدر پاگل نہیں کہ آپ کے پاس اپنی پونجی بھی رہنے دے اور اتنی بڑی قیمت بھی واپس کر دے۔ اگر اقالہ[1] سے کام چل جائے تب بھی خدا کا ہزار ہزار شکر کیجئے۔

اعتراض بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ ہندو یہ سب کوششیں سوراج حاصل کرنے کے لئے کر رہے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ نہ فقط ہندوؤں کا بلکہ بعض مسلمانوں کا بھی یہی مقصد ہے لیکن آپ اس مقصد کو برا کیوں سمجھتے ہیں۔ اگر ہندوستان کو سوراج یعنی حکومت خود اختیاری حاصل ہو جائے تو ہندوستان کے محاصل و وسائل ہندوستان کی مرضی کے خلاف صرف نہیں کئے جا سکیں گے اور عراق، فلسطین اور قسطنطنیہ پر انگریزی قبضہ بہت دشوار ہو جائیگا ورنہ اس سے بھی کیا کم کہ آئندہ مسلمانوں کے مقابلے پر ہندوستان نہ جا سکے گا۔ اس سب کے علاوہ یہ کہ ہم کو ہندوؤں کی نیت سے کیا تعرض ہے جبکہ خود ہمارا مقصد صحیح ہو۔ وطن پرستی اور قوم پرستی بیشک اسلام کی کوئی اصطلاح نہیں اور یہ اصطلاحیں شاید یورپ سے لی گئی ہوں۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ اپنی قوم اور وطن کا تحفظ ہمارے فرائض سے خارج ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ جو ملک ایک مرتبہ مسلمانوں کے جھنڈے کے تلے آ جائے اگر اس کا ایک چپہ کفار لینا چاہیں تو بتدریج مشرق سے مغرب تک کل اہل اسلام پر دفاع فرض ہو جاتا ہے۔ اس لئے اگر تحفظ ملک و قوم کے لئے مسلمان کوئی قربانی کریں تو اس کو ہمیشہ یورپ کی تقلید سمجھ لینا چاہیئے۔

ترک موالات کے بعض مخالفین کا خیال بڑی مشکل یہ آن پڑی ہے کہ تحریک ترک موالات کے بعض مخالفین انگریزی حکومت کی کوئی تعدی تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس کو دنیا کی تمام موجودہ حکومتوں سے افضل اور بابرکت سمجھ رہے ہیں۔ چنانچہ مشرق میں ایک صاحب نے لکھا ہے کہ

"جو حکومت مسلمانوں کو ان کے مذہبی شعائر میں پوری آزادی دیتی ہے ان کے جان و مال و آبرو کی محافظ ہے۔ قرآن و رسولؐ کی بے حرمتی کو قانوناً جرم قرار دیتی ہے۔ بیت اللہ و بیت الرسول کی زیارت سے نہیں

[1] اگر کوئی خریدار کسی چیز کو خرید لے اور اس کو دی ہوئی قیمت سے کم کر کے واپس کر دے تو اسکو فقہ کی اصطلاح میں اقالہ کہتے ہیں۔ (مرتب)

روکتی اس کے ساتھ ترک تعلقات کس طرح واجب ہو سکتا ہے۔ باقی شریف[1] مکہ یا اس کی فوج نے یا ان کے ساتھ مل کر انگریزی فوج کے مسلمانوں نے جو کچھ مکہ اور مدینہ کی بے حرمتی کی ہے اس کی بابت غیروں کو الزام دینا فضول ہے یہ سب کچھ خود مسلمانوں کے ہاتھوں کے کئے ہوئے کام ہیں۔ اور ہنگامہ کانپور میں جو کچھ ہوا اس کے ذمہ دار وہ لیڈران قوم ہیں جنہوں نے گورنمنٹ کو غلط فتویٰ دیا۔"

ہندوستان میں انگریزی حکومت کو سو سال سے زیادہ عرصہ گذر گیا مگر اس زمانہ میں مسلمانوں کے دین و مذہب پر اس کا کیا اثر ہوا اس کو سیاحان عالم سے پوچھو وہ صاف کہتے ہیں کہ اس وقت ہندوستان سے زیادہ کسی جگہ کے مسلمانوں میں دینداری کی روح نہیں اور اگر ان کا یقین نہ آئے تو خود جا کر ترک، عرب، مصر اور افغانستان کے مسلمانوں کو دیکھ لو کہ آزادی کی زہریلی ہوا نے ان کے دین کو کس طرح چر لیا۔ مشاہدے کے بعد تم خود دیکھو گے کہ ہندوستان سے زیادہ دینداری کسی ملک میں نہیں۔"

انگریزی حکومت کا جو اثر مسلمانوں کے دین و مذہب پر ہوا اس کو تو آپ نے دیکھ لیا کہ ہندوستان اس وقت دین داری میں اسلامی ممالک سے بھی سبقت لئے ہوئے ہے۔

جواب میں صرف اس قدر دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ عراق، شام، فلسطین اور تھریس وسمرنا کے کلمہ پڑھنے والوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کیا مسلمانوں کی جان و مال اور عزت و آبرو نہیں ہے؟ کیا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ، اَلْمُؤْمِنُوْنَ یَدٌ عَلٰی مَنْ سِوَاھُمْ خدا اور خدا کے رسول کا کلام نہیں۔ کیا امرتسر کے بازاروں میں رینگنے والوں میں سے کوئی مسلمان نہیں تھا کیا بیت المقدس شعائر اللہ میں سے نہیں۔ کیا مکہ مدینہ میں اگر انگریزی فوج کے مسلمان گئے ہیں وہ بدون انگریزی حکومت کے حکم کے خود بخود چلے گئے۔ کیا ان مسلمانوں یا شریف مکہ کے مجرم ٹھہرنے سے انگریزی عمال بے قصور ثابت ہو جاتے ہیں۔ کیا کانپور میں صحیح فتویٰ معلوم ہو جانے اور چاروں طرف کے مسلمانوں کی آواز بلند ہونے کے بعد خونریزی اور گرفتاریاں نہیں ہوئیں۔

علماء اور برطانیہ سے جہاد یہ صحیح ہے کہ دین کے بہت سے اجزاء میں ہندوستان کئی ممالک اسلامیہ سے فائق ہے مگر بعض اجزائے دین یعنی خلا

[1] شریف حسین کہ جو ترکوں کے زمانے میں مکہ معظمہ کا گورنر تھا انگریزوں سے مل گیا تھا۔ اس غداری سے ترکوں کو حجاز چھوڑنا پڑا اور انگریزوں کا عمل دخل ہو گیا۔ وہ اس حرم میں داخل ہوئے جہاں کفار کو جانے کی اجازت نہیں۔ - انوار

کی راہ میں جانبازی اور سرفروشی اور اعلائے کلمۃ اللہ اور زوال عن الاسلام والمسلمین کے وظیفہ سے تقریباً محروم ہو، لیکن یاد رکھئے کہ یہ دینداری انگریزی حکومت کی برکات میں شمار نہیں ہو سکتی۔ بلکہ چند ایسے نفوس قدسیہ کی صرف ہمت اور بذل قوت کا نتیجہ ہے جو اس سرزمین میں ہماری خوش قسمتی سے پیدا ہوئے اور جنہوں نے اپنی نہایت ہی خدا داد قابلیت، روحانی طاقت اور حیرت انگیز جرأت سے نصاریٰ اور متنصرین کے اثر کا مقابلہ کیا۔ ان ہی مقدس بزرگوں میں حضرت الشیخ الاجل مولانا حاجی امداد اللہ قدس سرہ تھے جنہوں نے آخر کار انگریزی حکومت کے دائرہ سے نکل کر حرم شریف کو اپنا مسکن بنایا اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ روحہ تھے جو ایک مدت تک انگریزی حکومت کے احکام گرفتاری کے چکر میں نانوتہ اور دیوبند کا گشت لگاتے رہے اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ روحہ تھے جنہوں نے انگریزی حکومت کی برکات کو محسوس نہ کر کے مہینوں تک موالات کی کوٹھڑی میں رہنا پسند کیا۔ اور اب سب سے آخر میں وحید العصر حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی ہیں جن کی درد انگیز داستان آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے۔

نہایت قلق سے کہنا پڑتا ہے کہ ان سب بزرگوں کو جن کے دم سے ہندوستان میں یہ دینداری پھیلی، انگریزی حکومت کی وہ برکات محسوس نہ ہو سکیں جن کا ہمارے دوست اس شدومد کے ساتھ دعویٰ کر رہے ہیں۔ شاید ان کا یہ دعویٰ بھی انگریزی حکومت کے برکات میں سے ایک برکت ہو۔

مسلمان اپنے شعائر کیوں نہیں اختیار کرتے

بہت سے علماء کو یہ شکایت ہے کہ مسلمان خطاب واپس کرتے اور ملازمتیں چھوڑتے ہیں مگر وہ الحاد و زندقہ، فسق و فجور، حب دنیا، حب جاہ اور کفار کے وہ اوضاع و اطوار نہیں چھوڑتے جو انہوں نے یورپ سے لیے ہیں اور جو کہ حقیقتاً موالات ہیں پس مسلمانوں کو چاہیے کہ اس موالات کو سب سے پہلے چھوڑیں اور اپنی صورت، اپنا لباس، اپنی معاشرت، اپنے خیالات اسلامی طریقوں پر بنائیں اور اوضاع و اطوار کفار اور ان کے خیالات سے پرہیز کریں۔ کانفرنسوں اور کمیٹیوں کے جلسوں کی ہیئات کذائی میں یورپ کی نقل اتارنا اور ان کے طرز پر استقبال اور آرائشیں اور ریزولیوشن وغیرہ پاس کرنا، ڈاڑھیاں منڈانا، مونچھیں بڑھانا، انگریزی کوٹ پتلون وغیرہ پہننا یا ہندوانہ صورتیں بنانا، صوم و صلوٰۃ وغیرہ کا پابند نہ ہونا بلکہ اس کا استہزاء کرنا، اپنی نجی مجالس میں بے ضرورت انگریزی بولنا یہ سب اوضاع و اطوار کفار میں داخل ہیں (اگرچہ موالات کا مفہوم ان میں منحصر نہیں) اور یقیناً علماء کا فرض ہے کہ وہ ترک

موالات کے نظام عمل میں ان چیزوں کو مقدم رکھیں لیکن یہ معنی نہیں کہ علماء کی کوشش محض ان ہی مفاسد کی اصلاح تک محدود ہو جائے اور وہ کسی ایسے اسلامی مسئلہ میں دخل نہ دیں۔ جس میں گورنمنٹ کی طرف سے کسی قسم کے خطرہ کا امکان ہو۔

مسلمانوں کا ہنود کے ساتھ مل کر غیر اسلامی شعائر کرنا

بہت سے خیر خواہ ہندو مسلم اتفاق کے عواقب کے بعد عوام الناس اور بعض لیڈروں کی ان غلط کاریوں پر متنبہ فرما رہے ہیں جو اس اتفاق کے جوش سے پیدا ہوئی ہیں مثلاً قربانی گاؤ میں بعض جگہ تشدد و مزاحمت کیا جانا یا قربانی کے جانور کو سجا کر رضا کاران خلافت کا گئوشالہ میں پہنچانا یا قشقہ لگانا، یا ہندوؤں کی ارتھیوں کے ساتھ خصوصاً "رام رام ست" کہتے ہوئے جانا، یا یہ کہنا کہ امام مہدی کی جگہ امام گاندھی تشریف لائے ہیں یا یہ کہ اگر نبوت ختم نہ ہو گئی ہوتی تو مہاتما گاندھی ہی نبی ہوتے۔ یا قرآن و حدیث میں بسر کی ہوئی عمر کو نثار بت پرستی کرنا یا یہ دعا کرنا کہ اگر میں کوئی مذہب تبدیل کروں تو سکھوں کے مذہب میں داخل ہوں وغیرہ وغیرہ۔

جواب

بلاشبہ میں بھی جب اپنی قوم کے بڑے سربرآوردہ افراد کو سنتا ہوں کہ وہ اس قسم کے محرمات یا کفریات کے مرتکب ہوتے ہیں اور وہ باتیں زبان سے بیدھڑک نکال دیتے ہیں جن کو سن کر ایک سچے مسلمان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں تو میرا دل پاش پاش ہو جاتا ہے اور قصد کرتا ہوں کہ اس طوفان بے تمیزی کا روکنا جب اپنی قدرت میں نہیں تو ان معاملات سے بالکل یکسوئی بہتر ہے۔

مگر پھر شیطان اخرس اور الجام بالنار والی وعیدیں یاد آتی ہیں اور فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ امید کی ایک جھلک پیدا کرتی ہے۔ تو ناچار یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ جب بھی ہو اپنے خیالات مسئلہ کے ہر ایک پہلو پر واشگاف طریقہ سے ظاہر کر دینے چاہئیں۔

من آنچہ شرط بلاغ است با تو میگویم
تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

اگر حضرات علماء نے ادھر توجہ نہ کی یا باوجود علماء کی کوشش تبلیغ کے ان حد سے گزری ہوئی خرابیوں کا کوئی انتظام نہ ہوا تو عجب نہیں کہ بہت سے نیک نیت لوگ ان مجالس اور تحریکات کی شرکت سے برداشتہ خاطر ہو جائیں اور اس تحریک ترک موالات کو بڑا صدمہ پہنچ جائے۔

افراط و تفریط سے یکسوئی

میری درخواست یہ ہے کہ سب علماء افراط و تفریط سے خالی ہو کر مصالح اسلامیہ کی حمایت اور مفاسد عامہ کا استیصال پوری طاقت کے ساتھ کریں اور کسی معاملے میں صرف ایک ہی طرف نہ جھک پڑیں کہ اس وقت

مسلمانوں کی کشتی بہت گہرے بھنور میں ہے نا خداؤں کو پوری طرح ہوشیار اور مستعد رہنا چاہیئے۔

اب مجھے صرف اس قدر کہنا ہے کہ ایک اولڈ بوائے صاحب کے مضمون میں جو اخبار مشرق گورکھپور کی گیارہ نومبر کی اشاعت میں انسٹیٹیوٹ گزٹ سے نقل کیا گیا تھا حضرت شیخ الہند کے فتوے ترک موالات پر کچھ اعتراضات کئے گئے ہیں جن میں سے بعض چیزوں کا ذکر تو بندہ کے اسی مضمون سے ہو چکا ہے اور جو بڑا جزو باقی ہے وہ والدین کی اطاعت کے متعلق ہے۔

اطاعت والدین اور اس کا جواب

اولڈ بوائے صاحب کی طرح ہم بھی یقین رکھتے ہیں کہ والدین کی اطاعت کو قرآن حکیم نے ضروری قرار دیا ہے اور جو آیت آپ نے پیش کی ہے اس پر ہم اور حضرت شیخ الہند آپ سے کم ایمان نہیں رکھتے اور جو صحیح بخاری کی حدیث یا در مختار اور عالمگیری کی فروع آپ نے درج کی ہیں ان سب کو بھی ہم آپ کی طرح مانتے ہیں (گو آپ نے عالمگیری کی بعض دوسری فروع پر نظر نہیں ڈالی) لیکن گفتگو صرف اس میں ہے کہ اگر والدین ایک فرض عین کے ادا کرنے سے روکیں یا ایک محرم کے ارتکاب کا حکم دیں تو کیا اس میں بھی اولاد والدین کی اطاعت اور خوشنودی حاصل کرنے پر مجبور ہے جس قرآن نے والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کا حکم دیا ہے اسی نے یہ بھی فرمایا ہے کہ

وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ	اور اگر وہ دونوں تجھ کو اس پر مجبور کریں کہ
بِىْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا	تو اس کو میرا شریک ٹھہرا جسکا تجھے کوئی علم نہیں
تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِى الدُّنْيَا	توان دونوں کی اطاعت مت کر البتہ دنیا میں
مَعْرُوْفًا۔	انکے ساتھ معقول طریقہ سے رہ۔

اس سے علماء نے یہ کلیہ معلوم کیا کہ خدا کی معصیت میں والدین کی اطاعت نہیں۔ کیونکہ خدا کا حق والدین کے حق سے زیادہ مقدم ہے لَا طَاعَةَ لِلْمَخْلُوْقِ فِىْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ بس اگر سرکاری تعلیم گاہوں سے طلبہ کا علیحدہ ہونا اس ترک موالات میں داخل ہے جس کو خدا نے فرض قرار دیا ہے تو اس میں طلبہ اس طرح اپنے والدین کی اجازت کے محتاج نہیں جس طرح نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے میں اور جس جگہ جہاد میں اذن والدین کو شرط بتایا ہے وہ اس وقت ہے جبکہ جہاد فرض علی الکفایہ ہو۔ اگر فرض عین ہو جائے تو اس میں بھی اذن شرط نہیں۔ اسی بنا پر حضرت شیخ الہند نے ترک موالات کو تو اجازت والدین پر موقوف نہیں رکھا مگر اس کی تبلیغ میں حقوق والدین کی رعایت فرمائی ہے۔ کیونکہ ترک موالات کی طرح اس کی تبلیغ فرض عین نہیں بلکہ فرض علی الکفایہ ہے۔

اولڈ بوائے صاحب کو پہلے اسی میں کلام کرنا چاہیئے تھا کہ تعلیم گاہوں کا مقاطعہ ترک موالات کے تحت میں داخل ہے یا نہیں۔ کیونکہ اگر جواب اثبات میں ہو تو پھر آپ کی یہ سب تطویل لاطائل ہوگی۔

اولڈ بوائے صاحب کو واضح ہو کہ آیت قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ الآیۃ حضرت مولانا نے اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش نہیں کی بلکہ جو ضعیف القلب طلبہ والدین کی نافرمانی یا ان سے انقطاع کا تصور باندھ کر متوحش ہوتے تھے انکی ہمتوں کو قوی کرنے کے لئے یہ آیت لکھی گئی ہے تاکہ وہ سمجھیں کہ ایک فرض عین کے انجام دینے میں ماں باپ یا کسی قریب سے قریب رشتہ دار کی خفگی سے ملول نہیں ہونا چاہیئے۔

ہندوؤں سے بھی ترک موالات کا مشورہ اور اُس کا جواب

آخر میں مجھے اسقدر اور عرض کرنا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہندوؤں کے مظالم مسلمانوں پر انگریزوں سے کم نہیں اور وہ آرہ شاہ آباد، کٹار پور وغیرہ کے دردناک واقعات کو یاد دلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ترک موالات نصاریٰ کی طرح ہندوؤں سے بھی ہونا چاہیئے کیونکہ وہ بھی قَاتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ میں داخل ہیں۔

اس خیال کی صحت کو ایک حد تک تسلیم کرتا ہوں لیکن اس قدر گذارش ہے کہ کٹار پور وغیرہ کے تلخ واقعات کے بعد ہندوؤں کے ممتاز لیڈروں اور جمہور نے یہ عہد کیا ہے کہ آئندہ اس طرح کے واقعات کو ناممکن بنانے میں پوری پوری کوشش کی جائے گی اس لئے جب پچھلی کارروائیوں پر اظہار تاسف کر کے انہوں نے ہماری طرف مصالحت کا ہاتھ بڑھایا اور تحفظ خلافت کے اہم معاملہ میں ان کی مصالحت سے ہمیں ایک بڑی تائید حاصل ہوئی تو ہماری قوم کے بہت سے افراد اور اَعلام نے بھی ان کے ساتھ مصالحت اور رواداری کی روش اختیار کر لی اور مبرۃ و اقساط (نیکی اور انصاف) سے پیش آنے میں حرج نہیں سمجھا۔ کیونکہ قرآن شریف میں ہے۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا	اگر وہ مصالحت کے لئے جھکیں تو تم بھی
وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ	جھک جاؤ اور خدا پر بھروسہ رکھو۔

ہندوؤں کا فریب اور اُس کا توڑ

اور یہ خیال کہ ہندو ہم کو اس مصالحت کے پیرایہ میں دھوکا دیں گے اگرچہ ممکن ہے درست ہو جائے مگر جب تک ان کا فریب اور بدعہدی ثابت نہ ہو یہ احتمال نکالنا اس قوم کی پوزیشن پر ایک حملہ ہے جسے وہ آپ پر بھی لوٹا سکتے ہیں۔ بہرحال ہمیں اللہ تعالیٰ کی اس قسم کی تسلی آمیز ہدایت پر اطمینان رکھنا چاہیئے:

وَاِنْ يُّرِيْدُوْۤا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ	اگر وہ لوگ تمہیں دھوکہ دینا چاہیں گے تو
حَسْبَكَ اللّٰهُ	خدا تمہارے لئے کافی ہے۔

اگر کہا جائے کہ انگریزوں سے مصالحت اور موافقت کرنے میں پھر کیا چیز مانع ہے تو خوب سمجھ

سمجھئے کہ یہ قوم فی الحال مسلمانوں کی جماعت سے عراق وغیرہ میں برسرپیکار ہے اور مسلم اقوام کی آزادی کا خون کرنے میں اس کی تلوار اس وقت بھی بے دریغ چل رہی ہے اس وقت تک اس سے مسلمان قوم نے قواعد اسلام کے موافق کوئی جائز صلح نہیں کی۔ ایسی صورت میں مسلمانوں کی موافقت اُس سے کس طرح ممکن ہے۔

مسلمان بیشک اُس سے مصالحت اور رواداری کا برتاؤ کر سکتے ہیں بشرطیکہ وہ اپنے حتی عہد کے موافق خلافت اسلامیہ اور اُن مقامات مقدسہ سے ہاتھ اٹھالے جن کے زوال کی حسرتناک داستان آج مسلمانوں کو خون کے آنسو رُلا رہی ہے۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ میری اس تقریر سے آپ اس فرق پر متنبہ ہو جائیں گے جو قرآن وسنت اور فقہائے کرام نے ایک کافر محارب اور کافر مسالم کی حیثیات میں ملحوظ رکھا ہے اور بعض مفسرین سلف کے اُس قول کی طرف بھی توجہ کریں گے جس میں انہوں نے لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ کا مصداق اُن کفار کو ٹھہرایا ہے جن سے مسلمانوں نے مصالحت کرلی ہو۔

اب میں یہ دعا کرتا ہوا آپ سے رخصت ہوتا ہوں رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔ اٰمِيْنَ يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۞

علامہ عثمانی کا مذکورہ خطبہ بعنوان "ترکِ موالات" آپ کے مطالعہ سے گذر گیا ہے اس میں آپ نے انگریزی حکومت سے ترک موالات پر مفصل روشنی ڈالی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہندو مسلم اتحاد میں مسلمان لیڈروں اور عوام مسلمانوں کے ان افعال سے بیزاری کا اظہار فرمایا ہے جو ہندوؤں کے شعائر تھے یعنی قربانی کی گائے کو مندر میں لے جانا، مسلمانوں کا پیشانی پر ہندوؤں کی طرح سرخ بندی (قشقہ) لگانا، ہندو مردوں کی ارتھیوں کے ساتھ رام رام ست ہے کہتے ہوئے چلنا، نیز ہندوؤں کو مساجد کے منبروں پر بٹھانا، تقریریں کرانا وغیرہ وغیرہ۔

تحریک خلافت کا خاتمہ

تحریک خلافت جنگ عظیم ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء کا نتیجہ تھی جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں، ترکوں کے ملک کو فرانس، برطانیہ، روس اور اٹلی نے تقسیم کر لیا کیونکہ اس کا ساتھی جرمن شکست کھا چکا

تھا اس کے ساتھ ترکوں کو بھی شکست ہو چکی تھی لیکن چونکہ روس میں بغاوت ہو چکی تھی اس لئے وہ قسطنطنیہ پر قبضہ نہ کر سکا تھا۔ لہٰذا برطانیہ، فرانس اور اٹلی نے اس پر قبضہ کر لیا۔ مارچ ۱۹۱۸ء میں اتحادیوں کی فوجیں ترکی کے دارالخلافہ قسطنطنیہ میں داخل ہو گئی تھیں جنہوں نے تمام محکموں پر قبضہ کر لیا اور چھیاسٹھ ترکوں کو جن میں شیخ الاسلام بھی تھے مالٹا بھیج دیا اور سلطان وحید الدین کو جو خلیفہ ارشاد کی وفات ۱۹۱۸ء کے بعد میں خلیفہ بنائے گئے بطور نظر بند قسطنطنیہ میں رہنے دیا۔

ترکی میں انقلاب اور مصطفیٰ کمال کا عروج

قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے کے بعد اتحادیوں میں اندرونی اختلاف پیدا ہو گیا۔ ترکی کے شہر اناطولیہ میں طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا چنانچہ مصطفیٰ کمال اُٹھا اس نے اناطولیہ کو اپنا ہیڈکوارٹر بنایا اور عصمت انونو، جنرل فیضی اور رؤف بے کپتان کو اپنے ساتھ ملا لیا اور اتحادیوں کے خلاف سخت پرچار کیا جس کے نتیجے میں کاظم قرہ کی چھ ڈویژن فوج نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا۔ اس طرح کمال نے اناطولیہ میں ایک متوازی حکومت قائم کر لی اور دورہ کر کے ملک کی تمام فوج اکٹھی کی اور تمام لوگوں نے ان کو اپنا لیڈر مان لیا۔ انہوں نے گرینڈ نیشنل اسمبلی قائم کی اور اتحادیوں کو پیغام بھیجا کہ ترکی قوم خلیفہ کو قیدی سمجھتے ہیں اور انہوں نے ایک قومی اجتماع کیا ہے جس میں ایک قومی اسمبلی بنائی گئی ہے لہٰذا اس کے بغیر کوئی فیصلہ ناقابل قبول ہے۔ اتحادی حیران رہ گئے مصطفیٰ کمال نے سب سے مقابلے کی ٹھانی اور ہر طرف سے ملک کی حفاظت کی۔ پھر قسطنطنیہ کی طرف بڑھا اور اتحادیوں کو نکال باہر کیا۔

پیرس میں تقسیم ترکی پر اتحادیوں کی کانفرنس ہو رہی تھی انہوں نے یونان کو سمرنا پر حملے کے لئے اکسایا اور اناطولیہ پر قبضہ کرنے کا یونان کو مشورہ دیا۔ ادھر کمال نے مزید طاقت فراہم کی اور روس سے صلح کر لی۔ ادھر عصمت انونو کی کمان میں فوج بھیج کر یونان کا مقابلہ کیا اور انونو کے مقام پر یونان کو شکست فاش دی اس لئے عصمت کو عصمت انونو کہا جانے لگا یونان سے اگست ۱۹۲۱ء تک لڑائی ہوتی رہی بالآخر ترکی کامیاب ہوئے۔ ۱۶ر ستمبر ۱۹۲۲ء کو سمرنا بھی فتح کر لیا گیا اور پھر تھریس بھی لے لیا۔ بعد ازاں ترکی اور برطانیہ اور فرانس میں صلح ہو گئی اور ترکوں کو مکمل فتح نصیب ہوئی۔

ترکی میں خلافت کی جگہ جمہوریت

مصطفیٰ کمال کو اب فراغت نصیب ہوئی تو انہوں نے ۱ر نومبر ۱۹۲۲ء کو قومی اسمبلی میں خلافت اور سلطنت کو علیحدہ علیحدہ کر دیا اور سلطان وحید الدین کو معزول کرنے کی تجویز پیش کی۔ قومی اسمبلی کے ممبر حیران ہوگئے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خلیفہ خلافت پر تو رہے لیکن سلطنت پر قابض نہ رہے۔ مگر مصطفیٰ

نے بزور اس تجویز کو منوا لیا اور خلیفہ کو معزول کر دیا۔ جب یہ خبر قسطنطنیہ پہنچی تو خلیفہ کے وزراء توفیق پاشا وزیر اعظم، عزت پاشا وزیر جنگ اور سب وزیر مستعفی ہو گئے۔ مگر خلیفہ وحید الدین اپنے آپ کو خلیفہ اور سلطان سمجھا کئے۔ ایسا کرنا غداری سمجھا گیا اور خلیفہ پر کمال نے غداری کا الزام لگا کر مقدمہ چلانے کا ارادہ کیا تو خلیفہ وحید الدین انگریزی سپہ سالار ہرنگٹن کی حفاظت میں اپنی بیگم اور لڑکے کو لے کر بے سر و سامانی میں مالٹا چلے گئے۔ ترکوں کی قومی اسمبلی نے خلیفہ وحید الدین کی جگہ برائے نام اسکے چچازاد بھائی پرنس عبد المجید خاں کو خلیفہ مقرر کر دیا۔ مگر بعد ازاں ترکی میں ۱۹۲۳ء میں جمہوری حکومت قائم ہو گئی جسکے صدر مصطفیٰ کمال بن گئے اور خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔

ہندوستان میں خلافت کا خاتمہ ترکی میں جمہوریت کے قیام کو ہندوستان میں تحریک خلافت کے علمبرداروں نے پسند نہ کیا۔ چنانچہ یہاں یہ تحریک چلتے چلتے ۱۹۲۳ء تک پہنچی مگر ۵ اور دسمبر ۱۹۲۳ء کے بمبئی میں خلافت کے جلسوں کے بعد ہندوستان میں یہ تحریک ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔

خاتمۂ خلافت سے نظام اسلام کے تصور کا خاتمہ الغرض جو خلافت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے چلی تھی اور بنو امیہ اور بنو عباسیہ سے عبور کرتی ہوئی عثمانیہ ترکوں میں پہنچی تھی اس کا خاتمہ مصطفیٰ کمال نے ۱۹۲۳ء میں کر دیا۔ اس طرح اسلام کے نظام کا جو تصور چلا جا رہا تھا وہ ختم ہو گیا اور اب مسلمان ممالک اسلامی نظام خلافت سے یکسر محروم ہو کر میدانِ ضلالت و گمراہی میں مارے مارے پھرتے ہیں ان کو ہر طرف سے ذلت و نکبت نے گھیر رکھا ہے۔ تمام ممالک اسلامیہ کا اپنا اپنا رُخ اور اپنا اپنا انفرادی تصور ہے۔ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا کی تعلیم سے قطعاً بیگانہ ہو کر ان میں افتراق اور تشتت کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ روس اور امریکہ کو دنیا میں بالا دستی حاصل ہے۔ ممالک اسلامیہ ان کے تابع مہمل بن کر رہ گئے ہیں اور تو اور یہودیوں نے عربوں کی ناک میں نکیل ڈال رکھی ہے اور ان کا گلا دبا رکھا ہے گویا وہ آیت جو اس زمانے کے یہودیوں کے بارے میں اتری تھی:

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ — ان پر ذلت اور مسکنت کی مہر لگا دی گئی
وَبَاءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ — وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے۔

اب وہ بالکل مسلمانوں پر چسپاں اور فٹ ہو رہی ہے۔ یہ عذاب ہے اس بات کا کہ مسلمانوں نے خود اپنے آپ قانون الٰہی کو پیچھے ڈال کر مغربیت نون کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا بنا لیا جس کے نتیجے میں مسلمان چاروں طرف سے ذلیل ہو کر رہ گئے ہیں کشمیر پر بت پرست ہندوؤں کا قبضہ ہے مسلمانوں میں نسلی، جغرافیائی، سیاسی جنگیں جاری ہیں اور اسلام کے

نظریہ کے خلاف ان کی رفتار تیز سے تیز تر ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ نظام خلافت اسلامی ان کے اندر سے اٹھ گیا خود پاکستان جس کا نظریہ لا الٰہ الا اللہ تھا اشتراکیت کے نرغے پر کھڑا ہے۔ چوبیس سال تک قدرت نے انتظار کیا مگر پاکستان کے صدور اور اصحاب اقتدار نے اب تک قرار داد مقاصد پاس ہو جانے کے باوجود پاکستان میں اسلامی قانون کے نفاذ کی طرف توجہ نہیں کی۔ اب خدا ہی خیر کرے مغربی پاکستان سے ملک کے عوام نے پیپلز پارٹی کے چیئرمین مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو اور مشرقی پاکستان سے شیخ مجیب الرحمٰن کو بھاری اکثریت سے منتخب کیا ہے۔ اب دیکھئے کیا بنتا ہے[1]۔

خلافت اسلامیہ اگر پاکستان اور تمام ممالک اسلامیہ نظام اسلام اور خلافت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مشعل راہ بنائیں تو اسی میں ان کی کامیابی مضمر ہے ورنہ ناممکن ہے۔ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔

علامہ عثمانی اور تحریک خلافت ہم تحریک خلافت پر روشنی ڈال رہے تھے اس لیے اس سلسلے میں مذکورہ مضمون کو تاریخی طور پر بیان کرنے پر مجبور تھے۔ الغرض خلافت کا کوئی اہم جلسہ ہو گا جس میں علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نے حصہ نہ لیا ہو۔ آخر ترکوں میں خلافت کے خاتمے کے گیارہ بارہ سال بعد خلافت کی تحریک متحدہ ہندوستان میں اپنی موت آپ مر گئی۔

---

[1] چنانچہ مجیب الرحمٰن نے بھارت کے ساتھ ساز باز کر کے مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے علیحدہ کرنا چاہا اور پاکستان سے سخت غداری کی۔ تمام مشرقی پاکستان میں بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے اور جب معاملہ قابو سے باہر نظر آنے لگا تو موجودہ صدر یحییٰ خاں صاحب نے مجیب صاحب کو گرفتار کر لیا اور مشرقی پاکستان میں فوج کے ذریعہ پورا کنٹرول کر لیا۔ بھارت نے گوریلا فوج مشرقی پاکستان میں داخل کر کے سخت نقصان پہنچایا جسکو پاکستانی فوج نے باہر نکالا اور رفتہ رفتہ جولائی ۱۹۷۱ء تک جبکہ میں یہ حاشیہ لکھ رہا ہوں، وہاں کے حالات پر کنٹرول کر لیا۔ ا م ، مرتب

سیاسیات عثمانی کا تیسرا دور

ہندو مسلم اتحاد یا کانگریسی دور

علامہ عثمانی کی سیاسیات میں جنگ بلقان و طرابلس کے بعد تحریک خلافت کو دوسرا دور سمجھیے اور ہندو مسلم اتحاد کی تحریک کو تیسرا دور تصور کر لیجئے۔ ہم گذشتہ اوراق میں لکھ چکے ہیں کہ تحریک خلافت کے لوہے کو گرم دیکھ کر ہندوؤں نے بھی سیاست کا ہتھوڑا اٹھایا اور وہ بھی مسلمانوں کے ساتھ مل گئے۔ یہ ملاپ بے نہایت گہرا تھا جس سے انگریزوں کے چھکے چھوٹ گئے اور اسی اتحاد نے ترک موالات یا عدم تعاون کی تحریک کو جنم دیا۔

چونکہ شیخ الاسلام خلافت کے جلسوں میں شرکت کرتے تھے اس لئے ہندو مسلم اتحاد نے دونوں قوموں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا اور اب علامہ عثمانی نے بھی متحدہ پلیٹ فارموں پہ تقریریں کیں۔

علامہ کی ہندو مسلم اتحاد میں امتیازی خصوصیت

ہندو مسلم اتحاد میں علامہ کبھی جذبات کے دھارے میں نہیں بہے۔ جہاں تک حکومت برطانیہ کی مخالفت اور ہندوستان کی آزادی کا تعلق تھا وہ برابر اس سیاست میں ان کے شریک رہے لیکن جہاں ہندوؤں کی سیاست سے مسلمانوں اور اسلام کے حقوق پر زد پڑتی تھی وہ مسلمانوں اور اسلام کی وکالت کرتے تھے۔ چنانچہ قربانی اور گاؤکشی کے مسئلے میں انہوں نے بڑی حق گوئی سے کام لے کر مولانا محمد علی جوہر اور دوسرے مسلمانوں کی ایسی باتوں کی قطعاً تائید نہیں کی بلکہ پوری مخالفت کی۔ گذشتہ اوراق میں آپ اس سلسلے میں لاہور کے جمعیتہ العلما کے جلسے کی کارروائی پڑھ چکے ہیں۔ نیز ہندوؤں کی ارتھیوں کے ساتھ "رام رام ست ہے" یا ان کے دسہرے اور رام لیلا کے تیوہاروں اور میلوں میں مسلمانوں کے تلک (سرخ بندی) لگانے اور دیگر ہندوانہ رسوم میں نقل اتارنے کی معقول اور مناسب انداز میں تردید کرتے رہے۔ جیسا کہ آپ نے ان کے ترک موالات کے خطبے میں پڑھا ہے۔

مسلمانوں کا اس وقت ہندوؤں کے ساتھ اتحاد ناگزیر تھا۔ اس لئے علامہ بھی مجبور تھے۔ ایک وہ ہی کیا سارے علماء اور مسلمان سیاست دان اتحاد میں شامل تھے۔

مسلمانوں کی کانگریس میں بلا شرط شرکت اور علامہ عثمانی

ہندو مسلم اتحاد کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندو اپنی سیاسی چالوں سے مسلمانوں کو مغلوب بنا کر اپنی سرداری چاہنے لگا اور اس مقام تک آ گیا کہ انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لئے ہندو مسلم ایک ہو کر بلا شرط کوشش کریں چنانچہ مسلمان اس فریب میں آ گئے۔ بقول شاعر ؎

بڑے وثوق سے دنیا فریب دیتی ہے
بڑے خلوص سے ہم اعتبار کرتے ہیں

لیکن علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی بلا شرط کانگریس شرکت کو کبھی بھی پسند نہیں کرتے تھے چنانچہ ایک جلسے کی کارروائی سنیئے۔ علامہ عثمانی کے خصوصی دوست مولانا عماد الدین صاحب شیر کوٹی راقم الحروف کے ہم وطن نے جو اس جلسے میں شریک تھے مجھ سے فرمایا اور اپنے مکتوب میں بھی تحریر فرمایا تھا۔

"دہلی میں ایک جلسہ ہوا جو مسلمانوں اور ہندوؤں کا مشترکہ جلسہ تھا جس میں ہندوستان کے تمام مشہور لیڈر جمع تھے گاندھی، نہرو، موتی لال، ابو الکلام، ادھر جمعیتہ العلماء کے تمام علماء، مسئلہ زیر غور یہ تھا کہ کیا کانگریس میں بلا شرط مسلمانوں کو شرکت مناسب ہے۔ مسلمان بحیثیت قوم شرکت چاہتے تھے اور زعمائے کانگریس بلا شرط شرکت پر مجبور کر رہے تھے۔ کئی روز جلسہ رہا جمعیتہ العلماء نے آخر بلا شرط شرکت کا فیصلہ صادر کر دیا۔ مولانا شبیر احمد صاحب سے رہا نہ گیا۔ آپ نے صدر جلسہ سے جازت لی پھر ایسی موثر تقریر کی کہ جلسے کا رنگ بدل گیا۔ گاندھی کو مجبور ہو کر کہنا پڑا مولانا آپ زور تقریر سے جلسے پر اثر ڈال رہے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ میں سادہ اور سلیس طور پر ان دلائل کو پیش کر رہا ہوں جن سے آپ کے جال کے پھندے کھلتے نظر آ رہے ہیں یہ رعب نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ اگر ہم نے بلا شرط شرکت کا فیصلہ کیا تو ہماری قومیت فنا ہو جاتی ہے۔ مولانا کی تقریر سے مسلمانوں کی آنکھیں کھل گئیں۔ یہ جلسہ ختم ہوا تو دہلی میں خالص مسلمانوں کا جلسہ ہوا اور مولانا عثمانی نے معرکہ آرا تقریر کی۔"

ہندو مسلم اتحاد کا خاتمہ اور شدھی تحریک

ہندو مسلم اتحاد سے حکومت برطانیہ بوکھلا گئی تھی اور ایسی تدبیر کر رہی تھی جس سے یہ اتحاد پارہ پارہ ہو جائے چنانچہ حکومت برطانیہ نے لارڈ ریڈنگ کو جو یہودی تھا ہندوستان کا وائسرائے بنا کر بھیجا اور اس نے ہندوستان کی سیاست کا بغور مطالعہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اتحاد کی صورت کو مذہبی منافرت کے ذریعہ ختم کیا جا سکتا ہے چنانچہ اس نے پنڈت شردھانند کو جیسا کہ مشہور ہے تین لاکھ روپیہ اس غرض سے کسی طور پر دیا کہ وہ آگرے کے گردونواح کے بے علم مسلمانوں میں شدھی یعنی مسلمانوں کو ہندو بنانے کا پرچار کرے۔ چنانچہ ۱۹۲۶ء اور ۱۹۲۶ء میں آریوں اور شردھانند نے شدھی کی تحریک شروع کی تحریک کا آغاز ہونا تھا کہ ۱۹۱۹ء کے بعد سے ہندو مسلم اتحاد ۱۹۲۶ء میں جا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ چاروں طرف سے علما مقابلے کیلئے ٹوٹ پڑے۔ دار العلوم دیوبند نے وہاں اپنا تبلیغی کیمپ قائم کیا حضرت مولانا شبیر احمد

صاحب نے وہاں کا تبلیغی دورہ کیا جمعیت علماء ہند اور دیگر اسلامیان ہند نے بھرپور مقابلہ کیا۔ چند فہمیدہ ہندو شدھی تحریک کے مخالف بھی تھے مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا اس لئے اتحاد ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور تحریک آزادی مدھم پڑگئی۔ ہندو مسلم مشترکہ جلسے بھی قریب قریب ختم ہوگئے۔ الغرض علامہ شبیر احمد عثمانی تقریباً ۱۹۲۶ء تک متحدہ ہندو مسلم جلسوں میں شریک ہوکر مسلمانوں کے حقوق کی وکالت کرتے رہے لیکن خلافت کے بعد یہ دور بھی ختم ہوا۔

سیاست عثمانی کا چوتھا دور

خالص جمعیۃ العلمائے ہند کا عہد زریں

سیاسیات عثمانی پر ہم مختصر اور سرسری جائزہ پیش کر رہے ہیں کیونکہ ہمارا مقصد سیاسی خطبات کے ساتھ بتدریج تاریخی رابطہ قائم کرنا ہے۔ الختصر علامہ کی سیاسی اور مذہبی سرگرمیوں کا چوتھا زریں دور جمعیۃ العلمائے ہند دہلی کی خدمات جلیلہ میں گذرا۔ آپ اس کی ورکنگ کمیٹی (مجلس عاملہ) کے خصوصی ممبر تھے اور جیسا کہ خلافت کے عہد کے ساتھ ساتھ جمعیۃ العلمائے ہند دہلی کے جلسوں میں بھی علامہ کی شرکت برابر رہی ہے اس کا مختصر تذکرہ ہم گذشتہ اوراق میں کر چکے ہیں۔

جمعیت کا آغاز جمعیۃ العلمائے ہند دہلی کا آغاز ۱۹۱۹ء میں ہوا۔ جیسا کہ ہم نے غالباً پہلے ذکر کیا ہے کہ ۲۳ر نومبر ۱۹۱۹ء کو خلافت کانفرنس جب دہلی میں منعقد ہوئی تو اس میں مجلس شوریٰ نے طے کیا تھا کہ مذہبی اور سیاسی امور میں علماء کا فرض ہے کہ وہ اسلامیان ہند کی رہبری کریں اور اس مقصد کے لئے جمعیت العلماء کی انجمن ضروری ہے۔ چنانچہ جمعیۃ کا نام "جمعیۃ العلمائے ہند" رکھا گیا جس میں دیوبندی، بریلوی اور اہلحدیث تمام مکتبہ ہائے فکر کے علماء شریک تھے جمعیت کا سب سے پہلا اجلاس ۲۸ر دسمبر ۱۹۱۹ء کو امرتسر میں ہوا اور بعد ازاں ہر سال اجلاس ہوتے رہے۔ علامہ عثمانی تقریباً ہر اجلاس میں شریک ہوتے رہے اور آپ نے اس کے جلسوں میں تقریریں کی ہیں مجلس شوریٰ اور ورکنگ کمیٹیوں کی صدارتیں کی ہیں، تجاویز پیش کی ہیں، تجاویز پر بحثیں کی ہیں۔ ملکی سیاسیات اور حکومت برطانیہ نیز ہندو سیاست سے مسلمانوں کے حقوق کے تصادم کی صورت میں زبردست فیصلے اور مقابلے کئے ہیں اس طرح علامہ عثمانی ۱۹۱۹ء سے لیکر ۱۹۴۵ء تک جمعیۃ العلمائے ہند دہلی کے رکن رکین اور اس کی مجلس شوریٰ کے موثر ممبر رہے۔ تفصیلات کے لئے ہماری مصنفہ کتاب

تجلیات عثمانی اور حیات عثمانی جو طبع ہونے والی ہے مطالعہ کیجئے جس میں سیاسیات عثمانی پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے یا "جمعیۃ العلمائے ہند کیا ہے" کے عنوان پر مطبوعہ رپورٹوں کی جلدیں مطالعہ کیجئے۔ جمعیۃ العلمائے ہند دہلی کا آرگن "الجمعیۃ" اپنے ایڈیٹوریل میں لکھتا ہے:-

"علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی ۱۹۴۵ء تک جمعیت العلماء کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر رہے اور قومی تحریکات میں ہمیشہ آگے رہنے کی کوشش کی۔ تحریک خلافت سے لیکر ۱۹۴۵ء تک جمعیۃ العلماء اور کانگریس کو آپکے تعاون کا فخر حاصل رہا بہت سی کمیٹیوں میں صدارت کے فرائض انجام دیئے۔ (الجمعیۃ آرٹیکل ۱۸ر دسمبر ۱۹۴۹ء کالم ۱)

علامہ عثمانی کا آفتاب شہرت نصف النہار تک صورت حال یہ ہے کہ ۱۹۱۹ء کے بعد چار سیاسی اور مذہبی جماعتیں کام کر رہی تھیں اور ہر سال ہر انجمن کا جلسہ ایک ہی شہر میں ہوتا تھا۔ خلافت، جمعیۃ العلماء، مسلم لیگ اور کانگریس۔ یہ چاروں جماعتیں اپنے اپنے نصب العین کے مطابق کام کر رہی تھیں علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سب ہی جماعتوں کے جلسوں میں مدعو ہوتے تھے اور معرکہ آرا تقریریں کرتے تھے۔ ان سرگرمیوں کے باعث متحدہ ہندوستان کا کوئی شہر الا ماشاء اللہ ایسا نہ ہوگا جس میں جمعیۃ الانصار سے لیکر پاکستان کے معرض وجود میں آنے تک علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقریریں کرتے تھے ان سرگرمیوں کے باعث متحدہ ہندوستان کا کوئی شہر الا ماشاء اللہ ایسا نہ ہوگا جس میں جمعیۃ الانصار سے لیکر پاکستان کے معرض وجود میں آنے تک علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقریریں نہ ہوئی ہوں۔ اس واسطے تمام ہند و پاک ۱۹۱۱ء سے لیکر تا وفات ۱۳ر دسمبر ۱۹۴۹ء شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ کی شہرت کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ چکا تھا۔ بلکہ ۱۹۲۶ء مطابق ذوالحجہ ۱۳۴۴ھ کی منعقدہ موتمر مکہ میں آپ کی عربی تقریروں کی دھوم مچ گئی تھی۔ شاہ ابن سعود بھی بہت متاثر ہوئے تھے اور شام، عراق، مصر، روس، اردن، ترکی وغیرہا ممالک اسلامیہ کے جو علماء موتمر مکہ میں شریک ہوئے تھے ان سب کے دلوں پر آپ کی عظمت کا سکہ بیٹھ گیا تھا اور "فتح الملہم" عربی شرح "مسلم" کی تصنیف اور ممالک اسلامیہ کے مندوبین کی کراچی میں شرکت اور علامہ کے عربی خطبۂ صدارت نے ہندوستان سے باہر آپ کی شہرت اور عظمت کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ علامہ زاہد الکوثری ترکی پھر مصری نے آپ کی فتح الملہم پڑھ کر اپنے رسالۃ "الاسلام" میں جو شاندار خراج تحسین پیش کیا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں:-

ومولفہ ذالك الجهبذ الحجة	اور اس کتاب (فتح الملہم) کا مصنف لائق
الجامع لاشتات العلوم محقق العصر	دقائق اور برہان مختلف علوم کا جامع ہر زمانے

المفسر المحدث الفقیہ البارع النقاد الغواص مولانا شبیر احمد عثمانی شیخ الحدیث بالجامعۃ الاسلامیۃ فی ڈابھیل سورت (بالھند) ومدیر دار العلوم الدیوبندیہ (ازھر الاقطار الھندیہ) فتح الملہم ص۲ جلد سوم

کا محقق، مفسر، محدث، فقیہ، بارع، نقاد، علم کے دریا کا غوطہ زن مولانا شبیر احمد عثمانی، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (سورت) ہندستان کے شیخ الحدیث اور ازہر ہند دار العلوم دیوبند کے وائس چانسلر ہیں۔

جمعیۃ العلمائے ہند دہلی سے استعفا

الغرض حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے جمعیۃ العلمائے ہند دہلی میں منسلک ہو کر عظیم الشان مذہبی اور ملی کارنامے انجام دیئے لیکن ۱۹۴۵ء کے سالانہ جلسے کے بعد جب آپ کو رکنیت کا دعوت نامہ موصول ہوا تو آپ نے رکنیت سے انکار لکھ بھیجا۔ اس طرح آپ کا یہ دور بھی ختم ہوا۔ سعید الدین صاحب بہاری کے خط کے جواب میں علامہ عثمانی تحریر فرماتے ہیں۔

"میں کچھ مدت سے جمعیۃ العلمائے ہند دہلی سے علیحدہ ہو چکا ہوں اور سہارنپور سیشن کے بعد ادھر سے جو رکنیت کی دعوت دی گئی تھی میں نے لکھ دیا تھا کہ میں اب اس کا رکن بننا پسند نہیں کرتا۔"

(مکتوب عثمانی مورخہ ۸ نومبر ۱۹۴۵ء مرسلہ الاسلامیہ ص۱۲)

علامہ عثمانی کی سیاست کا پانچواں عظیم الشان دور

صدارت جمعیۃ العلمائے اسلام کل ہند

مسلم لیگ اور نظریۂ پاکستان کی حمایت

علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نے جمعیۃ العلمائے ہند کو کیوں چھوڑا اس کی وجہ وہی ہے جو عرصے سے جمعیت اور مولانا عثمانی کے درمیان چلی آ رہی تھی۔ جمعیۃ کا رجحان کانگریس کے ساتھ مل کر آزادی حاصل کرنا تھا اور کسی شرط کے بغیر وہ مسلمانوں کو کانگریس میں شامل ہونے کی دعوت دے رہی تھی۔ اس کے برعکس علامہ کا نظریہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے حقوق منوا کر مشروط طور پر کانگریس کا ساتھ دینا چاہیئے مبادا ہماری قومیت فنا ہو جائے اور ہم ہندوؤں کی دُم بن کر نہ رہ جائیں۔

جمعیۃ العلماء کے حضرات کا کہنا یہ تھا کہ جس طرح بھی ہو حکومت برطانیہ سے اپنا ملک آزاد کرانا چاہیئے اور یہ کام ہندو مسلم دونوں قومیں مل کر ہی کر سکتی ہیں۔ کیونکہ جب دو بھائیوں کے مشترکہ گھر پر کوئی دشمن قابض ہو جائے تو دونوں بھائیوں کا پہلا فریضہ یہ ہے کہ وہ دونوں بلا شرط پہلے اپنے دشمن کو گھر سے نکال دیں بعد ازاں گھر کی تقسیم ہونا مصلحت اندیشی کا تقاضا ہے۔

کانگریسی ہندو بھی یہی چاہتے تھے کہ بلا شرط کانگریس میں شرکت ہونی چاہیئے لیکن مسلم لیگ کانگریسی نظریہ کے خلاف تھی۔ اب مسلمانان ہند اور ہندوؤں نیز نیشلسٹ مسلمانوں میں مسلم لیگ اور کانگریس کے نام سے کشمکش شروع ہوئی مسلم لیگ کے رہنما اور صدر مسٹر محمد علی جناح اور کانگریس کے لیڈر گاندھی وغیرہ تھے۔

کانگریس میں ہندو، ہندو قوم کو آگے اور مسلمانوں کو پیچھے ڈالنا چاہتے تھے

حقیقت یہ ہے کہ جب سے کانگریس وجود میں آئی تھی جب ہی سے وہ ہندوؤں کے حقوق کو مقدم اور مسلمانوں کے حقوق کو پیچھے ڈالتی رہتی تھی۔ یہ حقیقت پیش پا افتادہ ہے جو آپ کو کانگریسی ہندوؤں کی تحریروں اور تقریروں اور تحریکوں میں صاف نظر آئے گی۔

کانگریس کی ابتدا ۱۸۸۵ء

کانگریس کا آغاز مسٹر اے۔ او۔ ہیوم انگریز نے کیا جو کہ ایک

سیویلین پنشنر تھے۔ انہوں نے اپنے زمانے کی تمام سیاسی جماعتوں سے خط و کتابت کی اور دسمبر ۱۸۸۴ء میں پونا کے ایک جلسے میں طے کیا کہ ملک میں کوئی ایسی جماعت ہونی چاہئے جو ہندوستانیوں کی سیاسی رہنمائی کرے اور اس مقصد کے لئے ۲۸ر دسمبر ۱۸۸۵ء میں کانگریس کا اجلاس منعقد کرنے کا مشورہ دیا۔ جلسے کی ابتدائی کارروائی کا انتظام کر کے وہ ہندوستان کے وائسرائے لارڈ ڈفرن سے ملے۔ لارڈ ڈفرن نے انہیں مشورہ دیا کہ ہندوستانیوں کی کوئی ایسی سیاسی جماعت ہونی چاہئے جو حکومت کو یہ بتائے کہ کن کن معاملات میں حکومت کا انتظام اچھا نہیں اسی کے اس مشورے پر مسٹر ہیوم نے بمبئی کے مقام پر ۱۸۸۵ء میں کانگریس کا جلسہ طلب کیا۔

کانگریس کی یہ بنیاد اس بات پر ڈالی گئی کہ لارڈ رپن کے زمانے میں اینگلو انڈین نے البرٹ کے بل کو ناکام بنانے کی کوشش کی تھی۔ البرٹ بل ہندوستانیوں کے حق میں تھا جس کا منشا یہ تھا کہ ہندوستانی مجسٹریٹ ہی انگریزوں کے مقدمات طے کیا کریں گے۔ اس بل کی مخالفت سے ہندوستان میں ایک حرکت پیدا ہوئی۔ اس حرکت سے ہیوم کو یہ خیال پیدا ہوا کہ نہ معلوم ہوا کا رخ کس طرف ہو اس لئے ہندوستانیوں کی ایک سیاسی جماعت بنانی چاہئے جو حکومت کو نیک و بد کا مشورہ دے۔ بلکہ ہیوم نے تو لارڈ ڈفرن کو یہ بھی مشورہ دیا تھا کہ کوئی گورنر کانگریس کی صدارت اختیار کرے (مسلمانوں کا روشن مستقبل۔ علمائے حق حصہ اول) ایسا کرنے سے البرٹ بل کا ہیجان دور ہوا۔

کانگریس کے پہلے جلسے کی تجاویز

کانگریس کے پہلے جلسے میں حسب ذیل تجویزیں پاس کی گئیں۔

۱۔ ہندوستان کی آبادی جن مختلف متصادم عناصر سے مرکب ہے ان سب کو متحد و متفق کر کے ایک قوم بنانا۔

۲۔ اس طرح جو ہندوستانی قوم پیدا ہو اسکی دماغی، اخلاقی اور سیاسی صلاحیتوں کو دوبارہ زندہ کرنا۔

۳۔ ایسے حالات کی اصلاح اور ترمیم کرانا جو ہندوستان کے لئے مضرت رساں اور غیر منصفانہ ہوں اور اس طرح ہندوستان اور انگلستان کے درمیان اتحاد و یگانگت کو اختیار کرنا۔

(علمائے حق جلد اول ص۹۱)

یہ وہ عمومی دفعات ہیں جن میں کسی قوم کی کوئی امتیازی خصوصیت نہ تھی۔ ان دفعات میں کسی کے مذہب کے خلاف یا حکومت کے خلاف بھی بات کرنے کی اجازت نہ تھی۔

کانگریس کا دوسرا اجلاس ۱۸۸۶ء میں کلکتے میں، تیسرا اجلاس ۱۸۸۷ء میں مدراس میں چوتھا

۱۸۸۸ء میں الہ آباد میں ایک یورپین تاجر اینڈریو یول (ANDREW YOLE) کی صدارت میں ہوا حکومت کی تعریف ہر جلسے میں کی گئی۔ ۱۸۸۹ء میں کانگریس کا اجلاس بمبئی میں زیر صدارت سر ولیم ویڈر برن ہوا۔

الغرض کانگریس کی بنیاد بھی ریٹائرڈ آئی۔ سی۔ ایس افسر مسٹر ہیوم نے ڈالی اور صدارتیں بھی انگریزوں نے کیں۔ انگریز گورنروں نے ہر اجلاس میں پارٹیاں دیں۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ عرصے تک کانگریس پر انگریزوں کی سیاسی بالادستی رہی۔

ہندوؤں کی انگریزوں سے مخالفت

۱۹۰۵ء میں لارڈ کرزن نے جب بنگال کو تقسیم کر دیا کہ اس میں مسلمانوں کا فائدہ تھا۔ کرزن نے ۲۶ر اکتوبر ۱۹۰۵ء کو تقسیم کی اسکیم نافذ کر دی مشرقی بنگال کا جو صوبہ بنایا گیا اس کا رقبہ ایک لاکھ چھ ہزار پانچسو چالیس مربع میل اور آبادی تین کروڑ دس لاکھ تھی جن میں ایک کروڑ اسی لاکھ مسلمان تھے ڈھاکہ کو صدر مقام بنایا گیا۔ ہندوؤں نے اس کی مخالفت کی اور کانگریس نے بھی ان کی تائید کی۔ یہاں سے کانگریس ہندو ذہنیت کی علمبرداری کا ثبوت دینے لگی۔

مسلم لیگ کی بنیاد

مسلمان رہنما کانگریس کی ان سب باتوں کو سمجھ رہے تھے۔ ڈھاکے کے نواب خاص طور پر ان امور پر متفکر تھے انہوں نے ایک ایسی جماعت بنانے کی سوچی جو مسلمانوں کے حقوق کی نگہداشت کرے لیکن نواب محسن الملک نے اس جماعت کے بنانے میں دلچسپی لی۔ انہیں ۱۹۰۶ء میں معلوم ہوا کہ ملک میں بعض آئینی تبدیلیاں ہونے والی ہیں لہٰذا مسلمانوں کے حقوق کی انہیں فکر دامنگیر ہوئی چنانچہ انہوں نے دوسرے معزز مسلمانوں سے مشورہ کیا اور آغا خاں سوم کی قیادت میں ۳۵ مسلمانوں کا ایک وفد لارڈ منٹو سے ملا جو اس وقت وائسرائے تھے۔ یہ گرمیوں کے دن تھے وائسرائے سے شملے میں ملاقات کی گئی۔ وفد نے اپنے خیالات پیش کئے۔ جنکو غور سے سنا گیا مسلمانوں کی اکثریت کے صوبوں میں حق تلفیاں ہو رہی تھیں۔ وائسرائے نے جداگانہ انتخاب کو تسلیم کر لیا۔ اس کے بعد ڈھاکے میں نواب وقار الملک کی صدارت میں ۳۰ر دسمبر ۱۹۰۶ء کو اجتماع ہوا۔ وقار الملک کی تقریر کے بعد نواب سلیم اللہ کی تجویز پر مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی نگہداشت کے لئے آل انڈیا مسلم لیگ کے نام سے ایک جماعت قائم کی گئی۔ جس کا پہلا اجلاس دسمبر ۱۹۰۷ء میں کراچی میں ہوا۔ مسلم لیگ جداگانہ انتخاب اور دیگر حقوق کے حصول میں کامیاب ہوتی چلی گئی لیکن بالآخر ہندوؤں کے دباؤ سے ۱۲ر دسمبر ۱۹۱۱ء میں جارج پنجم نے دہلی کے دربار تاجپوشی کے موقع پر تقسیم بنگال کو منسوخ کر دیا جس سے مسلمانوں کو بہت دکھ ہوا۔

یہاں سے ہندو مسلم اور کانگریس اور لیگ کشمکش کا آغاز ہوا اور اندر اندر تو دونوں قوموں کی کشمکش کا سامان ہمیشہ رہا اور خاص طور پر ۱۸۵۷ء کے بعد شروع ہو گیا تھا۔

مسلمانوں اور ہندوؤں کانگریس اور لیگ کی آویزش اور تحریک پاکستان

جو کانگریس ہندو مسلم دونوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے بنائی گئی تھی اس میں اندرونی طور پر ہندو کانگریسی اپنی قوم کے لئے سیاسی اور مذہبی حقوق کا سامان فراہم کر رہے تھے۔ چنانچہ ۱۹۰۵ء کے بعد سے ۱۹۳۷ء تک ہندوؤں میں بال گنگادھر تلک مرہٹہ کبھی گنیش تہوار اور کبھی سیواجی کی پوجا تحریک چلاتا رہا، کبھی مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کو ابھارنے میں کیسری اور مرہٹہ اخبار نکالتا رہا۔ بنگال انتہا پسند کانگریسیوں کا مرکز بن گیا تھا اور وہاں سے "یوگنتر" اخبار نکلا جس کا ایڈیٹر بھوپندر ناتھ دت تھا جو سراپا مسلمانوں کے خلاف تھا کبھی کانگریس نے "بندے ماترم" کے گیت کو اپنا ترانہ بنایا حالانکہ یہ گیت مسلمانوں کے خلاف لکھا گیا تھا جسکو بنکم چندرا چیٹرجی نے لکھا تھا جو مشہور ناول نویس بنگالی تھا۔ پھر درگا، بھوانی اور کالی دیویوں کے متعلق ایک ہندو مورخ کا خیال تھا کہ یہ دیویاں پھر زندہ ہو چکی ہیں اور وہی ہندوستان کو آزاد کرانے کا جوش پیدا کر سکتے ہیں۔ ہندو لیڈر گھوش کا خیال تھا کہ ہمارا مقصد آزادی ہے اور ہمارا مذہب یہ مقصد پورا کر سکتا ہے۔

الغرض کانگریسی جھنڈے کو بندے ماترم کا مشرکانہ ترانہ اور ہندوانہ سلامی کے بعد کبھی واردھا سکیم، ودھیا مندر سکیم، دیہات سدھار سکیم، شدھی، سنگھٹن سکیمیں، سیوک سنگھ، جن سنگھ اور پھر کانگریسی وزارتوں میں مسلمانوں کی حق تلفیاں ان وجوہ کی بنا پر حقیقت یہ ہے کہ کانگریس ہندوؤں کے اقتدار کی جماعت بن کر رہ گئی تھی۔ رہی سہی کسر نہرو رپورٹ نے پوری کر دی جس میں ہندوؤں کے حقوق کا زیادہ لحاظ رکھا گیا تھا۔

حضرت الاستاذ مفتی محمد شفیع صاحب "کانگریس اور مسلم لیگ" کے بارے میں اپنے فتوے میں کانگریس کے پہلے اور دوسرے دور کا مقابلہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

شرکت کانگریس کے پہلے اور دوسرے دور کا موازنہ

پہلا دور	دوسرا دور
۱۔ جنگ آزادی کے علمبردار اور تحریک پر قابو یافتہ مسلمان تھے ہندو ساتھ لگ گئے تھے	۱۔ جنگ آزادی کے علمبردار اور تحریک پر پورے قابو یافتہ ہندو ہیں۔ مسلمان ساتھ لگ گئے۔

پہلا دور	دوسرا دور
۲۔ مسلمانوں کی اپنی تنظیم بذریعہ خلافت کمیٹی مکمل تھی اور جماعتی حیثیت سے اہل خلافت نے ہندوؤں سے صلح کی تھی۔	۲۔ موجودہ کانگریس میں مسلمانوں کی مستقل قومیت ہی تسلیم نہیں اور نہ کوئی مطالبہ قومی اور مذہبی حیثیت سے کانگریس کے پلیٹ فارم پر رکھا جا سکتا ہے۔ کانگریس میں داخلہ انفرادی طور سے اور وہ بھی بلا شرط ہو سکتا ہے۔
۳۔ اس وقت مصالحت میں سب سے اہم چیز یہ تھی کہ محض ایک سیاسی مطالبہ (یعنی آزادی ہند) میں اشتراک ہوگا فریقین کے مذہبی امور میں سے کسی ادنیٰ امر کو ہاتھ نہ لگایا جائے گا۔	۳۔ اب کانگریس مسلمانوں کے مذہبی، تمدنی، معاشرتی سب امور میں نہ صرف یہ کہ دخل دینا چاہتی ہے بلکہ جبری طور سے شعائر اسلام کو مٹا کر ہندو رنگ چلانے کی سعی پیہم کر رہی ہے۔
۴۔ شرکت کانگریس کی وجہ سے مسلمان کسی خلاف شرع کام میں شرکت پر مجبور نہ تھے بلکہ جو افعال خلاف شرع صادر ہوئے وہ افراد و اشخاص کے ذاتی افعال تھے جیسے قشقہ لگانا وغیرہ کانگریس کی قرارداد نہ تھی اور جب ان کے خلاف شرع ہونے پر تنبیہ کی گئی تو مسلمان اس سے باز آ گئے۔ (صفحہ ۳۳)	۴۔ اب خود کانگریس کے آئینی اور جاری کردہ تجاویز میں ایسی چیزیں داخل ہیں جو نہ صرف معصیت ہیں بلکہ اصول شریعت اور شرائع اسلام کے سراسر خلاف ہیں جیسے جھنڈے کی سلامی مشرکانہ ترانہ اور ہندوانہ تعلیم کی سکیمیں اور مسلمانوں کو بوجہ اقلیت آئینی طور پر یہ اختیار ہرگز نہیں کہ اس میں تبدیلی کرا سکیں۔

واردھا سکیم کا آخری مقصد

ڈاکٹر ذاکر حسین صدر واردھا کمیٹی نے واردھا سکیم کے بنیادی اصول ۱۳ کے متعلق تشریح کی کہ

"اس سکیم کا آخری مقصد تعلیمیافتہ لوگوں کی ایک جماعت پیدا کرنا ہے جس کا کلچر یکساں ہو جس کا عقیدہ اور جن کے اعمال ایک ہی طرح کے ہوں جو تمام مذاہب کے متعلق یہ عقیدہ رکھے کہ وہ سب سچے ہیں اور ان کے درمیان کوئی فرق نہیں نیز اہنسا (عدم تشدد) کی صداقت پر ایمان ہو اور اسی پر عمل بھی ہو۔" (کانگریس اور مسلم لیگ کے متعلق شرعی فیصلہ ص ۳۱)

اس سے اندازہ لگائیے کہ یہ عبارت اور واردھا سکیم مذہب اسلام کے قطعاً منافی ہے اور اسی قسم کی سکیمیں ہندو کانگریسی اور گاندھی جی بناتے تھے۔ اس لئے مسلمان برداشتہ خاطر ہو گئے۔

مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی اور قائد اعظم محمد علی جناح

یہی وہ امور تھے کہ جن کے باعث مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی جو اصل میں اپنے دور میں مسلم لیگ اور خلافت کی روح رواں تھے کانگریس سے علیحدہ ہو گئے

اور مسٹر محمد علی جناح جو سفیر کانگریس اور مسلم لیگ کہلاتے تھے کانگریس سے مستعفی ہو گئے اور قائد اعظم مستقل طور پر مسلم لیگ کانفرنس لکھنؤ، منعقدہ ۱۹۳۹ء سے مسلم لیگ کے مستقل صدر بن گئے اور بالآخر ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو "پاکستان" کا ریزولیوشن لاہور مسلم لیگ کانفرنس میں پاس ہوا۔

علامہ شبیر احمد عثمانی مسلم لیگ نیز نظریۂ پاکستان کے زبردست حامی

انہی حالات کے پیش نظر علامہ عثمانی کانگریس کی شرکت کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ ان کا رجحان شروع سے ہی مسلم لیگ کی طرف تھا۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی بھی مسلم لیگ کے طرفدار تھے۔ ایک اور ہستی جس نے مسلم لیگ کا بے انتہا کام کیا اور دہلی جیسے شہر میں مسلم لیگ قائم کی مولانا مظہر الدین شیرکوٹی شہید تھے جن کی سوانح عمری چند ماہ تک چھپ کر آنے والی ہے جس کو اس راقم الحروف نے لکھا ہے۔

جب علامہ عثمانی دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم تھے

حضرت علامہ جب دارالعلوم دیوبند کے صدر تھے اور ہندوستان کے عوام دارالعلوم دیوبند کو کانگریس کا گڑھ بتاتے تھے علامہ نے عصر جدید کلکتہ کے ایڈیٹر کے استصواب پر ایک مکتوب پریس میں دیا جس کو عصر جدید نے شائع کیا جس میں انہوں نے واضح فرمایا کہ میں اور دارالعلوم کی مجلس شوریٰ ہرگز دارالعلوم میں کانگریس کے اثرات سے متاثر نہیں ہیں۔ مکتوب علامہ حسب ذیل ہے۔

علامہ عثمانی کا مکتوب ایڈیٹر عصر جدید کلکتہ کے نام

مکرمی ایڈیٹر صاحب عصر جدید کلکتہ السلام علیکم

بعد سلام مسنون آنکہ آپ نے شرکت کانگریس کے متعلق میرے خیالات دریافت کئے ہیں۔ اس مسئلے کے متعلق میں اپنے خیالات کا اعلان پہلے بھی کر چکا ہوں اب پھر لکھتا ہوں کہ میں نہ کبھی کانگریس میں شامل ہوا اور نہ اب شامل ہوں بلکہ اس شمول پر میں نے کانگریسی علماء سے کئی دن تک بڑے شد و مد سے بحث کی جس کا تذکرہ اخبارات میں آچکا ہے۔

قومیت متحدہ کا نظریہ جو کانگریس کے دستور اساسی کا بنیادی پتھر ہے اس معنی میں جو کانگریس کے ائمہ اس سے ارادہ کرتے ہیں میرے نزدیک شرعی نقطۂ نظر سے کبھی قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔

میں کوئی سیاسی آدمی نہیں ہوں نہ سیاسیات میں کوئی خاص اشتغال رکھتا ہوں تاہم اپنی قوم کے سود و بہبود کو سوچنا اس کا ایک جزء ہونے کی حیثیت سے میرے لئے بھی ناگزیر ہے جو کچھ میں سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ ہمارے لئے سب سے پہلے ایک اسلامی وحدت و مرکزیت پر زور دینے کی ضرورت ہے۔ اس کے بدون کسی نام نہاد قومیت متحدہ کے تیز دھارے میں گھاس کے تنکوں کی طرح اپنے آپ کو ڈال دینا خودکشی کے مرادف ہے۔

مسلمان دوسری قوموں سے صلح کر سکتے ہیں، عہد و پیمان کر سکتے ہیں، بہت سے امور میں تعاون اور اشتراک عمل کر سکتے ہیں لیکن وہ اس مستقل ہستی کو دوسروں میں مدغم نہیں کر سکتے۔ میں اپنے لئے فرقہ پرست کا خطاب پسند کرتا ہوں مگر اپنی قوم کا غدار یا قوم فروش کہلانا کبھی قبول نہیں کر سکتا۔ شاعر حکیم اکبر مرحوم الٰہ آبادی نے خوب کہا ہے۔

کامیابی خارج از رفعت سے ناکامی بھلی — لطف دشمن ہی سے شہرت ہو تو گمنامی بھلی
بے وفا سمجھیں تمہیں اہل حرم اس سے بچو — دیر والے کج ادا کہہ دیں یہ بدنامی بھلی
پختہ ہو کر اپنی شاخ و بن سے ہوتا ہے جدا — اے ثمر چشم محبت میں تری خامی بھلی

اس کے ساتھ میرا عقیدہ ہے کہ ہماری ناکامی و نامرادی کا اصل سبب شریعت کاملہ محمدیہ کے اصول و احکام سے اعراض و انحراف ہے۔ اور اسی کے نتیجے میں اس تخریب و تفریق کا عذاب ہم پر مسلط ہے جس کی طرف

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ

کہہ دیجئے کہ وہ اللہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ تمہارے اوپر سے یا تمہارے نیچے سے تم پر عذاب بھیجے یا تمہیں فرقہ فرقہ کر دے اور بعض کو بعض سے تکلیف پہنچائے۔

میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اس لئے میرا سب سے بڑا مطمح نظر یہ ہے کہ جہاں تک استطاعت ہو مسلمانوں کو اتباع شریعت و تمسک اسوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ کیا جائے نیز ان کی پارٹی بندیوں کو اگر بالکلیہ ختم نہ کیا جا سکے تو ان کو کم کرنے اور ایک کو دوسرے سے قریب لانے اور خلاف و شقاق کے مضار کو محدود کر دینے کی سعی جاری رہے۔

رہا دارالعلوم دیوبند کا معاملہ جیسا کہ پہلے بھی بار بار اعلان کیا جا چکا ہے وہ مسلمانان ہند کی ایک محبوب اور مشترک متاع ہے سیاسی پارٹی بندیوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں یہی وہ مسلک ہے جو میرے زمانے میں مجلس عاملہ دارالعلوم نے بالاتفاق طے کیا ہے اور دارالعلوم کے تمام ملازمین و مدرسین کو سختی کے ساتھ اس کا پابند کیا ہے۔ جو خبریں اس کے خلاف شائع کی جا رہی ہیں بعض بالکل بے اصل اور بعض سخت مبالغہ آمیز ہیں۔

راقم
شبیر احمد عثمانی
۳ رجب ۱۳۵۸ھ (ستمبر ۱۹۳۹ء)

مکتوب علامہ عثمانی سے کئی باتیں معلوم ہوئیں :-

۱- یہ کہ وہ ۱۹۴۰ء سے پہلے جبکہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں پاکستان کی تجویز پیش ہوئی مسلم لیگ کے موافق اور کانگریس کے مخالف تھے۔

۲- یہ کہ دارالعلوم میں خود ان کا اور مجلس عاملہ کے اراکین کا کانگریس سے کوئی تعلق نہیں تھا اور اس سلسلے میں وہ بار بار اخبارات میں اعلان کر چکے ہیں۔

۳- یہ کہ علامہ نے بحیثیت صدر مہتمم مدرسین اور ملازمین کو سیاسی پارٹی بندیوں سے علیحدہ رہنے کا پابند کیا ہے۔

۴- یہ کہ علامہ عثمانی کبھی بھی کانگریس میں شریک نہیں ہوئے نہ اس کے ممبر رہے ہندو مسلم اتحاد کے زمانے میں بھی وہ مسلمان قوم کی حمایت کرتے رہے۔

۵- وہ فرقہ وار مسلمان کہلانا پسند کرتے ہیں لیکن قوم کے سواد اعظم سے علیحدہ ہونا پسند نہیں کرتے۔

بہرحال جب علامہ عثمانی کو کانگریس اور اس کے نصب العین سے بیزاری تھی اور وہ کانگریسی ہندو لیڈروں کے حالات سے یہ معلوم کر چکے تھے کہ وہ ہندو ذہنیت کے پیش نظر مسلمانوں پر غالب ہو کر رہیں گے تو انہوں نے مسلم لیگ کا ساتھ دینے کی ٹھان لی۔ اس کے برعکس جمعیۃ العلمائے ہند کانگریس کے ساتھ مل کر ہندوستان کو آزاد کرانے کو پسند کرتی تھی۔ یہاں سے جمعیۃ العلماء ہند اور علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کی اجتہادی لائنیں علیحدہ علیحدہ ہو جاتی ہیں۔ حالانکہ ۱۹۳۶ء میں علامہ عثمانی کی مساعی جمیلہ سے علمائے ہند مسلم لیگ میں شامل ہو چکی تھی۔ مولانا محمد میاں صاحب مصنف علمائے حق لکھتے ہیں :-

"مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے اصرار پر حضرت علامہ مفتی کفایت اللہ صاحب مفتی اعظم و صدر جمعیت علمائے ہند مسٹر جناح سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے مولانا شبیر احمد عثمانی کے ذریعہ یہ طے ہو چکا تھا کہ کسی جماعت کے توڑنے یا کسی ایک کو دوسری میں مدغم کرنے کا سوال نہ ہوگا بلکہ ایسی صورتوں پر بحث کی جائیگی کہ جن کے ذریعہ ان دونوں جماعتوں کے اختلاف کی خلیج پاٹی جائے اور ایک کو دوسری سے زیادہ قریب کیا جا سکے۔" (علمائے حق جلد ۲ صہ ۱۳۱)

چنانچہ اس کے بعد جمعیۃ العلمائے ہند نے مسلم لیگ کی تائید کی مگر ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ سے علیحدہ ہو گئے لیکن علامہ عثمانی مولانا منظور احمد نعمانی کے مکتوب کے جواب میں لکھتے ہیں :-

"آپ آج لیگیوں کے جس طغیان و عدوان کا ماتم کر رہے ہیں اس کی بنیاد فی الحقیقت ہمارے علماء نے اپنے ہاتھوں سے اس وقت ڈالی جب انہوں نے ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ

کی انتہائی حمایت شروع کی۔ اس کے بورڈ میں شامل ہو کر تمام مسلمانوں کو اس کی امداد کی طرف گرمجوشی سے متوجہ کیا۔ پھر ۱۹۳۷ء میں جب لیگ طاقتور ہو گئی تو خدا جانے کن جھگڑوں میں پڑ کر اس سے علیحدہ ہو گئے۔" (انوار عثمانی صہ ۱۴۲ مکتوبات)

جمعیۃ العلمائے اسلام ۱۹۴۵ء

علامہ جمعیۃ العلمائے ہند سے نظریاتی اختلاف کے باعث جدا ہو گئے مسلم لیگ اور نظریۂ پاکستان کی حمایت کے لئے ایسے علماء کی ضرورت تھی جو مسلم لیگ میں شمولیت کو اور نظریۂ پاکستان کو شریعت کی روشنی میں واضح کریں۔ اس بات کی پہل بنگال نے کی۔ مولانا راغب احسن بنگالی اس میں پیش پیش تھے۔ انہوں نے ابتدائی کارروائی کی مجلس میں شرکت کی علامہ کو دعوت دی۔ آپ بیماری کی وجہ سے نہ جا سکے اور حسب ذیل مکتوب روانہ فرمایا جو لفظ بلفظ حسب ذیل ہے اور جس کو عصر جدید کلکتہ نے اپنی اشاعت ۱۶ اکتوبر ۱۹۴۵ء میں شائع کیا۔

بیت الفضل دیوبند

۲۸ شوال ۱۳۶۴ھ مطابق ۶ اکتوبر ۱۹۴۵ء

محترم المقام جناب ناظم صاحب جمعیۃ العلمائے اسلام کلکتہ دامت مکارمہ۔ بعد سلام مسنون آنکہ۔

بلاشبہ یہ وقت مسلم قوم کیلئے بہت نازک ہے اور سیاسی کشمکش بہت اہمیت اختیار کر گئی ہے شاید ایسی فیصلہ کن ساعت یہاں کی صورت حال سے متعلق موجودہ دور سیاست میں کبھی پیش نہ آئی تھی جس کا سب سے زیادہ افسوسناک اور رسوا کن پہلو یہ ہے کہ چھوٹی بڑی مسلم پارٹیوں کی باہمی آویزش و تصادم کا تماشہ دیکھ کر اغیار خوش ہوتے ہیں اور اسی کو بطور ایک موثر حربے کے استعمال کر رہے ہیں یہ بھی عذاب کی اسی قسم میں داخل ہے جس کی طرف اَوْ یَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ میں اشارہ فرمایا ہے لیکن کیا کیا جائے کوئی تدبیر باہمی اختلاف اور اس عذاب کے پنجے سے نکلنے کی بن نہیں پڑتی۔ آپس کی منافرت بڑھتی جا رہی ہے جو درجہ عناد تک پہنچ گئی ہے عظیم ترین قومی مفاد کو چھوٹے چھوٹے اور محدود نظریات یا شخصی و جماعتی اقتدار کی خواہش پر قربان کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے کہ قلوب کو بدل ڈالے اور ہر طرف سے ہٹا کر خالص اسلامی نقطۂ نظر پر سب کی توجہات کو مرکوز کر دے۔

ہماری تیرہ بختی دیکھئے کہ آج ہمکو ہندوستان میں یہ دن دیکھنا پڑا ہے جبکہ مسلمانوں کا قومی اور سیاسی استقلال ثابت کرنے کیلئے بھی دلائل کی ضرورت ہے اور اس استقلال کی مخالفت میں خود قوم کے بعض اعضاء ہی سینہ سپر ہو رہے ہیں گویا ان کو اس کا احساس ہی نہیں۔ ؎

لطف دشمن ہی سے شہرت ہو تو گمنامی بھلی — کامیابی خارج از ملت سے ناکامی بھلی

دیر والے کج ادا کہہ دیں یہ بدنامی بھلی — بے وفا سمجھیں تمہیں اہل حرم اس سے بچو

یہ چند جملے اس وقت بے ساختہ قلم سے نکل گئے ورنہ اس عریضے کا موضوع یہ نہ تھا۔ بہر حال میں آں مکرم سے امیدوار ہوں کہ میری عدم شرکت کا عذر وہاں کے ذمہ داروں کو پہنچا دیںگے بندہ مسلم قوم کی کامیابی اور نصرت کیلئے دعا کرتا اور یقین رکھتا ہے کہ علماء کا وقار اور انکی افادی شان کا تحفظ صرف اسی صورت میں ہے کہ وہ کسی دوسری جماعت یا عوام کے تابع مہمل بن کر نہ رہیں اور سچی بات کہنے میں کسی خوف و طمع سے متاثر نہ ہوں۔ والسلام

شبیر احمد عثمانی از دیوبند

بنام ناظم صاحب جمعیۃ العلمائے اسلام کلکتہ

تعارف خط

حسب ذیل مکتوب علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ناظم جمعیۃ العلمائے اسلام کلکتہ کو ارسال فرمایا یہ اس وقت کی بات ہے جب مسلم لیگ کی تائید میں جمعیۃ العلمائے اسلام کے ماتحت کلکتہ میں ۲۶-۲۷-۲۸-۲۹/ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو محمد علی پارک میں کل ہند جمعیۃ العلمائے اسلام کے اہم اجلاس ہوئے اور اسی اجلاس میں علامہ موصوف کا پیغام خطبے کی شکل میں پڑھ کر سنایا گیا۔ پیغام کیا تھا ایک خطبۂ صدارت تھا جس میں لیگ کی تائید اور نظریۂ پاکستان کی حمایت کی گئی تھی۔ یہ پیغام اور حسب ذیل خط علامہ نے مولانا ظہور احمد صاحب استاد دار العلوم دیوبند کے بدست کلکتہ بھیجا تھا۔

بیت الفضل دیوبند

ضلع سہارنپور (یوپی) ٧٨٦

بخدمت محترم المقام جناب ناظم صاحب جمعیۃ العلمائے اسلام دامت مکارمہ

بعد سلام مسنون آنکہ میں بوجہ معذوری خود حاضر نہ ہو سکا۔ ایک مختصر پیغام بھیجنے کا خیال ہوا مگر لکھنے بیٹھا تو بلا ارادہ بہت طویل ہو گیا۔ صاف کرانے میں دیر لگی۔ ڈاک سے روانہ نہ ہو سکتا تھا اس لئے مجبور ہو کر بدست مولانا ظہور احمد صاحب مرسل ہے۔ مولانا موصوف خود دیوبند کے فضلاء میں سے ہیں مناسب تو یہ تھا کہ دعوت نامہ ان کے نام مستقل آتا مگر یہ نہ ہوا میں نے ارادہ کیا تھا کہ اگر جاؤں تو اپنے ہمراہ لے جاؤں مگر اذا فات الشرط فات المشروط۔ اب دونوں حیثیتوں کا لحاظ کر کے ان کو روانہ کیا جاتا ہے۔

یہ مضمون اگر رسالے کی صورت میں وہاں سے شائع کیا جائے تو زیادہ تعداد میں پوری تصحیح کے ساتھ بلا کمی بیشی شائع ہونا چاہئے اور اس کی کم از کم ایک سو کاپیاں یہاں میرے پاس بھیج دی جائیں ممنون ہونگا۔ والسلام (پیغام کلکتہ مطبوعہ نسخہ)

شبیر احمد عثمانی از دیوبند

اللہ اکبر

خطبہ بنام پیغام

از

شیخ الاسلام، امام المفسرین، رئیس المحدثین، حضرت علامہ

شبیر احمد صاحب عثمانی جانشین شیخ الہند

سابق صدر مہتمم (وائس چانسلر) دار العلوم دیوبند و استاذ اعلیٰ و شیخ الحدیث و التفسیر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (سورت)

بنام

موتمر کل ہند جمعیۃ العلماء اسلام۔ کلکتہ (ہند)

منعقدہ ۱۸-۱۹-۲۰-۲۱/ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۶-۲۷-۲۸-۲۹/ اکتوبر ۱۹۴۵ء

بمقام محمد علی پارک کلکتہ

محمد انوار الحسن مرتب

روحِ پیغام

۱۔ سب سے زیادہ اشتعال انگیز جھوٹ یہ ہے کہ دس کروڑ مسلمانان ہند کی مستقل قومیت کا انکار کر دیا جائے۔

۲۔ اب اس چیز کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہتا کہ مسلم اور غیر مسلم دونوں کے امتزاج سے کوئی قومیت متحدہ صحیح معنی میں بن سکے۔

۳۔ اتنی بات میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان ایک مستقل قوم ہیں اور ان کے لئے ایک مستقل مرکز کی ضرورت ہے جو اکثریت اور اقلیت کی مخلوط حکومت میں کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتا۔

۴۔ اسلامی نقطۂ نظر سے روئے زمین پر دو ہی قومیں آباد ہیں ایک وہ جو مسلم یا مومن کہلاتی ہے۔ دوسری وہ جو کافر کہلاتی ہے (دو قومی نظریہ جس کو انگریزی میں (Tow nations Theory) کہا جاتا ہے۔ مرتب)

۵۔ اس وقت مسلمانوں کو حصول پاکستان کی خاطر مسلم لیگ کی تائید و حمایت میں حدود شرعیہ کی رعایت کے ساتھ حصہ لینا چاہئے۔

۶۔ اگر اس وقت مسلم لیگ ناکام ہوگئی تو پھر شاید مدت دراز تک مسلمانوں کو اس ملک میں پنپنے کا موقع نہ ملیگا۔

۷۔ اکثریت میں مدغم ہو کر ہم آزادی تو کیا حاصل کرتے اپنی قومی ہستی ہی کو فنا کر بیٹھیں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیغام

بنام

آل انڈیا جمعیۃ علمائے اسلام کانفرنس کلکتہ

از

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

میں آپ کی کانفرنس میں (بیماری کے باعث) شریک نہ ہو سکا۔ اس کا افسوس ہے ہم سب کو معلوم ہے کہ قدیم جمعیۃ العلماء ہند دہلی بھی اپنے شائع کردہ مقاصد کے لحاظ سے کچھ بُری نہ تھی، وہ اپنی خدمات اور قربانیوں کے اعتبار سے اچھی خاصی تاریخ رکھتی ہے جو کچھ اعتراضات کئے جاتے ہیں وہ اس کے اخیر کے چند سالہ طرز عمل پر ہیں۔

اب ہم کو دیکھنا چاہئے کہ جدید جمعیۃ علماء اسلام عملی لحاظ سے تجربہ کی کسوٹی پر کتنی کھری ثابت ہوتی ہے۔

جمعیۃ علماء اسلام کا خیر مقدم

بہر حال اگر وہ اپنے اعلانات کے مطابق قرآن و سنت کی روشنی میں صحیح راستہ پر گامزن رہی تو کوئی وجہ نہیں کہ انصاف پسند اور حق پرست علماء اس کے ارادوں میں بیش از بیش تعاون اور شرکت نہ کریں۔ اسی امید کے ساتھ ہم اس کی اصلاحی و ارتقائی اولو العزمیوں کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

اسلام کا دو قوموں کا نظریہ

ہندوستان میں جو سیاسی کشمکش اس وقت جاری ہے میرے نزدیک اس سلسلہ میں سب سے

زیادہ قابلِ تنفر بلکہ اشتعال انگیز جھوٹ اور سب سے بڑی اہانت آمیز دیدہ دلیری یہ ہے کہ یہاں کے دس کروڑ فرزندانِ اسلام کی مستقل قومیت کا صاف انکار کر دیا جائے۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ غلط یا صحیح طور پر دنیا میں اقوام کی تقسیم وطن، نسل، زبان اور طرزِ تمدن وغیرہ کے لحاظ سے ہوتی رہی ہے اور اب بھی موجود ہے۔ لیکن خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے دنیا کی جو تعمیرِ جدید ہوئی اس میں تخلیق کے اعلیٰ ترین مقاصد کے پیشِ نظر، اللہ کے پیدا کئے ہوئے تمام انسانوں کی باعتبارِ قومیت کے ایسی ثنائی تقسیم کر دی گئی جس کے احاطہ سے کوئی فردِ بشر باہر نہ رہ سکے۔ اب اسلامی نقطۂ نظر سے گویا روئے زمین پر دو ہی قومیں آباد ہیں۔ ایک وہ قوم جس نے فاطرِ ہستی کی صحیح معرفت حاصل کر کے اس کے مکمل اور آخری قانون کو اس کی زمین میں رائج کرنے کا التزام کر لیا ہے۔ وہ مسلم یا مومن کہلاتی ہے دوسری جس نے اپنے اوپر ایسا التزام نہیں کیا اس کا شرعی نام کافر ہوا۔ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ۔

یاد رہے کہ ایمان و کفر کی یہ تقسیم حضورؐ سے پہلے بھی تھی لیکن آپ سے قبل چونکہ ہر نبی کسی مخصوص قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا۔ اسی لئے اُن کی بعثت سے قومیتوں کے قائم شدہ امتیازات کلیتہً مٹائے نہیں جا سکتے تھے۔

البتہ رحمۃ للعالمین اور نذیر للعالمین کی بعثتِ عامہ نے جو کسی ملک و خاندان یا زبان و مکان سے مقید نہ تھی، ان تمام چھوٹے چھوٹے تشخصات اور محدود امتیازات کی قدر و قیمت گھٹا دی یا ختم کر دی جن کو لوگوں نے اپنے جہل و تنگ نظری سے شرافت و کرامت کا اصلی معیار بنا رکھا تھا۔

اسلامی قومیت کا بحرِ ناپیدا کنار

اسے آپ یوں خیال کیجئے کہ ہمارے ملک میں چھوٹے بڑے دریا گنگا، جمنا، نربدا، اٹک وغیرہ بجائے خود اپنے اپنے تشخصات کے ساتھ موجود ہیں اور ایک دوسرے سے جداگانہ وجود رکھتے ہیں۔ مگر یہ سب دریا ایک حد پر پہنچ کر اپنی اپنی ہستیوں کو سمندر کی بڑی ہستی میں اس طرح گم کر دیتے ہیں کہ وہاں اُن کا کوئی امتیازی وجود باقی نہیں رہتا۔ ٹھیک اسی طرح دنیا میں وطنی، نسلی، لونی، حرفتی اور تمدنی تقسیم کے اعتبار سے گو سینکڑوں قومیتیں سہولتِ تعارف کے لئے اپنی اپنی جگہ موجود اور قائم ہوں پھر بھی یہ محدود قومیتیں اسلامی قومیت کے بڑے سمندر میں گر کر ایک ایسی قوم کی تشکیل میں شامل ہو جاتی ہیں جہاں ان کے وہ سارے امتیازات اور تفرقے ختم ہو جاتے ہیں ۔

چو سلطانِ عزت علم بر کشد جہاں سر بہ جیبِ عدم در کشد

اسی عالمگیر اسلامی قومیت کا بیان صحیح مسلم کی اس حدیث میں ہے :-

عَنْ ابن عباسٍ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لَقِیَ رَکْبًا بالروحاء فقال مَنِ القوم۔ قالوا المسلمون فقالوا مَنْ اَنْتَ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(صحیح مسلم۔ مصری طبع جدید ص ۹۹)

دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلہ سے پوچھا تھا کہ تم کون قوم ہو جواب میں انہوں نے یہ نہ کہا کہ ہم حجازی یا نجدی یا یمنی ہیں یا قریشی یا ہذیل یا تمیم یا کچھ اور ہیں آن سب سے زیادہ قبائلی تعصب و غرور رکھنے والے ملک میں اُن کا جواب صرف یہ تھا کہ ہم مسلمان ہیں۔ حالانکہ اس وقت تک انہوں نے حضور کو پہچانا بھی نہ تھا۔ گویا وطنی اور نسلی عصبیت کے سب بُت ٹوٹ چکے تھے اور بجز اسلام کے اب کوئی حقیقی قومیت ان کے نزدیک باقی نہ رہی تھی۔

ابو عقبۃ فارسی کے قصہ میں جو آپ "وَاَنَا الْغُلَامُ الْفَارِسِیُّ" کے نعرہ پر ناخوش ہوئے اور جب اس نے آپ کی تنبیہ کے موافق " وانا الغلام الانصاری" کا نعرہ لگایا تو آپ کو مسرت ہوئی۔ اس کا راز بھی یہی تھا کہ مسلمان کی نظر میں قومیت کی تاسیس بجائے ملک و وطن کے دین اور کمالاتِ دین پر ہونی چاہئے۔

متحدہ قومیت کا تخیل باطل اور خلافِ اسلام ہے

اس اساسی نقطۂ نظر سے لامحالہ کل غیر مسلم قومیں دوسری قوم سمجھی جائیں گی اور اب اس چیز کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہتا کہ مسلم اور غیر مسلم دونوں کے امتزاج سے کوئی قومیت متحدہ صحیح معنی میں بن سکے۔

لغوی توسعات سے ہم کو بحث نہیں۔ اسی لئے وہ معاہدہ جو صحابہ اور یہود مدینہ میں ہوا تھا اس میں مسلمان اور یہود کے متعلق قوم واحدہ کا لفظ نہیں محض " امۃ واحدۃ " کا لفظ استعمال ہوا تو صاحب لسان العرب کو اس پر متنبہ کرنا پڑا کہ یہ اطلاق توسعاً ہے حالانکہ اگر اس کو بالفرض حسب زعم بعض فضلاء قومیت متحدہ قرار بھی دیا جائے تو اس معاہدہ کی سب سے اہم دفعہ جسے عموماً استدلال کے وقت نظر انداز کیا جاتا رہا ہے، یہ تھی کہ اگر کسی معاملہ میں فریقین (مسلمان اور یہود) کے مابین نزاع ہوگی تو آخری فیصلہ وہ ہوگا جو اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم صادر فرمائیں گے۔ کیا قومیت متحدہ کے علمبردار آج کوئی ایسی شرط ماننے یا منوانے کے لئے تیار ہیں؟

دس کروڑ مسلمانانِ ہند ایک مستقل قوم ہیں

بہر حال ہندوستان میں دس کروڑ مسلمان ایک مستقل قوم ہیں۔ اس قوم کی وحدت اور شیرازہ بندی کیلئے ضرورت ہے کہ اس کا کوئی مستقل مرکز ہو جہاں سے اس کے قومی تحرکات اور عزائم فروغ پا سکیں اور جہاں سے وہ مکمل آزادی اور مادی اقتدار کے ساتھ اپنے خدائی قانون کو بے روک ٹوک نافذ کر سکے بلکہ اس بے مثال قانون عدل و حکمت کا کوئی عملی نمونہ قائم کر کے دنیا کو وہ مشعل ہدایت دکھلا سکے جس کی آج ہمیشہ سے زیادہ دنیا کو ضرورت ہے۔

اس نصب العین کا جتنا حصہ جس حد تک ہماری قدرت میں آسکے اور آتا جائے اس سے تغافل برتنا نہیں چاہئے۔

بحالاتِ موجودہ جو اصول سیاست دنیا میں رائج ہیں ان کے ماتحت ہم صرف ان صوبوں میں اس مقصد کی کوئی قسط حاصل کر سکتے ہیں جہاں اکثریت مسلمانوں کی ہے۔

پاکستان کا غیبی اشارہ

یہ بھی اللہ کی عجیب قدرت و حکمت کی نشانی ہے کہ باوجودیکہ مسلمان اس ملک میں مجموعی طور پر دوسری اقوام سے کم تعداد میں ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ہماری اس کمی کو ملک کے تمام صوبوں میں مساوی نسبت پر تقسیم نہیں کیا، بلکہ بعض صوبوں میں جو جغرافیائی حیثیت سے اہم بھی ہیں۔ ہم کو دوسروں کے مقابلہ میں اکثریت عطا فرمادی۔

یہ گویا قدرت کی طرف سے پاکستان قائم کر لینے کے امکان کی طرف ایک غیبی اشارہ ہے۔ بہر حال اس کا نام پاکستان رکھو یا حکومت الٰہیہ یا اور کوئی کچھ۔ اتنی بات میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان ایک مستقل قوم ہیں اور ان کے لئے ایک مستقل مرکز کی ضرورت ہے جو اکثریت و اقلیت کی مخلوط حکومت میں کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتا۔

یہاں کی دونوں قوموں کے منافشات کا حل بھی اسی توازن کے قائم کرنے میں ہے کہ دونوں کو اپنے اپنے مستقر اور مرکز میں پوری آزادی نصیب ہو اور اس طرح طبعی طور پر دونوں آزاد ریاستیں اپنی اپنی اقلیتوں کے تحفظ کا انتظام درست رکھنے پر مجبور ہوں۔ دونوں مل کر معاہداتی سسٹم کے ماتحت پورے ملک کو خوشحال اور پُر امن رکھنے کی جدوجہد کریں اور باہمی تعاون سے ملک کو ہر جہتی ترقی دینے میں کوشاں ہوں۔

اگر بدقسمتی سے ایسا نہ ہو اور یہاں کی اکثریت نے مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنی تنگ نظری

تعصب اور تاریک ترین پست خیالی نہ چھوڑی تو ملک کیلئے آزادیٔ کامل کی توقع رکھنا اپنے نفس کو خود فریب دینا ہے۔ جذباتی لوگ جو چاہیں کہتے رہیں۔ حقیقت پسند جانتے ہیں کہ ایسی صورت میں ایسی امیدیں باندھنا شیخ چلی کے منصوبوں سے کم نہیں۔ الحاصل آج مسلم قوم سے یہ توقع ہرگز نہ رکھئے کہ وہ انگریز کی سنگل اور اضطراری غلامی کے مقابلہ میں انگریز اور ہندو کی ڈبل اور اختیاری غلامی کو ترجیح دے گی۔

مسلم لیگ اور محمد علی جناح

مذکورہ بالا حقائق کے پیش نظر آل انڈیا مسلم لیگ مسٹر محمد علی جناح کی قیادت میں کھڑی ہوتی ہے کل وہ جو کچھ بھی تھی مگر آج عامہ مسلمین کی شرکت سے اُسے اپنا صحیح موقف اور صحیح مقام نظر آرہا ہے وہ اس کے لئے دوڑ دھوپ کر رہی ہے۔ آخر کانگریس بھی تو اپنے آغاز میں جو کچھ تھی انجام میں وہ نہیں رہی۔

بلاشبہ مسلم لیگ اور اس کے قائدین میں انسانی کمزوریاں ہیں اور ان کی بہت سی باتیں ہمارے علماء کے نزدیک قابل اعتراض ہیں لیکن ضرورت ہے کہ عوام کو تیار کیا جائے اور اچھے اچھے پختہ علماء و زعما عوام کی طاقت سے مجبور کر دیں کہ وہ امانت داری سے اپنے آپ کو اس منصب کا اہل ثابت کریں جو جمہور کی طرف سے اُن کو تفویض ہوا ہے۔ جہاں تک میں اپنی بساط کے موافق اندازہ کر سکا ہوں مجھے یقین ہے کہ مسٹر جناح آج کل کی سیاست کے داؤ پیچ سے مسلمانوں میں سب سے زیادہ واقف ہے۔ پھر وہ کسی قیمت پر خریدا جا سکتا ہے اور نہ کسی دباؤ کے سامنے سر جھکا سکتا ہے۔

مسلم لیگ میں شرکت میں پورا غور و خوض

میں زمانہ دراز تک ان مسائل کے اطراف و جوانب پر غور کرتا رہا فیما بینی و بین اللہ سب اچھے برے پہلوؤں پر نظر کر کے آخر اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس وقت مسلمانوں کو حصول پاکستان کی خاطر مسلم لیگ کی تائید و حمایت میں حدود شرعیہ کی رعایت کے ساتھ حصہ لینا چاہئے میں یہ گمان کرتا ہوں کہ اگر اس وقت مسلم لیگ ناکامیاب ہو گئی تو پھر شاید مدت دراز تک مسلمانوں کو اس ملک میں پنپنے کا موقع نہ ملے گا۔ اس لئے وقت کی ضرورت یہ ہے کہ مسلمان مسلم لیگ کے بازو مضبوط کریں اور ساتھ ہی عوام مسلمین ہر قدم پر مختلف عنوانوں سے یہ ظاہر کرتے رہیں کہ ہم نے مسلم لیگ کا ساتھ اپنے دین اور اپنی اصل قومیت کی حفاظت کے لئے دیا ہے اور تمام دینی معاملات میں ہم حاملین دین اور علمائے ربانیین کی آواز کو سب آوازوں پر مقدم دیکھنا چاہتے ہیں اگر خدا نہ کردہ ایسا نہ ہوا تو ہم انشاء اللہ

ایسے فاسد عناصر سے لیگ کو صاف کر کے دم لیں گے۔ واللہ الموفق۔

مسلم آزادی اور طوطا ——— اور گربہ مسکین کی مثال

کہا جاتا ہے کہ مسلم لیگ، انگریز کی حکومت اور سیطرۃ (مکمل طور پر) آزاد ہونا اور آزادی دلانا نہیں چاہتی۔ بلکہ غیر ذات الشوکۃ (غیر صاحب قدرت) ہی کے پیچھے پڑی رہتی ہے۔ اس کے برخلاف کانگریس کا مطمح نظر آزادیٔ کامل ہے اور اس کے لئے وہ بڑی بڑی قربانیاں کرتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ انسان تو انسان حیوانات کو بھی آزادی محبوب ہے ایک طوطا جو قفس میں سالہا سال بند رہے جب قفس کا دروازہ کھولئے قید سے نکل کر اڑ جانے کا خواہش مند ہوگا لیکن اگر وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو کہ پنجرہ کے گرد گربۂ مسکین گشت لگا رہی ہے تو قفس کا دروازہ کھلنے پر بھی بجائے باہر نکلنے کے اُلٹا قفس کی تیلیوں کو چمٹنے لگے گا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ نکلنے کی صورت میں اصل زندگی ہی کا خاتمہ ہے۔

کیا ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان آزادی کے طلبگار نہ ہوں؟ چنانچہ کانگریس کی طرح مسلم لیگ بھی آزادیٔ کامل اپنا نصب العین رکھتی ہے۔ لیکن کچھ تو پہلے سے اور زیادہ تر شملہ کانفرنس کے بعد مسلمان یہ سمجھنے لگے ہیں کہ ہندو کانگریسیوں کا مقصد ہی کچھ اور ہے ان کی اکثریت میں ہم مدغم ہو کر آزادیٔ کامل تو کیا حاصل کرتے اپنی قومی ہستی ہی کو فنا کر بیٹھیں گے۔ جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں وہ آخر قربانیاں کاہے کے لئے کریں؟ قربانی کوئی مقصد تو نہیں ذریعہ اور وسیلہ ہے اگر حصول مقصد کی توقع اُس سے نہ ہو بلکہ خلاف مقصد کو تقویت پہنچنے کا اندیشہ ہو تو قربانی کس کام کی؟ بقول اکبر مرحوم ؎

ناچیز ہے سکوں تو تلاطم بھی نہیں کچھ
ہم کچھ نہیں یہ سچ ہے مگر تم بھی نہیں کچھ

استعانت بالکفار اور غلبۂ اسلام کی شرط

ہمارے فقہائے حنفیہ نے امام محمدؒ اور طحاوی رحمہما اللہ سے لے کر علامہ ابن عابدینؒ تک کسی نے اس مسئلہ سے انکار نہیں کیا کہ ایک قوم کے مقابلہ پر دوسرے کفار کو مدد دینا یا اُن سے مدد لینا اُسی وقت جائز ہے جبکہ حکم اسلام ظاہر (غالب) ہو۔ یہ اسی لئے کہ مسلمانوں کی جانیں اور اموال اسلامی نقطۂ نظر سے بیکار ضائع نہ جائیں۔

صاحب بدائع نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ استعانت بالکفار علی الکفار ان سے معاہدہ کرنے کے بعد بھی مناسب نہیں۔ کیونکہ ان کے غدر سے کسی وقت مسلمان مامون نہیں۔ علت یہ بیان

کی ہے کہ "فان العداوۃ الدینیۃ تحملھم علیہ" کہ نفس مذہبی عداوت ان کو غدر اور بدعہدی پر ابھارے گی۔ آگے صرف حالت اضطرار کا استثناء فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ اضطرار کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس کے سوا کوئی اور رستہ باقی نہ رہے۔

اب آپ تمام حالات موجودہ کا جائزہ لے کر اندازہ فرمالیں کہ اس وقت ہم اس چیز کے لئے مضطر ہیں یا نہیں۔

سب مل کر لیگ کا پاکستانی راستہ اختیار کر لیں

میری عرض یہ ہے کہ ایک مرتبہ سب مل کر لیگ کا پاکستانی راستہ بھی اختیار کر کے دیکھ لیں۔ کیا بعید کہ سب مسلمان اگر مل کر اور ایک زبان ہو کر اسی چیز کا مطالبہ کریں تو اسی راستے سے منزل مقصود تک پہنچ جائیں۔

اللہ کے فضل و رحمت سے امیدوار رہنا چاہئے کہ وہ مسلمانوں کے اجتماعی اور اجمالی مطالبہ میں وزن پیدا کر دے گا اور فتح و نصرت شامل حال ہوگی۔ لیکن اس اجماعی اور اجتماعی طاقت کا فراہم ہونا ہی وقت کا دشوار ترین مسئلہ بن رہا ہے اور امت مسلمہ کا تفرق و تحزب اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ ہر ایک مفید تحریک کے پروان چڑھنے میں یہی خلیج آڑے آجاتی ہے۔ ہر جماعت کے غیر ذمہ دار لوگ بلکہ بعض اوقات بعض ناعاقبت اندیش ذمہ دار بھی اس خلیج کو پاٹنے کی بجائے اپنے تغافل یا تساہل سے اور وسیع تر کرتے چلے جاتے ہیں۔

حُسنِ اخلاق کی نصیحت

جب ایک جانب سے قائد اعظم کی جگہ کافر اعظم اور ملعون و عیار وغیرہ الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں تو لاکھوں اشخاص کے سینوں میں یہ لفظ تیر و نشتر بن کر لگتے ہیں۔ دوسری طرف اگر مولانا ابوالکلام آزاد یا مولانا حسین احمد مدنی کے ساتھ کوئی ناشائستہ اور گستاخانہ معاملہ کیا جاتا ہے تو نہ صرف اُن کے معتقدین بلکہ ہزارہا اُن مسلمانوں

کے قلب و جگر بھی چھلنی ہو جاتے ہیں۔ جن کو اُن کے سیاسی مسلک سے اختلاف ہے کسی جماعت کے کسی بڑے آدمی یا کسی عالم دین کو اس طرح بے آبرو کرنا یا اس پر خوش ہونا پرلے درجہ کی شقاوت ہے اور حماقت ہے اس سے ساری قوم کی ہوا خیزی، رسوائی بے عزتی ہوتی ہے۔ اور جو لوگ نیک دلی سے تحریکات میں کسی طرف حصہ لیتے ہیں اُن کے لئے یہ چیز ناقابل برداشت حد تک پہنچ جاتی ہے۔

پھر یہ منظر دیکھ کر بہت سے لوگ جو کسی طرف آنا چاہتے ہیں وہ اپنے ارادے سے رُک جاتے ہیں۔ اور اندر آئے ہوئے باہر نکلنے لگتے ہیں۔

تمام جماعتوں کے اعاظم رجال کا فرض ہے کہ پوری توجہ اور قوت سے ایسی رکیک حرکات کا انسداد کریں اور حق تعالیٰ کے اس فرمان کو ہمہ وقت پیش نظر رکھیں۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَي الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۪ وَاغْفِرْ لَنَا ۪ وَارْحَمْنَا ۪ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔

شبیر احمد عثمانی

از دیوبند

۱۷ر ذیقعدہ ۱۳۶۳ھ م ۲۴ر اکتوبر ۱۹۴۵ء

علامہ عثمانی کے پیغام کا کلکتہ کا طول و عرضِ ہند میں

خیر مقدم

جب یہ پیغام کل موتمر ہند جمعیت العلمائے اسلام میں پڑھا گیا تو مسلمانوں نے اس کا شاندار خیر مقدم کیا اور ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی بلکہ ہندوستان کے طول و عرض میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ یہ پیغام قلمی تھا طبع نہیں ہو سکا تھا۔ اجلاس کے بعد جب اس کو طبع کیا گیا تو سید محمد قریشی صاحب (شمسی) ناظم کل ہند جمعیۃ العلماء اسلام نے ۷ر نومبر ۱۹۴۵ء کو پیغام کے اول میں حسب ذیل تعارف یا مقدمہ لکھ کر چھپوایا جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

"آج ہم بصد شکر و امتنان شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی مدظلہ جانشین شیخ الہند کا وہ ایمان افروز پیام اور مکتوبات[1] گرامی شائع کرتے ہیں جو ملت اسلامیہ ہند کیلئے تحریک استقلال

[1] یہ وہی مکتوبات ہیں جو پیغام سے پہلے درج ہیں۔ مرتب

کی تاریخ میں ایک باب فتح و کامرانی کے عنوان زریں کی حیثیت رکھتے ہیں حضرت علامہ موصوف بہ نفس نفیس آل انڈیا جمعیۃ العلماء اسلام کانفرنس میں شرکت کے آرزومند تھے کیونکہ دفاع دین و ملت سے متعلق احساس فرض نے آپ کو بے چین و مضطرب کر کے گوشۂ عزلت سے نکلنے پر مجبور کر دیا ہے لیکن حضرت علامہ ایک عرصے سے سخت علیل[1] اور گو پہلے سے اب رو بصحت ہیں تاہم ایام اجلاس (اواخر اکتوبر ۱۹۴۵ء) میں طویل سفر کا تحمل نہیں کر سکتے تھے۔ بنابریں حضرت علامہ مدظلہ (اب رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے ایک نمائندہ خصوصی حضرت مولانا ظہور احمد صاحب سابق استاذ دار العلوم دیوبند کو خاص طور پر اپنی طرف سے آل انڈیا جمعیۃ العلماء اسلام کانفرنس میں شرکت کے لئے بھیجا۔ یہ نمائندہ خصوصی دیوبند سے ۲۲ر اکتوبر ۱۹۴۵ء کو سہ پہر کے وقت کلکتہ پہنچے اور اسی شب کو یہ پیغام حضرت مولانا متین صاحب فاضل دیوبند و خطیب انبالہ چھاؤنی نے نہایت بلند صاف اور دلنشیں آواز میں پڑھ کر سنایا۔ عظیم الشان پنڈال، سارا محمد علی پارک اور اطراف و جوانب کے علاقے کے مسلمانوں سے معمور (بھرے پڑے) تھے۔ پیغام نے ایک عالم بے خودی پیدا کر دیا۔ عجیب محویت و کیفیت سبھوں پر طاری ہو گئی۔ بار بار نعرہ ہائے تکبیر و "علامہ شبیر احمد عثمانی زندہ باد" بلند ہوتے رہے۔ اکثر جملوں کو مکرر پڑھنے کی درخواست ہوتی رہی اور تقریباً پون گھنٹے تک اجلاس کی کوئی کارروائی نہ ہو سکی۔ پنڈال کے ہر گوشے سے لوگ اس کے خیر مقدم کے لئے وفور جوش سے اُبلتے رہے اور اس کے شائع کرنے کے لئے چندہ پیش کرنے لگے۔ ایک صاحب نے بنگلہ ترجمہ و اشاعت کا ذمہ لیا اور دوسرے بزرگ نے گجراتی میں۔

شکریہ میں لاکھوں مسلمانوں کی طرف سے اور کل ہند جمعیۃ العلماء اسلام کانفرنس کی طرف سے حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی مدظلہ کی خدمت میں مخلصانہ شکریہ عرض کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ملت کی رہنمائی کے لئے حضرت کو صحت و قوت مرحمت فرمائے آمین

احقر
سید محمد قریشی (شمسی) غفرلہ
ناظم کل ہند جمعیۃ العلماء اسلام کلکتہ
۷ر نومبر ۱۹۴۵ء

[1] آپ گٹھیا کے مرض کے باعث عرصۂ دراز سے بیمار تھے اور دیوبند میں مقیم تھے۔ مرتب

ایڈیٹر عصر جدید کلکتہ کا نوٹ

اس پیغام کو عصر جدید اخبار کلکتہ نے شائع کیا اور اس کے اول میں حسب ذیل نوٹ لکھا ہے۔
"ذیل میں ہم آج حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی متع اللہ المسلمین بطول بقائہ (رحمۃ اللہ علیہ) کا روح پرور پیغام درج کرتے ہیں جو کل ہند جمعیۃ العلماء اسلام کے اجلاس کلکتہ میں پڑھ کر سنایا گیا اور جسکی خالص اسلامی روح اور دلنشیں نکات زبردست دلائل اور سچے مسلم دل سے نکلی ہوئی اپیل ہزاروں ہزار شرکائے اجلاس کے دل و دماغ پر چھا گئی۔ پیغام سنائے جانے کے وقت اس عظیم الشان مجمع کی محویت کے نظارے میں جو حلاوت ایمانی خود اس اجتماع عظیم کے ہر ہر فرد نے محسوس کی اس کا اندازہ کوئی بیان کرنے والی زبان بیان نہیں کر سکتی۔ ٹھیک ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ برسوں اور مدتوں کی سوکھی اور پیاسی زمین پر بڑی امید، بڑے انتظار اور بڑی تمنا کے بعد غیر متوقع طور پر یکبارگی باران رحمت کا نزول ہو رہا ہے۔ ہم اس پیغام کو درج کرتے ہوئے مسلمانان ہند سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ اسکو بار بار پڑھیں دوستوں کو سنائیں اور اس پمفلٹ کو اس ذیلی براعظم کے طول و عرض اور شمال و جنوب کے گوشے گوشے میں ہر ہر مسلم گھر میں پہنچا کر دم لیں۔"
(عصر جدید کلکتہ مورخہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۵ء)

اس پیغام کے بعد علامہ عثمانی مسلم لیگ اور نظریۂ پاکستان کی حمایت میں اور آگے بڑھے اور مسلم لیگ کے خلاف جو فتویٰ یا اعلان کسی صاحب کی طرف سے شائع ہوتا اس کا مدلل اور مسکت جواب دیتے۔ اگلی سطور میں ایسے ہی ایک فتوے کا جواب ملاحظہ فرمائیے۔

جمعیت العلمائے ہند کے ایک جلیل القدر عالم کا فتویٰ

مسلم لیگ میں شرکت حرام ہے

جمعیۃ العلمائے اسلام کلکتہ کے اجلاس کی شہرت ہو چکی تھی۔ جمعیۃ العلماء ہند دہلی نے اسکے مضرات کو سمجھ لیا تھا اس لئے ان میں سے ایک جلیل القدر عالم نے اجلاس کلکتہ کے دوران ایک فتویٰ جاری کیا جس میں مسلم لیگ میں شرکت کو حرام قرار دیا گیا تھا۔ نیز اس فتوے میں قائد اعظم کو "کافر اعظم" کا لقب دیا گیا تھا۔ یہ ۱۸/ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو دہلی سے جاری ہوا

علامہ عثمانی کا جواب

علامہ عثمانیؒ نے مذکورہ بالا فتوے کا حوالہ دیتے ہوئے اس کا جواب حسب ذیل الفاظ میں دیا۔
"(مولانا) مسلم لیگ کی شرکت کو احکام شریعت کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے اس کے کیا دلائل شرعیہ پیش کئے ہیں محض کسی عالم کے اتنا لکھ دینے سے کہ فلاں چیز ناجائز ہے دوسرے علماء کیسے ساکت ہو سکتے ہیں۔ دلائل سامنے ہوں تو ان پر کچھ کہا جائے۔ مجھے تو عدم جواز کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ غلطیاں اور کوتاہیاں کس جماعت اور کس شخص سے نہیں ہوتیں۔ ہمارے بڑے بڑے مقدس ادارے بھی اس سے مستثنیٰ نہیں، لیکن یہ چیز اس کا سبب نہیں بن سکتی کہ ادارے میں شرکت ہی حرام ہو۔ درانحالیکہ اس کے فوائد اور منافع اس کے مضار اور نقصانات سے زائد ہوں۔

مسلم قوم کی مستقل ہستی لیگ نے منوائی

میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ تمام امور سے قطع نظر کر کے اگر لیگ کے وجود سے اتنا کام ہو گیا کہ مسلم قوم کی مستقل ہستی اور اس کی غیر مخلوط صاف آواز ہر انگریز اور ہندو دونوں کے نزدیک تسلیم کر لی گئی اور تھوڑی سی مدت میں بدون بہت زیادہ نقصان اٹھائے دنیا نے ہندوستان کے اندر ایک تیسری طاقت کے وجود کا اعتراف کر لیا بلکہ لیگ اور کانگریس کو صلح یا جنگ کے ہر معاملے میں ایک ہی صف میں دوش بدوش کھڑا کیا جانے لگا تو کیا یہ فائدہ شرعی اور سیاسی نقطۂ نظر سے کچھ کم ہے؟"
(شائع شدہ رہبر دکن حیدرآباد مورخہ ۲۹/ اکتوبر ۱۹۴۵ء)
شبیر احمد عثمانی

اس جواب سے جمعیۃ العلماء ہند دہلی کے ایک جلیل القدر عالم کے لیگ میں شرکت کو حرام قرار دینے کا مسلمانان ہند پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ بلکہ علامہ عثمانی کی تحریروں نے ہی مسلمانوں کو مسلم لیگ کی طرف کھینچ لیا یعنی وہ مسلمان جواب تک شرعی حیثیت سے مسلم لیگ میں شرکت کرنے سے تذبذب میں تھے ان کا تذبذب جاتا رہا۔

مرکزی اور صوبائی الیکشن ان سرگرمیوں اور کشاکشوں کی وجہ اور دونوں طرف سے زور لگانے کا سبب آئندہ آنے والے مرکزی اور صوبائی انتخابات بھی تھے ان انتخابات میں اگر مسلم لیگ کے نمائندے کامیاب ہو کر نہیں آتے تو کانگریس کے ہندو ہمیشہ کے

لئے مسلمانانِ ہند پر سوار ہو جاتے۔ اس لئے مقابلہ بہت سخت تھا۔ چنانچہ الیکشنوں کے سلسلے میں علامہ عثمانی کا ایک اہم بیان شائع ہوا جو یہ ہے۔

الیکشن کے متعلق اہم بیان

"مسلم لیگ جس اصول پر الیکشن لڑ رہی ہے وہ شرعی اور عقلی حیثیت سے بے غبار ہے"

"اگر الیکشن میں لیگ ہار گئی تو ایک سچا اصول ہمیشہ کے لئے دفن ہو جائے گا"

"اسلام کا مقصد ایک ایسی قوم کی تشکیل ہے جو وطن، نسل، رنگ اور پیشے سے بالا ہو"

جانشین شیخ الہند، مفسر قرآن حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی مدظلہ العالی کا بصیرت افروز بیان

آج کل الیکشن کی ہما ہمی بہت زوروں پر ہے۔ اس معاملہ میں اصل بات تو یہ ہے کہ مجھے کچھ خاص دلچسپی نہیں ہے۔ کونسلوں کے متعلق جس مسئلہ پر ہم نے بیس پچیس سال پہلے دستخط کئے اور بحثیں کی ہیں اس سے کسی وقت رجوع نہیں کیا۔ لیکن ہندوستان بلکہ دنیا میں جو طرز حکومت آج رائج ہے اس کا پیٹ میں طوعاً یا کرہاً سب آرہے ہیں۔ بہت مشکل ہے کہ دریا کی موجوں میں گھر کر تر دامنی سے اپنے کو بچایا جائے۔ اب جبکہ لوگ ناگزیر طور پر الیکشن میں مبتلا ہو گئے یا مبتلا کر دئے گئے تو دیکھنا یہ ہے کہ کونسا پہلو قومی حیثیت سے ہمارے حق میں مفید اور باعتبار نتائج کے محفوظ و مامون ہے نہ میں کوئی مفتی ہوں جو فتویٰ لکھ بھیجوں اور نہ ماہر سیاست ہوں جو ایسے امور کا لیڈرانہ فیصلہ کر سکوں۔ ہاں اسلامی برادری کا ایک ادنیٰ جزو ہونے کی حیثیت سے اپنے اندازہ علم و فہم کے موافق جو رائے قائم ہوئی ہے اپنے مخلصین کے پیہم اصرار پر بطور مشورہ عرض کر دیتا ہوں۔ بہت چاہتا تھا کہ اس معاملہ میں بالکل خاموش رہوں لیکن کچھ تو لوگ خاموش رہنے نہیں دیتے اور کچھ اس وقت یہ دردناک منظر دیکھ کر کہ دس کروڑ مسلمانوں کے قومی اور سیاسی استقلال کی روح کو کیسی سنگدلی سے مسلمانوں ہی کی چھری سے ذبح کیا جا رہا ہے۔ بالکل خاموش رہنا گوارا نہ ہوا بنا بریں مسائل حاضرہ کے متعلق اپنے ناچیز خیالات ایک قدرے مفصل پیغام کے ذریعہ جو جمعیۃ العلماء اسلام کلکتہ کے نام لکھ بھیجا ہے۔ پیش کر دئیے ہیں۔ وہ پیغام انشاء اللہ عنقریب پبلک کے سامنے آجائے گا۔

اسلام کا مقصد

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کا مقصد ہے: ہم اپنے پیروؤں کے ذریعہ ایک ایسی قومیت کی تشکیل کرنا ہے جو وطن، نسل، رنگ، پیشہ اور مختلف اقوام کی قائم کردہ معاشرتی و تمدنی خصائص سے بالاتر ہو۔ ہندوستان میں چونکہ اس عظیم الشان قوم کے عناصر اس قدر عظیم ترین تعداد میں موجود ہیں۔ جن کی نظیر کسی دوسرے خطے میں نہیں مل سکتی۔ اس لئے اشد ضروری ہے کہ یہاں اس قوم مسلم کا کوئی آزاد اور مستقل مرکز ہو۔ ایسے مرکز کا قیام دنیا کی موجودہ سیاست کے اصول مروجہ کے ماتحت صرف ان ہی صوبوں میں ممکن ہے جہاں اکثریت مسلمانوں کی ہو۔ اس مرکز کا نام اصطلاحی طور پر "پاکستان" یا کچھ اور ہو۔ بہرحال اس کے قیام سے یہ غرض نہیں کہ خواہ مخواہ ہمسایہ اقوام سے لڑائی مول لی جائے۔ بلکہ ایک مناسب منصفانہ اور معتدل تقسیم کے ذریعہ یہاں کے روزانہ پیش آنے والے فرقہ وارانہ مناقشات کا بڑی حد تک سدباب مقصود ہے اور سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ آزاد اور طاقتور مرکز سے کسی دوسری قوم کے ساتھ صلح یا جنگ کی جو کچھ تجویز ہوگی وہ طاقتور موثر اور منظم ہوگی اور پورا ملک ہند جو فوائد وفاقی حکومت سے حاصل کرتا وہ "پاکستان" اور "ہندوستان" کے نہایت مستحکم معاہداتی سسٹم سے کر سکے گا۔

آنے والا الیکشن

آنے والا الیکشن چونکہ مسلم لیگ اسی اصول پر لڑنا چاہتی ہے اور دوسری جماعتیں اس کے توڑ پر ہیں۔ اس لئے اگر بعض ووٹ دینے والے مجھ سے مشورہ چاہتے ہیں یا چاہیں گے تو میرا ناچیز مشورہ یہی ہوگا کہ اس بارے میں دونوں جانبوں سے میرے نزدیک مسلم لیگ کی جانب کو ترجیح ہے۔ لہٰذا شخصیات سے بے پرواہ ہو کر اس کے نامزد کردہ امیدوار کو ووٹ دینا چاہیے۔ بلاشبہ لیگ اور اس کے قائدین نے اپنے نقطہ نظر سے غلطیاں کی ہیں اس کا سبب جہاں ان لوگوں کی احکام شرعیہ سے بے خبری یا لاپرواہی ہے وہیں ہمارے علماء مصلحین کی ان سے کنارہ کشی اور نبرد آزمائی بھی ہے۔ اگر قابل ترین علماء اپنے مذہبی اثرات کے ساتھ جو عامہ مسلمین کے قلوب میں وہ اب بھی محسوس کرتے رہتے ہیں۔ لیگ کے نظام میں شریک رہتے اور افہام و تفہیم نیز جمہور کی اخلاقی طاقت سے کام لے کر قائدین لیگ کی بے راہ روی کو دور اور ان کی غلطیوں کو درست کرنے کی سعی پیہم کرتے تو قابل اعتراض چیزیں ختم یا بہت کم ہو جاتیں۔ کیا کانگریس کے دائرہ میں جہاں ہندو عناصر کے کھلے ہوئے غلبہ سے کوئی انکار نہیں کر سکتا

مٹھی بھر مسلمان داخل ہو کر تو یہ امید کر سکتے ہیں کہ مسلمانوں کے معاملات میں ان سب کو راہ راست پر لے آئیں گے لیکن مسلم لیگ کے متعلق جو خالص مسلمانوں کی جماعت ہے ایسی امید کے سب دروازے بند ہو چکے ہیں۔ یہ چیز کم از کم میری سمجھ سے باہر ہے۔ اچھا مان لو کہ لیگ نے وہ سب غلطیاں کی ہیں جو اس کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ مگر کیا ترکوں نے شرعی نقطۂ نگاہ سے اس سے کچھ کم غلطیوں کا ارتکاب کیا تھا۔ تاہم جب کبھی معاملہ ترکی کی سلطنت کا ہمارے سامنے آتا ہے تو ہم صرف یہ دیکھتے ہیں کہ ان تمام غلط کاریوں کے باوجود وہ کلمہ گو ہیں، مسلمان ہیں، اس لئے ہم دوسری غیر اسلامی طاقت کے مقابلہ میں اس کی طرف جھکتے ہیں۔

مسلم لیگ مسلم جماعت ہے!

آج ہندوستان میں مسلم لیگ کلمہ گو مسلمانوں کی جماعت ہے۔ اس میں ہزار عیب بھی تاہم غیر مسلم قوموں کی نسبت وہ ہم سے قریب تر اور مفید تر ہے ادھر جوں جوں اب عام مسلمان اس میں بکثرت شامل ہوتے جاتے ہیں اس کے قائدین بھی پہلے کی نسبت ذرا احتیاط سے کام کرنے لگے ہیں۔ پھر اس وقت جس اصول پر وہ الیکشن لڑ رہی ہے وہ عقلی اور شرعی حیثیت سے مرجح اور بے غبار ہے اگر مسلم لیگ موجودہ الیکشن میں ناکامیاب ہو گئی تو قوی اندیشہ ہے کہ ایک سچا اصول ہی شاید ہمیشہ کے لئے دفن ہو جائے اور مسلمانوں کے قومی و سیاسی استقلال کی آواز فضائے ہندوستان میں پھر کبھی نہ سنائی دے۔ پاکستان ایک اصطلاحی نام ہے۔ یہ نام سن کر کسی شخص کو بھی یہ غلط فہمی یا خوش فہمی پیدا نہیں ہونی چاہئے کہ اس خطہ میں فوراً بلا تاخیر خلافت راشدہ یا خالص قرآنی اور اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی۔ ضرورت سے زیادہ امیدیں دلانا یا توقعات باندھنا کسی عاقبت اندیش حقیقت پسند کے لئے زیبا نہیں۔ ہاں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان ایک ایسا ابتدائی قدم ہے جو انجام کار قرآنی اصول کے مطابق احکم الحاکمین کی حکومت عادلہ قائم ہونے پر کسی وقت منتہی ہو سکتا ہے۔ جس کے قیام کا نام نہاد قومیت متحدہ کی حکومت کے ذریعہ بظاہر کوئی امکان نہیں۔ کانگریسی ہندو اگر قومیت متحدہ کا نام لے کر یہ ارادہ رکھتے ہیں (جیسا کہ شملہ کانفرنس کے بعد صاف نظر آتا ہے) کہ خود غلام رہتے ہوئے مسلم قوم کو غلاموں کا غلام بنائے رکھیں تو یہ یاد رکھے کہ اب انشاء اللہ یہ آرزو پوری نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ مسلم قوم آزادی کامل کے بلند بانگ دعاوی کے پس منظر کو بخوبی سمجھ چکی ہے۔ اب اس کو دوبارہ بے وقوف نہیں بنایا جا سکتا۔ لَا یُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَیْنِ (مسلمان ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا)۔ (منشور دہلی ۱۲ نومبر ۱۹۴۵ء)

تبصرہ علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا الیکشن کے سلسلے میں ایسا روح پرور اور دلائل سے لبریز بیان ہے کہ کسی تبصرے کا محتاج نہیں، لیکن انہوں نے مسلم لیگ اور نظریۂ پاکستان کیلئے مسلم لیگ کے حق میں ووٹ دینے کے سلسلے میں جو کچھ فرمایا ہے وہ اس قدر پُر مغز اور جامع و مانع ہے کہ کوئی بھی دانائے حقیقت اس کی صحت اور راستی کا اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

علامہ عثمانی کے پیغام کلکتہ اور بیانات سے

قصرِ کانگریس میں زلزلہ

جمعیۃ العلمائے ہند دہلی میں اضطراب کی لہر

ہندوستان کا ہر واقف جانتا ہے کہ جمعیۃ العلمائے ہند دہلی کانگریس کی ہمزبان تھی ان کا خیال تھا کہ مسلم لیگ سروں، خان بہادروں، نوابوں اور دولتمندوں کی جماعت ہے اور یہ سرکاری لوگ ہندوستان کی آزادی کی خواہاں جماعت کانگریس کی مخالفت حکومت برطانیہ کے اشارے پر کر رہے ہیں تاکہ ہندوستان پر آزادی کا مہر منیر طلوع نہ ہو سکے اور آزادی کی منزل دور سے دور تر ہوتی چلی جائے۔ اسی وجہ سے وہ مسلم لیگ کے مخالف تھے اور اگر دیکھا جائے تو جمعیۃ العلمائے ہند کی مذہبی اور قومی خدمات بڑی شاندار ہیں لیکن ان کا یہ خیال کہ یہ سروں، خان بہادروں کی سرکاری جماعت ہے اس دور میں خیال سے کم نہیں۔ بہرحال اپنے خیال کے مطابق ان کی نیتوں پر حملہ کرنا درست نہیں۔

اس بدگمانی کو دور کرنے کے لئے قائد لیگ نے تمام رجال مسلم لیگ سے انگریزی خطابات واپس کرا دئے اس لئے اس بدگمانی کی اب بظاہر گنجائش معلوم نہیں ہوتی۔

علامہ شبیر احمد صاحب پر بھی کانگریس کے حضرات کو ایسی بدگمانی ہو جانا کوئی بڑی بات نہ تھی حالانکہ حقیقت سے اس کو دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔

بہرحال علامہ عثمانی کے پیغام کلکتہ اور مسلم لیگ نیز نظریۂ پاکستان کی تائید سے جو تمام ہندوستان میں غلغلہ بلند ہوا اس سے ہندو کانگریس کے محل میں بھونچال آ گیا۔ اور مسلم لیگ اور لیگیوں میں بیداری کی تڑپ پیدا ہو گئی۔

جمعیۃ العلمائے ہند میں بھی اضطراب کی ایک لہر دوڑ گئی۔ یہ حضرات ایک ہی درسگاہ کے تعلیم یافتہ ایک ہی شیخ کے شاگرد تھے اس لئے جمعیۃ العلماء ہند کے حضرات نے نیک نیتی سے اپنی جماعت کے افراد میں ہم آہنگی پیدا کرنی چاہی اور ایک وفد نے علامہ عثمانی سے ملاقات کا ارادہ کیا تاکہ باہمی اختلاف دور ہو سکے۔ اس ملاقات کی تحریک میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی ناظم اعلیٰ جمعیت شاگرد عثمانی پیش پیش تھے۔ چنانچہ وفد کی علامہ سے ملاقات ہوئی اور ان حضرات سے علامہ عثمانی کی جو گفتگو ہوئی اس گفتگو اور مکالمے کو آپ خود پڑھ کر فیصلہ کیجئے کہ ان دونوں جماعتوں میں سے کس کے کلام میں زیادہ وزن اور زور ہے۔ اس گفتگو میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے پوتے مولانا محمد طیب صاحب موجودہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے چھوٹے بھائی مولانا محمد طاہر بھی موجود تھے جنہوں نے اس گفتگو کو قلم بند کیا ہے۔ وہ خود زبردست مسلم لیگی تھے۔ اس مکالمے کو مکالمۃ الصدرین کا نام مولانا محمد طاہر صاحب کا دیا ہوا ہے کیونکہ علامہ عثمانی صدر جمعیۃ العلماء اسلام ہند ہوئے۔ اور حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کسی وقت صدر جمعیۃ العلماء ہند تھے۔ بہر حال اب مکالمۃ الصدرین پیش خدمت ہے پڑھئے اور لطف لیجئے۔ مکالمۃ الصدرین کا پیش لفظ بھی مولانا محمد طاہر صاحب مرحوم کا لکھا ہوا ہے۔

مکالمۃ الصدرین

یعنی

وہ تاریخی معرکہ آرا مکالمہ جو حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی
صدر آل انڈیا جمعیۃ العلماء اسلام

اور

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی صدر جمعیۃ العلمائے ہند

اور

دیگر اکابر کانگریس کے درمیان

یکم محرم ۱۳۶۵ھ مطابق ۷ر دسمبر ۱۹۴۵ء بمقام دیوبند علامہ عثمانی کے مکان پر ہوا

محمد انوار الحسن
مرتب

مکالمۃ الصدرین

وہ معرکۃ الآرا گفت وشنید جو یکم محرم ۱۳۶۵ھ مطابق ۷ر دسمبر ۱۹۴۵ء کو حالات حاضرہ پر بمقام دیوبند جانشین قاسمی و جانشین شیخ الہند امام المفسرین والمحدثین والمتکلمین شیخ الاسلام حضرت علامہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی صدر کل ہند جمعیۃ العلمائے اسلام اور وفد اکابر جمعیۃ العلماء ہند دہلی کے درمیان بروز جمعہ بر مکان علامہ مرحوم تقریباً سوا تین گھنٹے جاری رہی۔ جس سے دونوں جماعتوں کے رجحانات قلبی و مضمرات باطنی پوری طرح ایک دوسرے کے سامنے آگئے۔ اور متلاشی حق کے لئے جس گفت وشنید نے بہت سی سہولتیں پیدا کردیں اور جس سے نظریہ پاکستان کی صحیح تصویر اور حقیقی شکل آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے اور واضح ہوجاتا ہے کہ عوام مسلمانوں کے لئے مسلم لیگ اور پاکستان کا راستہ صاف اور سیدھا ہے یا کانگریس کا اور یہ کہ ان کو مسلم لیگ میں شریک ہوکر ہی فلاح نصیب ہوسکتی ہے اس کے برعکس کانگریس میں شریک ہونے میں مسلمانوں کے لئے خسارے اور نقصان کے سوا کچھ حاصل نہیں۔

محمد انوار الحسن شیرکوٹی
مرتب خطبات عثمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

از مولانا محمد طاہر حفید حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بانی دارالعلوم دیوبند

۷ر دسمبر ۱۹۴۵ء

وہ معرکۃ آرا مکالمہ جو اس وقت ناظرین کے ہاتھوں میں ہے فی الحقیقت تمام مسلمانوں کے لئے ایک شمع ہدایت ہے جس سے بآسانی وہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مسلمانوں کی فلاح وبہبود اور ان کا استقلال کس راستے پر چلنے سے حاصل ہوسکتا ہے۔

حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی جو اس وقت ہندوستان کے یگانۂ روزگار علماء میں سے ہیں اور جو جماعت دیوبند کے مسلم اکابر میں سے ہیں، ان کا تبحر علمی محتاج تشریح نہیں۔ تبحر علمی کے ساتھ ساتھ ان کی سیاسی معلومات سونے پر سہاگہ ہیں۔

حضرت علامہ عثمانی اور وفد جمعیۃ العلماء ہند کے درمیان گفت وشنید کو احقر نے قلمبند کیا اور جہاں وضاحت کی ضرورت سمجھی وہاں قوسین میں عبارت کا

اضافہ کر دیا۔ تاکہ مکالمہ کی اصل عبارت میں امتیاز رہے۔ احقر نے مزید احتیاط یہ کی کہ حضرت علامہ عثمانی کو یہ تمام مکالمہ قلمبند کر کے حرفاً حرفاً دکھلا دیا اور حضرت ممدوح نے جہاں جہاں ترمیم یا اضافہ کی ضرورت سمجھی وہ فرما دیا۔

اب یہ کہنا درست ہے کہ یہ مکالمہ حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کا مصدقہ ہے۔ خدائے تعالیٰ اس کے ذریعہ سے سیاسی پیچیدگیوں میں الجھے ہوئے مسلمانوں کو صاف اور روشن راستہ دکھلائے اور مسلمان زیادہ سے زیادہ تعداد میں اپنے سیاسی و قومی پلیٹ فارم کی ضرورت و اہمیت کو تسلیم کر کے دامے، درمے، قدمے، سخنے مساعی ہوں۔

طاہر احمد القاسمی

از

آستانۂ قاسمی دیوبند

۱۹ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ

۲۵ دسمبر ۱۹۴۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکالمۃ الصدرین

گفت و شنید کی ابتدا کیسے ہوئی؟

غالباً یکم دسمبر ۱۹۴۵ء کو مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلماء ہند دہلی اپنی کسی ضرورت سے دیوبند تشریف لائے تھے۔ اس وقت وہ حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کے دولت کدہ پر بھی بغرض عیادت و مزاج پرسی حاضر ہوئے۔ دوران مزاج پرسی میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے حضرت علامہ عثمانی سے فرمایا کہ ہمیں کچھ آپ سے حالات حاضرہ پر نیاز مندانہ گزارشات کرنی ہیں مسئلہ پر شرعی حیثیت سے تو ہم آپ سے کیا گفتگو کرتے یہ درجہ تو ہمارا نہیں ہے البتہ کچھ واقعات ایسے بیان کرنے ہیں جن کے متعلق ہمارا خیال ہے کہ شاید وہ آپ کے علم میں نہ آئے ہوں ممکن ہے کہ ان واقعات کو سن کر حضرت والا کی جو رائے قائم شدہ ہے اس میں تغیر ہو جائے۔

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ میں گفتگو کے لئے ہر وقت حاضر ہوں جب چاہیں تشریف لائیں۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ اس گفتگو میں میرے ساتھ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی (ناظم ندوۃ المصنفین دہلی برادر زادہ علامہ عثمانی) کوئی اور تیسرے صاحب جو مناسب ہوں شریک ہوں گے اس کے بعد ۵ دسمبر ۱۹۴۵ء کو مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا دہلی سے ایک خط بذریعہ ڈاک بنام علامہ عثمانی موصول ہوا جو بجنسہ درج ذیل ہے۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا خط بنام حضرت علامہ عثمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از ندوۃ المصنفین دہلی

۲۷ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ

ذوالمجد والکرم استاذی ادام اللہ فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ مزاج اقدس۔ کل دیوبند سے قریب بجے صبح چلکر دہلی پہنچ گیا حضرت مولانا حسین احمد

ا؎ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اگرچہ مسلم لیگ کے مخالف تھے لیکن علامہ عثمانی کے شاگرد ہونے کی وجہ سے انکا بنہایت ادب و احترام کرتے تھے اور

صاحب سے شب میں گفتگو کے بعد معلوم ہوا کہ جمعیۃ العلماء ہند کی ایک خصوصی مجلس مشاورت وہ جمعرات کے روز دیوبند بلانا چاہتے ہیں تاکہ جمعیۃ العلماء سے متعلق بعض اہم معاملات پر گفتگو ہو سکے۔ اس مشاورت میں غالباً مفتی صاحب (مولانا کفایت اللہ صاحب) مولانا احمد سعید صاحب بھی شرکت فرمائیں گے۔

میں نے اپنے اس معروضہ کے پیش نظر جو حضرت والا میں حاضر ہو کر پیش کیا تھا اب یہ مناسب سمجھا کہ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب اور میں جمعرات کو شب میں پہنچیں اور جمعہ کے دن گذارشات پیش کریں اب میری یہ سعی ہوگی کہ اکابر جمعیۃ العلماء بھی اس گفتگو میں حصہ لیں۔ گر اکابر علماء دیوبند کے سیاسی افکار کی یکجہتی میں انشاء اللہ بہت مدد ملے گی۔ اگر میری گذارشات منظور ہو گئیں تو جمعہ کے دن آٹھ بجے گفتگو آپ ہی کے دولت کدہ پر ہو جائے تو بہتر باقی اپنی مشاورت تو شب میں اور باقی دوسرے وقت میں بھی ہو سکتی ہے

خادم محمد حفظ الرحمٰن کان اللہ لہٗ
۲۷ رذی الحجہ ۱۳۶۴ھ

اس پروگرام کے بموجب ۷ ردسمبر ۱۹۴۵ء یوم جمعہ کو ساڑھے آٹھ بجے (۱) حضرت مولانا حسین احمد صاحب صدر جمعیۃ العلمائے ہند (۲) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب سابق صدر جمعیۃ علمائے ہند (۳) حضرت مولانا احمد سعید صاحب سابق ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلماء ہند (۴) مولانا حفظ الرحمٰن صاحب حال ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلماء ہند (۵) مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی (۶) مولانا عبدالحنان صاحب (۷) مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب، علامہ عثمانی کے دولت کدہ پر تشریف لائے علامہ عثمانی نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ ان حضرات سے ملے کچھ دیر مزاج پرسی ہوتی رہی عیادت کے بعد چند منٹ مجلس پر سکوت طاری رہا۔ یہ خاموشی غالباً اس لئے تھی کہ کون ابتدا کرے اور کس نوعیت سے مسئلہ پر گفتگو کا آغاز ہو۔

چونکہ علامہ عثمانی کو ابتداء کرنا مقصود نہ تھا اور یہ حضرات از خود تشریف لائے تھے اس لئے علامہ عثمانی بھی خاموش رہے۔ آخر مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے مسائل حاضرہ پر گفتگو کی ابتدا کی اور ایک طویل تقریر فرمائی جو تقریباً پون گھنٹہ جاری رہی۔ علامہ عثمانی برابر بغور سنتے رہے۔ جب وہ تقریر فرما چکے تو علامہ عثمانی نے فرمایا کہ مجھے پورے الفاظ اور اجزاء تو آپ کی لمبی چوڑی گفتگو کے محفوظ نہیں رہے البتہ جو تلخیص میرے ذہن میں آئی ہے اس کے جوابات بلا لحاظ ترتیب عرض کرونگا۔ اگر کوئی ضروری بات رہ جائے تو آپ یاد دلا کر اس کا جواب مجھ سے لے سکتے ہیں۔

اس گفت وشنید کا سلسلہ سوا تین گھنٹہ مسلسل جاری رہا۔ اس مکالمہ میں سب سے زیادہ حصہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب لیتے رہے اور دوسرے درجہ میں مولانا احمد سعید صاحب ان

کے شریک رہے کبھی کبھی اور صاحب بھی کچھ بول پڑتے تھے لیکن حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے جو مزاج پرسی کے بعد سکوت اختیار فرمایا وہ ختم مجلس تک ختم نہیں ہوا کسی موقعہ پر بھی ایک حرف نہیں بولے۔

علامہ عثمانی کو اس طویل سکوت پر خود حیرت تھی وہ بحث میں تو کیا حصہ لیتے اشارۃً کنایۃً بھی کسی موضوع پر اثباتاً یا نفیاً کسی طرح کا اظہار خیال نہیں فرمایا۔ آخر مجلس میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کچھ بولے جو تقریباً دس پندرہ منٹ سے زیادہ نہ تھا۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی تقریر کا خلاصہ

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ کلکتہ میں جمعیۃ العلمائے اسلام حکومت کی مالی امداد اور اس کے ایما سے قائم ہوئی ہے۔ مولانا آزاد سبحانی جمعیۃ العلمائے اسلام کے سلسلہ میں دہلی آئے اور حکیم دلبر حسن صاحب کے یہاں قیام کیا جن کی نسبت عام طور پر لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ سرکاری آدمی ہیں۔ مولانا آزاد سبحانی صاحب اسی قیام کے دوران میں پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ گورنمنٹ آف انڈیا کے ایک مسلمان عہدہ دار سے ملے جن کا نام بھی قدرے شبہ کے ساتھ بتلایا گیا اور مولانا آزاد نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ہم جمعیۃ العلمائے ہند کے اقتدار توڑنے کے لئے ایک علماء کی جمعیت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ گفتگو کے بعد طے ہوا کہ گورنمنٹ ان کو کافی امداد اس مقصد کیلئے دیگی۔ چنانچہ ایک بیش قرار رقم اس کیلئے منظور کرلی گئی اور اس کی ایک قسط مولانا آزاد سبحانی صاحب کے حوالہ بھی کردی گئی۔ اس روپیہ سے کلکتہ میں کام شروع کیا گیا۔ مولوی حفظ الرحمٰن صاحب نے کہا کہ یہ اس قدر یقینی روایت ہے کہ اگر اطمینان فرمانا چاہیں تو ہم اطمینان کرا سکتے ہیں چنانچہ مولانا آزاد سبحانی صاحب نے اس کے بعد کلکتہ میں جلسہ کیا۔ جلسہ میں جو کچھ انہوں نے کہا اس کی رو داد آپ کے علم میں ہے۔ ان کی تلون مزاجی بھی سب کو معلوم ہے۔ ایک زمانہ میں وہ گاندھی کے ساتھ سایہ کی طرح رہتے تھے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد ان کے خلاف ہو گئے۔ بہرحال اس مسلمان افسر کا تبادلہ ہو گیا اور ایک ہندو اس کی جگہ آگیا جس نے گورنمنٹ کو ایک نوٹ لکھا جس میں دکھلایا گیا کہ ایسے لوگوں یا انجمنوں پر حکومت کا روپیہ صرف ہونا بالکل بے کار ہے۔ اس بنا پر آئندہ کے لئے امداد بند ہو گئی اس ضمن میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے کہا کہ مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک کو بھی ابتداءً حکومت کی طرف سے بذریعہ حاجی رشید احمد صاحب کچھ روپیہ ملتا تھا پھر بند ہو گیا اس کے بعد مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے پاکستان کی صورت میں جو نقصانات ان کے نزدیک تھے وہ ذرا بسط کے ساتھ بیان کئے اور دکھلایا کہ مسلمانوں کیلئے نظریۂ پاکستان سراسر مضر ہے۔

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ آپ نے کلام اس قدر طویل کر دیا ہے کہ نمبروار ہر ایک چیز کا جواب دینا مشکل ہے۔ جو کچھ یاد رکھ سکا ہوں ان کے جوابات دونگا۔ اگر کسی چیز کو بھول جاؤں تو آپ مجھے یاد دلا کر اس کا جواب لے لیں۔

علامہ عثمانی کا جواب

پہلے میں اس معاملہ کی نسبت گفتگو شروع کرتا ہوں جو آپ نے مولانا آزاد سبحانی کے متعلق بیان فرمایا ہے۔ جو روایت آپ نے بیان کی میں نہ اس کی تصدیق کرتا ہوں نہ تکذیب۔ ممکن ہے کہ آپ صحیح کہتے ہوں۔ مجھے اس سے پہلے ہی بذریعہ ایک گمنام خط کے (جو دہلی سے ڈالا گیا تھا) یہی بتلایا گیا تھا اور مجھے بھی اس خط میں دھمکی دی گئی تھی۔ یہ روایت صحیح ہو یا غلط بہر حال میرے علم میں آچکی ہے۔ لیکن اس روایت سے مجھ پر کیا اثر پڑ سکتا ہے اور میری رائے کیا متأثر ہو سکتی ہے۔ میں نے جو رائے پاکستان وغیرہ کے متعلق قائم کی ہے وہ بالکل خلوص پر مبنی ہے جمعیۃ العلمائے اسلام میں آزاد سبحانی رہیں یا نہ رہیں جمعیۃ العلمائے اسلام خود قائم رہے یا نہ رہے میری رائے جب بھی یہی رہے گی کہ مسلمانوں کے لئے پاکستان مفید ہے۔ اگر میں تھوڑی دیر کے لئے اس روایت کو بھی تسلیم کر لوں کہ جمعیۃ العلمائے اسلام گورنمنٹ کے ایماء سے قائم ہوئی ہے تو آپ سے پوچھتا ہوں کہ کانگریس[1] کی ابتدا کس نے کی تھی اور کس طرح ہوئی تھی؟ آپ کو معلوم ہے کہ ابتداءً اس کا قیام ایک وائسرائے کے اشارہ پر ہوا تھا (اور برسوں وہ گورنمنٹ کی وفاداری کے راگ الاپتی رہی - مرتب) بہت سی چیزوں کی ابتدا غلط ہوتی ہے مگر انجام میں بسا اوقات وہی چیز سنبھل جایا کرتی ہے۔ ہم نے مولانا آزاد سبحانی یا جمعیۃ العلمائے اسلام کی وجہ سے مسلم لیگ کی تائید نہیں کی بلکہ دیانتاً یہ رائے قائم کی ہے کہ مسلمانوں کا ایک مرکز اور ایک پلیٹ فارم ہونا چاہیئے اور علماء امت کو اس کی پشت پناہ اور اصلاح کی جد و جہد کرتی چاہیئے۔ عام دستور ہے کہ جب کوئی شخص کسی سیاسی جماعت یا تحریک کا مخالف ہو تو اس قسم کی باتیں اس کے حق میں مشہور کی جاتی ہیں۔ دیکھئے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے آپ کے مسلّم بزرگ و پیشوا تھے۔ ان کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ان کو چھ سو روپیہ حکومت کی جانب سے دیئے جاتے تھے۔ اسی کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ گو مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا علم نہ تھا کہ روپیہ حکومت دیتی ہے۔ مگر حکومت ایسے عنوان سے دیتی تھی کہ ان کو

---

[1] ہم گذشتہ صفحات میں کانگریس کے بانی اور اس کی مجمل تاریخ بیان کر چکے ہیں۔ - انوار

اس کا شبہ تک بھی نہ گذرتا تھا۔ اب اسی طرح حکومت مجھے یا کسی شخص کو استعمال کرے مگر اس کو یہ علم نہ ہو کہ اسے استعمال کیا جا رہا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ شرعاً اس میں ماخوذ نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد علامہ عثمانی نے اشارہ کر کے فرمایا کہ ان مولوی عتیق الرحمٰن صاحب سے آپ پوچھئے کہ معاملات دار العلوم کے سلسلہ میں دیوبند کے بعض پارٹی باز اشخاص نے ان کے سامنے نہایت قطعی الفاظ کیا یہ نہیں کہا تھا کہ وائسرائے کے دفتر میں ہم اپنی آنکھوں سے وہ چٹھی دیکھ کر آئے ہیں جس کے ذریعہ مولانا مدنی کو شبیر احمد عثمانی نے گرفتار کرایا ہے (فلعنۃ اللہ علی الکاذبین) لیکن میں پوچھتا ہوں کیا اس میں ذرا بھی کوئی اصلیت ہے۔ اس پر مولوی عتیق الرحمٰن صاحب نے آنکھیں نیچی کر لیں اور خاموش ہو رہے۔ اس کے بعد علامہ عثمانی نے فرمایا کہ آپ حضرات کے متعلق بھی عام طور پر مشہور کیا جاتا ہے کہ آپ ہندوؤں سے روپیہ لیکر کھا رہے ہیں کیا یہ صحیح چیزیں ہیں اب ہمیں ان سب قصوں سے بالکل علیحدہ رہ کر غور کرنا چاہیئے کہ کونسا راستہ اختیار کرنے میں مسلمانوں کا فائدہ ہے۔ اور کس راستہ میں انکا نقصان (قطع نظر اس سے کہ وہ بات انگریز کے ایجنٹ کی زبان سے نکلے یا کوئی ہندو کا دلال کہے۔ مرتب)

لہٰذا میں مزید گفتگو سے پہلے تین چیزیں دریافت کرنا چاہتا ہوں۔

گفتگو کا محور

مولانا عثمانی: پہلی چیز دریافت طلب یہ ہے کہ (۱) جو فارمولا جمعیۃ العلمائے ہند نے پاکستان کا نعم البدل ظاہر کر کے ملک کے سامنے پیش کیا ہے اور جس کا حوالہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اپنی تقریر میں بھی دیا ہے اس فارمولا کو آپ حضرات نے کم از کم کانگریس سے منوا لیا ہے یا نہیں؟

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اس کا جواب نفی میں دیتے ہوئے کچھ اعذار بیان کئے۔ علامہ عثمانی صاحب کو چونکہ ان اعذار سے کچھ بحث نہیں تھی اس لئے فرمایا کہ اعذار کچھ بھی ہوں میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کا فارمولا کانگریس نے تسلیم کر لیا ہے یا نہیں۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ ہمارا یہ اصول نہیں ہے کہ ہم جنگ آزادی کی شرط کے طور پر ہندوؤں سے کوئی شرط منوالیں۔

(۲) دوسری بات یہ معلوم کرنی ہے کہ آپ جو گفتگو اس وقت مجھ سے فرمانا چاہتے ہیں وہ کس تقدیر پر ہے۔ آیا یہ فرض کرتے ہوئے کہ انگریزی حکومت ہندوستان سے چلی گئی ہے یا جا رہی ہے یا یہ مان کر کہ وہ ابھی موجود ہے اور سر دست جا نہیں رہی گویا جو کچھ لینا ہے اسی سے لینا ہے۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ انگریزی حکومت ابھی ہندوستان میں موجود ہے اس کی موجودگی تسلیم کرتے ہوئے جو کچھ لینا ہے۔ اسی سے لینا ہے

(۳) تیسری بات دریافت طلب یہ ہے کہ آپ حضرات جو انقلاب اس وقت چاہتے ہیں وہ فوجی انقلاب ہے یا آئینی۔ اس کا جواب دیا گیا کہ فوجی انقلاب کا تو اس وقت کوئی موقع ہی نہیں نہ فی الحال اس کا امکان نہ اس کے وسائل مہیا ہیں۔ اس وقت تو آئینی انقلاب ہی زیر بحث ہے۔

علامہ عثمانی نے بحث کا رُخ معین کرلیا

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ بس اب بحث کا رُخ متعین ہوگیا۔ اب کلام اس پر رہے گا کہ سردست انگریزی حکومت کی موجودگی کے باوجود آئینی انقلاب میں کونسا راستہ مسلمانوں کے لئے مفید ہے آیا وہ راستہ جو جمعیۃ العلمائے ہند نے تجویز کیا ہے یا پاکستان کا راستہ جو مسلم لیگ اختیار کر رہی ہے۔

پاکستان کے نقصانات کا اظہار وفد جمعیۃ العلمائے ہند کی طرف سے

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اپنی طویل تقریر میں فرمایا کہ پاکستان قائم ہونے میں مسلمانوں کا سراسر نقصان اور ہندوؤں کا فائدہ ہے۔ بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت ۵۳ فیصدی ہے۔ فلاں صوبہ میں اس قدر۔ فلاں صوبہ میں اتنی اور آسام میں اکثریت دوسروں کی ہے۔ ہر جگہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں غیر مسلم اقلیت اتنی زبردست ہے کہ مسلمان اس سے کسی طرح بھی عہدہ برآ نہ ہوسکیں گے اور بہت ہی تھوڑی اکثریت کچھ نہ کر سکے گی بلکہ ہمیشہ معرض خطر میں رہے گی۔ ادھر مسٹر جناح یہ کہہ ہی چکے ہیں کہ پاکستان میں جمہوری طرز کی حکومت ہوگی۔ ایسی شکل میں ظاہر ہے مسلمانوں کی اکثریت ۷۰ فی صدی غیر مسلم اقلیت ہی کے عملاً تابع و محکوم رہے گی۔ سکھ نہایت جنگجو قوم ہے وہ کسی طرح بھی پاکستان قائم نہ رہنے دیگی۔ ادھر جاٹوں کی قوم ہے۔ وہ بھی مسلمانوں کو چین سے نہ بیٹھنے دیگی۔

پاکستان ہر ہر صوبہ کا جدا جدا بنیگا یا تمام مسلم صوبوں کا پاکستان ایک ہوگا

اس موقعہ پر علامہ عثمانی نے پوچھا کہ آپ کے نزدیک پاکستان کا مطالبہ کرنیوالے صوبہ وار چھ پاکستان بنانا چاہتے ہیں یا تمام مسلم اکثریت والے صوبوں کا ایک پاکستان مطلوب ہے؟ جواب دیا گیا کہ نہیں پاکستان تو ایک ہی بنانا چاہتے ہیں۔ علامہ عثمانی نے فرمایا تب صوبجاتی اعداد و شمار کی گفتگو بیکار ہے۔

جمعیۃ العلماء اور مسلم لیگ کے فارمولا کے جُدا جُدا نتائج

مولانا عثمانی نے فرمایا تو اس وقت ہم کو پاکستان کی مرکزی حکومت میں یہ دیکھنا چاہیے کہ مسلم اور غیر مسلم آبادی میں کیا تناسب ہے، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی طرف سے کہا گیا کہ پاکستان میں

مجموعی تعداد مسلمانوں کی چھ کروڑ ہوگی اور غیر مسلم تین کروڑ ہونگے۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ یہ تعداد غلط ہے۔ مجموعہ میں مسلمان تقریباً سوا سات کروڑ ہیں لیکن ہم سات کروڑ تسلیم کئے لیتے ہیں اور غیر مسلم جو تین کروڑ سے کم ہیں انکو پورے تین کروڑ فرض کر لیا جائے۔ اس تعداد سے سات اور تین کی نسبت مسلم و غیر مسلم کے درمیان ہوگی اور مجموعہ آبادی میں آپ کے فرمانے کے مطابق ساٹھ اور چالیس کی نسبت ہوگی یعنی مسلمان ساٹھ فیصدی اور غیر مسلم چالیس فیصدی ہونگے۔ (حالاں کہ اس صورت میں مجموعہ میں مسلمان واقعۃً ستر فیصدی اور غیر مسلم تیس فیصدی ہوتے ہیں)

حضرت علامہ کا مسکت و حقیقت افروز جواب

اور

وفد جمعیۃ العلماء کی لاجوابی

مگر علامہ عثمانی نے اس وقت اس سے بھی اغماض کر کے اور ان کے ہی بیان کردہ تناسب کو صحیح مان کر اس پر کلام فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ اب آپ اپنے فارمولا پر نظر ڈالئے کہ اس میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کا مرکزی حکومت میں کیا تناسب رہتا ہے تو آپ کے فارمولا کی رو سے مرکز میں چالیس ۴۵ مسلمان ہونگے اور چالیس ۴۵ ہندو اور بیس ۱۰ فیصدی دیگر اقلیتیں ہونگی۔ اس طرح سے آپ کے فارمولا کے لحاظ سے غیر مسلموں کی تعداد ساٹھ فیصدی اور مسلمانوں کی تعداد چالیس ۴۵ فیصدی ہوگی۔ اور مسلم لیگ کے پاکستانی فارمولا میں (بقول آپ کے) یہی نسبت علی العکس رہے یعنی ساٹھ فیصدی مسلمان اور چالیس ۴۵ فی صدی غیر مسلم ہونگے (حالانکہ حقیقی تناسب پاکستانی فارمولا میں ستر فی صدی اور تیس فیصدی کا ہوتا ہے) اب آپ ہی انصاف سے فرمایئے کہ آپ کے اس فارمولا سے مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچا؟ ہم اگر ساٹھ فیصدی رہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کرسکتے تو چالیس فیصدی میں کیا کرسکیں گے؟

نوٹ:۔ جمعیۃ العلماء کے فارمولا میں یہ بھی مندرج ہے کہ خالص اسلامی مسائل میں دو تہائی مسلمان اگر کسی چیز کے مخالف ہوں گے تو وہ چیز مسلمانوں کے لئے قبول نہیں کی جائے گی۔ اس شرط سے کسی درجہ میں مضر امور کا تدارک تو ہوسکتا ہے لیکن خاص مسلمانوں کے حق میں جو ضروری یا مفید امور ہوں ان کے خاطر خواہ حاصل ہونے کی کوئی تدبیر نہیں کیونکہ مرکز میں مسلم تعداد چالیس ۴۵ اور غیر مسلم تعداد ساٹھ فیصدی ہوگی۔ ایسی تمام تجاویز غیر مسلم اکثریت کے رحم و کرم پر رہیں گی اور یہ معاملہ بھی کہ خالص اسلامی مسئلہ کون سا ہے اکثریت ہی طے کرے گی۔

اس موقعہ پر کہا گیا کہ عیسائی ہمارے ساتھ ہو جائیں گے۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ یہ عجیب بات ہے کہ جب پاکستان کا فارمولا سامنے آتا ہے تو عیسائی مسلمانوں سے علیحدہ غیر مسلم بلاک میں شمار کئے جاتے ہیں اور جب جمعیۃ العلمائے ہند کا (مقدس) فارمولا پیش کیا جاتا ہے تو وہی عیسائی گویا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ میں شمار کئے جانے لگتے ہیں اصل یہ ہے کہ غیر مسلم سب کے سب بہر صورت ایک ہی شمار ہوں گے (الکفر ملۃ واحدۃ) اور حالانکہ مسلمانوں کو ان سب کے مقابل ہندو کے مسئلہ پر غور کرنا چاہیئے۔ وفد جمعیۃ العلماء نے آخر کار اس کو تسلیم کر لیا۔

اگر پاکستان ہندو کیلئے مفید ہے تو وہ اس کی مخالفت کے لئے اسقدر مضطرب کیوں ہے؟

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ آپ کا یہ دعویٰ کہ پاکستان قائم ہونے میں سراسر مسلمانوں کا نقصان اور ہندوؤں کا فائدہ ہے۔ اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تو کیا آپ یہ بتلا سکتے ہیں کہ ہندو پاکستان سے پھر کیوں اس درجہ مضطرب و مخالف اور اس کی انتہائی مخالفت پر تلا ہوا ہے کیا آپ باور کر سکتے ہیں کہ ہندو پاکستان کی مخالفت محض اس لئے کر رہا ہے کہ اس میں مسلمانوں کا نقصان ہے اور وہ کسی طرح بھی مسلمانوں کا نقصان دیکھنے کو تیار نہیں ان کا تو اعلان یہ ہے کہ جو جماعت یا جو شخص بھی پاکستان اور مسلم لیگ کے خلاف کھڑا ہو گا کانگریس اس کی ہر طرح امداد کرے گی۔

(اس وعدہ کا تعلق کسی خاص شخص سے نہیں کانگریس کے پورے ادارے سے ہے) اور ان کا قول ہے کہ پاکستان ہماری لاشوں پر ہی بن سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ آخر یہ تیور اور انتہائی مخالفت کیوں ہے۔ اس کے جواب میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ ان کی کوئی مصلحت ہوگی لیکن اس کا کوئی معقول جواب نہیں دیا گیا اور بار بار اس پہلو سے گریز کیا جاتا رہا۔

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ اس کی جو کچھ بھی مصلحت ہو آخر آپ حضرات نے بھی کچھ غور کیا کہ وہ مصلحت کیا ہو سکتی ہے میرے نزدیک تو اس کی مخالفت کی وجہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ انگریز کی حکومت تو مرد رفت اور برقرار ہے جسے آپ خود شروع میں تسلیم کر چکے ہیں۔ ہندو یہ چاہتا ہے کہ انگریزی حکومت کے زیر سایہ دس کروڑ مسلمانوں میں سے ایک شخص کی گردن پر سے بھی ہندو اکثریت کا جوا کبھی اور کہیں اترنے نہ پائے اور اس طرح مسلمان ہمیشہ انگریز اور ہندو کی ڈبل غلامی میں با اختیار خود پستے رہیں۔

علامہ عثمانی نے کئی بار اس چیز کو ان لوگوں سے پوچھا مگر ادھر سے کوئی شافی جواب ہاتھ نہ آیا اس کے بعد جمعیۃ العلماء ہند کے وفد کی طرف سے کہا گیا کہ اچھا اگر پاکستان بن جائے تو تین کروڑ کی مسلم اقلیت ہندو صوبوں میں رہے گی اس کی حفاظت کا کیا انتظام ہوگا۔

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ ان کے لئے معاہدات ہوں گے ان ہی معاہدات کے تحت مسلم اقلیت ان کے ہاں اور ہندو اقلیت ہمارے یہاں رہے گی۔ اور ہر ایک کا ہاتھ ایک دوسرے کے تلے دبا رہے گا۔ آخر اکھنڈ ہندوستان میں دس کروڑ مسلمانوں کی حفاظت کس طرح ہوگی۔ اس کے بعد مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اور مولانا احمد سعید صاحب نے موضوع گفتگو بدل کر کہا

علی گڑھ کالج پر اتہام

اجی حضرت یہ علی گڑھ کے نیچری، علماء کے وقار کے دشمن ہیں یہ لوگ اگر مسلمانوں کے رہنما بن گئے تو دین برباد کر دیں گے۔ علماء کو مٹا دیں گے۔ اسی سلسلہ میں ان بدتمیزیوں کا بھی ذکر کیا گیا۔ جو بعض مقامات میں مولانا حسین احمد صاحب کے ساتھ کی گئی تھیں۔ اسی سلسلہ میں یہ بھی کہا کہ مسلم لیگ راجاؤں، نوابوں، خطاب یافتہ لوگوں کی جماعت ہے سر فیروز خاں نون کے متعلق فرمایا کہ وہ حکومت کے اشارہ سے مستعفی ہو کر مسلم لیگ میں داخل ہوئے ہیں اور وہ کھلے طور پر سرکاری آدمی ہیں۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ سر فیروز خاں نون کے متعلق میں بحث نہیں کرتا۔ آپ جو جی چاہے کہیں لیکن مسٹر جناح کے متعلق کبھی میرا یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ وہ سرکاری آدمی ہیں یا وہ کسی لالچ یا دباؤ میں آ سکتے یا کسی قیمت پر خریدے جا سکتے ہیں۔

مولانا احمد سعید صاحب کے اس کہنے پر کہ علی گڑھ کے تعلیم یافتہ اور دوسرے بعض فرقے یا علماء کا اقتدار مٹانا اور دین کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ علامہ عثمانی نے ارشاد فرمایا کہ یہ تو مشکلات ہوئیں۔ ان کا حل آپ کے ذہن میں کیا ہے۔ وہ بھی تو فرمائیں۔ اس پر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور خاموشی سی طاری ہو گئی پھر وفد کی طرف سے کہا گیا کہ حضرت آپ ہی فرمائیں کیا حل ہے۔ حضرت علامہ نے فرمایا کہ یہ بھی خوب رہی مشکلات تو بیان فرمائیں آپ اور حل بتاؤں میں۔ آخر آپ نے بھی تو کچھ اس کا حل سوچا ہوگا۔

علما کی مشکلات کا حل علامہ عثمانی کی طرف سے

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ اچھا سنیئے میں ہی اس کا حل عرض کرتا ہوں۔ میرے نزدیک اس کا حل صرف ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ سب حضرات مل کر مسلم لیگ میں داخل ہو کر اس پر قبضہ کر لیں اور ایک دو مہینے دورہ کر کے تین چار لاکھ دو دو آنہ والے ممبر مسلم لیگ کے بھرتی کرائیں۔ جب ہمارے ہم خیال ممبران کی اتنی بھاری تعداد مسلم لیگ میں داخل ہو جائے گی تو پھر ہم عوام کے ذریعہ سے جو مفید صورت مسلمانوں کے لئے ہوگی بآسانی بروئے کار لا سکیں گے۔ کیا ہمارا اثر عوام پر اتنا بھی نہیں کہ ہم دو چار لاکھ ممبر

بھرتی کرا سکیں گے۔ میں اس کے لئے تیار ہوں کہ آپ حضرات کے ساتھ مل کر اس کام میں حصہ لوں میرے نزدیک تو اصلاح کی یہی بہترین شکل ہے۔ اس پر مولانا احمد سعید صاحب نے فرمایا کہ یہ تو صحیح لیکن جب ہم لوگ ایسا کریں گے تو یہ راجے مہاراجے نواب اور سر مسلم لیگ سے علیحدہ ہو کر دوسری مسلم لیگ بنائیں گے۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ اگر وہ نئی مسلم لیگ بنا ہی لیں گے تو اس سے کیا ہوگا عوام کی طاقت تو ہمارے ہی ساتھ رہے گی (سر شفیع مرحوم نے بھی تو ایک زمانہ میں شفیع لیگ بنائی تھی لیکن اس کا حشر کیا ہوا۔ جب شفیع صاحب رحلت کر گئے ان ہی کے ساتھ ان کی لیگ بھی ختم ہو گئی اور رابطہ عوام وہ کبھی بھی پیدا نہ کر سکے)

رہا ان بدتمیزیوں کا قصہ جو آپ کے ساتھ ہوئیں اس کے متعلق آپ کو معلوم ہے کہ میں نے جو پیغام جمعیۃ العلماء اسلام کے اجلاس کلکتہ کے موقع پر بھیجا تھا اس میں صاف طور سے لکھ دیا تھا کہ یہ پرلے درجہ کی شقاوت و حماقت ہے کہ قائد اعظم کو کافر اعظم کہا جائے یا مولانا حسین احمد وغیرہ کے ساتھ کوئی ناشائستہ سلوک کیا جائے۔

انگریزی خواں طلباء کی شکایت کرنے سے پہلے طلباء دار العلوم دیوبند کی اصلاح کیجئے

اس موقعہ پر مجھے ایک بات کہنی پڑتی ہے وہ یہ کہ جن انگریزی خواں طلباء کے رویہ کی شکایت فرما رہے ہیں وہ نہ تو آپ کے مرید ہیں نہ شاگرد۔ نہ انہوں نے کسی دینی ماحول میں تربیت پائی ہے (اور سمجھتے یہ ہیں کہ آپ مسلم قوم کو ہندوؤں کی دائمی غلامی میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں) اس کے مقابلہ میں جو عربی مدارس کے طلباء آپ کے شاگرد آپ کے مرید اور دینی ماحول بلکہ مرکز دین و اخلاق میں تربیت پانے والے ہیں ذرا ادھر بھی تو دیکھئے کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے دار العلوم دیوبند کے طلباء نے جو گندی گالیاں اور فحش اشتہارات اور کارٹون ہمارے متعلق چسپاں کئے جن میں ہم کو ابو جہل تک کہا گیا اور ہمارا جنازہ نکالا گیا آپ حضرات نے اس کا بھی کوئی تدارک کیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت دار العلوم کے تمام مدرسین، مہتمم اور مفتی سمیت (باستثناء ایک دو کے) بالواسطہ یا بلا واسطہ مجھ سے تلمذ رکھتے تھے۔ دار العلوم کے طلبا نے میرے قتل تک کے حلف اٹھائے اور وہ فحش اور گندہ مضامین میرے دروازہ میں پھینکے کہ اگر ہماری ماں بہنوں کی نظر پڑ جاتی تو ہماری آنکھیں شرم سے جھک جائیں۔ کیا آپ میں سے کسی نے بھی اس پر ملامت کا کوئی جملہ کہا۔ بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ بہت سے لوگ ان کمینہ حرکات پر خوش ہوتے تھے۔

حریت اخبار کے علامہ عثمانی پر رکیک حملے

"حریت" اخبار دہلی (زیر ادارت عزیز حسن بقائی) آج کل جو میری ذاتیات پر نہایت رکیک مضامین لکھ رہا ہے کیا آپ حضرات میں سے کسی نے اس پر بیزاری کا اظہار کیا۔ اس پر سب کی آنکھیں شرم سے جھکی ہوئی تھیں۔

مولانا احمد سعید صاحب نے اتنا فرمایا کہ اجی حضرت عزیز حسن[1] بقائی تو ہمیشہ اسی قسم کی بیہودہ بکواس کیا کرتا ہے کیا آپ کو معلوم نہیں۔ علامہ عثمانی نے فرمایا اس وقت تو وہ آپ کی حمایت اور ہمنوائی میں سب کچھ کہہ رہا ہے۔ گو مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ ایک زمانہ میں اس نے آپ صاحبان کو بھی بری طرح مجروح کیا تھا۔ لیکن دکھلانا صرف یہ ہے کہ آپ حضرات نے کبھی اس قسم کی چیزوں سے جو ہمارے متعلق کہی گئیں، اظہار بیزاری نہیں کیا نہ کسی پہ ملامت کی۔ ہم نے تو یہ کیا کہ ہم موقع ملنے پر ایسے امور سے پوری قوت کے ساتھ اظہار بیزاری کرتے رہے۔

فرقِ عمل

محلہ کسرول مراد آباد کے ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ کیا مولانا حسین احمد صاحب اور مفتی کفایت اللہ صاحب آپ کے نزدیک محض ذاتی مفاد کے لئے ہندوؤں کا ساتھ دے رہے ہیں یا ان کا اتباع بے دینی اور کفر ہے یا وہ اپنے استاد کے مسلک سے ہٹ گئے ہیں؟

میں نے جواب میں لکھا کہ میرے خیال میں ہی نہیں آسکتا کہ یہ حضرات محض ذاتی مفاد کے لئے ایسا کریں وہ اپنے نزدیک جو حق سمجھتے ہیں کر رہے ہیں۔ اور اسی کو اپنے استاد کا مسلک سمجھتے ہیں۔ باقی یہ لازم نہیں کہ جو ان کا خیال ہے وہ واقع میں صحیح ہو۔ نہ ان کی تقلید دوسروں پر واجب ہے۔ امور مذکورہ کا تذکرہ میں نے اس لئے نہیں کیا کہ مجھے کوئی انتقام لینا مقصود نہیں ہے میں تو بہرصورت ایسے امور کو برا سمجھتا ہوں۔ دکھلانا صرف یہ ہے کہ ہم نے اپنی بساط کے موافق اس قسم کے امور کو روکنے کی ہمیشہ سعی کی۔

مولانا مدنی کا پاکستان کے خلاف ایک استدلال

(اور)

علامہ عثمانی کی طرف سے اس کا مسکت جواب

آخر گفتگو میں مولانا حسین احمد صاحب مدنی نے اپنی جیب سے دو تین کالم کا ایک مضمون نکال کر

[1] عزیز حسن بقائی دہلی کی مشہور صحافی شخصیت جنکی زبان اور قلم تہذیب کا دامن چھوڑ کر گندہ زبانی پر مصروف ہے (باقی صفحہ پر دیکھئے)

تقریباً آٹھ دس منٹ تک پڑھ کر سنایا۔ یہ مضمون ایک انگریز کی تجویز اور رائے پر مشتمل تھا جس میں اس نے ہندوستان کی سیاست پر بحث کرتے ہوئے حکومت برطانیہ کو اس کا حل بتایا تھا۔ اس مضمون میں یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ گویا مضمون کو سنانے کی غرض یہ تھی کہ مسلم لیگ نے جو نظریہ پاکستان پیش کیا ہے وہ اس انگریز کی تجویز پر مبنی اور مسلم لیگ انگریزوں کے اشاروں پر چلنے والی جماعت ہے۔

اسی دوران میں مولانا احمد سعید کا ایک سوال اور اس کا جواب

مولانا احمد سعید صاحب نے سوال کیا کہ انگریز کی پالیسی ٹکڑے کرنے کی ہے یا جمع کرنے کی یعنی اس کا فائدہ کس جانب میں ہے۔ مطلب یہ تھا کہ ہم جو فاروقی حکومت چاہتے ہیں۔ انگریز کے لئے مہلک ہے اور آپ جو تقسیم ہند چاہتے ہیں یہ صورت حکومت کیلئے مفید اور معین ہے۔

علامہ عثمانی نے ارشاد فرمایا کہ میرے نزدیک آپ کے سوال کا ایک جواب نہیں ہو سکتا۔ یعنی کہ سوال کے جواب میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انگریز کا فائدہ ہمیشہ ٹکڑے کرنے میں ہے یا نہیں بلکہ جواب یہ ہے کہ کبھی انگریز کا فائدہ ٹکڑے کرنے میں اور کبھی جمع کرنے میں ہوتا ہے چنانچہ اس کی حالیہ نظیر ملاحظہ فرمائیے برطانیہ نے ترکی اور عرب کے ٹکڑے ٹکڑے کئے۔ عراق، شام، لبنان، نجد، یمن سب کو علیحدہ علیحدہ حصوں میں منقسم کر دیا۔

ایک وقت میں یہ پالیسی تھی۔ اب جو عرب لیگ قائم ہو رہی ہے جس میں تمام عربوں کو روس کے خطرے سے انگریز متحد کرنا اور ان سب کا ایک بلاک بنانا چاہتا ہے کیا یہ بھی آپ کے نزدیک انگریز کے اشارہ سے نہیں ہو رہا؟ جس کا منشاء یہ ہے کہ تمام عرب ممالک کی ایک آہنی دیوار بنا دی جائے۔ اس وفد نے تسلیم کیا کہ بیشک۔

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ پھر یہ کہنا صحیح نہیں کہ انگریز کی پالیسی ہمیشہ ٹکڑے کرنا ہے معلوم ہوا کہ کبھی اس کی پالیسی جمع کرنے کی بھی ہوتی ہے۔ اب ہمیں یہ تو سوچنا چاہئے کہ ہمارا فائدہ کس صورت میں ہے۔ خواہ اس میں حکومت کا فائدہ ہو یا نقصان۔ ظاہر ہے کہ ہندو یا مسلمان کسی کے مقابلہ میں گورنمنٹ اپنے مفاد کو یہ اختیار خود نظر انداز نہیں کر سکتی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۳) [illegible] محمد عیسیٰ خیال کا انسان تھا عرصے تک پشاور رسالہ انہی کی ادارت میں نکلتا رہا کسی زمانے میں کیا [illegible] اور اس کے دینی [illegible] عرصے میں سلطان ابن سعود [illegible] کے متعلق وہ مولانا محمد علی جوہر کے سخت مخالف اور حسن نظامی کی موافقت میں [illegible] کے خلاف لکھتے رہے
([illegible])

نظریہ پاکستان کانگریس اور حکومت دونوں کے نظریوں کے مخالف ہے

اس کے بعد علامہ عثمانی نے فرمایا کہ مولانا حسین احمد صاحب نے جو انگریز کا مضمون پڑھ کر سنایا یہ انگریز کی شخصی رائے اور تجویز ہے جواب سے چودہ برس پہلے پیش کی گئی تھی لیکن حکومت برطانیہ کا سب سے بڑا نمائندہ وائسرائے لارڈ ویول جو ہندوستان میں اس وقت حکمران ہے اس نے اپنی تقریروں میں یہ برملا کہا ہے کہ اس ملک کا مرکز اور اس کی حکومت ایک ہی رہنی چاہئے۔ اس ملک پر کوئی بڑا عمل جراحی نہیں ہو سکتا۔ پہلی مرتبہ یہ تقریر کلکتہ کے کامرس آف چیمبر میں کی۔ دوسری مرتبہ لیجس لیچر میں یہی مضمون ادا کیا اور ابھی دو تین ماہ ہوئے راولپنڈی کے دورے میں لارڈ ویول نے یہی کہا کہ اس ملک کی تقسیم نہیں ہو سکتی اس سے پہلے سابق وائسرائے ہند اور لارڈ لنلتھگو نے بھی ۱۹۴۲ء میں اس قسم کی تقریر کی تھی اب آپ حضرات غور فرمائیں کہ آج وائسرائے ہند کے نظریہ کی حمایت کانگریس کر رہی ہے یا مسلم لیگ۔

مولانا احمد سعید صاحب نے فرمایا کہ اجی حضرت یہ تو انگریزوں کی چالیں ہیں کہتے تو کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ اس انگریز کی تجویز میں تو یہی احتمال ہو سکتا ہے۔ لیکن حجت کے درجہ میں تو سب سے بڑے ذمہ دار ہی کا قول ہم پیش کر سکتے ہیں۔

پاکستان کے قیام پر مولانا مدنی کا ایک اشکال اور اس کا شافی جواب

اسی سلسلہ میں مولانا حسین احمد مدنی نے فرمایا کہ اچھا اگر پاکستان قائم ہو گیا تو ہندوستان کا دفاع کیسے ہوگا۔ روس نے اگر حملہ کیا تو سرحد کے مسلمان پس جائیں گے۔ سارا بوجھ ان پر پڑ جائیگا۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ یہ تو آپ مان ہی چکے ہیں کہ انگریز ابھی یہاں موجود ہے۔ سر دست اگر پاکستان بنائیگا تو وہی بنائے گا۔ سرحدوں کی حفاظت کی بھی کوئی صورت ضرور نکالے گا اور اس کے چلے جانے کی صورت میں بیرونی قوت ہندوستان پر چڑھائی کرے گی تو دونوں منطقے مل کر اس کی مدافعت کریں گے اور ہر ایک دوسرے کی آدمی سامان اور اسلحہ اور روپے سے مدد کریگا۔ کیوں کہ یہ سب کا مشترکہ مفاد ہوگا۔ ایسا نہیں کرینگے تو سب کا نقصان ہوگا۔ اس قسم کے دفاع کے کام باہمی معاہدوں سے انجام پائیں گے۔ مولانا احمد سعید صاحب نے فرمایا کہ حضرت معاہدوں کو آجکل کون پوچھتا ہے۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ جب بلا معاہدہ آپ سب کچھ کرنے کو تیار ہیں تو معاہدہ کی صورت تو بہر حال اس سے قوی تر ہونی چاہئے۔

جمعیۃ العلماء کی دفاعی طرز حکومت کی تائید کا خیال احتیاج ہنود پر مبنی ہے

پھر آپ کی تقریر کا حال تو یہ ہوا کہ ہم کسی حالت اور کسی وقت میں بھی ہندوؤں کی احتیاج سے باہر نہیں ہو سکتے اور نہ ان کے بدون کبھی کوئی کام کر سکتے ہیں (یہ بات کم از کم شیر دل بہادروں کو زیب نہیں دیتی جو کہتے ہیں کہ ذرا انگریز سے آزادی مل جائے تو پھر ہم ہندو وغیرہ کسی سے نہیں ڈرتے)۔

نیز آپ دیکھتے ہیں کہ معاہدات ہی کی طاقت تھی کہ روس اور برطانیہ نے مل کر جرمن اور جاپان کو کس طرح پیس ڈالا۔ کیوں کہ تینوں کی غرض مشترک تھی۔ پاکستان اور ہندوستان کا مفاد جب مشترک ہوگا تو دونوں بذریعہ معاہدات عملی اتحاد کیوں نہیں کر سکتے (گو قومی اتحاد نہ ہو نہ سہی)۔

موجودہ الیکشن میں علامہ عثمانی کی حمایت لیگ کی کیا وجہ ہے

اس موقعہ پر مفتی عتیق الرحمٰن صاحب نے علامہ عثمانی سے کہا کہ آپ تو ہمیشہ سیاسیات سے یکسو رہا کرتے تھے۔ اس الیکشن میں کیا داعیہ ایسا پیش آیا جس کی وجہ سے آپ نے شرکت فرمائی۔

حضرت علامہ عثمانی نے فرمایا کہ اس الیکشن کی نوعیت پچھلے الیکشنوں سے بالکل مختلف ہے حکومت نے صاف لفظوں میں اس کا اعلان کر دیا ہے کہ اس مرتبہ منتخب ہونے والی اسمبلیاں ہی آئندہ ہندوستان کا مستقل دستور بنائیں گی چونکہ اس الیکشن سے قوموں کی قسمتوں کا فیصلہ وابستہ تھا اس بنا پر میں نے ضروری سمجھا کہ اس بنیادی موقع پر ان مسلمانوں کی مدد کی جائے جو استقلال ملت اور مسلم حق خود ارادیت کے حامی ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ آپ نے یہ کیا کہا کہ میں سیاست سے ہمیشہ علیحدہ رہا ہوں۔ گذشتہ چند سالوں کو چھوڑ دیجئے اس سے پیشتر جمعیۃ العلماء ہند میں ہماری بھی تو کچھ ناچیز خدمات رہی ہیں۔ ہم نے بھی تو کچھ معرکے سر کئے ہیں اور آپ حضرات طوفانی دورہ کر رہے تھے جس سے میرے نزدیک مسلمانوں کا نقصان تھا۔ تو ظاہر تھا کہ ایسے

ل حلقۂ دیوبند کی خاص مجالس میں اکابر کی زبان پر یہ بات آتی رہی ہے کہ کسی صورت سے انگریزوں سے ملک کو آزاد کرا لیا جائے پھر اسلامی ممالک کے سربراہوں سے ہندوستان پر حملہ کرا کے مسلمانوں کی ہندوستان میں حکومت قائم کی جائے۔ یہی خیال علماء ہند دہلی کے دلوں میں تھا۔ اس جملے میں اسی خیال کی طرف طنزیہ اشارہ کیا گیا ہے یہ خیال یقیناً اکابر دیوبند کا تھا۔ ہم نے اس خیال کا اظہار حیات امداد کے مقدمے میں حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ کی حمایت میں کیا تھا کہ ہمارے خلاف الجمعیۃ اخبار دہلی میں ایک صاحب نے مضمون لکھ کر شائع کرایا۔ (مجاہد)

موقع پر میں سکوت کیسے باقی رکھ سکتا تھا ؎

اگر بینم کہ نابینا و چاہ است ٭ اگر خاموش بنشینم گناہ است

ان وجوہ کی بنا پر میں نے مسلم لیگ کی تائید و حمایت کی (پھر علامہ عثمانی نے یکایک کوئی اعلان نہیں فرمایا بلکہ مہینوں پاکستان کے نظریہ پر شرعی و سیاسی حیثیت سے انتہائی غور و تعمق کیا۔ جب کلکتہ کے اجلاس کل ہند جمعیۃ العلماء اسلام میں اپنا پیغام بھیجا تو استخارہ بھی فرمایا۔ مکمل بصیرت اور شرح صدر کے بعد یہ اقدام فرمایا گیا۔ مرتب)

اس کے بعد علامہ عثمانی نے فرمایا کہ پھر میرا اثر ہی کیا ہے ہندوستان میں اگر میری اپیل پر بیچارے نوابزادہ لیاقت علی خاں کو دس بیس ووٹ مل ہی گئے تو کیا ہوا۔ آپ حضرات تو ماشاء اللہ بااثر ہیں (موجودہ بڑے بڑے لیڈروں کی طاقتیں آپ کے ساتھ ہیں [illegible]) تو اب [illegible] کی حیثیت رکھتا ہوں کسی نے کہا یہ بات نہیں آپ کے اعلان سے [illegible] ہے۔

علامہ عثمانی سے سکوت کی درخواست

مولانا احمد سعید صاحب نے فرمایا کہ بہر حال یہ اختلافی مسئلہ ہے اس میں احتمال خطا کا دونوں طرف ہے۔ مگر آپ تو اس قوت سے بیان دے رہے ہیں کہ اپنے مخالفوں کیلئے کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑتے ذرا کچھ تو نرمی اختیار فرمائیں۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ آپ حضرات تو ماشاء اللہ سب اہل علم ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ جب احناف و شوافع وغیرہ کے باہمی اختلافی مسائل کی تقریریں آپ اور ہم کرتے ہیں تو باوجودیکہ سب ائمہ ہدیٰ ہیں۔ لیکن ہم میں سے کون اپنے مذہب کی تصویب و تائید میں کسر اٹھا رکھتا ہے اور حنفی مذہب کو ترجیح دیتے ہوئے شافعی یا مالک یا احمد کے لئے اپنے زعم میں کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑتا ہے۔ اس پر سب ہنسنے لگے۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ اس سلسلہ میں میرا تو وہی خیال ہے جو فقہائے کرام نے مقلد کے عقیدے کی نسبت لکھا ہے کہ اپنا امام جو مسئلہ بیان کرے اس کی نسبت یہ اعتقاد رکھے صواب یحتمل الخطاء (یعنی جو ہمارے امام نے مسئلہ بیان کیا وہ صحیح اور درست ہے۔ ہاں اس میں خطا کا بھی احتمال ہے اور دوسرے امام نے جو کہا خطاء ویحتمل الصواب یعنی وہ خطا ہے گو اس میں احتمال ثواب کا بھی قائم ہے کیونکہ معصوم ان میں سے کوئی نہیں۔ آخر میں مولوی حفظ الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ جمعیۃ العلماء اسلام محض ہماری جمعیت کے مقابلہ میں اس کو توڑنے کے لئے قائم کی گئی ہے مناسب ہوگا کہ آپ کم از کم اس کی صدارت قبول نہ فرمائیں۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ میں نے ابھی صدارت کے قبول و عدم قبول کی نسبت کوئی باضابطہ فیصلہ نہیں

کہا ہے لیکن کل کے لئے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کیا کروں گا۔

نوٹ:- لیکن اس کے بعد علامہ عثمانی نے کل ہند جمعیۃ العلماء اسلام کے ناظم کے تار کے جواب میں باضابطہ صدارت کی منظوری کا تار روانہ فرما دیا ہے۔ (فللہ الحمد۔ مرتب)

جب یہ حضرات علامہ عثمانی سے رخصت ہونے لگے تو مولانا احمد سعید صاحب نے دریافت فرمایا کہ آپ کو حضور نظام نے حیدر آباد بھی تو بلایا تھا آپ حیدر آباد کب تشریف لے جائیں گے علامہ عثمانی نے فرمایا کہ میں نے حضور نظام کو لکھا ہے کہ ابھی دو تین ماہ تک مجھے یہاں بغرض علاج قیام کرنا ہے۔ سردی کم ہونے پر اگر اجازت ہو تو حیدر آباد آؤں۔ اب حضور نظام پر موقوف ہے کہ اگر اس کے باوجود انہوں نے مجھے طلب فرمایا تو مجھ کو بہر حال جانا پڑے گا اور اگر اجازت دیدی تو ٹھہر جاؤں گا۔

(الحمد للہ اس تحریر کے مرتب کرتے وقت ہی حضور نظام کے چیف سیکرٹری کا تار بنام علامہ عثمانی پہنچ گیا کہ آپ کو فروری تک قیام کی اجازت ہے۔ مرتب)

چلتے چلتے وفد کا منشا یہ معلوم ہوتا تھا کہ جو تحریرات آپکی شائع ہو چکی ہیں وہ بیان مسئلہ کے لئے کافی ہیں اب اگر یکسوئی اختیار کر لی جائے تو کیا بہتر نہ ہوگا۔ لیکن علامہ عثمانی نے فرمایا کہ جس چیز کو میں حق سمجھتا ہوں ظاہر ہے کہ اس معاملہ میں میرے لئے سکوت کیسے مناسب ہے۔

اس کے بعد وفد رخصت ہو گیا۔ یہ تمام گفتگو نہایت خوشگوار فضا میں ہوئی کسی موقعہ پر بھی بحمد اللہ ادنیٰ تلخی پیدا نہ ہوئی جب یہ تاریخی مجلس برخاست ہونے لگی تو علامہ عثمانی نے اپنے یہاں آنیوالے علماء کے احترام میں اتنا فرمایا کہ یہ سلسلہ گفتگو آخری سلسلہ نہیں ہے پھر جب چاہیں گفتگو کر سکتے ہیں۔ جانبین کو موقع غور و فکر کا حاصل ہے۔ اب تک کی صورتحال یہ ہے کہ آپ اپنی جگہ قائم ہیں اور میں اپنی جگہ پر رہا اس کے بعد مجلس برخاست ہو گئی۔ شرعی حیثیت سے مسائل حاضرہ پر جمعیۃ العلماء ہند کے وفد کی طرف سے کوئی کلام نہیں ہوا۔

غالباً یہ حضرات یہ سمجھ کر آئے تھے کہ علامہ عثمانی کی سیاسی معلومات کم ہونگی تو ہم اپنے بیان کردہ واقعات سے علامہ موصوف کی رائے کو متاثر کر دیں گے۔ شرعی حیثیت سے گفتگو کو تو مولانا حفظ الرحمٰن صاحب پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ اس پر ہم آپ سے کیا بحث کرتے لیکن اس مکالمہ سے غالباً ان پر یہ حقیقت بھی روشن ہو گئی کہ علامہ عثمانی نے مسئلہ پاکستان کو اپنی گفتگو میں اس طرح سے منقح کیا کہ جو لوگ سیاسی ہیں جب اس مکالمہ کو سنتے ہیں تو وہ خود بھی مسئلہ کے اس انداز پر عش عش کرتے ہیں۔ مرتب)

یہ مکالمہ مصدقہ و مرتبہ علامہ عثانی ہے

تبصرہ از جامع خطبات

مکالمۃ الصدرین آپ نے پڑھ لیا اب آپ خود ہی فیصلہ کیجئے کہ مکالمے کے افراد میں ہر ہر فرد کے کلام میں سے کس کی گفتگو اور کس کے سوالات و اعتراضات اور جوابات میں وزن زیادہ ہے اور ہمارے نزدیک اس مکالمے میں علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کے دلائل اور جوابات میں جو استدلالی قوت ہے وہ اور کسی کی گفتگو میں نہیں۔ جتنے خدشات پاکستان کے بارے میں اکابر جمعیۃ العلمائے ہند کی زبان پر آئے انکے جسقدر مناسب، مدلل، ٹھوس اور موزوں جوابات علامہ عثمانی نے دیئے ہیں وہ ان کی کلامی قوتوں اور سیاسی بصیرتوں کے آئینہ دار ہیں۔

اس مکالمے کو پڑھ کر بہت سے سیاستدانوں اور غیر سیاسی لوگوں نے ہندوستان کی سیاسی صورت حال، جمعیۃ العلمائے ہند کے فارمولے اور پاکستان کے نظریۂ آزادی کی حقیقت سے صحیح معنی کو واقفیت حاصل کر کے مسلم لیگ کی تائید میں شفائے قلبی اور دلی اطمینان کے ساتھ شمولیت اختیار کی۔

یہ ناچیز انوار الحسن جامع خطبات ۲۴ / دسمبر ۱۹۴۵ء کو دسمبر کی تعطیل میں جب گوجرانوالہ سے میرٹھ روانہ ہوا تو دیوبند اترا اور علامہ عثمانی سے ملا تو آپ اس مکالمے پر نظر ثانی فرما رہے تھے میں نے اس وقت اس کے مسودے کو علامہ سے لیکر پڑھا تھا۔



پیام کلکتہ کے بعد
علامہ عثمانی کے نام خطوط کا سلسلہ

جمیتہ العلمائے ہند کی علامہ عثمانی کے پاس آمد اور گفتگو کا مقصد ایک نیک نیتی پر مبنی تھا اور وہ یہ تھا کہ نظریۂ پاکستان اور نظریۂ کانگریس کے سلسلے میں علماء دیوبند میں یک جہتی اور اتحاد پیدا کیا جائے انہوں نے ہندوستان کی اس سیاسی کش مکش میں یہ مناسب سمجھا کہ علمائے دیوبند میں سیاسیات میں تفرقہ پیدا نہ ہو جو ہوا خیزی کا موجب ہے۔ چنانچہ جب یہ وفد جانے لگا تو مولانا احمد سعید نے فرمایا تھا کہ جو کچھ آپ نے اعلانات اور تحریریں شائع ہو چکی ہیں وہ کافی ہیں۔ لہٰذا اپنے پریس نوٹ آئندہ کے لئے خاموشی اختیار کرنے کی انہوں نے علامہ سے اپیل کی لیکن حضرت عثمانی نے انکی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا۔

درحقیقت علامہ کا پیام کلکتہ مسلم لیگ اور نظریۂ پاکستان کے لئے آبحیات اور کانگریس کے لئے صور قیامت سے کم نہ تھا چنانچہ اس پیغام اور بعض بیانات سے ملک میں جو اثر ہوا اس سے ہندوستان کے دوسرے حضرات بھی انگشت بدنداں رہ گئے اور انہوں نے علامہ عثمانی کے نام خطوط کا ایک سلسلہ جاری کر دیا۔ یہ وہ حضرات ہیں جو جمیتہ العلمائے ہند دہلی کے خیالات سے متفق تھے۔ ان کو علامہ عثمانی سے بھی عقیدت تھی۔

یہ سیاسی خطوط علامہ عثمانی کے مجموعہ "مکتوبات" میں جو انوار عثمانی کے نام سے ہم نے مرتب کئے ہیں اور جن کو مکتبۂ اسلامیہ مولوی مسافر خانہ بندر روڈ کراچی نے طبع کرا کر شائع کیا ہے جمع کر دیا ہے لیکن چونکہ خطبات کا یہ مجموعہ علامہ عثمانی کی ایک قسم کی سیاست کی انسائیکلوپیڈیا ہے اس لئے ان خطوط کو جو سیاسی ادوار کے واقعات کی کڑیاں ہیں یہاں بھی بمقتضائے مقام شامل کرتے ہیں۔ لہٰذا اگلے صفحات میں علامہ کے مراسلات سیاسیہ پڑھئے جن سے مسلم لیگ کے خلاف تمام شبہات کا استیصال ہو جاتا ہے۔ انوار

مراسلات سیاسیہ

از

علامہ شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

صدر جمعیۃ العلمائے اسلام ہند

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے یہ وہ سیاسی خطوط ہیں جن میں نظریۂ پاکستان کی حقیقت، وضاحت، صداقت اور صلابت کو جس شرح صدر کے ساتھ مدلل اور محقق سیاسی اور شرعی انداز میں بیان کیا گیا ہے اس سے بہتر اور کوئی لیڈر پیش نہ کر سکا۔ حق تو یہ ہے کہ یہ خطوط پاکستان کی صحیح تصاویر ہیں۔

(انوار انور)

سائلین کے چودہ مکتوبات اور علامہ عثمانی کے جوابات

فہرست مکتوبات بترتیب تاریخ

مراسلات سیاسیہ

علامہ شبیر احمد عثمانی

بجواب مکتوبات معترضین و سائلین

(نوٹ) ذیل میں ہم سائلین اور معترضین کے مکتوبات اور علامہ عثمانیؒ کے جوابات پیش کر رہے ہیں۔ یہ مکتوبات شعبۂ نشر و اشاعت آل انڈیا مسلم لیگ دہلی نے مراسلات سیاسیہ کے نام سے شائع کئے تھے۔ (مرتب)

مکتوب از سعید الدین صاحب بہاری

بنام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی

محترم المقام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گذارش ہے کہ کل ہند جمعیۃ العلمائے اسلام کانفرنس کے اجلاس کلکتہ منعقدہ ۲۶۔۲۷۔۲۸ر اکتوبر ۱۹۴۵ء میں ایک روح پرور پیغام یہ کہکر سنایا گیا کہ یہ پیغام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب کا ہے اور وہی پیغام اخبار روزانہ "عصر جدید" (کلکتہ) میں بھی شائع ہوا جو عریضہ ہذا کے ساتھ نظر انور ...... سے گذریگا اور ایک ریزولیوشن کے ذریعہ جناب والا کو کانفرنس ہذا کا مستقل صدر بھی منتخب کیا گیا ہے جناب والا کا پیغام اور انتخاب صدارت کی پاس شدہ تجویز کو پڑھ کر مجھ کو تعجب ہوا کیونکہ مجھ کو آج تک یہی معلوم تھا کہ آنجناب بھی جمعیۃ العلماء ہند دہلی کے رکن و ممبر ہیں اور جمعیۃ مذکور کا رکن و ممبر ہوتے ہوئے یہ پیغام جناب نے کیسے ارسال فرمایا اور نو مولود جمعیۃ علمائے اسلام کی صدارت کیوں کر آپ کو تفویض کی گئی۔ بنا بریں چند سوالات میرے دل میں پیدا ہوئے جو درج ذیل ہیں۔ امید ہے کہ جواب باصواب عنایت فرما کر رہبری فرمائیں گے۔ یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ سوالات ذیل سے میرا منشا صرف تحقیق حق ہے۔ خدانخواستہ کسی قسم کا اعتراض کرنا مقصد نہیں۔

سوالات:۔ ۱۔ جمعیۃ العلماء ہند دہلی میں آپ شریک ہیں یا نہیں؟

۲۔ جناب نے کل ہند جمعیۃ علماء اسلام کانفرنس منعقدہ کلکتہ کے اجلاس میں پیغام بھیجا ہے یا نہیں اور اگر بھیجا ہے تو بجنسہٖ وہی پیغام ہے جو اخبار "عصر جدید" میں شائع ہوا ہے یا اس میں تحریف کی گئی ہے۔

۳۔ کل ہند جمعیۃ علماء اسلام کی صدارت منظور فرمالی ہے یا نہیں۔

۴۔ عصر جدید میں شائع شدہ پیغام اگر جناب نے ارسال فرمایا ہے اور اس میں قائد اعظم کے خیالی پاکستان کی حمایت فرمائی ہے تو وہ پاکستان کیا ہے۔ کیا جناب نے اس پر غور فرمالیا ہے؟

۵۔ ایک طرف جمعیۃ علماء ہند دہلی ہر صوبے کی اندرونی مختاری کی زبردست حامی ہے اور مسلمانوں کی اکثریت والے صوبوں میں کسی قیمت پر بھی انکی اکثریت کو فنا نہیں کرنا چاہتی۔ ہاں مرکز کو چند شرائط وقوانین کے ماتحت ایک رکھنا چاہتی ہے وہ بھی اس طرح کہ اگر کوئی صوبہ مرکز سے علیحدہ ہونا چاہے تو علیحدہ ہو سکتا ہے۔ دوسری جانب مسٹر جناح صاحب کا پاکستان ہے جو میری فہم ناقص کے مطابق ہندوستان کے چند ٹکڑے کر کے حاصل ہوگا بلکہ خود پاکستان بھی دو حصے یعنی مغربی پاکستان، مشرقی پاکستان پر منقسم ہوگا۔ تو کیا جناب یہ بہتر خیال فرماتے ہیں کہ ہندوستان پاش پاش کر دیا جائے یا یہ بہتر ہے کہ وحدت بھی برقرار رہے اور اقلیت و اکثریت والی سب قوموں کو پھلنے پھولنے اور اتحاد و اتفاق کے ساتھ باعزت زندگی گذارنے کا موقع ملے۔

۶۔ کیا جناب والا کی نظروں سے مسٹر جناح کی وہ تقریر گذری ہے جو کوئٹہ کے جلسے میں فرمائی۔ جس میں ارشاد ہوا ہے کہ پاکستان حاصل ہونے کے بعد بھی اس وقت تک انگریزوں کو ہندوستان سے جانے نہ دیا جائے گا جب تک پاکستانی مسلمان مضبوط نہ ہو جائیں۔ گویا موصوف کو کمزوری کا اعتراف ہے اور پاکستان کو بھی محفوظ نہیں سمجھتے۔ اگر بالفرض پاکستان مل گیا اور مسلمان زیر سایۂ انگریز کچھ عرصہ تک اپنی طاقت کی درستگی میں مصروف رہ کر دس بیس برس میں طاقتور ہو جائیں تو کیا اس عرصے میں برادران وطن ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے یا وہ بھی مضبوط سے مضبوط تر ہو جائیں گے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ نہ کبھی مسلمانوں کی طاقت ہندوؤں کے برابر ہوگی نہ کبھی انگریزوں کو ہندوستان چھوڑنے کی نوبت آئے گی ہمیشہ ہندوستانیوں کے سروں پر مسلط رہیں گے۔

۷۔ ہندوؤں کی طرف سے تو صرف مسلمانان ہند کو خطرہ ہے اور انگریزوں کا غلبہ و تسلط سارے یورپ اور ایشیا پر ہے اور تمام عالم انسانی ان کے جبر و تشدد کی چکی میں پس رہا ہے۔ نہ عرب محفوظ ہے نہ عجم، نہ شام کو آرام میسر ہے نہ فلسطین کو آزادی۔ نہ مصر کو پناہ ہے نہ عراق کو

اور یہ سب کچھ ہندوستان کی بدولت ہو رہا ہے۔ اگر ہندوستان آزاد ہو جائے تو انکی ساری طاقتوں کا جنازہ نکل جائے اور کم از کم پورا ایشیا ان کے پنجۂ ظلم سے نجات پا جائے۔ جب صورت حال یہ ہے تو اگر خدا نخواستہ ہندوستانی مسلمانوں کو کچھ اپنا نقصان کر کے بھی ہندوستان کو آزاد کرانا پڑے تو کیا ایسا نہ کیا جائے اور اپنے ساتھ سارے ممالک اسلامی کو غلام رکھا جائے۔

۸۔ اگر بغیر پاکستان دیئے ہوئے برٹش حکومت ہندوستان کو آزادی عطا کرنا چاہے تو مسلمانوں کو خیر مقدم کرنا چاہیئے یا ٹھکرا دینا چاہیئے۔ امید کہ مندرجہ بالا سوالات کے جوابات کامل غور و توجہ کے بعد ارسال فرمانے کی زحمت گوارا فرمائیں تاکہ رفع شکوک ہو جائے اور ایک مخلص مسلمان کو سیاست کا درس حاصل ہو۔ جواب کے لئے لفافے کے اندر ٹکٹ بھی حاضر خدمت ہے فقط والسلام مع الاکرام

مکرر عرض یہ ہے کہ اگر ہفتہ عشرہ کے اندر جناب نے تسلی بخش جواب سے سرفراز نہ فرمایا تو آئندہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گا کہ جناب والا بھی مناسب خیال فرماتے ہیں کہ عوام آپ کی پالیسی کی تذبذب اور گو مگو کی حالت میں رہیں۔

خادم

(سعید الدین بہاری)

(۱) پہلا مکتوب علامہ عثمانی بجواب سعید الدین صاحب بہاری

برادر محترم بعد سلام مسنون آنکہ آپ کا گرامی نامہ جو چند استفسارات پر مشتمل ہے ۱۶ر نومبر ۱۹۴۵ء کو وصول ہوا آپ کے سوالات کے جوابات مختصراً نمبر وار معروض ہیں۔

مولانا کی جمعیۃ العلماء سے علیحدگی

(۱) میں کچھ مدت سے جمعیۃ العلماء دہلی سے علیحدہ ہو چکا ہوں اور سہارنپور سیشن کے بعد اُدھر سے جو رکنیت کی دعوت دی گئی تھی میں نے لکھدیا تھا کہ اب میں اس کا رکن بننا پسند نہیں کرتا۔

۲۔ جو پیغام "عصر جدید" کلکتہ میں میرے نام سے شائع ہوا ہے وہ حرف بحرف میرا بھیجا ہوا ہے کوئی تحریف اس میں نہیں ہوئی۔

۳۔ صدارت کا ریزولیوشن ابھی باقاعدہ میرے پاس نہیں پہنچا اس کے پہنچنے پر منظوری یا نامنظوری کے متعلق کوئی رائے قائم کروں گا۔

له الحمد للہ کہ علامہ عثمانی نے صدارت کا ریزولیوشن منظور فرما لیا تھا اور اس کے بعد آپ پیغام پاکستان کمد (باقی ص ۷۰ پر دیکھئے)

پاکستان کیا ہے؟

۴۔ پاکستان ایک اصطلاحی نام ہے جسکا سادہ مطلب یہ ہے کہ جن صوبوں میں مسلم قوم کی اکثریت ہے وہاں اس کی آزاد حکومت قائم ہو۔ آگے وہاں کے دستور و آئین کی تشکیل کس نوعیت کی ہوگی یہ وہاں کے احوال و ظروف کی مناسبت سے اہل حل و عقد کی مشاورت کے بعد وقت پر بروئے کار آئیگی۔ اور وہاں کی اکثریت اس بارے میں اپنی قدرت کی حد تک اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے مکمل ترین قانون عدل و حکمت اور خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے استنارۃ و استفادہ کی پوری سعی کرے گی۔

جمعیۃ العلماء کے فارمولا میں ہندوؤں کی غلامی سے نجات نہیں

۵۔ جمعیۃ العلماء کے فارمولا کے موافق مرکز سے جو امور وجہہ متعلق ہونگے ان میں مسلم قوم محض اکثریت کے رحم و کرم پر رہے گی۔ اور کوئی آزاد طاقت یہاں ایسی نہ ہوگی جو ان کو عام مسلم مطالبات کے ماننے پر مجبور کر دے۔

پاکستانی تقسیم ملک کے لئے مضر نہیں بلکہ مفید ہے

اس کے برخلاف جب دو قومیں الگ الگ اپنے اپنے مستقر میں آزاد ہونگی تو ہر ایک قوم کو دوسری قوم کے ساتھ اپنا معاملہ درست رکھنا پڑے گا اور آزاد قوموں کے باہمی تحالف اور معاہدات کے ذریعہ وہ تمام کام باحسن اسلوب انجام پائیں گے جو ایک وفاقی مرکز کے ذریعہ انجام پا سکتے ہیں۔ اگر ملک کی تقسیم اس طرح ہو جائے تو کیا نقصان ہے۔ ملک کی تقسیم تو اب بھی کئی وجوہ سے قدرتی طور پر موجود ہے۔

مسلمان اور ہندو میں قومی وحدت ناممکن ہے۔ ہاں بذریعہ معاہدہ عملی وحدت ہو سکتی ہے

نیز قوموں کی تقسیم اس سے زیادہ صاف اور واضح کسی دوسرے ملک میں کہاں مل سکتی ہے کہ ایک قوم پر دوسری قوم کا سایہ اگر پڑ جائے تو وہ شودروں اور کتوں سے زیادہ ...... اسے نجس سمجھتی ہے اور لطف یہ ہے کہ مسٹر گاندھی نے اچھوت سدھار کی اتنی جان توڑ کوشش کے باوجود مسلمانوں کے ساتھ اس چھوت چھات کو دور کرنے کا کبھی ہلکا سا اشارہ بھی اپنی قوم کو نہیں کیا۔ اب پاکستان اور جمعیۃ العلماء کے فارمولا میں فرق یہ ہے کہ جمعیۃ بزعم خود ایک خاص ڈھنگ میں ملک کی قومی وحدت ایک مخلوط مرکز کے ذریعہ قائم رکھنا چاہتی ہے جس میں اقلیت میں ہونے کے اعتبار سے مسلم قوم کا عمومی نقصان ہے اور پاکستان کے حامی جو دو قوم

(بقیہ صفحہ ۱۱۵) کل ہند جمعیۃ العلماء اسلام کے صدر رہے۔ پاکستان کے قیام کے بعد آپ ہی نے جمعیۃ العلماء اسلام کو قائم رکھا لیکن بدقسمتی سے اب اس کے دو گروپ پاکستان میں ہو گئے ایک ہزاروی گروپ کہلاتا ہے جو مولانا غلام غوث ہزاروی کی طرف منسوب ہوا اور دوسرا تھانوی گروپ جو مولانا احتشام الحق کی طرف منسوب ہوا۔ (انوار الحسن)

کا صحیح نظریہ رکھتے ہیں ملک کی ان ہی ضروریات میں مستحکم اور مساویانہ معاہدات کے ذریعہ عملی وحدت کو استوار کرنا چاہتے ہیں۔ پھر غور کیجئے کہ جمعیت کے فارمولے نے جب یہ اجازت دیدی کہ جو صوبہ مرکز سے علیحدہ ہونا مناسب سمجھے علیحدگی کر سکتا ہے تو ملک کی تقسیم کا جواز تو انہوں نے بھی تسلیم کر لیا۔ اب اگر دوسرے لوگ ابتداء سے ایسا کرنا چاہیں تو ایک جائز چیز کو اختیار کر لینا کیوں جرم ہو گیا۔

جمعیت کا فارمولا کم از کم کانگریس ہی سے منوا دیں

آخر میں یہ گذارش ہے کہ کم از کم جمعیت کے اس فارمولے کے تسلیم کرنے کا اعلان اگر جمعیت والے آج کانگریس سے کرا دیں تو شاید بہت سے مسلمان ایک درجے میں مطمئن ہو جائیں اور عجب نہیں کہ بہت سے آدمی لیگ کو چھوڑ کر جمعیت العلماء کے دائرے میں آ جائیں۔ مشکل تو یہ ہے کہ یہ فارمولا تو بڑی چیز ہے آج تک واردھا[1] سکیم وغیرہ کی تنسیخ بھی وہ کانگریس سے نہ منوا سکے، جس کی مذمت بالاجماع تمام مسلمان جماعتوں نے کی تھی۔

یہ خیال غلط ہے کہ مسٹر جناح انگریزی تسلط سے ملک کی آزادی نہیں چاہتے

(۶) مسٹر جناح کی یہ تقریر میں نے نہیں پڑھی ممکن ہے نقل کرنے والوں نے کوئی تحریف کی ہو۔ اس کی تحقیق خود مسٹر جناح سے ہو سکتی ہے ان کی سینکڑوں تقریریں اسکے خلاف علانیہ ہو چکی ہیں وہ مسلمانوں کے لئے کافی ہیں۔

انگریز جانا بھی چاہیں تو ہندو عدن تک جا کر واپس لانے کی کوشش کرینگے

یہ مطمح نظر تو ہندوؤں کا ہے جبکہ پنجاب کے وزیر سر چھوٹو رام نے کہا تھا کہ بحالت موجودہ اگر انگریز اپنی خوشی سے نکلنا بھی چاہے تو ہندو کم از کم عدن تک جا کر اسکو واپس لانے کی کوشش کریں گے۔ کیونکہ ہندوستان کو خالی دیکھ کر افغان آزاد قبائل اور

[1] واردھا سکیم، دیہات سدھار سکیم، ودیا مندر سکیم وغیرہ تمام تعلیمی ہندوؤں کی سکیمیں تھیں جنکو مسلمانوں پر لازم کرنے کی تدبیریں کی گئیں واردھا سکیم کے متعلق ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب مرحوم صدر واردھا کمیٹی نے اپنی رپورٹ اردو ایڈیشن رسالہ جامعہ صفحہ ۱۱۸-۱۱۹ میں جیسی کہ ہے انہوں نے لکھا ہے کہ اس سکیم کا آخری مقصد تعلیمیافتہ لوگوں کی ایک ایسی جماعت پیدا کرنا ہے جسکا کچھ جسکا عقیدہ اور جسکے اعمال ایک ہی طرح کے ہوں جو تمام مذاہب کے متعلق یہ عقیدہ رکھے کہ وہ سب سچے ہیں اور ان کے درمیان کوئی فرق نہیں نیز ان سب کی صداقت پر ایمان لا کر اسی پر عمل بھی ہو۔ یہ تو واردھا سکیم تھی۔ دیہات سدھار سکیم کے متعلق مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نائب امیر شریعت بہار نے ڈاکٹر محمود وزیر تعلیم کانگریس وزارت بہار کو اس سکیم کے متعلق ۲۸ اگست ۱۹۳۸ء کو احتجاج کے طور پر اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ ان دونوں ادارات دیہی میں جو کتابیں مرتب کی گئی ہیں اور جو پھلواری شریف کیمپ چل رہا ہے جن مضامین کی تعلیم دی جاتی ہے وہ سب خیالی ہیں۔ تاریخ، گاؤں کی پنچایت، دیہات کی زندگی، مفیگر محمد ابراہیمی اور دیگر (علوم مقصد کا مذہب) اور مہاتما گاندھی کی سوانح عمری از دو رشتہ تلاش حق اور مہاتما گاندھی کی تعلیم وغیرہ (عصر جدید کلکتہ ستمبر ۱۹۳۸ء) مرتب۔

کوئی آزاد اسلامی سلطنت یہاں کے مسلمانوں کی مدد سے حملہ کر بیٹھے تو ہندو بحالات موجودہ اس قابل نہیں کہ اسکی موثر مدافعت کر سکیں۔ اسی لئے ان کا منصوبہ یہ ہے کہ ایک مدت تک انگریز کے تسلط اور نگرانی میں بتدریج آئینی طور سے اکثریت کی بناء پر حکومت کے شعبوں کو اپنے قبضے میں لیتے چلے جائیں تا آنکہ وہ ایسی طاقت اندرونی طور پر مہیا کر لیں کہ انگریز کے چلے جانے کے بعد کوئی خطرہ انہیں دوسری طرف سے باقی نہ رہے جو مسلمان انکے آلۂ کار بن رہے ہیں وہ اپنی سادہ دلی سے ان کی چالوں پر دھیان نہیں دیتے اور آزادی کامل کے زبانی دعووں پر مفتون ہو جاتے ہیں اور شملہ کانفرنس کے صریح مشاہدات کی بھی تاویلیں کرنے لگتے ہیں۔ کیا عجیب بات اور افسوس کا مقام ہے کہ ان کی ساری بدگمانیاں اپنے بھائی مسلمانوں کے حصے میں آگئیں اور مشرکین کو کمال حسن ظن کی بناء پر بطانہ (ہمراز) بنا لیا گیا۔

ہندو قوم ہی ملک کی آزادی میں روڑے اٹکا رہی ہے

۷۔ مسلم لیگ اور مسٹر جناح یہ چاہتے ہیں کہ خارجی اور داخلی دونوں قسم کے خطرات اور نقصانات کا سدباب ہو جائے۔ آج اگر سب مسلمان بشمول نیشنلسٹ متحد ہو کر کانگریس سے پاکستان کا منصفانہ مطالبہ تسلیم کرا لیں تو مسٹر جناح وغیرہ کے اعلان کے مطابق کل کی صبح کا آفتاب طلوع ہونے سے پہلے دونوں قومیں مل کر جنگ آزادی لڑیں گی اور اس میں مسلمان پیش پیش ہونگے۔ اب ایسے صاف اعلان کو ٹھکرا کر اور پاکستان کے صحیح مطالبے کو مسترد کر کے ہندو قوم ہی ملک کی آزادی میں روڑے اٹکا رہی ہے اور جو کچھ تاخیر اس معاملے میں ہو رہی ہے اس کی ذمہ داری اسی پر ہے۔ بلکہ یہ چیز اسکی دلیل ہے کہ انکی نیت میں کھوٹ ہے۔ انکا اولین نصب العین یہ ہے کہ پوری آزادی ملے یا نہ ملے مگر مسلمان کے گلے سے اکثریت کی حکومت کا طوق کبھی نکلنے نہ پائے۔ گویا مسلمان یہاں انگریز اور ہندو کی ڈبل غلامی میں پستے رہیں۔

پاکستان دوسرے ممالک اسلامیہ کیلئے بھی مفید ہوگا

اور ہندوستان سے باہر اسلامی ملکوں پر استعمار پرست انگریزوں کی دست درازیاں بھی بدستور قائم رہتی ہیں۔

ل علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ خیال درست تھا اور صحیح نکلا۔ چنانچہ ہندوستان کی تقسیم کے بعد بھارت نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو اپنے ملک کا گورنر بنایا اور جب بھارت کی حالت منظم ہو گئی اور حالات مضبوط ہو گئے تو پھر لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی جگہ خود سنبھالی۔ (انوار الحسن)

ک آج جبکہ میں علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کے یہ سیاسی خطبے اور مکتوبات اور بیانات مرتب کر رہا ہوں تو اسی سے معلوم ہو جائے گا کہ ہندوؤں نے پاکستان کو نہ دل سے تسلیم کیا ہے چنانچہ آئے دن پاکستان کے خلاف کارروائی کرتے رہتے ہیں۔ ابھی یکم اپریل ۱۹۶۷ء سے مشرقی پاکستان میں اپنے فوجیوں کو سفید کپڑوں میں بھیجکر اور وہاں کے بعض باشندوں سے گٹھ جوڑ کر کے مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرنے کا منصوبہ بنایا جس کو موجودہ صدر یحییٰ خان نے فیل کر کے رکھدیا اور یہ محض اللہ کا کرم تھا کہ اس نے پاکستان کو بچا لیا۔ انوار

خود اسلامی ممالک اس کو محسوس کرتے ہیں کہ ہندوستانی مسلمانوں کو پاکستان حاصل ہونا ان ممالک کی آزادی میں بھی ممد و معاون ہے اسی لئے عرب لیگ نے مسٹر جناح کو اس کی تائید میں تار دیا۔ آخر ہندو منصفانہ تقسیم اور اس کے بعد آزادانہ معاہدات کے قبول کرنے سے کیوں گریز کرتے ہیں۔ یاد رکھئے اگر آزاد پاکستان سے وہ معاہدہ کرنا نہیں چاہتے تو پاکستان سے متصل دوسرے ملک ہیں جن سے پاکستان بسہولت معاہدات کر سکتا ہے جو اس کے حق میں زیادہ نافع ہو سکتے ہیں۔ بنیادی حقیقت تو یہ ہے کہ اگر پاکستان آزاد اور طاقتور ہوگا پھر نہ اسے ہندوستان سے کوئی خوف ہو سکتا ہے اور نہ اپنے اجزائے بعیدہ (دور کے علاقوں یعنی مشرقی پاکستان) کی حفاظت[1] دشوار ہے۔ ان سب صورتوں اور طاقت حاصل ہونے کے ذرائع پر پاکستان کے حامیوں نے اچھی طرح غور کر لیا ہے۔

۸۔ اس کا فیصلہ آزادی کی نوعیت معلوم ہونے اور اس وقت کے حالات کا جائزہ لینے پر موقوف ہے۔ ابھی سے کچھ کہنا قبل از وقت اور ناتمام ہوگا۔ والسلام

شبیر احمد عثمانی
از دیوبند
۲ر ذوالحجہ ۱۳۶۴ھ ۸ر نومبر ۱۹۴۵ء

خلاصۂ مکتوب

۱۔ پاکستان ایک ایسا ملک ہوگا جس میں مسلمان اپنی مرضی کے مطابق اکثریت کی بناء پر فیصلے کرنے کے مختار ہونگے۔

۲۔ ہندوستان کی آزادی کیلئے پاکستان بہترین معین اور ملک کے امن و امان کا ضامن ہے۔

۳۔ دوسرے ممالک اسلامیہ بھی اپنے حق میں پاکستان کو مفید سمجھتے ہیں۔

۴۔ جمعیۃ علماء دہلی کا فارمولا محض ایک خیال ہے۔ پھر وہ اگر مان بھی لیا جائے تو اس میں ہندوؤں کی غلامی سے نجات نہیں۔

ل الحمد للہ کہ پاکستان کی مضبوطی کی وجہ سے ہی مشرقی پاکستان بھارت کی روباہ بازی سے اپریل ۱۹۷۱ء میں بال بال بچ گیا۔ انوار

مکتوب شورش صاحب رسولپورہ بنام علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

اسلامی شریعت میں قیادت و امارت کا سوال

مالیگاؤں۔ ۳ر نومبر ۱۹۴۵ء

محترم قبلہ مولانا شبیر احمد صاحب مدظلہ العالی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گذارش ہے کہ عصر جدید کلکتہ میں آپ کا وہ پیغام جو آپ نے جدید جمعیۃ العلماء اسلام کے اجلاس کیلئے روانہ فرمایا، دیکھا۔ مضمون کے آغاز میں آپ نے جتنی باتیں لکھی ہیں اس سے ہمیں کچھ اختلاف نہیں لیکن بعد میں مسلم لیگ کی حمایت میں جتنے دلائل پیش کئے ہیں میری ناچیز رائے میں مسلم لیگ اس کی اہل نہیں۔ میں مانتا ہوں کہ اس وقت مسلم لیگ کے ساتھ سواد اعظم ہے بعینہٖ اسی طرح جس طرح امام امت حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف مسلمانوں کی اکثریت یزید کے ساتھ تھی۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب سواد اعظم کا ہر حکم مسلمانوں کیلئے واجب التعمیل ہے تو نعوذ باللہ حضرت امام حسینؓ صاحب نے اس حکم سے کیوں سرتابی کی۔

اسلامی شریعت میں جماعت کی تشکیل کس نہج پر ہونی چاہیئے آپ نے اپنے بیان میں اس کی تصریح نہیں فرمائی۔ قرآن مجید "حبل اللہ"[1] کے متعلق جو آیت نازل ہوئی تو کیا وہ مسلم لیگ پر صادق آتی ہے جبکہ قائد اعظم محمد علی جناح اور مسلم لیگ ہائی کمان کے اکثر ارکان شعائر اسلامی کی علی الاعلان بے حرمتی کرتے ہیں۔ کیا اسلامی جماعت کا قائد کسی فاسق و فاجر کو بنایا جا سکتا ہے جبکہ سواد اعظم بھی مصر ہو کہ ہمارا قائد اعظم مسٹر جناح ہی ہے۔ کیا ہندوستان میں ہزاروں علماء اور نائبین رسول کے ہوتے ہوئے مسٹر جناح مسلمانوں کے قائد اعظم ہو سکتے ہیں۔

---

[1] قرآن کریم میں حبل اللہ کے لفظ اس آیت میں ہیں وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا۔ یہ آیت مدینے کے اوس و خزرج کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جو مشرف باسلام ہونے کے بعد ایک کافر کے اکسانے اور پرانی باہمی جنگیں یاد دلانے پر قریب تھے کہ خونریزی میں مصروف ہو جائیں۔ تلواریں میان سے باہر نکل چکی تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ یہ آیت اسی موقع پر نازل ہوئی۔ ان دونوں قبیلوں میں پچاس سال جنگ رہی لیکن اسلام کی برکت سے مسلمان ہو کر دونوں شیر و شکر ہو گئے تھے اب پھر اللہ نے پر تیار ہو جانے پر نادم ہوئے اور شیطان کے اس دانہ ڈالنے پر جنگ کے لئے آمادہ ہو جانے پر شرمندہ ہو کر توبہ کی۔ حبل اللہ یعنی اللہ کی رسی کو پکڑ لو سے مراد قرآن کریم ہے اسکی پیروی و عمل بناؤ تاکہ ایسی جنگ کی نوبت نہ آئے۔ انوار

برائے مہربانی ان تمام سوالوں کے جوابات براہ راست میرے پاس روانہ فرمائیں یا بمبئی کے روزناموں میں شائع فرمائیں۔

آخر میں میں آپ سے معافی چاہتا ہوں کہ مجھ جیسا گناہگار انسان آپ جیسے جید عالم سے اس قسم کے سوالات کرنے کی جرأت کر رہا ہے۔ اس قسم کے سوالات کرتے وقت میرے سامنے حضرت عمر فاروق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا اسوۂ حسنہ ہے کہ ایک معمولی بدو خلیفۂ وقت حضرت عمرؓ فاروق سے بھری مجلس میں سوالات کرتا ہے اور حضرت فاروق اعظم نہایت نرمی سے اسکا جواب دیتے ہیں، اسی طرح آج بھی ہر مسلمان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ محمد علی جناح اور مسلم لیگ ہائی کمان سے باز پرس کرے۔ فقط

شورش مالیگانوی

رسولپورہ مالیگاؤں (ضلع ناسک) (بمبئی)

۲۔ دوسرا مکتوب علامہ عثمانیؒ بجواب شورش صاحب مالیگانوی

از دیوبند۔ ۶ر ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ

(مطابق ۱۲ر نومبر ۱۹۴۵ء)

برادر مکرم۔ بعد سلام مسنون آنکہ

میں نے اپنے مضمون میں سواد اعظم سے کوئی بحث نہیں کی اس لئے اس کی جوابدہی کی مجھے ضرورت نہیں۔ آیت "حبل اللہ" سے مراد قرآن مجید لیا ہے۔ مسٹر محمد علی جناح اور دوسرے اکابر لیگ برابر اعلان کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کی نجات اسی میں ہے کہ قرآن کریم کی ہدایات و تعلیمات کا اتباع کریں اگر ان کا عمل اس کے خلاف ہے تو فسق ہوگا۔ ہم جیسے کتنے ہی علماء ہیں جو دوسروں کو شب و روز نصیحت کرتے ہیں مگر عملدرآمد بہت سی چیزوں میں اس کے موافق نہیں۔ حافظ شیرازی نے اسی کا شکوہ کیا تھا۔

"واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند"[2]

مقصد یہ ہے کہ محض بدعملی سے کوئی شخص کافر نہیں ہو جاتا۔ باقی ارکان اسلام اور شعائر اللہ کی علی الاعلان بے حرمتی مجھے معلوم نہیں۔ اس کی تفصیل آپ نے کچھ نہیں کی تاکہ غور کی جاتی۔

سیاسیات حاضرہ مسٹر جناح کی قیادت

بلاشبہ ہندوستان میں بڑے بڑے علماء دین اور نائبین رسول موجود ہیں لیکن آج دنیا میں جو سیاسی داؤ پیچ چل

---

[2] دوسرا مصرع یہ ہے "چوں بخلوت می روند آں کار دیگر می کنند"۔ انوار

اور عصری سیاست جس دور رس اصول مکر و کید پر مبنی ہے اس کی مہارت ہمارے بہت سے علما کو حاصل نہیں بلکہ اس کا سمجھنا بھی دشوار ہے اس لئے اس کا توڑ بھی مشکل ہوتا ہے۔ فرض کیجئے ایک بڑے سے بڑا زبردست عالم باوجود اپنے عظیم علم و تقویٰ کے ٹینک یا ہوائی جہاز کا استعمال کرنا نہیں جانتا تو اگر ایسے شخص سے یہ کام لیا جائے جو اس سے واقف ہو گو علم دین کا ماہر نہ ہو تو اس میں علماء کی کچھ تنقیص نہیں۔

آپ نے شاید سنا ہوگا کہ غزوۂ قسطنطنیہ کی جو بشارت صحیح بخاری کی حدیث میں آئی ہے اسکا امیر لشکر یزید بن معاویہ تھا اور اس کی کمانڈ میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ متعدد صحابہ کام کر رہے تھے۔ اس غزوے میں حضرت ابو ایوب (انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی وفات ہوئی اور قسطنطنیہ کے پھاٹک کے قریب دفن کئے گئے۔ تو کیا کوئی مسلمان یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ حضرت ابو ایوب جیسے صحابہ اور ہزارہا تابعین کی موجودگی میں یزید سب سے زیادہ افضل تھا۔ پھر اس کی قیادت میں جنگ کرنا کس طرح ان بزرگ ترین افراد نے قبول کیا۔ اور دُور کیوں جائیے خود حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی اور دوسرے اکابر جمعیت العلماء ہند نے ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ میں شریک ہو کر اسی جناح کی صدارت و قیادت میں کس قدر شد و مد سے حصہ لیا اور جس قسم کے بیانات آج اسکے خلاف دئے جا رہے ہیں اس وقت اس کی موافقت میں دیئے۔ حالانکہ یہ سب احوال جو آپ مسٹر جناح اور لیگ والوں کے بیان فرما رہے ہیں اس وقت بھی موجود تھے۔ اب اگر کوئی مسلمان ان کے ساتھ لیگ میں شرکت کرتا ہے تو کیوں مورد اعتراض ہے۔ والسلام۔

شبیر احمد عثمانی از دیوبند

۸ر ذوالحجہ ۱۳۶۴ھ، ۱۰ر نومبر ۱۹۴۵ء

مکتوب حکیم رشید علی صاحب مرادآبادی بنام علامہ عثمانی

مخدومی و مکرمی حضرت مولانا دام مجدکم العالی

السلام علیکم۔ بندہ ناچیز آپ کے متوسلین میں ہے اور جماعت دیوبند سے منسلک ہے مگر موجودہ سیاسی خلفشار میں سخت پریشان ہے۔ خدارا میری مدد کیجئے۔

اس وقت ان لوگوں کی زندگی بہت تلخ ہے جو علماء سے اپنے دامن کو وابستہ رکھتے ہیں۔ مغربی تہذیب والے تمام علماء کے وقار کو بلا کسی تفریق کے مٹانے اور مذہب کو پامال کرنے میں کوئی دریغ نہیں کرتے۔ اگر مولانا حسین احمد صاحب کو ہندوؤں کا زرخرید شیخ الہنود کہنے میں بے باک ہیں تو ان کے سیاسی مسلک کے مخالف بڑے سے بڑے مولوی کو اپنی جیب میں بتانے سے نہیں چوکتے۔ کھلے

لفظوں میں "مولوی کا مذہب غلط یہ گروہ دنیا سے مٹ جانے کے قابل ہے" کا پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔ ایسے نازک دور میں آپ جیسے جید عالم ہمدرد ملت کی بڑی سخت ضرورت ہے کہ ہماری رہنمائی کی جاوے۔ اس لئے کہ بلا تفریق علماء سے نفرت مذہب سے دور ہٹاتی ہے۔ کیا یہ واقعی بات ہے کہ مولانا حسین احمد صاحب اور مفتی کفایت اللہ صاحب جیسے حضرات اپنے ذاتی مفاد کی بناء پر ہندوؤں کے ساتھ ہیں اور انکی اتباع ہمارے لئے کفر بے دینی ہے اور وہ اپنے اسلاف کے مسلک سے ہٹ گئے اور مسٹر محمد علی جناح کی اتباع ہمارے لئے سراسر رحمت ہے اور وہ بالکل صحیح قائد اعظم ہیں اور کسی موقع پر آپ نے قائد اعظم کے حد درجہ ایماندار ہونے کا اظہار فرمایا ہے۔

امید ہے کہ خدا کے واسطے ان خطرات سے جو مجھ کو پریشان کر رہے ہیں اپنی صحیح رہنمائی فرما کر مجھے نجات دلائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کا اجر دے گا۔ فقط جواب کیلئے لفافہ اس خط میں ہے۔

خادم
حکیم رشید علی (بغیر تاریخ)

۳۔ تیسرا مکتوب از علامہ عثمانی بجواب حکیم رشید علی صاحب

برادر مکرم دامت مکارمہم۔ بعد سلام مسنون آنکہ کئی روز ہوئے آپ کا خط ملا۔

علماء کا اقتدار مٹانے کا الزام

بیشک بہت سے انگریزی تعلیم یافتہ جن کو دین کی خبر یا دین سے زیادہ لگاؤ نہیں علماء کے وقار و اقتدار کو پسند نہیں کرتے بلکہ اس کو مٹانے کی سعی میں رہتے ہیں لیکن ان کا یہ حال کچھ ۱۹۴۵ء کے ساتھ خاص نہیں بلکہ سر سید کے زمانے سے چلا آتا ہے اور سیاسی کشمکش بھی بیسیوں برس سے قائم ہے۔ اس کے باوجود آپ کو معلوم ہے کہ حضرت الاستاذ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے مالٹا سے واپسی کے بعد انتہائی شدت مرض کے باوجود علی گڑھ کا سیاسی سفر انہی انگریزی پڑھے ہوئے حضرات کی درخواست پر گوارا فرمایا اور جو خطبہ حضرت کی طرف سے وہاں پڑھا گیا اس میں یہ الفاظ بھی تھے کہ

"اے نونہالان ملت جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کے غمخوار جس سے میری ہڈیاں پگھلی جا رہی ہیں مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اور سکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے اور میرے چند احباب نے ایک قدم علی گڑھ کی طرف بڑھایا"

اس کے بعد ۱۹۳۶ء میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی اور دوسرے بڑے بڑے علماء جمعیت نے پورے زور و شور کے ساتھ مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ میں جو اسی مسٹر محمد علی جناح کی قیادت اور صدارت میں تھی شریک ہو کر لیگ کی انتہائی حمایت شرعی اور سیاسی حیثیت سے فرمائی جبکہ عامہ مسلمین

اسمبلی میں اس قدر تعداد میں شریک بھی نہ تھے۔ اس وقت بھی یہی مغرب زدہ لوگ اپنے اچھے اعمال و خصائل کے ساتھ پیش پیش تھے۔ اس وقت بھی خیال کیا گیا کہ محمد علی جناح آجکل کی سیاست کا ماہر ہے اور انگریز اور ہندو کی چالوں کو خوب سمجھتا ہے۔ اس لئے کسی نے یہ خیال نہ کیا کہ اسکے ہمنوا مغربی تعلیم یافتہ رفقا کے ذاتی حالات اور شخصی افعال سے تعرض کیا جائے اور ساتھ ہی ادھر سے بھی علما کی شان میں اس قسم کی بے ادبی نہیں کی گئی۔ پھر جب علما ادھر سے کٹ کر کانگریس کے بلا شرط و معاہدہ حامی بن گئے تب لیگی لوگوں نے کانگریس کے ساتھ اسکی حمایت میں غلو کرنے والوں کی برائی بھی شروع کر دی۔ جو علما ۱۹۳۷ء والے مسلک پر قائم رہے انکی طرف ان کا روئے سخن نہیں تھا اگر الفاظ میں کبھی عموم تھا تو وہ ایسا ہی ہوگا جیسے آپ نے مغربی تہذیب والوں کو علماء کے وقار کا دشمن بتلایا ہے۔ حالانکہ مغربی تہذیب والے بھی سب ایسے نہیں۔

مسلم قوم کے استقلال و اقتدار کو ایک خطرہ اور اس کا صحیح حل

پھر اصل چیز اس بات کا دیکھنا ہے کہ ایک طرف اگر علما کے وقار کا سوال ہے تو دوسری طرف انگریز اور ہندو کی ملی بھگت سے ہندوستان میں اسلام اور مسلم قوم کے استقلال و اقتدار کو ایک دائمی خطرہ درپیش ہے بالکل اسی طرح کا بلکہ اس سے زائد جو نہرو رپورٹ کے سامنے آنے پر خود ہمارے علماء کو بڑی شدت کے ساتھ محسوس ہوا تھا۔ اب ضرورت یہ تھی کہ مسلم قوم اور اس کے ملی استقلال کو مضبوط اور مامون بنانے کے لئے سب مسلمان بشمول نیشنلسٹ یکزبان ہو کر اس خطرے کے انسداد کی کوشش کرتے اور علماء کو جو شکایات انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں سے ہیں تبلیغ و تفہیم اور جمہور کی اخلاقی طاقت کے ذریعہ انکے ازالہ کی سعی بلیغ عمل میں لاتے۔ اس کا علاج یہ نہ تھا کہ ہم کلمہ گو بھائیوں سے خفا ہو کر کسی دوسری قوم کی گود میں جا بیٹھیں۔ کیا ہم کو انگریز یا ہندو سے یہ توقع ہے کہ اپنی کاریگری کے سوا وہ علماء کی عظمت و احترام کا پاس کرینگے اور ان مغرب زدہ مگراہوں سے زیادہ علماء کے وقار و اقتدار کے قائم کرنے یا بڑھانے کی سعی کرینگے۔ بہرحال میں قواعد شریعت کی روشنی میں حالات حاضرہ پر غور کرنے اور فیما بینی و بین اللہ تعالیٰ سب پہلوؤں پر نظر ڈالنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس وقت صرف مسلم لیگ کے نامزد کردہ امیدوار کو ووٹ دینا چاہئے۔

جمعیۃ العلماء ہند کی حمایت مسلم لیگ

گویا میں آج اسی موقف میں ہوں جہاں مولانا حسین احمد صاحب اور دوسرے اکابر جمعیت ۱۹۳۶ء میں تھے میرے متعدد مضامین اس سلسلے میں اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں ان میں قدرے تفصیل سے کام لیا گیا ہے اگر جی چاہے تو ان کو دیکھ لیجئے۔ آخر میں عرض ہے کہ یہ میری اپنی رائے ہے کسی دوسرے کو اس کا پابند کرنا مقصود نہیں جو شخص جس جانب کو اصلح سمجھے اختیار کرے۔ ہاں میرا مشورہ دریافت کرنے والوں کیلئے

یہی ہے۔ میرے حاشیۂ خیال میں بھی یہ نہیں آسکتا کہ مولانا مدنی اور حضرت مفتی صاحب محض ذاتی مقاصد کی بناء پر ہندوؤں کے ساتھ ہیں۔ یا ان حضرات کا اتباع معاذ اللہ کفر ہے۔ وہ اپنے نزدیک جس چیز کو حق سمجھتے ہیں اسی کے حامی ہیں اور اسی کو اپنے استاد مرحوم کا مسلک سمجھتے ہیں۔ ہاں ضروری نہیں کہ انکی یہ رائے حق و صواب ہو یا دوسرے لوگوں پر ان کی تقلید واجب ہو۔ والسلام

شبیر احمد عثمانی از دیوبند

۷ ذوالحجہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۳ نومبر ۱۹۴۵ء

مکتوب مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی بنام علامہ عثمانی

(نوٹ) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی مشہور مذہبی اور سیاسی پیشوا ہیں۔ دیوبند کے فاضل ہیں۔ بڑے پرجوش مقرر ہیں۔ خلافت، کانگریس، احرار اور جمعیۃ العلماء ہند میں شریک رہے۔ انہیں نظریۂ پاکستان سے اجتہادی اختلاف ہے۔ وہ علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کے شاگرد بھی ہیں۔ لیکن ان کے خط کی طرز تحریر اور مولانا نعمانی کی طرز تحریر میں نمایاں فرق ہے۔ انوار

۸۶

حبیب روڈ۔ لدھیانہ
۱۰ نومبر ۱۹۴۵ء

حضرت استاذ الحکیم علامہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دامت برکاتہم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ جو فتوےٰ[1] ہمارے قتل کے جائز ہیں کے لئے کلکتہ میں تیار کیا گیا اس پر آپ کے دستخط پڑھ کر کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ اس دنیا میں ہر چیز کی امید کرنی چاہئے۔ آپکے ان دستخطوں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حق بات کہنے میں کسی کا لحاظ[2] نہیں ہونا چاہئے۔ امید ہے کہ آپ بخیریت ہونگے۔ والسلام

حبیب الرحمٰن

---

[1] کلکتے میں قتل کے جواز کے فتوے سے اس پیغام کلکتہ کی طرف اشارہ ہے جو علامہ عثمانی نے کل جمعیۃ العلماء ہند کو بھیجا تھا جو گذشتہ اوراق میں گذرا ہے۔ محمد انوار الحسن

[2] یہ بے لحاظی قابل لحاظ ہے۔ شاگرد سے استاد کے لئے غیظ و غضب کے تیور پر حیرت نہیں ہونی چاہئے۔ (مرتب)

(۴) اوپر جواب گذر چکا (یعنی حضرت عثمانی کے نزدیک مسلم لیگ میں شرکت ہی بہتر ہے) (انوار)
(۵) اس وقت مسلم لیگ کی کامیابی سے زیادہ توقع ہے۔
(۶) جدھر آپ کا قلب غور و فکر اور اخلاصِ نیت کے ساتھ حکم کرے۔ میں اپنا خیال عرض کر چکا۔ ظاہر ہے میں خود وہی بتاؤں گا جو خود اچھا سمجھتا ہوں۔ (سبحان اللہ کیں محتاط مشورہ ہے۔ اختیار بھی دیدیا اور اپنا خیال بھی بتا دیا کہ میں مسلم لیگ میں شرکت کو اچھا سمجھتا ہوں۔ انوار) (والسلام)

شبیر احمد عثمانیؒ از دیوبند
(بغیر تاریخ)

مکتوب دوم حکیم رشید علی مراد آبادی بنام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی

مخدومی و محترمی دام مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۱۔ میں اپنے عریضے کے جواب کی یاددہانی کے لئے لکھ رہا تھا کہ حضور کا گرامی نامہ پہنچا جس کا بہت بہت شکریہ مخدومی خداوند جل شانہ کو گواہ بنا کر عرض کرتا ہوں کہ جس طرح ایک شاگرد اپنے استاد سے شبہات بیان کر کے جواب کا متمنی ہوتا ہے میں بھی صرف طلب حق کی خاطر پیشوائے دین سمجھتے ہوئے امید رکھتا ہوں کہ میرے خدشات کا تسلی بخش جواب عنایت فرما دینگے۔ اگرچہ میری نااہلی سے میرا طرز تحریر آپکی شان کے موزوں نہیں ہے مگر آپ کے برگزیدہ اور با خدا انسان ہونے سے اپنی گستاخی کی معافی کا امیدوار ہوں اور تسکین قلب کا متمنی اور دعا کا طالب ہوں۔

۲۔ میں نے اس سلسلے میں ایک تحریر مولانا زکریا صاحب مظاہر علوم سہارنپور کی خدمت میں بھیجی تھی۔ ان کے جواب کی نقل مع اس تحریر کے آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں دونوں کو ملاحظہ فرما کر ان خلجان کو دور فرماویں گے کہ آپ دونوں حضرات ہندوستان کی مایۂ ناز ہستیوں میں سے ہیں اور دونوں کا نگریس سے کنارہ کش۔ وہ لیگ کی تائید کے خلاف اور آپ موافق تو دونوں رائے کی کیا دلیل ہے۔ علاوہ ازیں مندرجہ ذیل سوالات بھی پریشان کن ہیں۔

۱۔ مسلم لیگ کے ۱۹۳۷ء ہی تمام کے تمام گورنمنٹ کے بہت مخالف تھے اور اب سارے کے سارے حتیٰ کہ حکام تک انکی حمایت اور مدد کر رہے ہیں۔ یو-پی کے جس قدر امیدوار اس وقت لیگ کی طرف سے ہیں وہ خالص ٹوڈی ہیں۔ جو کھلتا ہے۔ اور حضرت شیخ (مولانا محمود حسن صاحب) نور اللہ مرقدہ جس درد میں گھل رہے تھے اس درد کے درماں جو اس وقت نظر آرہے تھے وہ ہی فرزند اس طاقت کی حمایت میں سرگرم ہیں کیا ایک فرد بھی ہندوستان کے کسی کونے میں ایسا ہے جو حکومت کا منظورِ نظر ہو اور مسلم لیگ سے باہر ہو یا برسرِ نظر بھی آوے وہ مسلم لیگ کے پاکستان کے حامی۔ اختلاف صرف شخصی اقتدار کا ہے پالیسی کا نہیں۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے اپنے خطبۂ صدارت ۱۹۲۰ء میں اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن انگریز قرار دیکر ترکِ موالات کو فرض قرار دیا مگر آج انگریز کا سایہ ضروری ہے اور اسی خطبے میں اشتراکِ ہنود استخلاص وطن کے لئے جائز اور آج جو اشتراک کرے وہ بے دین اور غدار۔ اور یہی مضمون حضرت انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انکے بعد رہا اور یہی بیان مولانا حسین احمد صاحب کا ہے۔ ۱۹۲۰ء میں جنسے امید تھی وہ دشمن کے ساتھی ہو گئے۔ بڑے دشمن کے خلاف چھوٹے دشمن پر گرفت کرنے والا سرگرم عمل اس وقت کون ہے۔

۲۔ مسلم لیگ کے مسلک کے ماتحت ہمارے علاقے میں خالص ہندو حکومت پر بخوشی رضامندی ہوتی ہے پاکستانی علاقے میں عوام کی حکومت ہوگی جس میں ۴۵ فیصدی غیر مسلم ہونگے اور حکومت کا اقتدار فائق کے قبضے میں۔ حضرت اسمٰعیل شہیدؒ منصب امامت کے صفحہ ۹۶-۹۷ میں اس قسم کی اسلامی حکومت کے خلاف آواز اٹھانے کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ اس حالت میں پاکستان اور غیر پاکستان دونوں برابر ہیں۔ اس کے خلاف دوسری جماعت جو فارمولا پیش کرتی ہے۔ وہ بحوالہ نقل اخبار مدینہ منسلکہ تحریر میں ہے ملاحظہ فرماویں۔

۳۔ یہ تمام دشواریاں برداشت کی جا سکتی ہیں حضرت مفتیؒ صاحب اور مولانا حسین احمدؒ صاحب اور فتوائے دارالعلوم دیوبند کے ہوتے ہوئے آپ کے فرمان کے مطابق ووٹ لیگ کو دیا جا سکتا ہے۔ اگر صرف اس قدر ہماری دلجمعی ہو جائے کہ کم از کم آپ کی رائے کو قانون ساز مجلس میں شرعی نقطۂ نظر سے پورا دخل ہو گا کیا اس قسم کا آپ سے آپ کی تائید سے پیشتر مسٹر محمد علی جناح نے کوئی وعدہ کر لیا ہے اور انکا یہ وعدہ مولوی مدنی کے ساتھ جیسا وعدہ تو نہیں ہے۔

ان خدشات کا جواب آپ کے مضامین اخبار میں نہ پاتے ہوئے تکلیف دے رہا ہوں اور آپ کی ذات سے قوی امید رکھتا ہوں کہ جلد جواب عنایت فرما کر مشکور فرماویں۔ خادم

حکیم رشید علی محلہ کسرول مراد آباد
۱۰ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۶ نومبر ۱۹۴۵ء
بروز جمعہ

(۶) چھٹا مکتوب علامہ عثمانی بجواب مکتوب دوم حکیم رشید علی

السلام علیکم

۱۔ مگر اس خط کی طرز تحریر اور اسپرٹ وہ نہیں جو پہلے خط کی تھی ہر ایک پڑھنے والا اسکا اندازہ کر سکتا ہے۔ (دیکھ غضب کا لب و لہجہ ہے۔ مرتب)

ع۲۔ مولانا (محمد زکریا صاحب) کے خط میں دلائل کی بجائے محض ایک رسالے کا حوالہ دیا ہے۔ دلائل سامنے ہوں تو ترجیح کی بحث ہو۔ میرے متعدد مضامین اس سلسلے میں چھپ چکے ہیں ان میں بہت سے شبہات کا جواب موجود ہے۔

جو حالت مسلم لیگ کی آج ہے وہی اسوقت بھی تھی جبکہ ۱۹۳۷ء میں جمعیۃ علمائے دہلی نے اسکی تائید اور حمایت پرزور طور پر کی تھی!

ع۳۔ جنکو آج گورنمنٹ پرست کہا جاتا ہے اور وہی اکابر لیگ سمجھے جاتے ہیں انہی کی قیادت و سیادت اس وقت بھی مسٹر جناح، نواب اسمٰعیل خاں صاحب، راجہ محمود آباد، چودھری خلیق الزمان اور سر ظفر اللہ خاں قادیانی سب اس میں شریک تھے ان میں سے اکثر آج اس کے قائد ہیں بلکہ بڑے بڑے کانگریسی رہنما بھی ادھر سے ٹوٹ کر لیگ میں آچکے ہیں اور عامۂ مسلمین کی جو تعداد آج اس میں شریک ہے ۱۹۳۷ء میں اس کا عشر عشیر بھی شریک نہ تھے۔ پھر جب مولانا حسین احمد صاحب اور مفتی صاحب وغیرہ اکابر علماء اس میں شریک ہوئے اور اسی کی کمانڈ میں الیکشن لڑایا اس کے ایک ماہ بعد ہی وہ سب جو حکومت کے مخالف تھے حکومت پرست بن گئے اور اگر بالفرض ایسا ہوا تو عوام مسلمین کی طاقت نیز افہام و تفہیم سے انکو راہ راست پر لانے یا علیحدہ کرنے کی کوشش کیوں نہ کی۔ عوام تو بہرحال علماء کے ساتھ تھے ان کو لاکھوں کی تعداد میں ۲/ (دو آنے) والا ممبر بنا کر اپنی کثرت سے حسب آئین ان کو مجبور کرتے کہ وہ سیدھے چلیں یا علیحدہ ہو جائیں آخر کانگریس سے وہ کیا امید رکھتے ہیں کہ مٹھی بھر مسلمان تمام غیر مسلم عناصر کو مسلم مفاد کے حق میں سیدھا رکھ سکیں گے وار دھا سکیم کی مذمت تمام مسلم جماعتوں نے بالاجماع کی آج تک کانگریس سے اس کی تنسیخ نہ کرا سکے۔

حکومت کے ساتھ ساز باز مسلم لیگ کا ہے یا کانگریس کا

ع۴۔ کیا اس کا ثبوت دے سکتے ہیں۔ کسی ایک آدھ مقام کا جزئی ذکر نہیں دوسرے لوگ یہ کہتے ہیں کہ حکام اس وقت ہندوؤں کی مدد پر ہیں جب آپ اس کا ثبوت پیش کرینگے کہ عموماً حکام یا حکومت لیگ کی مدد کررہی ہے تو اس کے مخالف دعویٰ رکھنے والے بھی ایسا ثبوت پیش کرنے سے قاصر نہ رہیں گے۔

ع۵۔ ٹوڈی کی تعریف کیا ہے؟ اس تعریف کے مطابق آپ اس کا ثبوت پیش کیجئے کہ سب امیدواران لیگ ٹوڈی ہیں۔ یہ بھی یاد رکھئے کہ لیگ کی حمایت کرنے کا ان کی طرف سے ایک باعث یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پچھلے ڈھائی سالہ عہد وزارت میں ہندوؤں نے جو مظالم خفیہ مسلمانوں پر کئے وہ ناقابل برداشت تھے اور ہندو اس وقت عریاں ہو کر اپنی اصلی ذہنیت کا مظاہرہ کرنے لگے نیز یہ بالکل واضح ہو چکا کہ ہندو قوم یہ چاہتی ہے کہ ملک کو پوری آزادی ملے یا نہ ملے لیکن مسلمانوں کے گلے سے اکثریت کی غلامی کا طوق کبھی اور کسی جگہ نہ نکلنے پائے۔ اس لئے ان لوگوں نے مسلم لیگ میں شامل ہونا پسند کیا۔

آج شیخ الہند زندہ ہوتے تو مسلم لیگ کی حمایت کرتے

ع۶۔ معلوم ہوا کہ اگر صحیح سیاسی مصلحت کے لئے ان مغربی تہذیب والوں کے ساتھ مل کر کام کیا جائے تو بقول آپ کے علماء کے وقار و اقتدار کے دشمن ہیں تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ لیگ کے حامی یہ کہتے ہیں کہ اب وہ درد جس سے شیخ الہند بے چین تھے دگنا ہو گیا ہے۔ پہلا درد تو جوں کا توں رہا اور نیا درد مسلمان کے پہلو میں ہمسایہ قوم کی طرف سے اٹھا ہے جو چاہتی ہے کہ انگریزی کی اتالیقی اور نگرانی میں مسلمانوں کو دائمی انگریز کے ساتھ اپنی اکثریت کا غلام بنائے رکھے۔

شملہ[1] کانفرنس کے بعد یہ چیز بالکل نمایاں ہو چکی ہے۔ اب اگر حضرت شیخ زندہ ہوتے تو پہلے سے زیادہ ان مسلمانوں کا تعاون حاصل کرتے جو بقول آپ کے علماء کے اقتدار کے دشمن ہیں۔

ع۷۔ ایک طرف سے تمام مسلمانوں کی نیتوں پر حملہ کرنا مناسب نہیں۔ پاکستان کی حمایت تو وہ کریگا جو کانگریس اور حکومت دونوں کے نقطۂ نظر سے علیحدہ ہو گا۔ کیا موجودہ وائسرائے بہادر کی کلکتہ اور راولپنڈی والی تقریریں آپ نے نہیں پڑھیں جن میں اسی نقطۂ نظر کی تائید کی گئی ہے جو کانگریس کا ہے یعنی وحدانی حکومت۔

ع۸۔ محض رجماً بالغیب (اٹکل پچو بات) دعویٰ بے دلیل سے کوئی شخص قائل نہیں ہو سکتا۔ تمام ذمہ داران لیگ کی تقریریں اور لیگ کا نصب العین پڑھئے تو اس دعوے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

ع۹۔ ایسے بے دلیل دعوے کرتے چلے جانا ایک حق پسند کے لئے زیبا نہیں۔ استخلاص وطن کی مساعی سب کے نزدیک ضروری ہیں۔ مگر ساتھ ہی مسلم قوم کا استخلاص بھی ضروری ہے۔ لیگ کہتی ہے کہ کانگریس آج پاکستان کا منصفانہ مطالبہ تسلیم کرلے پھر کل ہی آپس میں معاہدہ کر کے استخلاص وطن کے لئے مل کر جنگ کریں اس میں مسلمان کسی سے پیچھے نہ رہیں گے۔

---

[1] شملہ کانفرنس مارچ ۱۹۴۵ء میں لارڈ ویول گورنر جنرل ہند کی صدارت میں ہوئی، ہندوستانیوں کو یہ موقع ملا کہ ہندوستان کے لئے آئین بنایا جائے جس میں سب ہندوستانی ممبر ہونگے مسلمانوں اور ہندوؤں کی تعداد برابر ہو۔ اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوا کہ مسلمان ممبروں میں صرف مسلم لیگی ممبر ہونگے یا کانگریس کی طرف سے بھی کسی مسلمان ممبر کو نمائندگی ملنی چاہئے مسٹر جناح نے کہا کہ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت صرف لیگ ہے لہذا غیر لیگی کانگریسی مسلمان کو نمائندگی کا حق حاصل نہیں۔ اگر کانگریس کے خیال کے مطابق کوئی مسلمان کانگریسی ممبر کو نمائندگی دیجاتی تو وہ کانگریس کا آدمی انکی سی بات کرتا بجائے مسلمانوں کی نمائندگی نہ کرتا۔ چنانچہ قائد اعظم نے غیر لیگی مسلمان ممبری کا کانگریسی شرط کو تسلیم نہیں کیا۔ اگر وہ مان لیتے تو کانگریس کی کامیابی ہوتی اور مسلمان ناکام ہو جاتے حکومت برطانیہ پنجاب سے یونینسٹ پارٹی کے خضر حیات کو لینا چاہتی تھی کہ انہوں نے جنگ ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۵ء تک میں انگریزوں کی بڑی مدد کی تھی لیکن مسٹر جناح نے خضر حیات کو بھی منظور نہیں کیا۔ اس میں بھی مسلمانوں کے حقوق کا تلف ہوتا۔ انوار الحسن

۱۰۔ جواب ۹ سے واضح ہو گا کہ ہندو کی طرح مسلمان قوم بھی اپنا ایک آزاد مرکز چاہتی ہے۔ اسی کے ساتھ وطن کی آزادی میں پورا تعاون کرنے بلکہ آگے بڑھنے کے لئے تیار ہے اس طرح حامیان لیگ دونوں دشمنوں سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ایک کو نکال کر دوسرے کی یا بیک وقت دونوں کی دائمی غلامی میں رہنا نہیں چاہتی۔

۱۱۔ کیا مولانا شہید اسے پسند کرتے ہیں کہ تمام ہندوستان کی مخلوط مرکزی حکومت میں ۴۵ (پینتالیس) فیصدی نہیں بلکہ غیر مسلم چالیس میں سے تیس ہوں۔

۱۲۔ اس کا مفصل جواب اور جمعیۃ کے فارمولا پر بحث میرے تازہ مضمون میں جو ابھی چند روز ہوئے منشور وغیرہ میں چھپا ہے ملاحظہ کر لیا جائے۔

۱۳۔ تمام ذمہ داران لیگ کے بہت سے اعلانات اس بارے میں ہو چکے ہیں کہ ہمارا پروگرام قرآن کریم ہے اور خالص شرعی معاملات میں سنیوں کے علماء اور شیعوں کے مجتہدین کا فیصلہ مقدم رکھا جائیگا۔

میں اپنی ذاتی رائے کا پابند کسی کو نہیں کر سکتا اگر وعدہ خلافی کرینگے تو کانگریس سے کون عہود و مواعید کی پابندی کرا سکتا ہے۔ اس سے کچھ زیادہ ہم مسلمانوں کے وعدوں کا اعتبار کر سکتے ہیں پھر مولانا سے کیا وعدے کئے تھے جنکی خلاف ورزی کی گئی۔ اب اگر کانگریس اپنے وعدوں کی خلاف ورزی کرے تو وہاں کیا کرینگے۔

از راہ کرم میرے سب مضامین مطبوعہ کہیں سے حاصل کر کے مطالعہ فرمالیں ورنہ اتنا وقت میرے پاس نہیں کہ ایسے لمبے لمبے خطوط کا ہر ایک کو جواب علیحدہ علیحدہ لکھ کر بھیجا کروں اور اس کی نقول رکھوں۔ (والسلام)

(شبیر احمد عثمانی)
از دیوبند

۱۶ ذوالحجہ ۱۳۶۴ھ (۲۲ نومبر ۱۹۴۵ء)

مکتوب مولانا عبدالحنان صاحب مظاہری بنام علامہ عثمانی

محترم المقام جناب مولانا صاحب زاد مجدہ

السلام علیکم۔ اخبارات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب والا مسلم لیگ کی حمایت کر رہے ہیں اور لیگ میں مسلمانوں کی شرکت کو سفینۂ نجات اور پاکستان کو اقرب الی الشریعت متصور فرماتے ہیں۔ مجھے کسی طرح یقین نہیں آتا کہ جناب والا جیسا متبحر عالم ایسا بیان شائع کریگا۔ میرا خیال ہے کہ لیگ والے اپنے پروپیگنڈے کے لئے بالکل فرضی بیانات جناب کی طرف منسوب کر کے اخبارات میں شائع کرتے رہتے ہیں۔ چند دیندار مسلمانوں کی رائے ہوئی کہ جناب والا سے براہ راست خط و کتابت کی جائے

تاکہ جناب کے خیالات صحیح طور پر معلوم ہو سکیں۔

جناب کو معلوم ہو گا یہ مسلم لیگ وہی ہے جس کے صدر مسٹر محمد علی جناح نے کلکتہ کے ایک عظیم الشان جلسے میں فخریہ طور پر فرمایا تھا کہ میں نے اس ناپاک جماعت کے وقار کو ختم کر دیا جو اپنے آپ کو علما کہتی ہے۔ جناح صاحب کی یہ تقریر لیگی اخبارات میں شائع ہو چکی ہے۔ جناب اس سے ضرور واقف ہونگے۔ یہ مسلم لیگ وہی ہے جس کے مشہور و معروف رہنما نواب محمد اسمٰعیل خاں لیڈر مسلم لیگ پارٹی یو۔پی نے شریعت بل کی مخالفت کی اور نائب امیر شریعت صوبہ بہار حضرت مولانا محمد سجاد صاحب مرحوم سے فرمایا تھا کہ کیا آپ شریعت بل پاس کر کے ہم لوگوں کو مسجد کی چٹائی توڑنے والے ملاؤں کا محتاج بنانا چاہتے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ہماری جماعت آپ لوگوں کو ایسا موقع نہیں دے سکتی۔ کیا ان مصدقہ واقعات کے ہوتے ہوئے کوئی غیرت مند عالم مسلم لیگ میں شامل ہو سکتا ہے یا اس کی حمایت کر سکتا ہے۔

پاکستان کی تشریح مسٹر جناح اور نواب زادہ لیاقت علی خاں کے بیانات کے مطابق یہ ہے کہ مسلم اکثریت کے صوبہ پنجاب، سرحد، سندھ، بلوچستان کی حیثیت ایک ریاست کی ہوگی اور اس میں موجودہ طرز کی جمہوری حکومت ہوگی۔ ہندو اور مسلم دونوں کو تناسب آبادی کے اعتبار سے میونسپل بورڈ، ڈسٹرکٹ بورڈ نیز اسمبلی وغیرہ میں ممبری نیز ملازمتیں ملیں گی۔ اس صورت میں مسلمانوں کی مجموعی تعداد ۶۵ فیصدی ہوگی اور ہندوؤں کی ۳۵ فیصدی۔ برخلاف اس کے بہار، یو۔پی، سی۔پی، بمبئی، اڑیسہ، آسام میں مسلمانوں کی مجموعی تعداد ۷ یا ۸ فیصدی ہوگی۔ بین الاقوامی جمہوری قانون کی بنا پر مسلم پاکستان، ہندوؤں کو راضی کرنے کے لئے مجبور ہے۔ بغیر ان کو رضامند کئے ہوئے وہ حکومت نہیں کر سکتے کیوں کہ انکی تعداد وہاں ۳۰ فیصدی سے زائد ہوگی برخلاف اس کے ہندو ہندوستان میں مسلمانوں کو راضی کرنے کے لئے مجبور نہیں ہے کیونکہ اتنی غیر موثر اقلیت کی رضامندی کے بغیر حکومت چلائی جا سکتی ہے اس وقت جبکہ صوبہ یو۔پی میں ۲۵ فیصدی ملازمتیں گورنمنٹ کے تمام محکموں میں مسلمانوں کو مل رہی ہیں تو مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہو رہی ہے جب صرف ۲ فیصدی ملازمتیں ملیں گی تو کیا حالت ہوگی کیا یہ صورت مسلمانوں کے لئے نقصان دہ نہیں ہے۔ کیا ایسی صورت میں پاکستان کو اقرب الی الشریعت کہا جا سکتا ہے۔

بعض مخلص مسلمانوں کا یہ فارمولا کہ مرکز ایک ہو لیکن ممبران ۴۵ فیصدی ہندو ۴۵ فیصدی مسلمان ۱۰ فیصدی اچھوت وغیرہ ہوں اور کوئی تجویز ایسی پیش نہ ہو جو کسی کی تہذیب اور مذہب کے خلاف ہو اور جب تک ۲/۳ مسلم ممبر اس کی حمایت نہ کریں اس پر بحث نہ ہو سکے کیا آپ کے

نزدیک یہ فارمولا سفینۂ نجات نہیں بن سکتا۔

مہربانی فرماکر جواب سے جلد مطلع فرمایئے۔ مسلمانانِ گورکھپور جواب کے لئے بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں۔ والسلام

عبدالحنان مظاہری

محلہ قاضی پور شہر گورکھپور

۷۔ ساتواں مکتوب علامہ عثمانیؒ بنام مولانا عبدالحنان صاحب مظاہری (فاضل مظاہر العلوم سہارنپور)

۱۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

۲۔ وہ بیانات میرے ہیں محض پروپیگنڈا نہیں۔ البتہ الفاظ میں کچھ اختصار ہوگیا ہے اصل الفاظ یہ ہیں کہ (اس وقت مسلم لیگ کو مسلمانوں کے قومی و سیاسی استقلال کے لئے سفینۂ نجات تصور کرتا ہوں)

۳۔ اس کی تشریح بھی بعد میں لیگ والوں کی طرف سے ہوچکی ہے کہ اس سے تمام مراد نہیں خاص قسم کے علماء مراد ہیں۔

۴۔ جی واقف ہوں۔ مگر اس کا علاج یہ تھا کہ علمائے جمہور کی طاقت لیکر لیگ میں شامل ہوتے اور اپنا اقتدار منواتے اور عوام کی طاقت سے ایسے لوگوں کو ان عہدوں سے ہٹا کر خود لیگ پر قبضہ کرتے۔ نہ یہ کہ اسلامی مفاد کو پس پشت ڈال کر کفار کو اپنا بطانہ (رازدار دوست) بنالیں۔

۵۔ یہ تقریر میں نے نہیں پڑھی۔ اگر صحیح ہو تو اس کا جواب وہی ہے جو نمبر ۴ میں گذرا۔ اور اب انہی صاحب کی وہ اپیل پڑھئے جو منشور مورخہ ۱۱ر نومبر ۱۹۴۵ء میں شائع ہوئی ہے۔ نیز وہ پیغام جو جمعیۃ العلماء اسلام کلکتہ کو انہوں نے بھیجا ہے اور مسلم لیگ کے دستور اساسی کی ابتدائی دفعات بھی ملاحظہ کر لیجئے۔

۶۔ نواب زادہ کی اس تقریر کا کٹنگ میرے پاس بھیج دیجئے۔ پھر یہ شخصی رائے ہے مسلم لیگ کا پاس کیا ہوا ریزولیوشن نہیں۔ اصل چیز دیکھنے کی یہ ہے کہ تمام پاکستانی صوبہ جات کا ایک مستقل مرکز ہوگا جو پورے پاکستان کا دستور بنائے گا۔ اسی دستور اساسی کے تحت صوبے کام کریں گے اس مرکز میں پاکستان کی مجموعی تعداد کے اعتبار سے یہ نسبت نہیں رہے گی، وہاں تقریباً سات اور ڈھائی کا تناسب ہوگا۔

اقرب الی الشریعۃ اس لئے کہا گیا ہے کہ پاکستان کی بنا جغرافیائی تقسیم پر نہیں بلکہ مسلمانوں کو ایک مستقل قوم تسلیم کر لینے پر ہے۔ وہ من حیث القوم دوسری قوم سے مساویانہ معاہدات کرے گی

اور دونوں قومیں انہی معاہدات کے تحت اپنے اپنے ہاں انتظامات کرنے پر مجبور ہونگی۔ دو قوموں کے معاہدات میں عدد کی قلت و کثرت کا اعتبار نہیں ہوتا۔ پھر پاکستان کے متصل ایسے ملک ہیں جن سے آزاد پاکستان معاہدات کرکے زیادہ سے زیادہ قوت حاصل کرسکتا ہے۔

۷۔ اس کا جواب میرے اس مضمون میں موجود ہے جو منشور (اخبار) ۱۲ر نومبر ۱۹۴۵ء میں چھپا ہے۔ (جو سب سے پہلے مکتوب بنام سعید الدین صاحب بہاری میں موجود ہے)

شبیر احمد عثمانی

۱۷ر ذوالحجہ ۱۳۶۴ھ ۲۳ر نومبر ۱۹۴۵ء

مکتوب مولوی احمد اسمٰعیل صاحب صالح جی صاحب بوڈھان سائن ضلع سورت بنام علامہ عثمانی

۱۸ر نومبر ۱۹۴۵ء

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

محترم المقام زید مجدکم۔ مزاج شریف۔ بعد تحیۃ مسنونہ حضرت اقدس میں گذارش اینکہ۔ اس موجودہ دور میں ہندوستانی مسلمان جس سیاسی کشمکش میں گھرے ہوئے اور وہ ہر اس حباب کو پکڑنے کی کوشش کرتا ہے جو اس کو نظر آتے ہیں۔ ایسی حالت میں ایک سنجیدہ مسلمان اور راہ حق کے متلاشی کو کیا کرنا چاہئے اس کے متعلق حضور والا سے چند استفسار بطور آگاہی حقیقت حال اور یافتن راہ حق دریافت کرنے کی جرأت کرتا ہوں حضور والا کی ذات گرامی سے امید قوی ہے کہ گم گشتہ راہ کو حق کی راہنمائی فرمائیں گے۔

استفسارات

کیا حضور والا نے کوئی بیان بنام جمعیۃ العلماء اسلام کلکتہ ارسال فرمایا ہے اور آیا اس میں اس قسم کا مضمون بھی سپرد قلم کیا ہے کہ جمعیۃ علماء ہند کا وہ نصب العین جس کا وہ اظہار کرتی رہتا ہے وہ کوئی نیا نصب العین نہیں تھا اور نیز اس کی تاریخی قربانیاں بھی اوراق تاریخ میں ایک نمایاں نشان رکھتی ہیں مگر آج اس پر جو کچھ شکوک و شبہات کئے جارہے ہیں وہ اسکی پچھلی چند سالہ روایات کی بنا پر ہے۔ اب گذارش حضرت والا سے ہے کہ کیا اس قسم کا بیان آپ نے جاری فرمایا ہے۔ اگر ہے تو پھر دریافت طلب امور یہ ہیں کہ کیا اس کی پالیسی میں یا اس کے نصب العین و دستور اساسی میں کسی قسم کی ترمیم و تنسیخ ہوئی ہے۔

آیا حضرت مولانا حسین احمد صاحب یا حضرت مفتی صاحب (مفتی کفایت اللہ) یا مولانا احمد سعید صاحب وغیرہم کی اس پالیسی میں جو حضرت شیخ الہند قدس سرہ العزیز کی موجودگی میں تھی اس میں رد و بدل ہوا ہے۔

حضور والا آج جس پاکستانی سکیم کو ہمارے سامنے کبھی اسلامی حکومت کی شکل میں اور کبھی جمہوری حکومت کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے آیا وہ مسلمانان ہند کے لئے شرعی اور جغرافیائی حیثیت سے مفید ہے یا مضر۔

اگر یہ مضر ہے تو پھر اس مضمون کا کیا جو اسی مذکور الصدر بیان میں موجود ہے کہ پاکستان کے بغیر اسلامی ہند کی آزادی ممکن نہیں اور ہندوستان کا علاج بھی پاکستان ہی ہے۔

حضرت محترم مسلمانوں کی سیاسی و مذہبی رہنمائی وہ شخص کر سکتا ہے یا مسلمانوں کا لیڈر وہ شخص بن سکتا ہے جو اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ اور اتباع شریعت میں کوسوں پیچھے دور ہو۔ یا وہ شخص جو متبع شریعت اور اسلامی روایات اور اصول کا پابند اور آشنا ہو۔ اگر یہ ثانی الذکر ہو سکتا ہے تو پھر ہم اس چیز کے دریافت کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں کہ مسلمانوں کا رہنما اور لیڈر مسٹر جناح بن سکتے ہیں یا مولانا حسین احمد صاحب۔

امید ہے کہ حضرت والا جواب باصواب سے جلد از جلد نوازتے ہوئے شکر گذاری کا موقع عنایت فرمائیں گے اور بہتر ہوگا اسی کاغذ میں جوابات تحریر فرما کر ارسال فرمائیں گے۔

احمد اسماعیل صالح

بوڈھان سائن ضلع سورت

۸۔ آٹھواں مکتوب علامہ عثمانی بنام مولانا احمد اسمعیل صاحب

(نوٹ) کثرت خطوط کے جواب کے باعث اس خط میں آداب والقاب کے بغیر فوراً جوابات دیئے گئے ہیں۔ (مرتب)

جواب ۱:۔ میں نے روایات کا لفظ نہیں لکھا بلکہ طرز عمل لکھا ہے۔

۲۔ نصب العین یا دستور اساسی اور طرز عمل کیا ایک ہی چیز ہیں؟ شیخ الہندؒ کا ہر وہ طرز عمل نہ تھا جو آج کل جمعیۃ العلماء دہلی کا ہے۔

۳۔ میں اپنے مشاہدات کی بناء پر یقین رکھتا ہوں کہ جو طرز عمل آج جمعیۃ علما کا ہے ہرگز حضرت شیخ الہندؒ کا نہ تھا۔ وہ (معاذ اللہ) ہندو اکثریت کی دم کبھی نہیں بنے نہ انکا تابع مہمل بن کر رہے۔ وہ تو غالباً کانگریس کے ۴ر (چار آنے) والے ممبر بھی نہ تھے ان کے آخری پیغام صدارت کو دیکھیے جو وفات سے نو دن پہلے جمعیۃ العلما کے اجلاس دہلی میں پڑھا گیا تھا اس سے دو قوموں کا نظریہ بھی سمجھ میں آجاتے گا۔

۴۔ میرے نزدیک مفید ہے۔

۵۔ یہ الفاظ میرے بیان میں نہیں۔ اصل الفاظ نقل کرنے چاہئیں تب جواب دیا جا سکتا ہے۔

موجودہ سیاسیات میں مسٹر جناح کی قیادت

۶۔ خالص مذہبی حیثیت میں مولانا سے مسٹر جناح کا مقابلہ نہیں کیا جا رہا ہے۔ اصل چیز یہ ہے کہ آجکل دنیا کی سیاست اسلامی سیاست نہیں بلکہ یہ سیاست بہت ہی گہرے اور باریک اصول مکر و کید پر مبنی ہے اس کا توڑ وہ کر سکتا ہے جو پہلے ان آئینی چالوں کو سمجھ لے۔ اس اعتبار سے بکثرت مسلمانوں نے مسٹر جناح کو آگے رکھا ہے کہ وہ انگریز اور اس کے شاگرد ہندو کی چالوں اور ان کے داؤ پیچ کو بخوبی سمجھتا ہے اور ان کا مکر و کید ان ہی کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ اگر یزید کی قیادت میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور دوسرے جلیل القدر صحابہ و تابعین غزوۂ قسطنطنیہ میں کام کر سکتے ہیں تو یہاں کے مسلمان مسٹر جناح کی قیادت میں کیوں یہ سیاسی کام نہیں کر سکتے۔ والسلام

شبیر احمد عثمانی

۱۷ر ذوالحجہ ۱۳۶۴ھ ۲۳ر نومبر ۱۹۴۵ء

مکتوب مولوی عبدالاحد صاحب قاسمی ؒ پورب لین چوک بازار ڈھاکہ بنام علامہ عثمانی

حضرتنا المطاع ازید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج کل سیاسی بحران کے پرفتن دور میں علماء کرام کے معمولی سے معمولی اختلاف کو جو حیثیت دیدی گئی ہے وہ حضرت والا سے یقیناً مخفی نہیں ہے۔

بناءً علیہ قلبی اطمینان کے لئے حسب ذیل امور دریافت طلب ہیں للہ جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع عطا فرمائیں۔

۱۔ کیا مولانا حسین احمد صاحب نے گاندھی کی پالیسی کو جمعیۃ العلماء کا نصب العین بنا لیا؟

۲۔ جمعیۃ علماء اسلام کے نام سے جو جمعیۃ کلکتہ میں قائم ہوئی ہے کیا اس کا مسلک وہی ہے جو حضرت سیدنا الامام شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کا تھا؟

۳۔ کیا حضرت والا مسلم لیگ کے ممبر نہیں؟

۴۔ قومی مدارس اسلامی (جو برطانیہ کی تائید سے مبرا ہیں) کو چھوڑ کر برطانیہ کے ماتحت اداروں میں (جہاں اعلانیہ فسق و فجور کا شیوع طلبہ و اساتذہ میں ہوتا ہے) حدیث پڑھانے پر مقرر ہونا کیا اکابر دیوبند کے نزدیک مستحسن نہیں ہے۔

۵۔ ڈھاکہ کی جمعیت جو چند سال سے جمعیۃ علماء ہند کے ماتحت کام کر رہی ہے اس کے بارے میں از روئے شریعت اسلام حضرت والا کیا فرماتے ہیں کہ وہ جمعیۃ علماء اسلام کلکتہ کے ساتھ متعلق ہو جائے یا پرانی جمعیۃ علماء ہند ہی کے ساتھ تعلق رکھے۔

۶۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب مدظلہ کے بارے میں عام طور پر افواہ ہے کہ وہ حکیم الامت تھانوی کے اب خلیفہ نہیں رہے۔ کیونکہ حضرت نے خلافت چھین لی تھی۔ کیا اس کی کچھ اصلیت ہے؟

یہ چند شبہات تھے جو پیش خدمت کئے گئے۔ آستانۂ عالیہ سے امید ہے جواب سے جلد سرفراز کیا جاؤں۔ والسلام

عبد الاحد

۹ نواں مکتوب علامہ عثمانی بنام مولوی عبد الاحد صاحب

(السلام علیکم۔ بعد سلام مسنون)

۱۔ نصب العین تو نہیں لیکن عملاً اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے اس سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ جمعیۃ بالکل کانگریس کے تابع ہے اور کانگریس کا گاندھی جی کی پالیسی پر چلنا کسی عاقل سے مخفی نہیں۔

۲۔ بنیادی حیثیت سے صحیح مسلک وہی ہے ہاں جو صورت حالات اب ہے اس وقت وہ نہ تھی اس لئے جزماً (یقینی طور پر) دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ آپ اگر زندہ ہوتے تو کیا طریق کار اختیار کرتے۔

۳۔ ہرگز نہیں

۴۔ یہ حالات و مصالح کی رعایت سے حکم لگا سکتے ہیں۔ عام حکم نہیں دیا جا سکتا۔ کسی مفتی سے مفصل فتویٰ منگا لیں۔

۵۔ یہ آپ حضرات کی صوابدید پر ہے۔ سوچ سمجھ کر جو جانب آپ کو اصلح اور مسلمانوں کے لئے انفع معلوم ہو وہ اختیار کیجئے۔

۶۔ مجھے اس کی کوئی تحقیق نہیں۔ حضرت تھانوی کے دوسرے خلفاء وغیرہ سے معلوم کر لیجئے۔

شبیر احمد عثمانی
ذوالحجہ ۱۳۶۴ھ
نومبر ۱۹۴۵ء

مکتوب بشیر الدین احمد صاحب میرٹھ شہر بنام علامہ

محترمی و معظمی قبلہ جناب حضرت مولانا صاحب دام فیوضکم

التماس خدمت یہ ہے کہ جناب کے نام سے میں نے ایک اشتہار پڑھا جو کہ ہمراہ رکھتا ہوں۔ مجھ کو یقین نہیں آیا کہ آپ کی طرف سے یہ اشتہار شائع ہوا ہے۔ یقین کامل حاصل کرنے کے لئے جناب کو تکلیف دے رہا ہوں۔

آپ نے پورے یقین کے ساتھ مسلم لیگ کو ووٹ دینے کی دعوت فرمائی ہے آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں خود ۱۹۴۲ء تک مسلم لیگ میں کام کرتا رہا ہوں اور مجھ کو ان سرداروں نوابوں اور سرمایہ داروں کی حالت کا بہت اچھی طرح تجربہ ہے اور جو ان کا مقصد ہے خوب جانتا ہوں میں اکثر ان کے ہمراہ رہا ہوں اور حالات دیکھتا رہا ہوں۔

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں کانگریسی نہیں ہوں۔ میں مسلم لیگ کے بعد سے مجلس احرار اسلام کا ایک ادنیٰ خادم ہوں جو کہ کسی بھی غیر مسلم کو اپنے میں ملانا اپنا پروگرام نہیں رکھتی اور حکومت الٰہیہ اس کا مقصد ہے جس سے کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا۔ مجلس احرار چاہتی ہے کہ مسلمان ایک پلیٹ فارم پر آ جائیں اور حکومت الٰہیہ کو قائم کریں جس کے بغیر مسلمان زندہ نہیں رہ سکتا۔ خدا کے واسطے جواب سے مستفیض فرمائیں کہ کیا واقعی آپ نے مسلم لیگ کی جانچ پڑتال کی ہے۔ اپنے صحیح خیال سے آگاہ فرمائیں۔ مجھ کو آپ پر پورا پورا اعتبار ہے میں سمجھتا ہوں کہ شاید مجھ کو سمجھنے میں غلطی ہی ہو۔

آپ کے ان بیانات سے [illegible] پڑ گئے ہیں۔ ایک طرف آپ ہیں [illegible] دوسری طرف آپ کے بھائی (مولانا حسین احمد) مدنی صاحب ہیں۔ یہ چیز مسلمانوں میں بہت اختلاف برپا کر رہی ہے۔ سادہ لوح مسلمان کا دماغ پریشان ہے کس کی مانی جائے۔ دونوں عالم اور مولانا۔ جواب جلد عنایت فرمائیں۔

آپ کا ناچیز خادم

احقر بشیر الدین احمد
عقب تحصیل مکان ۱۵۱/۱۵۵
میرٹھ شہر

سوائے قتل کے فتوے سے اور کن الفاظ سے تعبیر کروں یہ کس کی مجال ہے کہ کوئی آپ کو یہ کہے کہ آپکو اپنی رائے کے اظہار کا حق نہیں۔ لیکن آپ انصاف فرمائیں جو شخص کسی سیاسی جماعت[1] میں کوئی کام نہ کر رہا ہو اسے کسی سیاسی رائے دینے کا کیوں حق حاصل ہے۔ آپ یقین فرمائیں کہ آپ نے ہمارے ہی قتل کا فتویٰ نہیں دیا بلکہ آپ نے اپنے اور تمام علما کے خلاف قتل کا فتویٰ دیا ہے۔ زمانہ میری اس بات کی شہادت[2] دے گا اور وقت بتائے گا کہ علما نے جناح کے پیچھے لگ کر اسلام کو کتنا نقصان پہنچایا۔ آپ آج اس جماعت کے ساتھ کھڑے ہیں جو قادیانیوں، تبرائیوں (تبرا کرنے والے شیعہ) اور خدا و مذہب کے منکر کمیونسٹوں کو ہمراہ لے کر اسلام کو سربلند کرنے کے لئے چلی ہے آپ کے بزرگواروں کا فتویٰ تو یہ تھا کہ سر سید احمد کے ساتھ اشتراک عمل بھی جائز نہیں اور ہندوؤں سے مل کر دنیاوی کام چلانے میں کوئی حرج نہیں۔ تقریباً تیس برس کا عرصہ ہوا آپ نے دیوبند میں مجھ سے نصرۃ الابرار کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ "تمہارے بزرگوں نے سر سید احمد اور قادیانیوں کے بارے میں جس رائے کا اظہار فرمایا وہ ان کا کشف صریح تھا اور انہوں نے مسلمانوں کو گمراہی سے بچا لیا۔" رسالہ نصرت الابرار بھیج رہا ہوں اس پر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ کے دستخط ہیں۔ اللہ کی شان ہے سر سید کو کافر کہنے والوں کی روحانی اولاد اسی سر سید کی روحانی اولاد کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی ہے اور اسی کو اسلام اور مسلمانوں کا نجات دہندہ سمجھتی ہے۔

میں اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سہارنپور میں آپ کے اس بیان[3] کا ذکر کر رہے تھے کہ مولانا حفظ الرحمٰن کے آنسو آگئے اور انہوں نے کہا کہ آگے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کے ذریعہ سے ہمارے اور اسلام کے دشمن ہم کو ذبح کرتے تھے۔ اب آپ نے ان کی جگہ لے لی۔ ایک طرف آپ کی عظمت و عزت اور دوسری طرف دشمنان اسلام کے ہاتھوں اپنی اور اسلام کی تباہی دیکھ رہے ہیں اور خاموش بھی نہیں رہ سکتے۔ آخر آپ ہی فرمائیے کہ ہم کیا کریں اور کیا نہ کریں۔

آپ نے لفظ بد لحاظی کا تحریر فرما کر مجھے بہت دکھ پہنچایا۔ میری بد لحاظی کی حقیقت یہ ہے کہ میں نے سہارنپور کے جلسے میں آپ کے اس بیان کا ذکر کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے ہیں کہ:-

"میں علامہ شبیر احمد عثمانی کے جوتوں کو اپنے سر پر باندھنا فخر[4] اور اپنے لئے باعث نجات سمجھتا ہوں"

---

[1] علامہ عثمانی نے حیثیت سیاسیات میں حصہ لیا ہے البتہ سیاست کے پیچھے ڈنڈا لیکر نہیں پڑے۔ مرتب۔ [2] حضرت تھانوی اور مولانا عثمانی دونوں پر یہ اتہام ہے اور ان کے قتل کے مترادف ہے۔ مکالمۃ الصدرین میں اس بات کا مسکت جواب آچکا ہے یہ دونوں حضرات ہندوؤں کی غلامی اور ان کی سیادت کے ہمیشہ منکر رہے ہیں۔ مجھے امید نہیں کہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ایسا کہتے۔ وہ علامہ عثمانی کے مؤدب شاگرد تھے۔ مرتب۔ [3] حقیقت بھی یہی ہے کہ علامہ عثمانی کے جوتوں کو اگر وہ اپنے سر پر باندھتے اور لیگ میں آجاتے تو ان کے لئے یہ امر فخر کے قابل ہوتا اب تو صرف الفاظ ہی کہے جا سکتے ہیں جنکے اندر معنی نہیں ہیں۔ مرتب

آپ نے مجھے جناح خیال فرمالیا ہے کہ میں اپنے سے اختلاف رکھنے والے کو گالی دوں اور ان کی بے عزتی کروں۔ میں نے آج تک اپنی کسی تقریر میں معمولی سے معمولی لیگی کے متعلق سخت باتیں نہیں کہیں چہ جائیکہ آپ جیسی بزرگ ہستی کے متعلق کوئی سخت بات کہوں یا دل میں بھی لاؤں۔

حضرت اقدس غور سے سنئے یہ مسلم لیگی طبقہ کسی بھی عالم کا وقار اور اس کی عزت کو برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ صرف اپنے اقتدار کو بڑھانے کے لئے اور مذہب کو مٹانے کے لئے مذہب کے نام پر آپ حضرات سے کام لے رہا ہے میں نے اعلان کیا تھا کہ اگر مسلم لیگ میں صداقت ہے تو پچاس فیصدی نشستیں علماء کے لئے مخصوص کر دے۔ ہم پنجاب سے احرار اور کانگریس کے ٹکٹ پر چھ مستند علما کو کھڑے کر رہے ہیں اور دو تین دوست مثل علما کے ہیں عالموں کے دینے میں کوئی شرط نہیں لگاتا۔ عالم ہوں خواہ بریلوی ہوں خواہ دیوبندی ہوں کیوں کہ میرے نزدیک ہندوستان کی آزادی اور ہندو مسلمان کے مسئلے کا حل اور مذہب کی حفاظت صرف علما کے ذریعہ ہی ہو سکتی ہے۔ اسمبلیوں کے اندر اور باہر سیاسیات پر قبضہ ہونا چاہیئے۔ جب تک علماء اسمبلیوں میں پچاس فیصدی نہیں ہونگے ہندوستان کا مسئلہ کبھی حل نہیں ہوگا اور یہ پاکستانی مسلمان اسمبلیوں کے ذریعے سے ایسا نصاب تعلیم بنائیں گے جس سے مذہب کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے گا اور اگر علما اسمبلیوں کے اندر موجود ہونگے تو نصاب تعلیم میں مذہب کا خیال رکھا جائے گا۔

حضرت والا کیا یہ حقیقت نہیں کہ جمعیۃ علمائے اسلام کلکتہ کو اس[1] لئے وجود میں لایا گیا کہ وہ جناح کی قیادت اور مسلم لیگ کی واحد نمائندگی کی لوگوں میں تبلیغ کرے نہ کہ علما کی قیادت اور مذہب کی سربلندی کے لئے۔ دوسرے لفظوں میں اس جماعت کا وجود انگریزی[2] اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے عمل میں لایا گیا ہے۔ آپ خود جانتے ہیں ان میں اکثر وہ علماء ہیں جو تحریک خلافت سے لیکر آج تک ہر اسلامی تحریک کی مخالفت کرتے رہے۔ اگر آپ یا علما یہ کہتے کہ ہماری تقلید کرو۔ ہم قربانی اور ایثار کے راستے سے ہندوستان کو آزاد کرائیں گے اور اسلام کو سربلند کر کے دکھائیں گے تاکہ دنیا کو معلوم ہو جاتا کہ ہم صرف مسجدوں کے ملا ہی نہیں ہیں بلکہ ہم قرآن شریف کی تعلیم کے ذریعہ سے دنیا کی سیاسی رہنمائی بھی کر سکتے ہیں اور قرآن کریم کی تعلیم ہی

---

[1] یہ ٹھیک ہے جس طرح کانگریس میں علما کو کانگریس کی تبلیغ کے لئے لیا گیا اسی طرح جمعیۃ العلماء ہند کلکتہ کو مسلم لیگ اور نظریۂ پاکستان کی حمایت کے لئے وجود میں لایا گیا۔ (مرتب) [2] مسلم لیگ کے افراد پر یہ شبہ محض شبہ ہی ہے مسٹر محمد علی جناح ہرگز انگریزوں کا اقتدار باقی رہنے کے خیال کے آدمی نہ تھے۔ سب مسلم لیگ کے اصحاب نے انگریزوں کے خطابات تک واپس کر دیئے تھے (مرتب)

۱۰۔ دسواں مکتوب از علامہ عثمانی بنام بشیر الدین احمد

برادر محترم۔ دامت برکاتہم۔ بعد سلام مسنون آنکہ۔ گرامی نامہ پہنچا۔ آپ نے جو کچھ لیگ والوں کے حالات اپنے تجربہ کی بناء پر معلوم کئے ہیں مجھے ان کی تفصیلات نہ پوری معلوم ہیں اور نہ سر دست یہ چیز اساسی حیثیت رکھتی ہے۔ اس وقت تو ایک اصول کی جنگ ہے اور اسی اصول پر لیگ کانگریس کا مقابلہ کر رہی ہے۔

مسلم لیگ اور کانگریس میں اصولی اختلاف

لیگ کہتی ہے کہ کم از کم ہندوستان کے ایک وسیع علاقے میں مسلم قوم کی آزاد حکومت ہو جسے پاکستان کہا جاتا ہے۔ کانگریس اس اصول کو نہیں مانتی۔ کیونکہ ہندو قوم کا غلبہ ہے اور اس کا فائدہ اس میں ہے کہ ملک کو پوری آزادی ملے یا نہ ملے مگر کسی وقت اور کسی جگہ ہندو اکثریت کا طوق غلامی مسلمانوں کی گردن سے نکلنے نہ دیا جائے۔ مسلمانوں میں اس وقت جو کانگریس کی امدادی اور معاون جماعتیں ہیں وہ انکے ہمنوا ہیں اسی لئے لیگ ان جماعتوں کے مقابلے پر بھی مجبور ہوئی ورنہ اصل مقابلہ ان سے نہ تھا میں نے اور بہت سے دوسرے علماء نے فی الحال جو تائید مسلم لیگ کی کی ہے اس سے مقصود صرف اس اصول کی تائید ہے جسکو ہم قواعد شریعت کے موافق سمجھتے ہیں اور ہمارے نزدیک اس کے خلاف کرنے میں مسلمانوں کا عظیم اور دائمی نقصان نظر آتا ہے۔

حکومت الٰہیہ کا نصب العین اور اسکی تشریح

حکومت الٰہیہ کے نصب العین سے کون مومن انکار کر سکتا ہے۔ اب اگر حکومت الٰہیہ سے مراد خدا کی وہ حکومت لی جائے جو تکوینی طور سے تمام مخلوقات پر اسے خود بخود حاصل ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا:

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يا وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ۔

تو یہ بحث سے خارج ہے اور اگر تشریعی حکومت مراد ہے تو یہ حکومت الٰہیہ ہم سر دست ہندوستان میں کس جگہ قائم کرینگے۔ کیا ہندو مسلم کی مخلوط حکومت میں جہاں ایک اور تین یا چوتھائی کی نسبت ہوگی ظاہر ہے کہ یہ صورت حکومت الٰہیہ کی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ضرورت ہے کہ کوئی وسیع خطہ پہلے ہم ایسا حاصل کر لیں جہاں حکومت الٰہیہ قائم کر سکیں۔ اب اگر پاکستان کا فیصلہ ہو جائے تو وہ ایک جگہ ایسی ہوگی جہاں قانون سازی کی طاقت مسلم اکثریت کے پاس رہے گی۔ لیگ کے موجودہ قائدین بھی بار بار اعلان کر رہے ہیں کہ پاکستان میں حکومت، قرآنی اصول کے مطابق شریعت مطہرہ کی قائم

ہوگی۔ ابھی حال ہی میں بمقام پشاور پھر مسٹر جناح کے اعلان کا اعادہ کیا گیا ہے۔ اگر فرض کیجئے اس وقت یہ لوگ منحرف ہو جائیں تو احمار تمام مسلمانوں کی طاقت ساتھ لے کر ان کو حکومت الٰہیہ قائم کرنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ پھر آئندہ اللہ چاہے تو اس کو اور آگے بڑھایا جا سکتا ہے بہر حال میں یہ سمجھتا ہوں کہ حکومت الٰہیہ کے حصول کیلئے پاکستان ہی زمین تیار کرے گا۔

رہا علماء کا اختلاف یہ رایوں کا اختلاف ہے ہر شخص کو اختیار ہے کہ جس کو وہ اچھا سمجھے اس پر عمل کرے۔ جس طرح ایک مریض شہر کے جس طبیب سے چاہے علاج کرائے۔ ہاں یہ عالم اور حکیم مشورہ اپنی طرف سے وہ ہی دیگا جسے وہ لوگوں کے حق میں مفید اور نافع سمجھے گا۔ والسلام

شبیر احمد عثمانی

۱۸ / ذوالحجہ ۱۳۶۴ھ - ۲۴ / نومبر ۱۹۴۵ء

مکتوب مولانا بہاء الحق صاحب قاسمی امرتسری بنام علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مخدومنا و مولانا المکرم مدظلکم العالی۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

مزاج گرامی۔ آج روزنامہ نوائے وقت لاہور میں آپ کا ایک اعلان نظر سے گذرا جس میں آپ نے مسلمانوں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ مسلم لیگ کو ووٹ دیں۔ اس اعلان میں یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

"مسلم لیگ مسلمانوں کیلئے سفینۂ نجات ہے"

یقین نہیں آتا کہ یہ اعلان آپ ہی کی طرف سے ہو۔ اگر فی الواقع یہ آپ ہی کا اعلان ہے تو میں اس کے متعلق چند گذارشات پیش خدمت کرنے کی جرأت کرتا ہوں امید ہے کہ آپ براہ کرم اولین فرصت میں جواب باصواب سے مجھے سرفراز فرمائیں گے۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ مسلم لیگ کے ممبر کمیونسٹ بنتا ہیں اور کمیونزم کی بنیاد ہی دہریت اور عداوت مذہب پر قائم ہے۔ مرزائی بھی لیگ کے ممبر ہیں اور انکی دونوں پارٹیاں (قادیانی اور لاہوری) الیکشن میں لیگ کو کامیاب بنانے کے لئے سرتوڑ کوشش اور انتہائی جد و جہد کر رہی ہیں۔ بلکہ مرزا محمود قادیانی نے اعلان کر دیا ہے کہ مسلم لیگ کی کامیابی "احمدیت" کی کامیابی ہے۔ ان کے علاوہ آج لیگ کی سیاست پر وہ شیعہ لیڈر چھائے ہوئے ہیں۔ جنہوں نے تبرا ایجی ٹیشن میں تبرائیوں کو ہر طرح امداد دی۔ جس جماعت کی تشکیل اس قسم کے بد دینوں اور مرتدوں سے عمل میں لائی گئی ہو اور اور جو جماعت کمیونسٹوں اور مرزائیوں کو مسلمان ہونے کا سارٹیفکیٹ دیتی ہو اس جماعت کو "سفینۂ نجات" قرار دینا آپ کی ذات گرامی سے بعید معلوم ہوتا ہے۔ از راہ لطف و کرم مطلع

فرمائیے کہ کیا مذکورہ بالا اعلان آپ ہی کا ہے۔ اگر جواب اثبات میں ہو تو براہ کرم اسکی توجیہ بیان فرمائیے اور اگر یہ اعلان آپ کا نہیں ہے تو اخبارات کے ذریعہ اس کی تردید فرمائیے۔ تاکہ اہل علم اور دیندار حلقوں میں اس اعلان سے جو اضطراب پیدا ہو گیا ہے دور ہو جائے۔ والسلام مع الاکرام

منتظر جواب

محمد بہاء الحق قاسمی گھوالی دروازہ

امرتسر

۱۱۔ گیارھواں مکتوب از حضرت علامہ عثمانی بنام مولانا بہاء الحق صاحب قاسمی

خلاصہ مکتوب عثمانی | مسلم لیگ میں بعض بے دینوں کا جمہور مسلمین کے ساتھ شریک ہو جانا اگرچہ غلطی ہے مگر مسلمانوں کے لئے اسکی شرکت اور حمایت سے مانع نہیں اور نہ کھلا کافرین کی شرکت سے مسلم لیگ کی حمایت کرنے والے علماء پر کوئی الزام ہو سکتا ہے کانگریس میں اگر بعض بے دین شریک ہیں تو کیا کانگریس اس سے بری ہے۔ اس کا حل بکثرت علماء کا لیگ میں شامل ہو کر غلبہ ہے۔

کرم فرمائے محترم دامت برکاتہم

بعد سلام مسنون آنکہ گرامی نامہ صادر ہوا مضمون پڑھا۔ نوائے وقت تو میرے پاس نہیں مگر اس قسم کا ایک اعلان کسی کے استفسار پر نکالا ہے جس کے اصل الفاظ اصل مقصد کے بیان کے بعد یہ ہیں:-

"اس مقصد کے پیش نظر میں مسلم لیگ کو اس وقت مسلمانوں کے قومی و سیاسی استقلال کے لئے سفینۂ نجات تصور کرتا ہوں"

مسلمانوں کے قومی و سیاسی استقلال کی واحد علمبردار اس وقت صرف مسلم لیگ ہے۔ اس مقصد کیلئے اسکو سفینۂ نجات کہنا صحیح ہے

یہ مطلب ہے۔ دریافت کرتا ہوں کہ مسلمانوں میں اس وقت کوئی جماعت بجز مسلم لیگ کے یہ دعویٰ لے کر کھڑی ہوتی ہے کہ الیکشن میں یہاں کے مسلمان ایک جداگانہ اور مستقل قوم ہیں اور ان کو یہاں کی دوسری قوموں سے اپنی پوزیشن میں رہ کر معاملہ طے کرنا ہے۔ کیا اس خاص حیثیت سے مسلم لیگ سفینۂ نجات نہیں۔

اب رہا مسلم لیگ کی تشکیل کا قصہ اس کے متعلق گذارش ہے کہ اس تشکیل میں حصہ دار

نہ تھے کسی نہ کسی طرح تکوینی طور پر یہ تشکیل ہو گئی جس میں بے خبری یا لاپروائی سے بہت سے اہل باطل یا بے دین حتی کہ بعض مرتدین کو اس بناء پر شامل کر لیا گیا کہ وہ اپنے مسلم ہونے کا دعوے رکھتے ہیں۔ لیگ کوئی مذہبی فتوی دینا نہیں کہ کون لوگ فی الواقع مسلمان ہیں کون نہیں۔ ان کے دستور میں صرف یہی ہے کہ جو اپنے آپ کو مسلمان کہے وہ اس کا ممبر ہو سکتا ہے۔ میں ان کے اس عمل کی تصویب نہیں کر رہا ہوں۔ مقصد صرف یہ ہے کہ غلط اور صحیح سے قطع نظر کر کے ایسے لوگوں کو بھی لیگ میں شریک کر لیا گیا اور لاکھوں مسلمانوں کی شرکت پر اب وہ بدوں ہماری ادنیٰ شرکت یا سعی کے ایک مضبوط جماعت بن گئی۔ اندریں صورت ہم تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو اس میں شامل کرنا سخت غلطی اور ایک ناجائز چیز کا ارتکاب کرنا ہے لیکن اصلی بحث یہ ہے کہ ایسی جماعت جس کے نظام میں غالب اکثریت اہل سنت والجماعت مسلمانوں کی ہے مغلوب تعداد شیعوں کی اور نادر الاتفاق کیفیت یا قادیانیوں کی ہے اور دس کروڑ مسلمانوں کے لئے اس کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ ادھر آئینی طور پر اس کے تمام کام کثرت رائے کے اصول پر انجام پاتے ہیں اور اگر کسی شخص کو اختیارات بھی سپرد کر دیئے جاتے ہیں وہ بھی کثرت یا اتفاق رائے سے۔ ایسی جماعت کے ساتھ مل کر کفار حربیین یا [illegible] کافروں کے خواہ انگریز ہوں یا ہندو اور عموم مسلمانوں کے قومی استقلال و آزادی اور نفس کلمۂ اسلام کے اعزاز و اعلاء کی غرض سے کسی نوع کی جنگ کرنا شرعاً کہاں تک درست ہے۔

مسئلہ مذکورہ پر حضرت امام محمد بن حسن کی تصریحات

اللہ تعالیٰ ائمہ کو جزاء اسلام جزاء رحمت دے امام محمد بن الحسن الشیبانی قدس سرہ کو انہوں نے یہ مشکل میں ڈالنے والا مسئلہ بھی صاف کر دیا اور تصریح کر دی کہ اہل حق مسلمان خوارج کے ساتھ ہو کر مشرکین سے لڑیں تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ جنگ دفع فتنۂ کفر اور اظہار اسلام کے لئے ہوگی اور اس میں اعلاء کلمۃ اللہ اور اثبات اصل طریق ہے

(دیکھو شرح السیر الکبیر للسرخسی ص ۲۳۴)

اس سے شیعہ اور دوسرے فرق باطلہ کا قصہ تو صاف ہو گیا۔ کیونکہ کسی فرقے کے متعلق اتنی وارد اور اس قدر کثرت سے نصوص صریحہ موجود نہیں جس قدر خوارج کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ جنکے

لہ اور شیخ الاسلام [illegible] نے اپنی مبسوط [illegible] مقابلہ کفار [illegible] قرار دیا ہے [illegible]

اور حضرت مولانا [illegible] مقابلہ [illegible] دو مقابلہ [illegible] دیا ہے۔ جس کو

حضرت حکیم الامت [illegible]

متعلق یہ ارشاد ہوا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ
"میں نے ان کو پایا تو عاد و ثمود کی طرح ان کو تباہ کر دونگا"

قادیانیوں کی حمایت لیگ اور اسکی حقیقت

اب رہ گیا کلمہ گو مرتدین کا معاملہ انکی تعداد لیگ میں لایعبأ بہ (کسی شمار میں نہیں) ہے جن کے غلبہ کی کوئی صورت نہیں اور خدا نکردہ آئندہ ایسا ہو تو اس وقت جو حکم ہوگا اس پر عمل کیا جائے گا اب الیکشن کے موقعہ پر اگر مرزا محمود وغیرہ نے بدوں لیگ میں شرکت کے لیگ کی تائید کا اعلان کر دیا تو یہ ان کا فعل ہے جو ہمارے لئے مضر نہیں اور لیگ کی کامیابی کو احمدیت کی کامیابی بتلانا اس کا سودائے خام ہے۔

ایک چیز اور بھی ملحوظ خاطر ہے کہ یہ مرتدین[1] وملحدین اس طرح کے نہیں جو نفس کلمۂ اسلام ہی سے اعلانیہ بیزار ہوں وہ بھی بزعم خود مشرکین سے اسی نام پر لڑتے ہیں کہ مشرکین کے غلبہ وتسلط سے مسلم قوم کو بچایا جائے اور کلمۂ اسلام کو ان کے مقابلے میں پست نہ ہونے دیا جائے اور مسلمانوں کے قومی وملی استقلال کی حفاظت ہو۔ گو حقیقۃً وباطناً وہ کلمۂ اسلام سے بالکل دور جا پڑے ہوں جیسا کہ بہت سے علماء نے خوارج کے متعلق بھی ظواہر احادیث کی شہادت کی بناء پر یہ حکم لگایا ہے۔ اس اعتبار سے جو علت خوارج اور مشرکین کے مسئلے میں اوپر بیان ہوئی وہ یہاں بھی موجود ہے جو قدرے توسیع مسئلۂ مبحوث عنہا میں پیدا کر دیتی ہے۔

قادیانی اور کمیونسٹ اس وقت بھی لیگ میں شریک تھے جب جمعیۃ دہلی نے اس میں شرکت اور قوی حمایت کی تھی

شاید ۱۹۳۶ء میں ہمارے بعض اکابر علماء جمعیت نے شد ومد کے ساتھ مسلم لیگ میں شرکت کرتے وقت اس نکتے پر نظر کی ہو ورنہ سر ظفر اللہ قادیانی کی رکنیت کے باوجود اس میں ایک لمحے کیلئے بھی کیسے شرکت گوارا کی۔

مشکلات موجودہ کا حل

ان تمام چیزوں کے علاوہ مسلم لیگ کی ایسی غلطیوں کا علاج بھی یہی تھا کہ ذی اثر علماء کی جماعت

---

[1] مرتدین کی اس قسم کو فقہا کی اصطلاح میں زنادقہ یا ملاحدہ یا باطنیہ وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ انکا ارتداد گو بعض حیثیات سے اشد ہو لیکن اگر یہ لوگ کفار محاربین سے بزعم خود اعلاء کلمۂ اسلام کے لئے قتال کریں تو ان کے مقابلے میں کفار محاربین کی اعانت گوارا نہیں کی جا سکتی۔ (حاشیہ مفتی شفیع صاحب۔ انوار الحسن)

جمہور کی طاقت کو ساتھ لے کر اور کثیر تعداد میں اہل حق کو لیگ کا ممبر بنا کر اس کے دستور اساسی کے موافق اکثریت کے زور سے ایسے لوگوں کو نکالنے کی کوشش کرتی نہ یہ کہ فوراً نفس لیگ ہی سے خفا ہو کر کفار محاربین کی اکثریت میں (جنکی دشمنی اور ظلم بالکل عیاں ہو چکے ہیں) اپنے وجود کو تحلیل کر دیتے اور جو کوشش ایسے حضرات کانگریس میں رہ کر کرنا چاہتے ہیں وہ لیگ میں بروئے کار لاتے۔

رہا مسلمانوں کی قومی وحدت اور استقلال کا مسئلہ اس پر میرے متعدد مضامین حال میں شائع ہو چکے ہیں انہیں ملاحظہ فرما لیں۔ جناب چونکہ ماشاء اللہ اہل علم ہیں اس لئے ذرا تفصیل سے جواب عرض کرنے کی ہمت ہوئی یقین ہے کہ میرا مطلب اخذ کرتے وقت کسی ایک دو جملے کو پورے مضمون سے علیحدہ نہیں کرینگے۔ آخر میں مؤدبانہ گذارش ہے کہ جناب نے اس وقت دوسری طرف مشرقی پر بھی نظر کی کہ اس کے ساتھ آج ہمارے علماء وزعماء کا کیا معاملہ ہے کیا اس کا فتنہ آپ کے نزدیک قادیان کے فتنے سے کم ہے۔

لیگ پر اگر بعض بے دینوں کی شرکت کا الزام ہے تو کیا کانگریس اس سے بری ہے

نیز کانگریس میں ہر قسم کے لوگ بے شمار ہندو، عیسائی، سکھ، مرتد، دہریے اور اگر چاہیں تو قادیانی اور مشرقی بھی شریک ہو سکتے ہیں یعنی کسی کے لئے ممانعت نہیں۔ کیا محض سیاست کے حیلے سے ایسی جماعت کی شرکت جناب کے خیال میں درست ہے۔ کیا جناب ادھر بھی کچھ توجہ فرمائیں گے۔ والسلام

شبیر احمد عثمانی
۱۹ ذوالحجہ ۱۳۶۴ھ ۲۵ نومبر ۱۹۴۵ء

مکتوب (۲) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی بنام علامہ عثمانی

استاذ المکرم حضرت علامہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کا گرامی نامہ پہنچا۔ جواب کا بہت بہت ممنون ہوں۔ آپ کی عزت اور محبت جس قدر میرے دل میں ہے اس کا اندازہ آپ نہیں فرما سکتے۔ آپ نے مجھ ہی کو نہیں بلکہ اپنے سینکڑوں بے غرض مخلص محبت کرنے والوں کو بے گناہ قتل کر دیا ہے۔ جناح کی قیادت کا اعلان اور پاکستان کی حمایت

---

[1] اگر ایک شخص جمہور مسلمین کا ساتھ دے رہا ہے تو اس نے اپنے احباب کے قتل کا ارتکاب کیا اور جو کانگریس کا ساتھ دیکر [illegible] میں شامل ہو گئے انہوں نے سارے مسلمانوں کو قتل کر دیا۔ حیرت یہ ہے کہ مسلمان تو کتنے ہی کانگریس میں شامل ہو گئے لیکن جن صوبوں میں مسلمان اکثریت تھی اور غیر مسلم اقلیت میں نقصان میں سے کوئی ایک بھی مسلم لیگ میں شامل نہ تھا۔ اگر تمام مسلمان متفق ہوتے تو نہ بنگال کی تقسیم ہوتی اور نہ پنجاب کی۔ پھر ۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہو گیا تو ہندوؤں نے کانگریسی مسلمانوں کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہ کیا۔ [illegible] صاحب کے بھتیجے کو قتل کر دیا گیا انہوں نے کہا بھی کہ میں کانگریسی ہوں لیکن قاتلوں نے کہا تم مسلمان تو ہو۔ [illegible]

۴۔ چوتھا مکتوب علامہ عثمانی بنام مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

برادر محترم! بعد سلام مسنون آنکہ۔ نوازش نامہ پہنچا۔

بحمداللہ اسکے مضمرات کو میں نے سمجھ لیا۔ اپنے مسلک سیاسی کے خلاف میری نرم سے نرم تحریر کو فتوائے قتل سے تعبیر کرنے کی کوئی وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی۔ کیا عام حالات کا جائزہ لیکر اس پر کوئی رائے قائم کرنا اور زیادہ سے زیادہ مہذب انداز میں اسکا اعلان صرف آپ ہی حضرات کا حق ہے۔ کسی دوسرے کو اسکی آزادی نہیں اور اگر محض تعلقات کی بناء پر یہ شکوہ کیا گیا ہے تو اس کا جواب اگر کبھی ملاقات ہوئی تو زبانی عرض کردونگا۔

اگر میرے طرز عمل سے آپ کو یہ واضح ہوگیا کہ حق بات کہنے میں کسی کا لحاظ نہیں کرنا چاہئے تو یقیناً میں اس سے خوش ہوں بشرطیکہ اسی طرز وشان سے حق کہا جائے۔ جس طرح میں نے کہا ہے اگر بد لحاظی کا جواز اس سے نکالا جاتا ہے تو حسبنا اللہ ونعم الوکیل واللہ المستعان علی ما تصفون۔ والسلام

العبد

شبیر احمد عثمانی۔ از دیوبند ۱۴ر ذوالحجہ ۱۳۶۴ھ / ۲۰ر نومبر ۱۹۴۵ء

نوٹ:۔ علامہ عثمانی کے مکتوب کا انداز اپنے شاگرد کے لئے کتنا مشفقانہ، شستہ، مہذب اور جامع ومانع ہے۔ دائرہ ادب میں رہ کر حق بات کہنے کا علامہ عثمانی نے خیر مقدم کیا ہے اور دائرہ ادب سے باہر نکل جانے پر اللہ کے حوالے کر دینے سے بہتر اور کوئی جواب نہیں ہو سکتا تھا۔ مرتب

مکتوب مولوی ارشاد الحق صاحب قاسمی بنام علامہ عثمانی

استاذی ومولائی دامت برکاتہم۔ السلام علیکم

مزاج اقدس۔ ایک ضروری گذارش کے لئے یہ (عریضہ) ارسال خدمت ہے۔ امید کہ حضور والا تشفی بخش جواب سے مطلع فرما کر کشمکش اور اضطراب کے تلاطم خیز سمندر سے رہائی دلائیں گے۔

سیاسی دنیا میں آج جو کھلبلی اور ہلچل مچی ہے غالباً حضور والا سے بھی مخفی نہ ہوگا۔ بالخصوص جب سے کہ حضور والا کی طرف منسوب کر کے منجانب مسلم لیگ آئے دن فتاویٰ، اشتہارات، پوسٹر ہندوستان کے

ہ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ علامہ عثمانی کے بیانات نے ہندوستان کے مسلمانوں میں سیاسی بیداری کا طوفان برپا کر دیا تھا جس کے باعث ہندوستان کے ہر شہر قصبے اور ان کے گلی کوچوں میں آپ کی رہنمائی کا ڈنکا بج رہا تھا۔ انوار

ہر ہر کوچہ وگلی میں چسپاں کئے جا رہے ہیں۔ ہمارے جیسے علماء پرست اور خاص کر حضور والا سے عقیدت رکھنے والے سخت حیران وپریشان ہیں۔ جبکہ ہندوستان کے اکابر اور مقتدر علماء کانگریس کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں اور کیا آپ کا یہ ارشاد ہے کہ کانگریس یا جمعیۃ العلماء ہند کو سوائے مسلم لیگ کے کامیاب بنانا سیاسۃً اور مذہباً ناجائز ہی نہیں بلکہ مسلمانوں اور اسلام کو سخت نقصان میں ڈالنا ہے یا غلط آپ کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے۔

سوالات

۱۔ (س) سیاسی اعتبار سے حضور کا کیا خیال ہے۔
۲۔ (س) کانگریس یا جمعیۃ العلماء کو کامیاب بنانا جائز ہے یا ناجائز؟
۳۔ (س) مسلمانوں کا زیادہ فائدہ ان دونوں جماعتوں (میں) سے کس سے زیادہ ہونے کی توقع کی جا سکتی ہے
۴۔ (س) اور ہم عقیدتمند حضور کس کے ساتھ مل کر کام کریں؟

جوابی لفافہ نیز کاغذ مزید احتیاط کے لئے ارسال ہے۔ امید کہ تلمیذ ناخلف کو مذکورہ بالا سوالوں کے جواب سے مطلع فرما کر ذرہ نوازی فرمائیں گے۔ نیز رنج انتظار کی تکلیف سے بچائیں گے۔ فقط والسلام

ارشاد الحق قاسمی بن حکیم مولانا عبد الغفار صاحب
قصبہ مئو محلہ اورنگ آباد
۱۴ر ذوالحجہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۰ر نومبر ۱۹۴۵ء
یوم سہ شنبہ

۵۔ پانچواں مکتوب علامہ عثمانی بنام مولوی ارشاد الحق صاحب تلمیذ عثمانی

برادر عزیز وعلیکم السلام

جواب (۱) بعض اکابر کی حد تک یہ دعویٰ صحیح ہے۔ کل یا اکثر پر یہ حکم نہیں لگا سکتے (کہ وہ کانگریس میں شامل ہیں۔ مرتب)

(۲) یا سے یہ تردید کیسی (جمعیۃ العلماء کانگریس میں شامل ہے اس لئے (مرتب)) اس وقت جمعیۃ العلماء کی کامیابی کانگریس کی کامیابی ہے۔

(۳) یہ الفاظ تو (کہ کانگریس یا جمعیۃ العلماء ہند کو سوائے مسلم لیگ کے کامیاب بنانا سیاسۃً اور مذہباً ناجائز ہی نہیں بلکہ مسلمانوں اور اسلام کو سخت نقصان میں ڈالنا ہے) میرے نہیں ہیں۔ ہاں یہ ضرور سمجھتا ہوں کہ اس وقت مسلم لیگ کی ناکامی مسلم قوم کیلئے بہت ضرر رساں ہے۔

سے دنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے تو میرے دل کو بے حد مسرت حاصل ہوتی۔ مگر آپ نے اور جمعیۃ العلماء اسلام نے کہا تو یہ کہا کہ جناح کی تقلید کرو وہی ہندوستان کا سچا سیاسی رہنما ہو سکتا ہے۔ اس اعلان کا نتیجہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ قرآن جاننے والے قرآن کے ذریعہ سے سیاسی رہنمائی نہیں کر سکتے۔

مولانا ابوالکلام کی عزت اس وقت میرے دل میں اسی لئے سب سے زیادہ ہے کہ وہ کانگریس کے صدر ہو کر مذہب اور اسلام کی حفاظت کر رہے ہیں۔ انہوں نے کانگریس کی صدارت سے کروڑ دہریوں اور تمام غیر مذاہب ہی پر نہیں بلکہ مسلمانوں کے اس غیر اسلامی ذہن رکھنے والے طبقے پر یہ بات ثابت کر دکھا کہ قرآن کا عالم اور صرف قرآن کا عالم جو دنیا کی موجودہ تعلیم سے کوئی تعلق نہیں رکھتا وہ اس دنیا میں بڑی سے بڑی سیاسی رہنمائی کر سکتا ہے۔ مولانا آزاد کے اس طرز عمل نے یہ اعلان کر دیا کہ قرآن کا جاننے والا ہی حقیقی معنی میں غلاموں کو آزادی دلا سکتا ہے اور امن قائم کر سکتا ہے۔ کاش آپ آج بجائے جناح کے مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ ہوتے تاکہ دنیا پکار اٹھتی کہ قرآن جاننے والے علماء ہی ہندوستان کو آزاد کرائیں گے۔ مجھ کو آپ کے اس لکھنے سے کہ جناح کو ہندوستان کا سیاسی لیڈر کہا جائے بڑا دکھ ہوا۔ گویا کہ ہندوستان کے قرآن کے مفسر نے انگریزی داں طبقے کے سامنے اقرار کر لیا ہے کہ مولوی سیاست نہیں جانتا اور یہ بھی اقرار کر لیا کہ وقت کی سیاست کو قرآن کا سب سے بڑا مفسر نہ چلا سکتا ہے اور نہ سمجھ سکتا ہے یہ علما کے قتل کا فتویٰ نہیں تو اور کیا ہے۔

میرے محترم و مکرم! پاکستان الیکشن کے لئے ایک نعرہ ہے۔ الیکشن ختم ہو جائے گا تو مسلم لیگ کانگریس کے ساتھ مل کر وزارتیں بنانے کی کوشش کرے گی۔ واحد نمائندگی کا مقصد یہ ہے کہ تمام اقتدار بے دین طبقے کے ہاتھ میں رہے اور سیاسی اقتدار کسی ایسی جماعت کے ہاتھ میں نہ آ جائے جو مذہب کی سربلندی اور ہندوستان کی آزادی کی خواہش مند ہو اور یہ بھی میری بات خیال شریف میں رکھنی چاہئے کہ یہ انگریزی طبقہ کانگریس سے صلح کے بعد علما کو کچلنے کے لئے علما کے ہی فتوے پیش کرے گا کہ ان علما نے ہمیں کانگریس میں شامل ہونے اور وطن کی آزادی سے روکا تھا۔ کیونکہ اس طبقے کے سامنے مذہب نہیں ہے۔ چند نوکریاں اور نشستیں ہیں اور بس۔ اور جب ہندو نے یہ ٹکڑا ان کے سامنے ڈال دیا اور یہ طبقہ انگریز سے مایوس ہو گیا تو پھر یہ طبقہ انہی ملازمتوں اور نشستوں کے لئے اسلام کو مٹا کر ہندو دوستی کا ثبوت دے گا۔

میں نے اپنے دل کا سارا دکھ ان الفاظ میں آپ کے سامنے رکھ دیا ہے۔ اب آپ کا جی چاہے اپنوں کا ساتھ دیں یا نہ دیں۔

مصیبت زدہ دردمند اور بالخصوص جسکو اپنے ہی نے مارا ہو وہ اچھی زبان اور اچھے الفاظ[1] لکھنے سے قاصر ہوتا ہے۔ معافی کا خواستگار ہوں۔ والسلام

حبیب الرحمٰن

١٢۔ بارھواں مکتوب علامہ عثمانیؒ بنام مولانا لدھیانویؒ

برادر محترم دامت برکاتہم

بعد سلام مسنون آنکہ مدت ہوئی خط اور رسالہ "نصرۃ الابرار" مل چکا ہے۔ میں اپنے احوال و عوارض کی وجہ سے جلد جواب لکھنے کا موقع نہ پا سکا۔ اصولی بحث[2] سے آپ کو اولاً میری تحریرات پر سنجیدہ تنقید کر کے یہ ثابت کرنا تھا کہ جن مقدمات پر وہ مبنی ہیں، وہ صحیح نہیں۔ محض زوردار اور مبالغہ آمیز الفاظ میں اپنے جذبات یا تخمینیات کا اظہار میرے مسلک کے ابطال کے لئے کافی نہیں ہو سکتا۔

مسلم لیگ سے جن خطرات کا اندیشہ کیا جاتا ہے اگر وہ پیش آئے تو ان کے ذمہ دار کانگریس کی حمایت کرنے والے ہوں گے۔

جن خوفناک عواقب و نتائج پر آپ متنبہ فرما رہے ہیں، بحمد اللہ ان کے امکان سے غافل نہیں۔ لیکن اگر خدا نکردہ وہ وقوع میں آ گئے تو اس کا سبب صرف وہ لوگ ہوں گے جو آنکھ بند کر کے ہندوؤں کی کانگریسی سیاست کے پیچھے چل پڑے اور اپنی قوم کے بہترین احساسات اور صحیح نصب العین کو نہایت لاپروائی سے بے سوچے سمجھے ٹھکرا دیا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اگر مستقبل میں آپ لوگوں کی مہلک غلطیوں کا خمیازہ حاملین دین کو بھگتنا پڑا تو میری ذات بھی اس سے مستثنیٰ نہیں رہے گی۔ تاہم اگر میری بہت ہی ناتواں اور ضعیف مگر بروقت کوشش سے ان بُرے نتائج کی شدت میں کچھ کمی ہو گئی، تو میں اسے بھی سب کے حق میں ایک طرح کی خوش قسمتی سمجھوں گا۔ کاش آپ سب حضرات دینداری اور سرفروشی کے سچے جذبہ کے ساتھ اس سیاسی ادارے میں داخل ہو کر جس کا دروازہ ہر مدعی اسلام کے لئے ہر وقت کھلا ہوا ہے، سچائی کی طاقت اور جمہور مسلمین کی پشت پناہی سے اس پر قبضہ کر لیتے اور بھیڑ بکریوں کے

---

[1] اس سے زیادہ اچھے الفاظ اور اچھی زبان کیا ہو سکتی ہے جو اس مکتوب میں اختیار کی گئی ہے۔ (مرتب)

[2] اصولی بحث سے ہٹ کر ادھر ادھر کی طویل و عریض بحث میں اوراق کو سیاہ کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اصولی چیز کو مدلل طور پر غلط ثابت کرنے سے بات بنا کرتی ہے۔ لہٰذا تمام خط کا جواب اسی تبصرے میں آ چکا ہے۔ انوار الحسن

گلے کو بھیڑیوں کی پاسبانی میں چھوڑ کر دوسری طرف نہ بھاگ جاتے تو اللہ کے فضل سے اس روز سیاہ کے دیکھنے کا کوئی اندیشہ نہ رہتا، جس کے تصور سے آپ گھبرا رہے ہیں (اور وقت نہیں گیا اب بھی ایسا کر سکتے ہیں) آپ لوگوں نے اپنی قوم کا ساتھ دینے اور ان کی غلط کاریوں کی اصلاح کرنے کے بجائے کھلم کھلا ایسا رویہ اختیار کر لیا جو قوم سے بے وفائی اور احکام شرعیہ سے لاپروائی کی طرف مشعر ہے۔

مسلم لیگ سے مضر اسلام قوانین کا اندیشہ کرنے والے کانگریس کی واردھا سکیم کو کیوں نہیں دیکھتے

کیا ہندو اکثریت کی حکومت میں آپ "واردھا اسکیم" سے بہتر نصاب تعلیم بنائے جانے کی امید رکھتے ہیں۔

مسلم لیگ میں اگر کچھ بے دین شامل ہو گئے تو کیا کانگریس دینداروں کی جماعت ہے جسکو بمقابلہ مسلم لیگ ترجیح دی جاتی ہے

وہ جماعت جو بے شمار سنی مسلمانوں قلیل التعداد شیعوں اور چند بزعم خود دعویٰ اسلام رکھنے والے اور کلمہ پڑھنے والے ملحدوں یا زندیقوں پر مشتمل ہوتے ہوئے مسلم قوم کے استقلال اور کلمہ اسلام کی سربلندی کے نام پر لڑ رہی ہے، کیا اس کے مقابلہ میں آپ اس جماعت کا تسلط و اقتدار بڑھا کر اسلام کو سربلند اور مسلمانوں کو معزز اور علماء کو موقر بنائیں گے۔ جس میں اکثریت غالبہ ان افراد کی ہے جو کلمۂ اسلام سے اعلانیہ بیزار، حکومت الٰہیہ کے شدید ترین مخالف اور مسلمانوں کے قومی و سیاسی استقلال کے بدترین دشمن ہیں۔ جن کی اسلام دشمنی برملا اور بکرات و مرات ظاہر ہو چکی ہیں اور اب بھی ظاہر ہو رہی ہے۔ پھر وہاں دہریئے بھی ہیں بلکہ ایک دہری آجکل ان پر مسٹر گاندھی کے بعد اقتدار رکھتا ہے اور قادیانی، شیعہ، مشرقی، مغربی، کسی کے لئے اس کا دروازہ بند نہیں۔ یہ ہی کمیونسٹ جن کا ذکر مسلم لیگ کے ساتھ بار بار کیا جاتا ہے۔ کل تک اس میں سب شریک تھے۔

مسلم لیگ میں اگر کچھ بد دین آج شریک ہیں تو وہ اس وقت بھی شریک تھے جب اہل جمعیت اس کے شریک اور حامی تھے

دراں حالیکہ اکابر علماء نے اس کے رکن اور عہدہ دار بنے رہنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا اور اب بھی کمیونسٹ کو وہاں سے ان کے الحاد و ارتداد کی وجہ سے خارج نہیں کیا گیا ورنہ پنڈت جواہر لال نہرو ان سے پہلے خارج کئے جاتے جن کی مدح سرائی اب بھی سیاسی اسٹیج پر بڑے بڑے مقدسین کرتے ہیں۔

علماء کی موجودگی میں مسٹر جناح کی قیادت کا سوال زلبسکو کے مقابلہ میں گاماں کو آگے بڑھانا۔

رہا علماء محدثین و مفسرین کی موجودگی میں مسٹر جناح کی قیادت کا مسئلہ تو آپ کو معلوم ہے کہ ہم نے ان کو ابتداءً قائد نہیں بنایا وہ اپنی دماغی قابلیت یا دوسرے تکوینی اسباب کی بناء پر مسلم اکثریت کے قائد بن گئے۔ اب ان کا مقابلہ کر کے جماعت مسلمین میں تفرقہ ڈالنا، دراں حالیکہ وہ اس وقت ایک مضبوط اصول اور صحیح نظریہ کے حامل بھی ہیں۔ کیسے درست ہو سکتا ہے۔ جبکہ سلطان متغلب یا فاقد الشروط امیر اور خلیفہ کے متعلق اطاعت کی تصریحات موجود ہیں اور جبکہ اس قیادت کو خود اکابر جمعیۃ العلماء ۱۹۳۶ء میں مستقل اور کلی اختیارات سپرد کر کے خوب مستحکم اور مضبوط کر چکے ہیں۔ (دیکھو خط مطبوعہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی بابتہ الیکشن ۱۹۳۶ء) غالباً ان حضرات کی نظر بھی اس وقت اسی نقطہ پر مرتکز ہو گی کہ یہ عصری سیاست کے موافق ایک آئینی جنگ ہے جس سے مسٹر جناح کی قیادت میں مسلمان اچھی طرح عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ مسٹر جناح عالم نہ سہی لیکن جو آئینی کشتی لڑی جا رہی ہے۔ اس کے داؤ پیچ سے خوب واقف ہے۔ لاؤ زلبسکو کے مقابلہ میں گاماں ہی کو آگے بڑھائیں۔ آخر حضرت اشموئیل نبی کی موجودگی میں بنی اسرائیل کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے طالوت کو امیر لشکر بنایا تھا اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام نے یزید بن معاویہ کی قیادت میں مدینۂ قیصر پر وہ چڑھائی کی جسکی بشارت صحیح بخاری میں آئی ہے۔

پھر میں نہیں جانتا کہ آج کسی مفسر قرآن کی موجودگی میں مسٹر جناح کو قائد بنا دینے سے کیا قیامت ٹوٹ پڑی اور جو چیز ۱۹۳۶ء میں جنت تھی، ۱۹۴۵ء میں جہنم کس طرح بن گئی۔ جمعیۃ علماء اسلام نے اگر اس قیادت کی تعریف اور مسلم لیگ کی تائید کی تو کیا گناہ کیا۔ اس کی تاسیس کرنے والوں کی نیت کیا تھی اور اندرونی احوال کیا تھے، اس کا مجھے کوئی علم نہیں میں تو تمام علماء اسلام کے متعلق یہی حسن ظن رکھتا ہوں کہ جس نے اپنے نزدیک جو رستہ بحالات موجودہ مسلمانوں کے لئے اصلح و انفع سمجھا اختیار کر لیا۔ یہ رایوں کا اختلاف ہے۔ آگے اللہ سبحانہ وتعالیٰ عالم سرائر ہے۔ فحسابهم علی اللہ

مولانا ابوالکلام آزاد کے متعلق عثمانیؒ کی رائے

مولانا ابوالکلام آزاد کے علم اور ذاتی عقائد و خیالات پر میں کوئی بحث کرنا نہیں چاہتا۔ نہ میں ان کو خود غرض سمجھتا ہوں۔ لیکن فی الحال جس لائن پر چل رہے ہیں میرے نزدیک وہ اس منزل مقصود پر پہنچانے والی نہیں جسکا نشان انہوں نے "الہلال" وغیرہ میں دیا تھا اسکے باوجود میرے قلب میں ان کی عزت برابر موجود ہے۔

رسالہ نصرۃ الابرار کے فتویٰ کا جواب

رسالہ "نصرۃ الابرار" میں جو کچھ لکھا ہے آج بھی اس کا مخالف کون ہے دنیوی معاملات میں ہندو کے ساتھ نفس اشتراک عمل کو مطلقاً کون ناجائز کہتا ہے۔ سر سید احمد اب کہاں ہیں جو ان کے ذاتی عقائد کا مسئلہ زیر بحث لایا جائے۔ تمام علیگڈھ والوں کو یکقلم ان کے جملہ عقائد میں ہمنوا رکھنا

محض تحکم ہے۔ کیا آپ کے اور دوسرے اکابر علما کے نزدیک تمام علیگڈھ والے کافر و مرتد ہیں؟ ایسے مسائل میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ خلط مبحث نہ کیجیے۔ کفر و ارتداد کی بحث اسلام کے نازک ترین مباحث میں سے ہے۔ آپ کے آزاد پارلیمنٹری بورڈ نے جن لوگوں کو منتخب کیا ہے کیا ان میں کوئی علیگ۔ یا انگریزی تعلیم یافتہ نہیں اور ان میں فیصدی کتنے علماء دین لئے گئے ہیں۔ یہ بورڈ تو کانگریس کا نہ تھا۔ خالص مسلمانوں کا تھا۔ جو پچاس فیصدی علماء کا مطالبہ آپ کر رہے ہیں وہاں کیوں نہ منوایا گیا بلکہ بعض ایسے کنڈیڈیٹ کھڑے کئے گئے جنکو مذہب سے کوئی لگاؤ نہیں۔

ہاں تو نصرۃ الابرار کا ذکر تھا جو الفاظ آپ نے میرے نقل کئے ہیں، میں اب بھی ان کو صحیح سمجھتا ہوں لیکن آج کی کانگریس اٹھاون برس پہلے کی کانگریس نہیں۔ نہ آج کے عام حالات وہ ہیں، جو اس وقت تھے۔ اگر آجکل کے حالات اس وقت ہوتے تو کیا نصرۃ الابرار ص۹ پر پہلے سوال کا جواب آپ کے اور علماء زمانہ کے نزدیک یہی ہوتا کہ سرکار انگلشیہ بہتر ہے۔ کیونکہ سرکار دولتمدار مثل روس کے متعصب نہیں اور سلطان روم (جو ایک بڑا بادشاہ ذی اقتدار اہل اسلام خادم حرمین شریفین اور حافظ بیت المقدس و کربلائے معلی ہے) اور سرکار دولتمدار میں برخلاف روس کے اتحاد قائم چلا آتا ہے اگر بالفرض والتقدیر سرکار دولتمدار مملکت روس سے بہتر نہ سمجھی جاتی تب بھی رعایائے اہل اسلام کو شرعاً حرام ہے کہ سرکار کے برخلاف روس یا سلطان روم وغیرہ سے درپردہ رابطہ و اتحاد پیدا کرے۔

غور کیجیے کہ شرکت کانگریس کے متعلق جس سوال کا جواب علما نے دیا ہے اس سوال میں یہ الفاظ بھی ہیں "اور انکا (یعنی کانگریس والوں کا) اصل اصول یہ ہے کہ بحث ان ہی امور میں ہو جو کل جماعت ہائے ہند پر موثر ہوں اور ایسے امور کی بحث سے گریز کیا جائے جو کسی ملت یا مذہب کو مضر ہو یا خلاف سرکار ہو۔ اس جماعت میں شریک ہونا درست ہے یا نہیں"۔

کیا آج بھی شرکت کانگریس کے متعلق آپ کے سوال کے یہی الفاظ ہو سکتے ہیں۔ آپ تو بڑے سیاسی کارکن ہیں اور اگلے پچھلے اصول پر نظر رکھتے ہیں تعجب ہے کہ ۵۸ (اٹھاون) برس پہلے کے فتوے کو موجودہ صورت حال پر منطبق کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایک چیز اور بھی واضح رہے کہ اس فتوے پر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے ایسے علما کے دستخط ہیں جو یقیناً کسی سیاسی جماعت میں اس وقت کام نہیں کر رہے تھے۔ کیا آپ کے نزدیک ان علماء کبار کو ایسے سیاسی مسائل میں فتویٰ دینے کا حق تھا[1]۔ اگر تھا تو آج کسی مولوی کو آپ اس حق سے کیوں محروم کرتے ہیں۔

---

[1] خوب جواب ہے اس بات کا کہ مولانا لدھیانوی نے لکھی تھی کہ جب آپ سیاست سے الگ تھلگ رہتے ہیں تو آپکو سیاست میں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے۔ انوار

"میرے بھائی اپنے کو حد سے زیادہ ذہین و فہیم اور دوسروں کو بالکل الو نہ سمجھئے کبھی ایک چیز کو غائب حاضر سے بہتر سمجھ لیتا ہے۔ میں جس چیز کو پورے غور و فکر کے بعد بحمد اللہ شریعت کی روشنی میں صحیح سمجھتا ہوں جب تک اس بنیادی اصول کی غلطی مجھ پر ظاہر نہ ہو تو دوانڈ سے مطمئن نہیں ہو سکتا۔ (عثمانی)

لیکن طویل خطوط کا سلسلہ قائم رکھنا نہ میری قدرت میں ہے نہ ہر ہر سطر کے جواب میں رسالہ لکھنا بحث کو ختم کرے گا۔ اس قسم کے شبہات جو نفس مسئلے سے متعلق ہیں ان کے متعلق میں ایک تحریر مرتب کر رہا ہوں جو چھپ کر شائع ہو جائے گی کیونکہ ہر شخص کو فرداً فرداً جواب دینا ممکن نہیں۔ ایک آپ ہی کے خط کے ہر ہر لفظ اور سطر پر بحث کی جائے تو خاصی کتاب تیار ہو جائے۔

یہ چند سطور قلم روک کر لکھی گئی ہیں امید ہے کہ انہیں پڑھ کر قدیم تعلقات[1] کی نسبت کوئی برا اثر نہ لیں گے۔ اور اگر یکسوئی کی ساعتوں میں ٹھنڈے دماغ سے غور کریں گے تو کیا بعید ہے کہ موجودہ حالات کے اعتبار سے صحیح راستہ سمجھ میں آجائے۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کا قول ہے :-

اَلصَّادِقُ یَتَقَلَّبُ فِی یَوْمٍ وَاحِدٍ	سچائی کا عاشق ایک دن میں سو مرتبہ بدل
مِائَةَ مَرَّةٍ وَالْمُرَائِی یَثْبُتُ عَلٰی	سکتا ہے اور ریاکار ایک ہی حالت پر سو
حَالَةٍ وَاحِدَةٍ مِائَةَ سَنَةٍ	برس تک جما رہتا ہے۔

والسلام

العبد

شبیر احمد عثمانی از دیوبند

۲۲ محرم ۱۳۶۵ھ - ۲۹ دسمبر ۱۹۴۵ء

مکتوب مولانا منظور احمد نعمانی بنام علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

(تعارف) مولانا منظور احمد نعمانی سنبھل کے رہنے والے دیوبند کے فاضل ہیں ۱۹۲۶ء مطابق ۱۳۴۵ھ میں آپ نے دیوبند سے فراغت حاصل کی۔ علامہ عثمانی کے شاگرد ہیں۔ بڑے فاضل بڑے مناظر، رسالہ الفرقان کے ایڈیٹر اور بانی آجکل دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممبر اور ہند و پاک میں مشہور ہستی اور میرے کلاس فیلو ہیں۔ (انوار)

---

[1] تعلقات کے باقی رکھنے کا علامہ کو کتنا گہرا احساس ہے۔ مرتب

دفتر الفرقان بریلی (اب لکھنؤ)

۱۰ر ذوالحجہ ۱۳۶۴ھ

حضرت مخدومنا دامت برکاتکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خدا کرے مزاج گرامی بخیر و عافیت ہو۔ یہ عریضہ ایک نہایت گہرے تاثر سے لکھ رہا ہوں۔ امید ہے کہ غور سے ملاحظہ فرما کر جواب سے سرفراز فرمایا جائے گا۔

۱۔ حضرت کو غالباً علم ہوگا کہ ۱۹۳۷ء میں جنرل انتخابات کے بعد جب کانگریس نے وزارتیں قبول کریں اور اسکے بعد جو خاص نہج پر ایک سیاسی آویزش شروع ہوئی اور ہمارے بزرگان جمعیۃ نے جو راہ عمل اپنے صوابدید سے اختیار کی تو یہ عاجز اس سے متفق نہ رہ سکا اور جب اس پالیسی میں ترمیم و تبدیلی سے مایوسی ہوگئی تو جمعیۃ کے نظام سے بھی الگ ہوگیا اور عمومی رکنیت سے بھی معذرت کردی اور اب تک بھی الگ ہی ہوں۔

۲۔ مسلم لیگ کی سیاست بھی کسی دن دل کو نہیں لگی اور اس لیے اس میں بھی کسی طرح کا کوئی عملی حصہ نہیں لے رہا ہوں۔

۳۔ لیکن اس انتخابی ہنگامے میں مسلمانوں کے دین و اخلاق کا جو خون ہو رہا ہے اور دیانت و آدمیت جس بری طرح پامال اور ذبح کی جا رہی ہے اور شیطنت و درندگی کے تمام اوصاف جس وسیع پیمانے پر امت میں فروغ پا رہے ہیں، اخباروں میں اس کا حال پڑھ پڑھ کر اور مقامی حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ دیکھ کر مجھ جیسے ایک عامی اور سیاہ کار کے دل پر بھی جو کچھ گذر رہی ہے لفظوں میں اس کی تعبیر سے عاجز ہوں۔ میں اپنے تاثر و احساس پر قیاس کر کے قسم کھا سکتا ہوں کہ اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری اس دنیا میں تشریف لے آئیں اور ہمارے اس الیکشنی ہنگامے اور اس کے سلسلے میں جو کچھ ہو رہا ہے دیکھیں تو یقیناً آپ کو اتنا عظیم صدمہ ہوگا کہ اس سے پہلے شاید کوئی سانحہ اتنا تکلیف دہ نہ ہوا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ لاکھوں مسلمانوں کا کافروں کی تلواروں سے شہید ہو جانا اور بڑے بڑے ملکوں کا مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر کافروں کے ہاتھ میں چلا جانا بھی مزاج نبوی کے لئے اتنا تکلیف دہ نہیں جتنا کہ مسلمان قوم کا دین اور اخلاق و آدمیت کو خیرباد کہکر شیطان اور درندہ بن جانا اور صرف سیاسی اختلاف رائے کی وجہ سے خصوصاً صلحاء و علماء کی آبروؤں اور جانوں کے درپے ہو جانا۔

۴۔ اخباری اطلاعات اور دیگر نجی ذرائع سے جو کچھ علم میں آتا ہے اور یہاں بریلی میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں اس کی بنیاد پر یہ بھی یقین پیدا ہوگیا ہے کہ شیطنت اور درندگی کا یہ فروغ اس وقت تک یک طرفہ سا ہے یعنی اس بارہ میں جو ترقیاں ہو رہی ہیں وہ عموماً لیگ والوں میں ہی ہو رہی ہیں ممکن ہے کہ بعض مقامات پر ایسا نہ ہو یا کہیں اس کے برعکس بھی ہو۔ لیکن جہاں تک میرا علم و مشاہدہ ہے وہ یہی ہے کہ لیگی کیمپ ہی اس وقت دین و اخلاق کا مذبح بنے ہوئے ہیں، اور ظلم و عدوان اور غنڈہ پن کو انہوں

نے اپنا ہتھیار بنا لیا ہے کہ جہاں وہ موقع مناسب دیکھتے ہیں اس ہتھیار کو استعمال کرتے ہیں۔

۵۔ ۹ر نومبر ۱۹۴۵ء کو یہاں بریلی میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی تشریف لائے تھے میں چونکہ اس الیکشن سے بالکل یک سو اور غیر متعلق ہوں اس لئے مجھے مولانا کی تقریر تو سننی نہ تھی البتہ حالات کا مطالعہ کرنے کے لئے اور اس واسطے کہ اخبارات وغیرہ سے مسلمان قوم کے فساد مزاج کا جو عمومی اندازہ مجھے ہو رہا ہے مشاہدہ سے اسکی تصحیح کر سکوں۔ میں بھی چلا گیا اور خاص جلسہ گاہ میں بیٹھنے کی بجائے الگ ایک ایسے مقام پر کھڑا ہوگیا کہ سب کچھ وہاں سے دیکھ سکوں۔ پھر بدنصیبی نے جو کچھ دکھایا قلم سے یا زبان سے کسی طرح بھی اس کو ادا نہیں کیا جا سکتا۔ گالیوں اور بدتمیزیوں کا ایک عجیب و غریب طوفان تھا معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب کے سب نہ صرف دین و اخلاق ہی کو خیرباد کہہ کر آئے ہیں۔ بلکہ ادنیٰ درجہ کی انسانیت کا جامہ بھی اُتار کے بھوت اور درندے ہوگئے ہیں۔ غدار کہہ کہہ کر کسی کے خلاف نعرے لگانا تو آج کل کا عام فیشن ہے۔ اس کا تو ذکر ہی کیا۔ لیکن اس کے علاوہ جو سخت متعفن اور گندی غلیظ گالیاں ان لوگوں نے بکیں اور خاص حیوانیت اور شیطانیت کے جو شرمناک اور انسانیت سوز مظاہرے کئے اور جوتے ڈنڈے اور ہاکیاں دکھا دکھا کے جس اخلاق باختگی کا نمونہ دکھایا اور پھر آخر میں جس بے دردی سے سارے جلسے پر پتھراؤ کیا جس سے تقریباً ساٹھ یا اس سے بھی زیادہ آدمی زخمی ہوئے اور جن میں سے بعض رات بھر بیہوش رہے جلسہ گاہ کے گرد اگرد سڑک کو کاٹنے کے لئے پتھروں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ صرف میرے قریب والے ایک ڈھیر سے پتھر اٹھا اٹھا کر جو لوگ بلا توقف اور مسلسل پتھر برسا رہے تھے ان کی تعداد میرے اندازے میں سَو کے قریب ہوگی۔ مجھے تو حیرت ہے کہ جلسہ کا کوئی آدمی بھی کیونکر صحیح و سالم رہا۔ بہر حال شیطنت اور درندگی کا یہ منظر جن لوگوں نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا وہ کبھی بھی اس کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے۔ پھر یہ حرکتیں کرنے والے صرف جاہل عوام ہی نہ تھے بلکہ اس کی قیادت کالجوں اور سکولوں کے وہ تعلیم یافتہ اور وہ زیر تعلیم طلبہ کر رہے تھے جو اس وقت مسلم لیگ کی روح حیات اور اس کے جسم کا خون بنے ہوئے ہیں بلکہ کہنا چاہئے کہ مسلم لیگ اسی طبقہ کا نام ہے۔ اس یورش کے کرنے والے کئی سو لیگی تھے جن میں غالب تر تعداد ان تعلیمیافتوں کی تھی۔ سب سے زیادہ تاریک اور اہل دین کے لئے قابل غور پہلو اس مظاہرہ کا یہ تھا کہ ان تمام گندگیوں کا نشانہ صرف مولویت اور ملائیت اور اس کے لوازم کو بنایا جا رہا تھا۔ صاف نظر آرہا تھا کہ اس سارے لشکر کو اصل غیظ صرف مولوی اور ملا اور اسلامیت کے ان بچے کھچے نشانات سے ہے جن کا حامل اب بیچارہ مولوی رہ گیا ہے۔ پھر یہ سارا طوفان بدتمیزی کسی تقریر پر مطلق نہ تھا بلکہ صرف مولانا کی آمد پر اس انداز سے گویا استقبال کیا گیا تھا۔ تقریر کی تو نوبت ہی نہیں آئی۔

اس طرح کا منظر دیکھنے کا میرے لئے یہ پہلا موقع تھا اور اب میں اس یقین کو بآسانی اپنے دل سے نہیں دھو سکتا کہ ان لیگی عناصر کے ہاتھ میں کسی اقتدار کا آنا بدترین دشمن دین طاقت کے پاس اقتدار جانے کے مترادف ہے۔ اور دین اور اہل دین کو جو نقصان اس قماش سے پہنچ سکے گا غالباً انگریز اور ہندو نہ پہنچا سکے گا۔ اگر یہ اپنی خواہشات کے مطابق دین کا مسئلہ بھی کرنا چاہیں گے اور اہل دین کو بھانپ لیں گے تو اسلامی مفاد کا نعرہ لگا کر اور غدار غدار کا شور مچا کر دیں گے اور مسلم قوم کے مفاد کے نام پر عوام مسلمانوں کو بھی اتنا گمراہ کر سکیں گے کہ پھر رائے عامہ ان سے کوئی احتساب نہ کرے گی۔ انگریز یا ہندو کو کبھی یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی۔ کئی سال ہوئے ایک بہت بڑے مسلمان سرکاری عہدہ دار نے (جو غالباً سر کا بھی خطاب رکھتے ہیں) مجھ سے دوران گفتگو میں کہا تھا کہ آپ لوگ اور آپ کے یہ مذہبی گھروندے (مدرسے اور خانقاہیں) صرف اس لئے ہندوستان میں باقی ہیں کہ انگریزی حکومت کی پالیسی ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ جس دن پالیسی بھی ہمارے ہاتھ میں آجاوے گی ہم آپ لوگوں اور آپ کے ان اڈوں کو ختم کر دیں گے اور مداخلت فی الدین کے نعروں سے آپ عوام میں جو ہیجان انگریزوں یا ہندوؤں کے خلاف پیدا کر دیتے ہیں ہمارے خلاف پیدا نہیں کر سکتے۔ ہم جو کچھ کریں گے مسلمان قوم کو ساتھ لے کر کریں گے۔ اور رائے عامہ کو اتنا زیادہ کر دیں گے کہ وہ آپ لوگوں کو اپنے مفاد کا دشمن اور قابل قتل سمجھنے لگیں گے جیسا کہ ٹرکی میں ہو چکا ہے۔

بریلی میں جس دن سے یہ ہنگامہ دیکھا ہے مجھے برابر ان صاحب کی یہ گفتگو یاد آتی رہتی ہے۔
جس دن سے بریلی میں یہ واقعہ میری آنکھوں نے دیکھا ہے میں دین اور اہل دین کے مستقبل کے بارہ میں سخت فکرمند ہوں۔

یہ واقعہ ہے کہ سیاسی و ملکی معاملات میں عدم توافق کے علاوہ یوں بھی حضرت مولانا مدنی سے میرا ایسا خاص تعلق نہیں جیسا ان کے خواص کو ہوگا۔ اس لئے میرے یہ تاثرات محض ان کی شخصیت کی وجہ سے نہیں بلکہ میرے نزدیک یہ معاملہ دین اور اہل دین کا ہے اور سب سے زیادہ ہمارے ان حضرات کی توجہ کا مستحق ہے جو لیگ کی حمایت فرما رہے ہیں میرے نزدیک صورت حال کی اصلاح کے لئے یہ بالکل ناکافی ہے کہ کبھی کبھی کسی بیان کے ضمن میں اس کے متعلق چند لفظ کہہ دیئے جائیں۔ بلکہ ضرورت ہے کہ اس مسئلہ کی واقعی ضرورت کو محسوس کر کے اس کو اپنی توجہ اور کوشش کا خصوصی مرکز بنایا جائے۔ ہمارے جو بزرگ لیگ کی حمایت میں خیر کا یقین رکھتے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ لیگ کے لئے وہ اتنا زیادہ کام عوام میں آکر کریں کہ عوام سب سے زیادہ ان سے متاثر ہوں۔ آزاد خیال مسلمانوں کے طبقے میں اپنی بے انتہا جدوجہد کی وجہ سے حضرت مدنی کو جو مقام حاصل ہے اگر آپ حضرات رسمی سی بے تحاشا کوشش سے لیگ کی دنیا میں ایسا ممتاز مقام حاصل نہ کرتے تو آپ کی موجودہ

طرز کی کاغذی حمایت کا نتیجہ ایک بدترین دشمن دین و انسانیت عنصر کو مزید قوت بہم پہونچانے کے سوا اس نیاز مند کے نزدیک تو کچھ بھی نہ ہوگا۔ لہٰذا میں اپنی کمترینی کا پورا احساس کرتے ہوئے اتنا عرض کرنے کی جسارت کرنے پر مجبور ہوں کہ جناب والا یا تو حضرت مدنی کی طرح لیگ کے کام کے لئے کمربستہ ہوں اور کم از کم آنے والے صوبجاتی انتخابات تک جناب کے بھی ... دورے ہوں تاکہ لیگ کی دنیا میں آپ کا اثر و رسوخ ہو اور دین کی باتوں کے لئے وہاں امکانات پیدا ہوں اور شیطنت کا جو طغیان اس میں اٹھ رہا ہے اس کا انسداد ہو سکے اور اگر طبع سامی اس کے لئے آمادہ نہ ہو تو لیگ کی موجودہ ہیئت اجتماعیہ ہرگز اس لائق نہیں کہ بیانات سے اس کی تائید کر کے اس کو تقویت پہنچائی جائے۔ مجھے معلوم ہے کہ اس طرز کی حمایت کرنے والے حضرات کو لیگی زعماء اپنے آلہ کار سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتے اور ان کو کوئی وقعت نہیں دیتے اور مجھے تو یہ بھی معلوم ہے کہ وہ ان کی حمایت کو بھی مخلصانہ اور بے غرض نہیں سمجھتے۔ میں نے خاص تاثر کی حالت میں عریضہ لکھا ہے اور اندازہ ہے کہ اپنے منصب سے یہ میرا تجاوز ہے اسکے علاوہ بھی نہ معلوم کیا کیا بے اعتدالی سرزد ہو گئی ہو اس لئے استدعاء معافی پر ختم کرتا ہوں۔ آخر میں پھر مکرر معروض ہے کہ امت اس وقت جس ابتلاء میں ہے اس کے لئے دعا بھی فرمائیں اور اصلاح حال کے لئے سعی بھی۔ والسلام

خادم کم محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

۱۳۔ تیرھواں مکتوب گرامی علامہ عثمانی بجواب مولانا نعمانی

مکرمی بندہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

۱۔ یہ مایوسی امکانی جدوجہد اور استفراغ کے بعد ہوئی یا محض حالات کو دیکھ کر مایوس ہو بیٹھے غالباً ۱۹۳۹ء میں اجلاس جمعیۃ العلماء ہند دہلی کے موقع پر یاد ہوگا کہ آپ نے قبل از اجلاس کچھ گفتگو مجھ سے کی تھی۔ مجھے بہت کچھ امید ہو گئی تھی کہ آپ جیسے لوگ وہاں میری ہمنوائی کریں گے۔

میں ورکنگ کمیٹی میں دو روز تک ان حضرات سے بحثتا رہا خیر اس میں تو آپ شامل نہ تھے پھر سبجیکٹ کمیٹی میں مسئلہ آیا آپ بھی اس میں شریک تھے۔ میں نے اپنے خیالات کا برملا اظہار کیا۔ مجھے یقین تھا کہ آپ اس کی تائید میں آواز اٹھائیں گے۔ مگر میں نے دیکھا کہ مولانا حسین احمد صاحب مدنی کی تقریر پر کوئی شخص نہ بولا۔ چنانچہ تھوڑی دیر بعد میں وہاں سے اٹھ کر چلا آیا۔ اس کا بھی کوئی احساس آپ حضرات کو نہ ہوا۔

مسلم لیگ کی حمایت اگر جرم ہے تو اسکی پہلی مرتکب جمعیت علماء ہند ہے

آپ آج لیگیوں کے جس طغیان و عدوان کا ماتم کر رہے ہیں

کی بنیاد فی الحقیقت ہمارے علماء نے اپنے ہاتھوں سے اُس وقت ڈالی جب انہوں نے ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ کی انتہائی حمایت شروع کی۔ اس کے بورڈ میں شامل ہو کر تمام مسلمانوں کو اسکی امداد کی طرف گرمجوشی سے متوجہ کیا۔ پھر ۱۹۳۷ء میں جب لیگ طاقتور ہو گئی تو خدا جانے کن جھگڑوں میں پڑ کر اس سے علیحدہ ہو گئے اور ہندو قوم کی پیروی میں اس کے خلاف مستقل محاذ جنگ قائم کر دیا گیا۔

اصلاح حالات کی بہترین اور واحد صورت

حالانکہ اصلاح حالات کی اگر بجز کوئی سہل صورت تھی تو یہی کہ عام مسلمانوں کو کثیر تعداد میں لیگ کا ممبر بنا کر آئینی اکثریت پیدا کرنے کی سعی کی جاتی اور افہام و تفہیم یا معقولیت کے ساتھ نصیحت و فہمائش اگر مؤثر نہ ہوتی تو جمہور کی اخلاقی طاقت سے کام لیتے۔ جب ان میں سے کوئی چیز نہ ہوئی اور لیگ کا اثر بڑھتا گیا اور اس کے قائد کی پوزیشن نے کم از کم سلطان متغلب کی نوعیت اختیار کر لی تو ہم وہاں سے کٹ کر ہندو اکثریت میں مدغم ہو گئے۔

۲۔ مگر کم از کم آپ کو کسوٹی سے پہلے مسلم لیگ کی سیاست پر کسی ماہر سے تبادلۂ خیالات کرنا مناسب تھا۔ اس کے بعد جو سمجھ میں آتا کرتے کیونکہ فی الوقت ملک و قوم کی سیاست ایک فیصلہ کن مرحلہ پر ہے۔

۳۔ کیا چند شریر اور فتنہ انگیز اشخاص کا نام مسلم قوم ہے۔

۴۔ لیگ کے بعض غیر ذمہ دار افراد کی بعض ناشائستہ حرکات کا شکوہ اور اس کا جواب جمعیۃ العلماء ہند کے حامیوں کی حرکات سے موازنہ۔

مبالغہ کی حد ہو گئی۔ میرے بھائی محض سیاسی اختلاف کی بناء پر تو کبھی کبھی خون کی ندیاں بہ گئی ہیں اور غیر ضروری فروعی مسائل کی بحثوں میں بڑے بڑے ائمہ کو خود مسلمانوں کے ہاتھوں سے وہ ذلت انگیز اور اہانت آمیز ایذائیں پہنچی ہیں جنکو پڑھ کر صدیوں کے بعد بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھئے کہ میں شیطنت بہیمیت اور درندگی کا جواز ثابت نہیں کر رہا ہوں اس قسم کے واقعات سنکر میرا دل بھی آپ سے کم متاثر نہیں صرف خبر اور معائنہ کا فرق ہے۔ لیکن تاثرات کے بیان میں اس قدر مبالغہ آپ جیسے ذی علم اور باخبر شخص سے بہت زیادہ حیرت انگیز ہے۔ آپ کے بیان سے تو اندازہ ہوتا ہے کہ گویا تاریخ اسلامی میں کبھی کوئی سانحہ اس کے برابر پیش ہی نہیں آیا۔ بے شک جو واقعہ آپ کی آنکھوں کے سامنے گذرا نہایت رنجدہ، ایذا رساں اور افسوسناک تھا۔ مگر میں گمان کرتا ہوں کہ بعض اسی نوعیت کے دوسرے واقعات کو آپ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تو شاید اس سے کم اثر پذیر نہ ہوتے۔

وہ قضیہ کسی کالج اور سکول کے طلبہ کا نہیں بلکہ ایک مشہور دار العلوم کے طلبہ کا ہے جس کے آپ رکن بھی ہیں۔ اس دار العلوم کا ہے جو دین علم اور اخلاق و روحانیت کا مرکز ہے جہاں بخاری

کی کتاب الادب پڑھائی جاتی ہے۔ بریلی میں جن شریروں نے یہ حرکات کیں وہ مولانا کے مرید یا شاگرد نہ تھے اور اپنے زعم میں یہ سمجھ رہے تھے کہ مسلم قوم کو ہندوؤں کا دائمی غلام بنایا جا رہا ہے۔ یہ بھی جانتے تھے کہ مولانا الیکشن کے سلسلے میں دورے کر رہے ہیں وہ بھی مضامین یہاں بیان کریں گے۔

لیکن دار العلوم کے طلبہ نے اس شخص کے حق میں وہ حرکات کیں جو ادارے کا صدر اور ان کے اکثر استادوں کا بلاواسطہ یا بالواسطہ استاد تھا فحش اور گندی گالیاں لکھ لکھ کر بھیجیں جو بازاری لوگ بھی استعمال نہیں کر سکتے۔ کارٹون بنا کر لگائے۔ جنازے نکالے اس پر لکھا کہ ابوجہل کا جنازہ جا رہا ہے۔ نعروں کا تو ذکر ہی کیا۔ پندرہ طلبہ نے قتل کے حلف اٹھائے۔ محلے کی مسجد کے اندر دیوار پر لکھا اس مسجد میں نماز جائز نہیں کیوں کہ فلاں شخص اس میں نماز پڑھ گیا ہے۔

نیچی داڑھیوں اور لمبے کرتوں کا مذاق اڑایا۔ ان حرکات کو دیکھ کر بہت سے اُستاد اور ذمہ دار خوش ہوتے تھے اور ایسے نالائق مفسدوں کی پُر زور حمایت وہاں کی سب سے بڑی ذمہ دار مجلس نے برملا کی۔ جس کے ایک رکن اب آپ بھی ہیں کسی کی زبان سے حرف ملامت بھی نہ نکلا۔ حالاں کہ وہ ان کے کنٹرول میں تھے۔

ہمارا کنٹرول کالجوں کے طلبہ اور عوام پر کیا ہے۔ پھر بھی ہم نے سخت ترین الفاظ میں ملامت تنبیہ اور اظہار بیزاری تو کیا۔ افسوس آپ کی نظر کبھی اس طرف ملتفت نہیں ہوئی۔ یہ سب کچھ اس جماعت کی طرف سے ہوا جو دنیا کی ہادی بننے والی ہے۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو علماء کی ان حرکات سے کوئی صدمہ نہیں پہنچتا ہو گا۔

۵۔ مگر یہ طوفان لایا ہوا کس کا ہے۔ اس کے اصل اسباب پر غور کیجئے۔ جن کی طرف ہلکا سا اشارہ شروع خط میں کر چکا ہوں۔

۶۔ مسلمانوں سے بدگمانی اور ہندوؤں سے حسن ظن

یہ آپ کی حد سے زائد بدگمانی کلمہ گو مسلمانوں کے ساتھ ہے یا حد سے زائد حسن ظن ہندو یا انگریزوں کے ساتھ فانا للہ و انا الیہ راجعون۔

۷۔ علماء کے اقتدار کی یہ تدبیر غلط ہے کہ ہندوؤں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف محاذ بنائیں

پھر اس مسئلہ کا حل آپ کے نزدیک کیا ہے کیا یہی کہ بڑے بڑے علماء اور کام کرنے والے لوگ مشرکین اور کفار محاربین کے ساتھ مل کر لیگ کے خلاف محاذ بنائیں۔ اس کے نتیجہ میں دس کروڑ فرزندان اسلام کو ہندو اکثریت کا دائمی غلام بنائے رکھیں۔ اور دوسری طرف غیظ و غضب اور نفرت و عداوت کی اس آگ کو بیش از بیش مشتعل کرتے رہیں جو سیاسی اختلاف کی بناء پر نئی اور پرانی روشنی والوں میں خوب بھڑک چکی ہے کیا آپ سمجھتے ہیں کہ

علماء کی موجودہ روش سے اب مسلم لیگ یا مسلم لیگ والے ختم ہو جائیں گے۔ یا آئندہ حکومتی اقتدار ان کی جگہ انگریز یا ہندو ہمارے علماء کے سپرد کر دیں گے اگر یہ تصور ہے تو خوش فہمی کی انتہا ہو گئی۔ اگر غور کرو گے تو ان مشکلات کا حل بجز اس کے کچھ نہیں جس کی طرف میں اوائل تحریر میں اشارہ کر چکا ہوں کہ کانگریس کے رحم و کرم پر پڑے رہنے کے بجائے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر سب مل کر قبضہ کر لیں اور فاسد عناصر سے اسکو صاف کر دیں اور اصلاحی اور ارتقائی دونوں قسم کی مساعی جاری رکھیں۔

۸۔ آپ کے وہ کون کون ذی اثر بزرگ لیگ میں شامل ہیں۔ ایک چنا تو بھاڑ کو نہیں پھوڑ سکتا۔ یہ مشورہ ان حضرات کو بھی دیجئے جو اپنی بے انتہا جد و جہد سے دوسری طرف خاص مقام حاصل کر چکے ہیں کہ وہ مع آپ کے ادھر آ جائیں تاکہ سب کے اتحاد سے کایا پلٹ ہو سکے۔

۹۔ ہر شخص اپنی وسع اور طاقت کے موافق ہی کام کر سکتا ہے اور اگر اللہ چاہے تو کسی ضعیف و معذور کے تھوڑے سے کام میں بہت برکت دے سکتا ہے۔ پھر جب کوئی شخص عوام میں بے اثر ہے اس کی معمولی سی ایک آدھ تحریر سے مولانا مدنی کے طوفانی دوروں کے بالمقابل لیگ کیا خاص فائدہ پہنچ سکتا ہے اور اگر یہ معمولی تحریر عوام پر کچھ موثر ہے تو آئندہ کوئی اصلاحی قدم بھی انشاء اللہ ایک درجہ میں اثر انداز ہو سکتا ہے پھر آپ بھی تو محض کاغذی نصیحتوں پر قناعت نہ کر کے اس میدان میں تشریف لائیں۔

۱۰۔ بحالت موجودہ مسلم لیگ کی حمایت کانگریس کے مقابلہ میں کی جاتی ہے اعتراض کے وقت مقابلہ سے قطع نظر کر لینا بھاری غلطی ہے۔	آپ ایک سخت غلطی میں مبتلا ہیں۔ لیگ کی حمایت و تقویت کا ذکر کرتے وقت یہ پیش نظر نہیں رکھتے کہ تقویت و حمایت مشرکین و کفار مجاہرین کے مقابلہ پر ہے۔ خوارج کے متعلق

آپ کو معلوم ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

یمرقون من الدین کما یمرق السہم من الرمیۃ او لئن ادرکتم لاقتلنہم قتل عاد و ثمود اور انہم کانوا مسلمین فصاروا کفارا۔	وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کا جسم چھید کر صاف نکل جاتا ہے۔ اگر میں نے ان کو پایا تو عاد و ثمود کی طرح ان کو تباہ و برباد کروں گا وہ مسلمان تھے پھر کافر ہو گئے۔

انکے دوسرے عقائد و فضائح کو چھوڑ کر شامی کے ان الفاظ پر غور کیجئے۔

یستحلون دماء المسلمین واموالہم ویکفرون الصحابۃ	وہ مسلمانوں کے خون اور مال کو حلال سمجھتے ہیں اور صحابہ کو کافر کہتے ہیں۔

ان خوارج کو اگر مشرکین سے قتال کی نوبت آئے تو امام محمد لکھتے ہیں کہ اہل حق کے لئے ان کی اعانت و امداد کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ وہ بہرحال اصل کلمۂ اسلام اور اثبات اصل طریق کے لئے لڑ رہے ہیں جو علت بیان کی گئی ہے وہ یہاں موجود ہے۔ پھر امام محمد نے یہ بھی شرط نہیں لگائی کہ اعانت جب کیجئے جبکہ اہل حق کا اس سے غلبہ حاصل ہوتا ہو۔ اس مسئلے کو جس قدر گہری نظر سے دیکھا جائے گا انشاء اللہ اسی قدر الجھانات سے نجات مل جائیگی۔

۱۱۔ (اگر لیگی زعماء ہمیں کچھ نہیں سمجھیں گے حالانکہ ایسا نہیں ہے تو) نہ سمجھا کریں، کیا ہم نے اس لئے کوئی کام کیا ہے کہ وہ قدر کریں، اور ہم کو مخلص سمجھیں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ سب کو خود غرض ہی سمجھتے ہوں۔ مولوی صاحب اخلاص اگر ہو گا تو اپنا اثر لائے بدون نہ رہے گا۔ (چنانچہ علامہ عثمانی کا یہ اخلاص موثر ثابت ہوا)

والسلام
شبیر احمد عثمانی از دیوبند
۲۹ دسمبر ۱۹۴۵ء، ۲۳ محرم ۱۳۶۵ھ

(نوٹ، علامہ عثمانی کا مدلل جواب آپکے سامنے ہے انہوں نے جن دلائل سے جواب دیا ہے انکے سامنے مسائل کے تمام شبہات اور خدشات کا استیصال ہو گیا ہے (انوار)

مکتوب مولانا احمد علی صاحب مدرسہ ناصر الاسلام فتحپور ضلع چاٹگام (بنگال)

(نوٹ، مولانا احمد علی صاحب بنگال سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے خط میں مذکر و مونث میں فرق سے بالاتر ہیں۔ حضرت عثمانی کے شاگردوں میں سے ہیں اور عقیدتمندوں میں سے بھی۔ جب علامہ عثمانی لیگ میں شریک ہوئے تو بنگال کے مسلمان بھی لیگ میں شامل ہو گئے حالانکہ وہ لوگ کانگریسی خیال کے تھے۔ انوار

از طرف احقر الوری علی احمد عفی عنہ

بشرف ملاحظہ حضرت العلام حجۃ الاسلام رئیس المحدثین والمفسرین شیخ عثمانی صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

امابعد۔ گذارش بخدمت مخدوم اعلیٰ یہ ہے کہ احقر الخدام نوع بخیریت رہ کر خیریت آنجناب بدرگاہ خداوند کریم شبا روز طالب ہوں۔ آمین ثم آمین۔

دیگر دست بستہ گذارش بخدمت اقدس یہ ہے کہ احقر بوجہ شامت اعمال خط خطوط دیکھ از استفادہ مخدوم محروم۔ امید کہ احقر کو یقیناً معاف فرمودہ از دعائے قلبی فراموش نہ فرمائیں اور حضرت مولانا محمد یحییٰ[1] صاحب صدیقی کو منجانب احقر سلام مع الاکرام (الاکرام) مقبول باد،

[1] حضرت مولانا عثمانی کے شاگرد، خادم اور بھتیجے داماد ہیں۔ تھانہ بھون آبائی وطن ہے بقید حیات کراچی ناظم آباد میں مقیم ہیں۔ انوار

اور دیگر عرض نیاز یہ ہے کہ آجکل دنیا میں جو جو جماعتیں اپنی صدر کی ماتحت کام کر رہی ہیں ان میں سے ایک مسلم لیگ جو مسٹر جینا کے تحت میں ہیں۔ دیگر جمعیۃ العلماء ہند جنکی صدر مولانا مدنی (حضرت مولانا حسین احمد صاحب) ہیں۔ لیکن آج دو چار روز گذر چکی کہ میرے مخدوم[1] اعلیٰ جمعیۃ العلماء اسلام کی ہمیشہ کے لئے صدارت منظور فرما چکے ہیں۔ احقر یہ چیز جس وقت سنا اسی وقت سے نہایت ہجوم (ہموم) غموم میں مبتلا ہے۔ صرف احقر نہیں بلکہ بنگال کی وہ علماء کرام جو حضرت والا سے تعلق رکھتے ہیں حیران ہیں۔ آپ حضرت والا سے درخواست ہے کہ حضرت والا کی حالات سے تسلی و تشفی فرمائیں اور احقر کس جماعت میں شریک ہو۔ حضرت مخدوم اعلیٰ سے مشورہ طلب کرتا ہے کیونکہ دونوں پارٹی کے لوگ احقر کو مجبور کر رہے ہیں اور حضرت والا کے لئے جو تیل[2] احقر نے ارسال خدمت کیا اسکو صرف بجائے درد گرم کرکے مالش کریں۔ اور حضرت والا کی حالات سے اطلاع فرمودہ بندۂ مغموم و مہجور الوصال کو مشکور و ممنون سازند اور اگر حضور فرماویں کہ کسی جماعت یا پارٹی میں شریک نہ ہونا میرے لئے مفید ہے تو کسی میں شریک نہ ہونگا۔ فقط

احقر
علی احمد غفرلہ
(بلا تاریخ)

۱۴۔ چودھواں مکتوب علامہ عثمانیؒ بجواب مولانا علی احمد صاحب

برادر عزیز سلمہ اللہ تعالیٰ

بعد سلام مسنون آنکہ خط پہنچا۔ الحمد للہ مجھے بہت کچھ صحت ہے۔ مرض کا خفیف اثر باقی ہے۔ انشاء اللہ وہ بھی زائل ہو جائے گا۔ یہ خبر سن کر کہ جمعیۃ علماء اسلام نے مجھے مستقل صدر منتخب کیا خدا جانے آپ کیوں ہموم و غموم میں پڑ گئے۔ اور دوسرے لوگ کیوں حیران ہیں۔ اس کے مقاصد کیا برے ہیں اور اس کے موجودہ طرز عمل پر کیا اعتراض ہے؟

رہا مسلم لیگ اور جمعیۃ العلماء ہند کا مقابلہ وہ سرے سے بے موقع ہے۔ اصل مقابلہ لیگ کا کانگریس سے ہے کانگریس یہ چاہتی ہے کہ ہندوستان کو آزادی ملے یا نہ ملے مگر اکثریت کی غلامی کا طوق کبھی اور کسی جگہ مسلمانوں کے گلے سے نکلنے نہ پائے مسلم لیگ کہتی ہے کہ یہاں (ہندوستان میں) دو مستقل قومیں آباد ہیں۔ جس صوبے میں جس قوم کی اکثریت ہے وہاں وہ آزاد ہو اور دونوں قومیں آپس میں باعزت اور مساویانہ معاہدہ کرکے سارے ملک

۱؎ یعنی علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ (انوار) ۲؎ حضرت علامہ عثمانی قدس سرہٗ ان دنوں گھٹنوں کے جوڑوں کے درد میں مبتلا تھے یہ تیل مالش کیلئے بھیجا گیا تھا (انوار)

کی آزادی اور خوشحالی کا سامان کریں۔

اسی اصول پر مسلم لیگ الیکشن لڑ رہی ہے۔ یہ اصول بلا شبہ اصول و فروع شریعت سے اقرب اور مسلمانوں کے حق میں احوط ہے۔ اس کے خلاف کانگریس میں کچھ مسلمانوں کا بلا شرط و معاہدہ منفرد اور منتشر طور سے شریک ہونا اس وقت مسلمانوں کے لئے سخت مضر ہے۔ بناءً علیہ میں دریافت کرنے والوں کو یہی مشورہ دیتا ہوں کہ اس وقت تعصبات سے بے پرواہ ہو کر مسلم لیگ کے نامزد کردہ امیدوار کو ووٹ دیا جائے۔ اب جو مسلم جماعتیں کانگریسی نظریے کی حامی اور لیگ کے نظریے کی مخالف ہیں خواہ وہ جمعیۃ العلماء ہو یا کوئی اور ان کو ووٹ دینا فی الحقیقت کانگریس ہی کو ووٹ دینا ہے۔ لہٰذا اس کا بھی وہی حکم ہوگا۔ (والسلام)

شبیر احمد عثمانی از دیوبند
(بلا تاریخ)

مختصر تبصرہ

علامہ عثمانی کے پیغام کلکتہ اور دوسرے اعلانات و بیانات سے جو نظریۂ پاکستان اور مسلم لیگ کی تائید سے بھرپور تھے انہوں یعنی پاکستانی نظریۂ حیات والوں اور کانگریس نواز طبقے کے لوگوں کا جو رد عمل ہوا وہ آپ نے مذکورہ خطوط میں دیکھ لیا۔ آپ یہ نہ سمجھئے کہ علامہ عثمانیؒ کے پاس معترضین اور مشککین ہی کے خطوط آئے بلکہ آپ کی تائید اور موافقت میں اہل ہند کے تعلیم یافتہ، قانون دان، دانشمند، تجار، پیشہ ور، طلبا اور عوام نے بھی بے شمار خطوط بھیجے جنکو شائع نہیں کیا گیا۔ بعض لوگوں نے جو کانگریس کے حامی تھے آپ کو قتل کی دھمکیاں بھی دیں اور بہت سوں نے آپ کے دولت خانے پر ہجوم کی صورت میں حفاظت اور نگرانی کی پیشکشیں بھی کیں مگر آپ سب سے بے نیاز اور بے پرواہ ہو کر خدائے پاک پر متوکل رہے۔

الغرض مذکورہ بالا خطوط میں سے ہر ایک خط میں نظریۂ پاکستان کی تفصیل اور اسکے اطراف و جوانب کی ایسی وضاحت کی گئی ہے کہ معمولی سمجھ کا انسان بھی نظریۂ پاکستان کی حمایت کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لاریب علامہ کی تحریروں نے سوئے ہوئے مسلمانوں کو جگا دیا اور ان کا عوام پر بے حد اثر ہوا۔

اب ہم آپ کو علامہ کی ان مساعی کی طرف لئے چلتے ہیں جن کے ذریعہ انہوں نے مرکزی مسلم لیگ اور صوبائی اسمبلی میں مسلم لیگ کے لئے ووٹ دیئے اور مسلم لیگ کے امیدواروں کو کامیاب بنانے کی بھرپور کوشش کی اور اس کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ (انوار الحق مرتب)

تیسرا خطبہ

خطبۂ صدارت

جو

مُسلم لیگ کانفرنس میرٹھ

منعقدہ دسمبر ۱۹۴۵ء

میں پڑھا گیا

از

حضرت مولانا شبیر احمدؒ صاحب عثمانی

جانشین شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا رحمۃ اللہ علیہ

چند
عنواناتِ خطبہ
ردِ انتخاب

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس خطبے کے چند زریں اقوال:

۱۔ ہماری جنگ شخصیتوں کی جنگ نہیں۔

۲۔ آج میں اس تاریخی مقام (میرٹھ) سے جہاں سے ۸۸ برس پہلے ایک منظم فوجی انقلاب کی تحریک اٹھی تھی، ایک منظم اور آئینی انقلاب کی طرف آپ کو دعوت دیتا ہوں۔

۳۔ جو مسلم اشخاص یا مسلم جماعتیں ہندو اور مسلمان کو ایک قوم کہتے اور سارے ملک کی ایک مخلوط حکومت چاہتے ہیں وہ سب کانگریس کے ساتھ ملحق ہیں ان کو ووٹ دینا فی الحقیقت کانگریس ہی کو ووٹ دینا ہوگا۔

۴۔ میں ان تمام ووٹ دینے والوں کو جو میرا مشورہ چاہتے ہیں پوری بصیرت سے اور غور و فکر کے بعد یہی مشورہ دونگا کہ وہ بحالت موجودہ صرف مسلم لیگ کے امیدوار کو ووٹ دیں۔

۵۔ پاکستان حاصل ہونے تک کا یہ درمیانی زمانہ ہماری سخت آزمائش کا زمانہ ہے۔ ہم کو پاکستان کے لئے قرآنی تعلیم و تربیت کا ابھی سے درس حاصل کرنا ہے۔

۶۔ الیکشن میں کامیابی کے بعد دستور سازی کے وقت ہم اپنی امکانی حد تک کوئی ایسا قانون بنائے جانے کی اجازت نہ دیں گے جو ہمارے پرسنل لا اور شرعی احکام کے خلاف ہو۔

۷۔ آپ پورے جوش اور ولولے اور عزم و استقلال کے ساتھ مسلم لیگ کو آگے بڑھانے ابھارنے سنوارنے اور نکھارنے میں سرگرم رہئے اور جو لوگ آپ کے سیاسی افکار کے مخالف ہیں ان سے آپ کا معاملہ شرافت، صبر و تحمل اور حسن اخلاق کے ساتھ ہونا چاہئے۔

(مرتب)

الیکشن کا پس منظر اور تاریخی خاکہ

اس سے پہلے کہ آپ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا آنے والا خطبہ پڑھیں جس میں انہوں نے مسلمانوں سے مسلم لیگ کے نمائندوں کو ووٹ دینے کی اپیل کی ہے مرکزی قانون ساز اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کے ہندوستان میں انتخابات کا ایک مختصر سا پس منظر اور تاریخی خاکہ ہم پیش کر دیں۔

دوسری جنگ عظیم ۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء

۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کو حکومت برطانیہ نے جرمن اور اس کے موافقین کے خلاف اعلان جنگ کیا ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء کی جنگ عظیم کے بعد یہ دوسری گریٹ وار (جنگ عظیم) تھی جو ۱۹۴۵ء تک طول پکڑ گئی۔ حکومت برطانیہ نے ہندوستانی لیڈروں اور عوام سے اس جنگ میں امداد کی اپیل کی اور کہا کہ اگر ہندوستان ہماری مدد کرے گا تو ہم اسکو جنگ کے بعد خود مختاری دے دیں گے۔ چنانچہ ہندوستان نے برطانیہ کی بھرپور مدد کی صرف پنجاب سے یونینسٹ وزارت کے وزیر اعظم خضر حیات وزیر پنجاب نے غلے اور روپیہ کے علاوہ نو (۹) لاکھ سپاہی برطانیہ کو مہیا کئے جو تمام ہندوستان کی نمائندگی کہی جا سکتی ہے۔

جب جنگ ختم ہوگئی اور برطانیہ کو فتح حاصل ہوئی تو لارڈ ویول گورنر جنرل ہند مارچ ۱۹۴۵ء میں لندن گئے اور جون ۱۹۴۵ء میں واپس آئے اور ایک سکیم لیکر آئے جو "ویول سکیم" کے نام سے موسوم ہے۔ اس سکیم میں آٹھ دفعات یا تجویزیں تھیں۔ مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کے لئے جدید آئین بننے تک ایک عبوری حکومت بنائی جائے لیکن حکومت کی تشکیل اور ہندو مسلم نمائندگی کے جھگڑے میں یہ کانفرنس جو شملہ میں ہوئی تھی فیل ہوگئی جیسا کہ ہم علامہ عثمانی کے کسی خط کے حاشیے میں لکھ چکے ہیں۔

اگست ۱۹۴۵ء میں لارڈ ویول پھر لندن گئے اور تین ہفتے مقیم رہے۔ ۱۶ ستمبر ۱۹۴۵ء کو برطانیہ کے وزیر اعظم اٹیلی اور وزیر ہند لارڈ پیتھک کے مشورے سے مستفید ہو کر ہندوستان واپس آئے اور ۱۸ اور ۱۹ ستمبر ۱۹۴۵ء کی درمیانی شب میں پونے دس بجے ریڈیو سے اپنے مشن کی تفصیلات سے اہل ہند کو اطلاع دی۔ اس تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ "مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخاب جس قدر ممکن ہو جلد کرائے جائیں چنانچہ انکی تقریر کا ایک جملہ یہ تھا

"مرکزی اور صوبائی آئین ساز مجلسوں کے انتخابات جو اتنے عرصے لڑائی کی وجہ سے ملتوی رہے آئندہ موسم سرما میں کئے جائیں گے۔" (علمائے حق حصہ دوم ص ۳۲۹-۳۳۰)

اس سے پیشتر انتخابات ۱۹۳۶ء میں ہوئے تھے اب بدلے ہوئے حالات کے ماتحت مسلمانوں اور

ہندوؤں کے لئے اپنے اپنے حقوق کے پیش نظر یہ انتخابات بہت اہم تھے گویا دونوں قوموں کے مستقبل کا بگڑنا اور سنورنا انہی انتخابات کے نتائج پر موقوف تھا۔

مگر خطرے کا سرخ نشان مسلمانوں کے لئے یہ تھا کہ قوم پرست مسلمانوں کی ایک تعداد کانگریس میں شامل تھی اور وہ کانگریس کو ہی تمام ملک کی سیاسی نمائندہ جماعت سمجھتی تھی لیکن دوسری طرف مسلم لیگ تھی جو کہتی تھی کہ کانگریس مسلمانوں کی نمائندہ جماعت نہیں ہے اور نہ وہ مسلمان ہیں جو کانگریس میں شامل ہیں اس لئے صرف دو متحارب اور متقابل جماعتیں میدان میں اتری تھیں۔ ایک کانگریس اور دوسری مسلم لیگ۔

مسلم لیگ کا نعرہ پاکستان تھا اور کانگریس کا متحدہ ہندوستان۔ اب ضرورت اس بات کی تھی کہ مسلم لیگ اپنی سرگرمیوں اور اسلامی اسپرٹ سے مسلمانوں کے سواد اعظم کو اپنے ساتھ لاکر اپنے خیال اور نظریۂ پاکستان کے علمبردار مسلمانوں کو کامیاب کرائے چونکہ کانگریس نے مسلم لیگ کے امیدواروں کے مقابلے میں کانگریسی مسلمانوں کو نامزد کیا تھا اس لئے مسلم لیگ کو ہندو قوم اور کانگریسی مسلمانوں کا بیک وقت مقابلہ کرنا تھا اور یہ الیکشن اپنے دو قومی نظریئے کی بقا کا اہم الیکشن تھا اگر مسلم لیگی ممبروں کے مقابلے میں کانگریسی مسلمان کامیاب ہو جاتیں تو پھر مسلمانوں کی یہ جماعت اسمبلیوں میں متحدہ ہندوستان کی تجویز کو بآسانی پاس کرکے پاکستان کی مخالفت میں کامیاب ہو جاتی۔

کانگریسی مسلمانوں میں مولانا ابوالکلام آزاد، رفیع احمد قدوائی، بیرسٹر آصف علی، حافظ محمد ابراہیم جمعیۃ العلماء ہند دہلی کے اعاظم رجال، احرار کے تمام حضرات، جماعت اسلامی، عنایت اللہ مشرقی اور انکی جماعت یہ سب حضرات اپنے خیال کے مطابق مسلم لیگ کے نظریات اور تقسیم ملک کو مسلمانوں کے لئے سود مند نہیں سمجھتے تھے۔ اس لئے مسلمانوں کی یہ تمام جماعتیں الیکشن میں کانگریس کو کامیاب بنانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھیں۔

دوسری طرف مسلم لیگ کی تائید اور نظریۂ پاکستان کی افادیت کے پیش نظر مسٹر محمد علی جناح اور حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی، مسٹر لیاقت علی اور دوسرے اکابر مسلم لیگ کو کامیاب بنانے میں کوشاں تھے۔ علامہ عثمانی نے الیکشن میں لیگ کو کامیاب بنانے کا اہم کردار ادا کیا اور انکی تحریروں، خطبوں، بیانات اور تقریروں نیز فتووں نے مسلم لیگ کے حق میں فضا کو بے حد سازگار بنایا اور کانگریسی امیدواروں کی ناکامی کا بڑا باعث علامہ عثمانی تھے چنانچہ مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ کو بڑی کامیابی ہوئی۔ مرکزی اسمبلی کے لئے مسلم لیگ کی طرف سے شہید ملت لیاقت علی اور کانگریس کی طرف سے محمد احمد صاحب کاظمی تھے۔ دونوں کا سخت مقابلہ ہوا اور لیاقت علی مسلم لیگ کے نمائندہ کامیاب ہوئے۔ انکی کامیابی میں علامہ عثمانی کا بڑا دخل تھا چنانچہ جمعیۃ العلماء ہند کے وفد سے دوران گفتگو میں آپ نے فرمایا تھا اگر میری وجہ سے نواب لیاقت علی کو کچھ ووٹ مل گئے اور وہ کامیاب ہو گئے تو کیا ہوا۔ ماشاء اللہ آپ حضرات کے ساتھ تو پوری جماعت ہے۔"

اگر لیاقت علی جو مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری تھے ہار جاتے تو معاملہ دگرگوں ہو جاتا۔ اب صوبائی اسمبلی کے انتخابات درپیش تھے۔ اس سلسلے میں دسمبر ۱۹۴۵ء میں میرٹھ میں مسلم لیگ کانفرنس کا انعقاد ہوا جسکی صدارت حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نے فرمائی جس کے نتیجے میں مسلم لیگی نمائندے کامیاب ہو گئے۔ آئندہ کا صدارتی خطبہ حضرت عثمانی نے اسی کانفرنس میں پڑھا تھا۔

(انوار الحسن مرتب)

خطبۂ صدارت میرٹھ کانفرنس

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ

وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ وَالۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ۔

برادران اسلام اور محترم قائدین مسلم لیگ! آپ حضرات نے اس کانفرنس کی صدارت مجھے تفویض فرمائی گو میں اس کا اہل نہ تھا۔ بہر حال اس قدر افزائی کا شکر گذار ہوں ممکن تھا کہ اگر مجھے زیادہ وقت اور مشاغل کثیرہ سے فرصت کا موقع ملتا تو کوئی بسیط خطبہ تیار کر لیتا لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میری قوم کچھ زیادہ فصاحت و بلاغت کی بھوکی نہیں وہ ایک ایسے دور سے گذر رہی ہے جبکہ تھوڑا سا وقت بھی ضائع کئے بدون اس کو اصل مقصد اور اس کے متعلقات سے سیدھے سادھے الفاظ میں آگاہ کر دیا جائے۔ بنا بریں میں طویل تمہیدات اور رسمی شکریوں میں پڑنے کی بجائے محض اصل مقصد اور اس کے بیان پر اکتفا کرتا ہوں۔ میری ان چند سطور کو جو بہت عجلت میں اختصار کے ساتھ لکھی گئی ہیں اگر آپ نے توجہ سے سنا اور کسی صحیح فیصلہ پر پہنچ گئے تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت بیکار نہیں گئی اور علالت اور مجبوری کے باوجود جو سفر میں نے بادل ناخواستہ اختیار کیا اس کا پھل مجھے مل گیا مجھے آپ کے ہاں نہ کوئی منصب چاہئے نہ تحسین آفرین کے نعرے ایک اور صرف ایک ہی چیز مجھے مطلوب ہے کہ مسلم قوم وقت کی نزاکت

ث ۱۹۴۵ء میں شیخ الاسلام گھٹنوں کے درد میں مبتلا رہے۔ گو اب آرام تو تھا لیکن سفر میں تکلیف رہتی ہے۔ انوار

اور سامنے آنے والے مسائل کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھ لے اور جو رکاوٹیں رستہ میں حائل ہیں ان کو دور کرنے کی کوشش کرے اور جس چیز کو حق و صواب سمجھے اس کی حمایت میں جان و دل سے سرگرم ہو جائے۔

اب میں اس تاریخی مقام سے جہاں سے ۸۸ برس پہلے ایک غیر منظم فوجی انقلاب کی تحریک اٹھی تھی آج ایک منظم اور آئینی انقلاب کی طرف آپ کو دعوت دیتا ہوں۔ امید ہے کہ آپ اس کو غور سے سنیں گے۔

مرکزی اسمبلی میں کامیابی

مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں حق سبحانہٗ تعالیٰ نے مسلم لیگ کو جو بے مثال کامیابی عطا فرمائی سب سے پہلے بارگاہ رب العزت میں اس پر شکر ادا کرنے اور اس کی تسبیح و تحمید اور استغفار میں مشغول رہنے کی ضرورت ہے خداوند قدوس کی نصرت و اعانت سے اس عدیم النظیر کامیابی نے مخالفوں کے حوصلے پست کر دیئے اور لیگ کے حامیوں کی ہمتیں بڑھا دیں مگر صوبہ جاتی الیکشن ابھی باقی ہے۔ جو پہلے سے کہیں زیادہ طویل و عریض اور سخت جد وجہد جانفشانی اور تندہی کا محتاج ہے مبادا کامیابی ادھوری رہ جائے اس لئے چند الفاظ صوبائی الیکشن کے ووٹروں کی خدمت میں بطور مشورہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

ووٹروں سے خطاب

موجودہ الیکشن میں جو نمائندے جائیں گے مستقل دستور بنانے میں انہی کا دخل ہوگا۔ اس لئے ووٹ ڈالنے والوں کو قرابت، پارٹی، لالچ، دوستی، تلمذ، پیری مریدی اور عقیدت وغیرہ کے تمام تعلقات سے قطع نظر کر کے اپنی عظیم ذمہ داری کو اچھی طرح محسوس کر لینا چاہئے۔ آج شخصیتوں کی جنگ نہیں اصول کی جنگ ہے اگر صحیح اصول پر نظر کر کے کسی قابل آدمی کو آپ نے ووٹ دیا تو آپ بحسن اسلوب اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے۔ اس کے برخلاف اگر آپ بنیادی اصول کو عمداً نظر انداز کر کے دوسری زائد بحثوں میں الجھ گئے، تو جو عظیم نقصان ایسا بے اصول طریقہ اختیار کرنے سے آئندہ قوم کو پہنچے گا۔ اس کی تمام تر ذمہ داری آپ کے سر رہے گی اور آپ ہی اس کے بارے میں مسئول و ماخوذ ہونگے۔

اب صورت حال یہ ہے کہ اصل مقابلہ لیگ کا کانگریس سے ہے۔ دوسری مسلم جماعتوں سے نہیں لیکن کانگریس نے یہ اعلان کر دیا ہے کہ جو جماعت یا شخص مسلم لیگ کے خلاف کھڑا ہو، کانگریس اس کی حمایت، اور امداد کریگی۔ اس لئے مسلم لیگ قدرتی طور پر کانگریس کے ساتھ اس کی امدادی یا معاون جماعتوں اور اشخاص کا مقابلہ کرنے پر بھی مجبور ہوئی۔ کیونکہ یہ جماعتیں اس وقت جو کچھ کہہ رہی ہیں، وہ فی الحقیقت ہندو اکثریت کے مطلب کی باتیں ہیں جو ان کی زبانوں سے ادا ہوتی ہیں۔ اصل جد وجہد محنت و مشقت، اور دوڑ دھوپ ان کی ہے اور اس کا میٹھا پھل آخر کار اسی ہندو قوم کو ملنے والا ہے گویا بقول اکبر مرحوم ان کی زبان حال اس طرح گویا ہے۔ ؎

انہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں — زبان میری ہے بات ان کی
انہی کی محفل سجا رہا ہوں — چراغ میرا ہے رات ان کی
سنے جو اس کو اسے تردد — جو اس کو دیکھے اسے تحیر
ہماری نیکی اور ان کی برکت — عمل ہمارا نجات ان کی

اب سنئے :-

اصل بنیادی اختلاف لیگ اور کانگریس میں یہ ہے کہ کانگریس کی ساری جڑ بنیاد قومیت متحدہ پر قائم ہے اس کا دعویٰ ہے کہ ہندو مسلمان ایک قوم ہیں اور پورے ہند کی مخلوط حکومت میں چونکہ ہندوؤں کی تعداد بہت زیادہ ہے اس لئے ایسے نظام حکومت میں جہاں ہر چیز کا فیصلہ محض رائے شماری سے ہوتا ہو، نو دس کروڑ مسلمانوں کو اقلیت کی وجہ سے ہمیشہ اور ہر جگہ ان کے ساتھ رحم و کرم پر رہنا ہوگا۔

مسلم لیگ کہتی ہے کہ ہندو اور مسلمان دو الگ مستقل قومیں ہیں اور پیدائش کے وقت سے مرنے کے بعد تک ان کا نام، ان کے کام، ان کے عقائد، اعمال عبادات، نکاح و طلاق، رہن سہن کے طریقے، غذائیں، تاریخی روایات، ہیرو، جذبات، تجہیز و تکفین، وراثت کے قاعدے غرض جملہ معاملات میں ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ ہیں حتیٰ کہ مسلمانوں میں سے بڑے سے بڑا صاف ستھرا پاک نفس، پاک باطن، عالم، متقی، اگر اپنی انگلی ہندو کے برتن کو لگا دے جسے کتے چاٹ رہے ہوں تو ہندو اسے مٹی اور گوبر سے مانجھ کر صاف کرتا ہے اور اس چھوت چھات کے دور کرنے کی ادنیٰ ترین کوشش بھی ان کا لیڈر نہیں کرتا جو اچھوت اقوام کو اپنے ساتھ ملانا چاہتا ہے۔

اب مسلم لیگ کا کہنا یہ ہے کہ جب دو قومیں جدا جدا ہیں تو آزادی ان میں سے ہر ایک کا حق ہے۔ ان میں سے ایک، ہمیشہ دوسرے کے رحم و کرم پر کیوں رہے۔ خصوصاً وہ غیور قوم جس نے اس دوسری قوم پر آٹھ سو برس تک حکومت بھی کی ہے اور آج بھی وہ زمین کے ایک بہت بڑے حصہ پر حکمران ہے۔

اس لئے ہم کم از کم یہ چاہتے ہیں کہ آج کل کے اصول کے موافق جن صوبوں میں جس قوم کی اکثریت ہو وہاں اس کی آزاد حکومت ہو۔ پھر دونوں آزاد قومیں عہد و پیمان اور مضبوط قول و قرار کے ذریعہ اس طرح سارے ملک کو خوشحال اور پُر امن بنائیں اور ہر تیسری قوم کو یہاں سے دفع کریں جس طرح دنیا کی دو چھوٹی بڑی آزاد سلطنتیں آپس میں معاہدہ کر کے اپنی بہتری کی کوشش اور اپنے مشترک دشمن کا مقابلہ کرتی ہیں۔ اُدھر اپنی قوم کے افراد و اشخاص میں جو خرابیاں پائی جائیں اپنی قومی طاقت اور اچھی تدبیروں سے ان کی اصلاح کرتے رہیں یہ نہ کریں کہ آپ اپنے بھائیوں سے خفا ہو کر دوسری

قوم کی گود میں جا بیٹھیں کہ یہ چیز غیرتِ ایمانی اور شرافتِ انسانی دونوں کے خلاف اور اپنی قوم کے لئے سخت ضرر رساں ہے۔

اب جو مسلم اشخاص یا مسلم جماعتیں ہندو اور مسلمان کو ایک قوم کہتے اور سارے ملک کی ایک مخلوط حکومت چاہتے ہیں وہ سب کانگرس کے ساتھ ملحق ہیں ان کو ووٹ دینا فی الحقیقت کانگرس ہی کو ووٹ دینا ہوگا۔ ان کے مقابل جو ان کو دو مستقل قومیں مانتا ہے اور دونوں کی الگ الگ آزاد حکومت چاہتا ہے وہ لیگ کی طرف رہے گا۔ آگے اس کا فیصلہ ہر پڑھا لکھا اور ان پڑھ آدمی یہاں کے آپس کے معاملات کو دیکھ کر خود کر سکتا ہے کہ یہ سب ایک قوم ہیں یا دو اور بیک وقت مکمل آزادی دونوں قوموں کا حق ہے یا صرف ایک کا۔

عجیب تر بات یہ ہے کہ ہندوستان کے موجودہ وائسرائے لارڈ ویول نے جو برطانوی تاج اور برطانوی حکومت کا سب سے بڑا نمائندہ ہے اوّل ۱۷ فروری ۱۹۴۴ء کو سنٹرل اسمبلی میں اس کے بعد ۱۴ دسمبر ۱۹۴۴ء کو بمقام کلکتہ اجلاس ایسوسی ایٹڈ چیمبر آف کامرس میں پھر ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو موقع دوبار راولپنڈی اپنی دوران تقریر میں یہ اشارات کئے ہیں کہ اس ملک کی تقسیم نہیں ہو سکتی اور کوئی عملِ جراحی اس پر نہیں ہونا چاہئے بلکہ مرکز حکومت ایک ہی رہنا چاہئے، نیز ان سے پہلے وائسرائے لارڈ لنلتھگو نے ۷ دسمبر ۱۹۴۲ء آل انڈیا ایسوسی ایٹڈ چیمبر آف کامرس منعقدہ کلکتہ میں یہی بات اجمالاً کہی تھی۔ گویا اس وقت صورت حال یہ ہوئی کہ کانگرس وائسرائے اور کانگرس کی حامی جماعتیں سب ایک طرف وحدانی حکومت کی حامی ہیں مسلم لیگ تنہا ان سب کے اجتماعی نظریہ کے بالمقابل کھڑی ہے۔ کیا ان حالات میں آپ پسند کریں گے کہ مسلم لیگ کے خلاف ووٹ دے کر کانگرس کی صراحتوں اور حکومت برطانیہ کے سب سے بڑے نمائندے کے اشاروں کی تائید و حمایت کریں۔

ایک ایسی سی بات اور سوچنے کی ہے (پاکستان یعنی مسلم قوم کی حصہ رسدی آزادی) پر جس قدر اعتراضات قوم پرست مسلمان کر رہے ہیں وہ سب ان سے پہلے ہندوؤں کے اخباروں اور لیڈروں نے کئے ہیں جن میں سے اکثر کا حاصل یہ ہے کہ پاکستان سے صرف مسلم قوم کا نقصان ہے ہندوؤں کو کچھ ضرر نہیں۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں اپنے ضمیر کی آواز سے دل پر ہاتھ رکھ کر جواب دیجئے، کہ کیا واقعی آپ کے نزدیک ہندوؤں کو اس قدر بے قراری اور اضطراب اور درد اس کا ہے کہ گو ہمارا تو فائدہ ہے لیکن پاکستان بننے میں بیچارے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچ جائے گا۔ ہم اپنے فائدے کے مقابلہ میں مسلمانوں کا نقصان برداشت کریں اسی لئے ہم لاکھوں روپیہ ان جماعتوں کی مدد پر خرچ کر رہے ہیں جو پاکستان کی مخالف ہیں اگرچہ اس خرچہ کا نتیجہ اب تک یہی ہوا ہے اور آئندہ بھی انشاء اللہ یہی ہوگا۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ.

کافر لوگ اپنے مال اللہ کے راستہ سے روکنے کی غرض سے خرچ کرتے ہیں تو ضرور وہ مال و دولت خرچ کریں گے پھر ان کو حسرت ہوگی پھر ہاریں گے۔

رہی انگریز کی غلامی سے نجات وہ بہر حال دونوں قوموں کے باہمی معاہدہ کے بعد متحدہ و متفقہ کوشش سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اس میں کوئی رکاوٹ پاکستان کی صورت میں بھی نہیں۔

ان تمام صاف اور کھلی ہوئی باتوں کو سمجھ کر بھی اگر کوئی شخص مسلم لیگ کے مخالف ووٹ دیتا ہے تو وہ خود اپنے اور اپنی قوم کا انجام سوچ لے اور آخرت کی جواب دہی کی بھی فکر کرے کہ اس نے جان بوجھ کر اپنی قوم کو نقصان پہنچایا اور اسے کفار کی نظروں میں ذلیل اور رسوا کیا۔ بناءً علیہ میں ان تمام ووٹ دینے والوں کو جو میرا مشورہ چاہتے ہیں پوری بصیرت سے اور غور و فکر کے بعد یہی مشورہ دوں گا کہ وہ بحالت موجودہ صرف مسلم لیگ کے امیدوار کو ووٹ دیں اور اس کے خلاف کسی شخصیت اور کسی تعلق کی پروانہ کریں۔ وما علینا الا البلاغ

متردّدین سے خطاب:۔

یہاں ایک خلش باقی رہ جاتی ہے جو عموماً مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے اور پیدا کرائی جاتی ہے اور پیدا ہونی بھی چاہئے کیونکہ اس کا منشا خالص دین اور محض جذبہ اسلامیت ہے مسلمان ہر چیز کو برداشت کر سکتا ہے لیکن وہ کتنا ہی گنہگار ہو یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتا کہ دین اسلام کو کوئی نقصان پہنچتا دیکھے یا ایسے لوگوں کی تائید کرے جن سے دین کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو بہر حال جمہور اہل اسلام کا دینی جذبہ کبھی اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ دہریوں، بے دینوں، مرتدوں اور باطل پرست فرقوں یا اعلانیہ احکام دینیہ سے بے پرواہی برتنے والوں کی ہمت افزائی کریں یا اُن کی بے دینی میں مدد کریں۔

مسلم لیگ کا دروازہ چونکہ ہر مدعیٔ اسلام کے لئے کھلا ہوا ہے اور اس میں کچھ ایسے لوگ بھی شامل ہو گئے ہیں جو فی الحقیقت مذکورہ بالا گروہوں میں سے بعض کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اس لئے بہت سے دیندار مسلمان اس میں کشادہ دلی کے ساتھ شامل ہونے سے پرہیز کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ ایک سچا دینی جذبہ ہے جو نہایت قابل قدر ہے اور راقم الحروف خود ایک مدت دراز تک اسی کشمکش و پیچ میں رہا اور یہی وجہ ہے کہ خاصی تاخیر سے میں نے مسلم لیگ کی حمایت میں قدم اٹھایا۔ میں نے اپنی قدرت کی حد تک مسئلہ کی نوعیت پر قرآن و سنت اور فقہ حنفی کی روشنی میں غور و فکر کیا، اللہ سے دعائیں کیں اور استخارے کئے بالآخر ایک چیز میرے اطمینان اور شرح صدر کا سبب بنی اور وہ حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ

ی ایک تصریح ہے جو ان کی کتاب السیر الکبیر میں موجود ہے اور آپ جانتے ہیں کہ فقہ حنفی کا سارا مدار نہیں امام محمدؒ کی تصنیفات پر ہے۔

اس تصریح کے سننے سے قبل میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں کہ جو کثیر التعداد باطل فرقے زبان سے اسلام کا دعویٰ کرنے والے اور اس کا کلمہ پڑھنے والے ہیں ان میں خوارج ہی ایک ایسا فرقہ ہے جس سے کی اور کھلی کھلی حدیثیں کسی دوسرے فرقہ کے بارے میں نہیں آئیں۔ اہل علم جانتے ہیں کہ اس فرقہ کی نسبت کیسے کیسے صاف ارشادات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہما میں موجود ہیں۔ جن میں سے چند الفاظ یہاں نقل کرتا ہوں۔ ان روایات کے حوالے فتح الباری اور فتح الملہم میں دیکھ لئے جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ

وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کا جسم چھید کر صاف نکل جاتا ہے۔ اور فرمایا

لَئِنْ اَدْرَكْتُهُمْ لَاَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ ثَمُوْدَ

اگر میں نے ان کو پایا تو عاد و ثمود کی طرح ان کا استیصال کر دوں گا ——— اور

هُمْ شَرُّ الْخَلْقِ اور وہ بدترین خلائق ہیں اور اَبْغَضُ الْخَلْقِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض ہیں۔ اور قَدْ كَانَ هٰؤُلَاءِ مُسْلِمِيْنَ فَصَارُوْا كُفَّارًا یہ پہلے مسلمان تھے پھر کافر ہو گئے۔ اَيْنَمَا تَجِدُوْهُمْ اُقْتُلُوْهُمْ تم ان کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔

اس فرقہ کا عقیدہ ہے کہ جو مسلمان کسی ایک گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو وہ کافر ہے اس کی جان و مال سب حلال ہیں۔ خیال کیجئے کہ آج اس عقیدہ کے موافق کتنے آدمی مسلمان باقی رہیں گے۔ علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ ان کے حالات میں کہتے ہیں۔

يَسْتَحِلُّوْنَ دِمَاءَ الْمُسْلِمِيْنَ اَمْوَالَهُمْ وَيُكَفِّرُوْنَ الصَّحَابَةَ	وہ مسلمانوں کے خون اور ان کے اموال کو حلال سمجھتے ہیں اور صحابہ (حضرت علیؓ وغیرہ) کو کافر سمجھتے ہیں۔

اب خیال فرمائیے کہ ایسے فرقہ سے کسی طرح کے تعلقات رکھنا یا ان کی مدد کر کے ان کی شوکت بڑھانا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔

ان تمام امور کے باوجود حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ان خوارج کی جنگ مشرکین بت پرستوں کیساتھ ہو جائے تو اہل حق مسلمانوں کو کچھ مضائقہ نہیں کہ ان کفار اور مشرکین کے مقابلہ میں اُن کی مدد کریں۔ کیونکہ وہ اس وقت کفر صریح کے فتنہ کو دفع کرنے اور نقش اسلام کو ظاہر کرنے کے لئے لڑ رہے ہیں۔ یعنی چونکہ کلمہ گو ہیں اور اس وقت مشرکین کے مقابلہ میں اس کلمہ کو بلند کرنا ان کا مقصد ہے

خواہ فی الحقیقت وہ کتنے ہی اس سے ہٹے ہوئے ہوں۔ اس لئے کھلم کھلا کلمۂ اسلام سے انکار کرنے والوں کے مقابلہ پر ان کا لڑنا محض اسلام کے نام اور اس کے کلمہ پر لڑنا ہے لہٰذا ان کی مدد کی جا سکتی ہے، غور کیجئے کہ خوارج کو یہ امداد کیا ان کی تقویت کا سبب نہ بنے گی۔ مگر دیکھنا صرف یہ ہے کہ اس وقت ان کا مقابلہ ان لوگوں سے ہے جو نقش اسلام کے نام سے چڑتے ہیں اور کلمہ سے اعلانیہ بیزار ہیں۔

اتفاق سے آج ہندوستان میں مسلم لیگ کا مقابلہ بھی کفار و مشرکین سے ہے اور مسلم لیگ میں شریک ہونے والے کلمہ گو مدعی اسلام ہیں۔ جو مسلمانوں کے قومی استقلال، سیاسی اقتدار نفس کلمۂ اسلام کے اعلاء اور ملت اسلامیہ کو من حیث المجموع، مضبوط، طاقتور اور سربلند کرنے کے لئے ایک آئینی جنگ ان کفار اور مشرکین کے مقابلہ پر کر رہے ہیں۔ پھر مسلم لیگ میں شامل ہونے والے بے شمار آدمیوں میں ان چند باطل پرستوں کی تعداد اہل حق کی نسبت عشر عشیر بھی نہیں۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ مسلم لیگ اس کا فتویٰ دے رہی ہے کہ وہ کل آدمی جو لیگ میں شامل ہوں فی الواقع اور عند اللہ بھی مومن یا مسلم ہیں۔ اس نے اپنے دستور میں اعلان کر دیا ہے کہ ہماری مراد مسلم کے لفظ سے صرف اس قدر ہے کہ اس میں شریک ہونے والا اسلام کا دعویٰ رکھتا ہو اور اس کا کلمہ پڑھتا ہو، کیونکہ مسلم لیگ کوئی مفتیوں کی جماعت نہیں۔ علماء کے فتاویٰ اپنی جگہ پر قائم رہیں گے صرف کلمہ گویوں کے مقابلہ میں قدرے توسیع کی گئی ہے۔ گو واقعۃً اس قدر توسیع بھی مستحسن نہ ہو تاہم مسلم لیگ سے کنارہ کشی کے لئے یہ عذر نہیں بن سکتا۔ اب اس کے بعد تمام علماء کا یہ کام ہے کہ وہ سب مل کر لیگ میں آئیں جس طرح پہلے ۱۹۳۶ء میں آچکے تھے اور معقولیت اور اکثریت کے زور سے اس چیز کی اصلاح کریں اور فاسد عناصر سے اس کو پاک کرنے کی متفقہ کوشش عمل میں لائیں۔ نہ یہ کہ مسلم لیگ سے خفا ہو کر دشمن کے کیمپ میں شامل ہو جائیں۔ اگر آپ تمام علماء مع اپنے متبعین کے ادھر آجائیں تو سب کا متفقہ مطالبہ یہاں کی ہمسایہ اقوام کو بھی ماننا پڑے گا اور اس طرح تمام ہندوستانی مل کر آپس کے معاہدات کے تحت بیرونی طاقت کی غلامی سے تھوڑے سے وقت میں بآسانی نجات حاصل کر لیں گے۔

اُدھر لیگ کے موجودہ رہنما اور قائدین جو غلطیاں علماء اسلام کے نزدیک دین سے بے خبری یا لاپروائی کی بناء پر کر چکے ہیں یا کر رہے ہیں ان کے تدارک کی بھی واحد صورت یہی ہو سکتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اپنا اثر و رسوخ لیگ میں بڑھائیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ عامۃ المسلمین اور بہت سے اونچے طبقے کے حضرات کی طاقت ایسی اصلاحی آواز کی پوری قوت کے ساتھ تائید کرے گی۔

اب میں آخر میں بطور اتمام حجت بمقتضاء الدین النصیحۃ مسلم لیگ کے ممتاز اور ذمہ دار قائدین کو ایک خادم دین کی حیثیت سے نہایت خلوص قلب کے ساتھ مخاطب کرنا چاہتا ہوں۔

ذمہ دار قائدین لیگ سے خطاب:-

مسلم قوم کی تنظیم۔ نصب العین کی وحدت ہندی مسلمانوں کے قومی وسیاسی استقلال اور ان کی مرکزیت کو مضبوط تر بنانے کے لئے آپ حضرات نے جو خدمات جلیلہ انجام دیں وہ یقیناً لائق تبریک وتحسین ہیں۔

ہر فرد مسلم جسے اس نازک ترین دور میں ملت کی اجتماعی ضروریات کا صحیح احساس ہے۔ آپ کے لئے جذبات امتنان اپنے قلب میں موجزن پاتا ہے اس کے ساتھ اس نازک موقعہ پر جبکہ نواب محمد اسمٰعیل خاں صاحب صدر مجلس عمل آل انڈیا مسلم لیگ علمائے ربانیین سے لیگ کی دستگیری اور حمایت کی پر زور اپیل کر رہے ہیں، چند اہم امور کی طرف بروقت آپ کی توجہ منعطف کرانا بھی ہم ضروری سمجھتے ہیں۔ علماء کرام کی ایک معتدبہ جماعت نے خصوصاً جمعیۃ علماء اسلام کے اصل مطمح نظر کو تقویت پہنچانے کے لئے جو آواز بلند کی ہے اس کا مقصد نہ آپ کو خوش کرنا ہے اور نہ محض لیگ کے بڑھتے ہوئے اقتدار میں حصہ دار بننے کے لئے اس کے ساتھ اپنے دامن کو وابستہ کر دینا ہے۔

تائید لیگ کیوں ہو — ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ ایک صحیح اصول کی تائید وحمایت شخصیات سے بے نیاز ہو کر مناسب حد تک کی جائے مسلم لیگ کامیاب ہو یا نہ ہو بلکہ فرض کر لیجئے کہ وہ خود کل اس مسلک کو چھوڑ دے جسے اس نے آج اختیار کر رکھا ہے۔ تب بھی انشاء اللہ یہ نہ ہوگا کہ جس چیز کو ہم صحیح سمجھتے ہیں اسے غلط کہنے لگیں۔

حق کی حمایت — حق کہنے والے کو اکیلا رہ جانے سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ احادیث صحیحہ میں ہے کہ بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام قیامت کے دن ایسے آئیں گے جن کا اتباع کرنے والے صرف ایک یا دو آدمی ہوں گے بلکہ بعض وہ ہوں گے جن کے ساتھ ایک آدمی بھی نہ ہوگا۔ کیا کہا جاسکتا ہے کہ وہ معاذ اللہ حق پر نہ تھے۔ بہر حال آپ کو یقین رکھنا چاہئے کہ ہم حق کی محض حق کے لئے حق سمجھ کر تائید کر رہے ہیں جس سے بڑی غرض وغایت یہ ہے کہ اگر مسلم لیگ کو اللہ سبحانہٗ تعالیٰ اپنے فضل ورحمت سے کامیابی عطا فرما دے اور پاکستان قائم ہو جاوے تو آپ اور قائدین لیگ اپنے حسب ذیل مشتہرہ اعلانات کے صدق دل سے پابند رہیں۔

اعلان قائد برائے نظام اسلام — لیگ کے سب سے بڑے قائد مسٹر محمد علی جناح نے نومبر ۱۹۳۹ء عید الفطر کے موقع پر بمبئی کے مسلمانوں کو اس طرح مخاطب فرمایا تھا۔

"مسلمانو! ہمارا پروگرام قرآن پاک میں موجود ہے۔ ہم مسلمانوں کو لازم ہے کہ قرآن پاک کو غور سے پڑھیں اور قرآنی پروگرام کے ہوتے ہوئے مسلم لیگ مسلمانوں کے سامنے کوئی دوسرا پروگرام پیش نہیں کر سکتی۔"

آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کراچی کے موقعہ پر انہوں نے ہزار ہا مسلمانوں کی موجودگی میں نہایت تاکید سے

فرمایا تھا کہ:

"قرآن حکیم تمام مسلم قوم کی پشت پناہ، ملجا وماویٰ اور قومی کشتی کا کھیون ہار ہے اور مسلمانوں کا فرض ہے کہ قرآن پاک کو غور پڑھیں اور اس پر عمل کریں اور تعلیمات قرآنی کو سب سے مقدم سمجھیں۔"

اسی طرح کی نصیحتیں علیگڑھ، سیالکوٹ، دہلی، لاہور وغیرہ مختلف مقامات پر کیں۔ پھر ستمبر ۱۹۴۵ء کی گذشتہ عید کے موقعہ پر جو پیغام انہوں نے دیا وہ بہت ہی مفصل اور مشرح ہے۔ اس کا ایک جملہ یہ تھا کہ:

"ہر مسلمان کا فرض اسلامی ہے کہ وہ قرآن پاک کی تلاوت کیا کرے تاکہ احکام الٰہیات [illegible] اور ان پر عمل [illegible] دنیاوی معاملات [illegible] آخرت [illegible] ہو۔"

اعلان [illegible] برائے قیامِ احکام اسلام:-

ابھی حال ہی میں جناب نوابزادہ لیاقت علی خان صاحب [illegible] جنرل سیکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ نے بمقام پشاور بموجودگی ارکان عہدہ داران مجلس عمل اعلان فرمایا کہ:

"پاکستانی علاقوں میں تمام نظام وانتظام حکومت قرآن پاک کے احکام واصولوں کے بموجب ہوگا۔"

چنانچہ ان ہی اعلانات سے متاثر ہو کر جناب ارباب عبد الغفور خاں صاحب خلیل مع جملہ افغانان جرگہ سرحد مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ مذکورہ بالا اعلانات کی روشنی میں مجھے کہنے دیجئے کہ قرآن حکیم کی ہدایت واحکام پر عمل کرنے کے لئے کچھ قیام پاکستان کی ضرورت نہیں بلکہ سچ پوچھئے تو پاکستان کا ملنا احکام شرعیہ اور تعلیمات قرآنیہ پر استقامت کے ہمارے عمل درآمد رکھنے کا ثمرہ ہوگا۔

فرض کیجئے پاکستان ملے یا نہ ملے۔ جلد ملے یا دیر سے ملے قرآنی احکام تو کسی وقت بھی معطل نہیں ہو سکتے۔ تا بحد استطاعت ہم کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ہمہ وقت احکام اسلام کی پابندی ضروری ہے خصوصاً ارکان خمسہ (کلمہ شہادت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج) کا التزام اور شراب، سود، زنا، قمار غرض تمام منکرات وفواحش سے اجتناب واحتراز بہر صورت لازم ہے اور ان چیزوں کا لزوم جس قدر عامۂ مسلمین کے حق میں ہے اس سے زیادہ مؤکد علماء اور قائدین کے حق میں سمجھنا چاہئے کیوں کہ ان کے ذاتی افعال واطوار کا اثر دوسروں تک پہنچتا ہے اور ان کی صلاح وتقویٰ سے قوم کا مزاج درست ہوتا ہے اور اس طرح پوری قوم حق تعالیٰ شانہٗ کی نصرت وحمایت کی مستحق ہو جاتی ہے پھر خدائے قدوس کی نصرت اگر حاصل ہو جائے تو تمام مخالف خائب وخاسر ہو کر رہ جاتے ہیں۔

(إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ) اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور اگر تم کو ذلیل کرے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے اور اللہ ہی پر ایمان والوں کو بھروسہ کرنا چاہئے۔

اکبر مرحوم نے خوب کہا ہے۔ ؎

ان کے مضبوط جہازوں کی مددگار ہے آگ — میری ٹوٹی ہوئی کشتی کا سہارا اسلام
خوفِ حق اُلفتِ احمد کو نہ چھوڑ اے اکبر — منحصر ہے انہیں دو لفظوں پہ سارا اسلام

میں نے جہاں تک قرآن کریم میں تدبر کیا اجمالی طور پر دو آیتیں ہماری انفرادی و اجتماعی کامیابیوں کے لئے کافی ہیں۔ انہیں کی تفصیلات قرآن کریم کے بہت سے مقامات میں پھیلی ہوئی ہے۔ ایک آیت فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (التغابن پ۲۸)

دوسری آیت وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ ... يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ (انفال پ۱۰)

حق تعالیٰ کی شفقت و حکمت کو دیکھئے کہ دونوں جگہ استطاعت کی شرط کی تصریح فرما دی ہے تاکہ استطاعت کی حد تک تو ہم اپنی کوشش میں کمی نہ کریں اور جو ہماری استطاعت سے باہر ہو اس کے فقدان سے بے دل اور مایوس نہ ہوں۔

اگر آپ ٹھنڈے دل سے یکسوئی کی ساعتوں میں غور فرمائیں گے تو منکشف ہو جائے گا کہ پاکستان حاصل ہونے تک کا یہ درمیانی زمانہ ہماری سخت آزمائش کا زمانہ ہے۔ ہم کو بعد پاکستان کے لئے قرآنی تعلیم و تربیت کا ابھی سے درس حاصل کرنا ہے اور اپنے نفس کو اس کی خواہشات کے خلاف ان امور کا خوگر بنانا ہے جو زیادہ وسیع پیمانہ پر انجام دینے ہوں گے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ قرآن کریم نے تمکین فی الارض (یعنی اسلامی حکومت) کی کیا غرض و غایت بیان فرمائی ہے۔ سنئے اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ۔ اگر ابھی سے ہم نے ان چیزوں کی عادت نہ ڈالی تو اس وقت ہمارا انتظام کیسے درست ہوگا۔ اگر ہم آج ہر شعبہ زندگی میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کے سامنے کشادہ دلی سے گردن جھکانا نہ سیکھیں گے تو کل کیا توقع کی جا سکتی ہے کہ ہم دوسروں کو ان کے فیصلوں کی طرف دعوت دیں گے تو لوگ ہماری دعوت پر لبیک کہیں گے فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ ہم اس وقت غیر اللہ کی غلامی میں رہتے ہوئے جس قدر آزاد ہیں جو چاہیں کرتے رہیں کوئی احتساب اور روک ٹوک نہیں۔ آزادی ملنے کے بعد یہ آزادی نہ رہے گی۔ بلکہ ایک بہت بڑی غلامی (اللہ کی عبودیت) کا عملی ثبوت دینا ہوگا۔

کیا آپ حضرات اپنے ایک مخلص بھائی کی استدعا پر توجہ فرمائیں گے۔ خدا کی قسم اگر ہماری قوم کے بڑے آدمیوں نے عملاً قرآنی احکام کی پابندی بلا تاخیر اور بلا کسی ہچکچاہٹ کے شروع کر دی تو موجودہ تحریک

میں بے حد و حساب زور پیدا ہو جائے گا اور رفتہ رفتہ عوائق و موانع اللہ کی مدد سے سب دور ہوتے چلے جائیں گے۔ قرآنی احکام کا لفظ استعمال کرتے وقت یہ واضح رہنا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا اتباع اور آپ کے ارشادات گرامی کا امتثال بھی اسی لفظ کے تحت میں آجاتا ہے۔ علمائے سلف صالحین کے طور طریق کا تتبع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سب سے پہلے ایسی چیز پر نظر اور اس کی تلاش کرتے ہیں کہ کسی قسم کے پیش آنے والے معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق کار کیا تھا کیونکہ وہ حضور کی مبین و شارح قرآن ہونے کی حیثیت کو بخوبی سمجھتے تھے۔ پھر یہ چیز بھی عادتاً بعید ہے کہ کسی معاملہ میں قرآن کا کوئی حکم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح و تشریع صدیاں گذر جانے پر بھی امت مرحومہ کی سمجھ میں نہ آئے اور مرورِ دہور کے باوجود امت کے تمام اہل علم اور ائمہ مجتہدین باوجود انتہائی جد و جہد اور غایت و شغف احتیاط کے ساتھ اس کی صحیح مراد سے (معاذ اللہ) جاہل رہیں کسی حکم شرعی کے متعلق جس پر عمل پیرا ہونے کی امت کو ہدایت ہو ایسا خیال کرنا گویا قرآن مبین کو چیستاں بنا دینا ہے۔

اسلام کے قیام کے بعد احکام اسلام کا اجرا ہوگا:۔

بناءً علیہ میں تمام ذمہ دار قائدین کو ایک ادنیٰ خادم دین کی حیثیت سے نہایت پرزور طریق پر دعوت دیتا ہوں کہ خود اپنے اعلان کردہ الفاظ کے مطابق قرآنی احکام کی سرًّا و علانیۃً پابندی فرمائیں اور مسلمانوں کو برابر باقاعدہ یہ اطمینان دلاتے رہیں کہ الیکشن میں کامیابی کے بعد دستور سازی کے وقت ہم اپنی امکانی حد تک کوئی ایسا قانون بنائے جانے کی اجازت نہ دیں گے جو ہمارے پرسنل لاء اور شرعی معاملات کے بارہ میں علماء اسلام کے طے کردہ فیصلے کے خلاف ہو اور اس طرح غلطیاں نہ کی جائیں گی جو ماضی میں بعض احکام شرعیہ سے بے خبری یا لاپروائی کی بناء پر آپ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ اگر خدانخواستہ ایسی غلطیوں کا صدور ہو تو یہ چیز عامۂ مسلمین کیلئے ناقابل برداشت ہوگی اور وہ یہ سمجھیں گے کہ جو مقصد لیگ کی حمایت اور اس کے حق میں ووٹ دینے کا تھا وہ حاصل نہ ہوا بہر حال ہم کو اس کی پوری کوشش کرنی چاہئے کہ اس سلسلہ میں ہم عند اللہ و عند الناس ماخوذ نہ ہوں میں امیدوار ہوں کہ آپ ایک بے لوث مخلص کی گذارش پر اسی اسپرٹ میں نظر کریں گے جس میں وہ پیش کی گئی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ حاکیا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَدْعُوْا الی اللہ لبصیرۃ انا ومن اتبعنی۔

خاتمہ کلام پر ایک اور ضروری چیز پر تنبیہ کرتا ہے وہ یہ کہ آپ پورے جوش، ولولہ اور عزم اور استقلال کے ساتھ مسلم لیگ کو آگے بڑھانے، ابھارنے سنوارنے اور نکھارنے میں سرگرم رہیے اور ساتھ ہی اس کے نام کی لاج رکھئے۔ دیکھئے یہ مسلم لیگ ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ (مسلم وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے لوگ محفوظ رہیں)

مسلم لیگ والوں کو صبر و تحمل اور شرافت کی تلقین

جو لوگ آپ کے سیاسی افکار کے مخالف ہیں اُن سے بھی آپ کا معاملہ شرافت، صبر و تحمل اور حسن اخلاق کے ساتھ ہونا چاہئے۔ گو دوسری طرف سے کچھ زیادتی اور اشتعال انگیزی بھی کی جائے۔ بعض مقامات پر جو ناشائستہ برتاؤ مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے ساتھ کیا گیا اگر اس کے متعلق اخبارات کی روایات صحیح ہیں تو میں اس پر اظہار بیزاری کئے بدون نہیں رہ سکتا۔ مولانا کی سیاسی رائے خواہ کتنی ہی غلط ہو۔ ان کا علم و فضل بہر حال مسلّم ہے اور اپنے نصب العین کے لئے ان کی عزیمت و ہمت اور انتھک جد و جہد ہم جیسے کاہلوں کیلئے قابل عبرت ہے اگر مولانا کو اب مسلم لیگ کی تائید کی بناء پر میرے ایمان[1] میں خلل بھی نظر آئے یا میرے اسلام میں شبہ ہو تو مجھے ان کے ایمان اور انکی بزرگی میں کوئی شبہ نہیں۔ کیا کروں

[1] اس جملے میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے تاریخی ریمارکس کی طرف اشارہ ہے جو حضرت موصوف نے علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ پر کئے تھے میرے ہم وطن مولانا سعید الدین شیر کوٹی ابن مولانا عماد الدین صاحب شیر کوٹی نے ایک خط کے ذریعہ جو انہوں نے مجھے ۱۱ر جولائی ۱۹۶۹ء کو پشاور سے لکھا ہے اس قصے کا پس منظر اس طرح پیش کیا ہے:۔

"تاریخ تو صحیح یاد نہیں غالباً ۱۹۴۵ء کا اخیر تھا حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ مظفر نگر کے ایک اجتماع میں یہ فرما بیٹھے کہ "مجھے تو شبیر احمد کے ایمان میں تردد ہوا جاتا ہے" ــــ اس کے دو قصے کے بعد میرٹھ میں مسلم لیگ کی ایک کانفرنس تھی جس میں علامہ عثمانیؒ صدارت فرما رہے تھے راقم الحروف اس کانفرنس میں دیوبند سے کہ میں وہاں زیر تعلیم تھا حضرت علامہؒ کے ساتھ ہی گیا تھا اور اسٹیج پر میں اور مولینا محمد یحییٰ صاحب (حضرت علامہ کے بھتیجے داماد) حضرت عثمانی کی کرسی کے پاس ہی بیٹھے تھے اس کانفرنس کیلئے حضرت علامہؒ نے ایک مختصر سا خطبہ صدارت تحریر فرمایا تھا اور اجتماع میں لکھے ہوئے خطبے کا کچھ حصہ پڑھ کر حضرت اُس کی توضیح و تشریح فرماتے جاتے تھے ــــ دوران خطبہ آپ نے فرمایا:

"مجھ میں جو کوتاہیاں ہیں بخوبی جانتا ہوں۔ اپنی بیماری و معذوری اور گھٹنوں کے درد کی وجہ سے پاس کی مسجد تک میں جانے سے معذور ہوں اسی طرح ہر شخص اپنی کوتاہیوں کا جتنا علم رکھتا ہے کوئی دوسرا اتنا نہیں رکھتا یعنی انسان اعلم بالنفس ہوتا ہے اور دوسروں سے زیادہ اپنے حالات کو جانتا ہے لیکن اس کے باوجود شریعت اسلامی کسی بھی شخص کو اپنے ایمان میں تردد کی اجازت نہیں دیتی۔

پھر فرمایا:

اپنی خامیوں کو سب سے زیادہ جاننے کے باوجود جب مجھ کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنے ایمان میں تردد کروں تو کسی دوسرے کو کب یہ حق پہنچ سکتا ہے کہ وہ میرے یا کسی کے ایمان میں تردد کا اظہار کرے۔"

یہ جواب تھا حضرت مدنیؒ کے ارشاد کا لیکن فقہی انداز میں اور عالمانہ شان سے۔

اس کانفرنس کے چند دن بعد میں طیب منزل دیوبند (دولتکدہ حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند مدظلہ) کے صحن میں کھڑا تھا کہ حضرت مدنیؒ مہتمم صاحب سے ملنے تشریف لائے میں نے حضرت مہتمم صاحب کو اطلاع کرائی وہ تشریف لائے دونوں حضرات

(باقی ص۱۸۱ کے نیچے)

علماء نے لکھا ہے کہ مومن اپنے ایمان میں تو تردد نہیں کر سکتا۔ ہاں اپنی سیاہ کاریوں کے پیش نظر اپنے کو مومن کہتے ہوئے ذرا شرم سی آتی ہے۔ البتہ ڈرتے ڈرتے اتنا عرض کرنے کی ضرور جسارت کروں گا۔

گو دعویٔ تقویٰ نہیں درگاہ خدا میں
بت جس سے ہوں خوش ایسا گنہگار نہیں ہوں

اب میں آپ حضرات کی عزت افزائی اور مہمان نوازی کے شکریہ اور دعا پر اپنا معروضہ ختم کرتا ہوں

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ۔
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

(العبد شبیر احمد عثمانی۔ دیوبندی۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۴۵ء)

[بقیہ حاشیہ ص۱۸۰] نے گفتگو کی جب فارغ ہو گئے اور حضرت مدنیؒ واپس ہونے لگے تو میں آگے بڑھا۔ "مجھے کچھ عرض کرنا ہے" "فرمائیے" حضرت شیخؒ نے فرمایا۔

میں نے مولانا عثمانیؒ کا مذکورہ بالا جواب گوش گذار کیا اور عرض کیا "طالبعلمانہ طور پر میں سمجھنا چاہتا ہوں کہ مولانا عثمانیؒ کا جواب درست ہے یا اس نکتۂ فقہی میں کچھ سقم ہے؟"

حضرت مدنیؒ نے دو لحظہ توقف فرمایا پھر نظر اٹھا کر فرمایا "شبیر احمد نے ٹھیک کہا وہ درست ہے" ــــ میرا یہ قول اُن سے کہدیجے گا" ــــ مجھے متامل دیکھا تو فرمانے لگے "یہ میرا پیغام ہے کہدینا میں نے غلط کہا ہے، انہوں نے ٹھیک کہا۔"

شام کو حضرت علامہ عثمانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو یہ واقعہ عرض کیا شروع میں چہرے پر گرانی کے آثار ظاہر ہوئے جیسے کہہ رہے ہوں "چھوٹے کو بڑوں کی بات میں دخل دینے کا کیا حق تھا" جب میں نے عرض کیا کہ حضرت نے یہ پیغام میرے ذمے لگا دیا تھا اس لئے میں مجبور تھا تو عجیب سی کیفیت حضرت علامہؒ پر طاری ہوئی بے اختیار فرمایا "بھئی بڑے بڑے ہی ہوتے ہیں ــــ بڑوں کی ہر بات بڑی ہوتی ہے یہ ہے بڑائی! ــــ یہ ہے حقیقی عظمت!"

ایک عجیب حالت طاری تھی، چہرے پر عجیب آثار تھے، جیسے کچھ حجاب ہے ہوا، اِک ابر سا اور بہے جا رہے ہوں حضرت مدنیؒ کی عظمت میں ــــ بار بار یہی الفاظ فرما رہے تھے "بڑے بڑے ہی ہوتے ہیں" (سعید الدین شیر کوٹی)

یہ ہے اُن حضرات کا نمونۂ عمل جو عظیم تھے اور اتنے عظیم کہ آج نگاہیں گھمانے پر بھی ایسی عظمت کردار نظر نہیں آتی۔ یہ حصہ ہے انہی لوگوں کا جو عظیم ہوتے ہیں اور خود کو حقیر و پُر تقصیر سمجھتے ہیں۔

(نوٹ)

آپ نے دیکھا کہ ایک جلیل القدر عالم نے کیا فرمایا۔ دوسرے نے کیا جواب دیا پھر اول الذکر نے کس طرح رجوع کیا اور ثانی الذکر نے کس طرح ان کے اس رجوع کو سراہا۔ حق یہ ہے کہ دونوں بزرگ اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ رحمہما اللہ علیہما۔ (انوار الحسن مرتب)

(نوٹ)

اگلے صفحات پر آپ علامہ عثمانی کا وہ صدارتی خطبہ ملاحظہ فرمائیے جو انہوں نے ۱۹۴۶ء میں لاہور کے جمعیتہ العلمائے اسلام کے عظیم الشان جلسے میں پڑھ کر سنایا۔

محمد انوار الحسن

"ہمارا پاکستان"

چوتھا خطبہ صدارت

از

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی

جو

جمعیتہ العلمائے اسلام کی عظیم الشان صوبائی کانفرنس پنجاب

منعقدہ ۲۵-۲۶-۲۷ جنوری ۱۹۴۶ء بمقام لاہور

اسلامیہ کالج گراؤنڈ میں

علامہ نے بعد نماز عشاء رات کے دو بجے تک پڑھا

محمد انوار الحسن پروفیسر

مرتب

تاریخی پس منظر

صوبہ پنجاب کی تاریخ میں علامہ عثمانی کا یہ خطبۂ صدارت اپنی عظمت اور اہمیت کے اعتبار سے سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔

میرٹھ کانفرنس کے بعد علامہ عثمانی کی صدارت میں، کانپور، مدراس، بمبئی، حیدر آباد سندھ، سہارنپور، مظفر نگر، بجنور، [illegible] وغیرہ مقامات پر کانفرنسیں ہوئیں جن سے ملک میں ایک خاص ذہن پیدا ہوا جو مسلم لیگ اور نظریۂ پاکستان کی حمایت کے حق میں روشن تھا۔ پنجاب میں خضر حیات وزارت اور یونینیسٹ حکومت تھی۔ خضر حیات ایک طرف تو مسلم لیگ کی بظاہر ہاں میں ہاں ملاتے تھے لیکن درون پردہ وہ گیلنسی گورنر پنجاب کے ہمنوا تھے اس لئے یہاں ایک کانفرنس کی ضرورت تھی چنانچہ مولانا غلام مرشد صاحب صدر جمعیۃ العلمائے اسلام پنجاب کی کوششوں سے اسلامیہ کالج لاہور کے گراؤنڈ میں علامہ عثمانی نے زبردست خطبہ دیا جو "ہمارا پاکستان" کے نام سے مشہور ہے اور جس خطبے نے پنجاب کی کایا پلٹ کر رکھدی۔ آپ نے فرمایا:

۱- ہمارا عقیدہ ہے کہ تقدیر نے ہمیں پاکستان کے تحفظ کے لئے انتخاب کیا ہے اور یہ چیز آئندہ نسلوں کو ورثہ میں ملے گی امروز شاید ہمارا مذاق اڑائے لیکن ہماری آنکھیں صبح فردا کے اس دلفریب خندہ کا نظارہ کر رہی ہیں جس کے پردے سے ہماری کامرانیوں کا مہر منیر طلوع ہوگا اس صبح امید کی نمود تک ہم نومیدیوں کی شب تار کو اپنی قربانیوں کے نور سے روشن رکھیں گے اور اسلام کے سچے فرزندوں کی طرح ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کرینگے۔" (خطبہ لاہور)

۲- کیا بعید ہے کہ جیسے مدینے کا پاکستان انجام کار فتح مکہ پر منتہی ہوا اور سارے جزیرۃ العرب کو اس نے پاکستان بنا دیا اسی طرح یہ ہندی پاکستان بھی اللہ کے فضل و رحمت سے وسیع تر ہوتا جائے!!

(مرتب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلیٰ اٰلہ وصحبہ اجمعین ط

اما بعد۔ آپ نے اپنے حسن ظن کی بناء پر جمعیۃ علمائے اسلام کی اس پہلی صوبائی کانفرنس کا صدر تجویز فرما کر مجھے جو عزت بخشی اللہ تعالیٰ اس کی لاج رکھ لے۔ آپ کے نیک گمان کو میرے حق میں اپنی قدرت کاملہ سے سچا کر دکھائے اور ایک ادنیٰ خادم دین کی قدر افزائی کا صلہ دین و ملت کی کسی عظیم فلاح و کامرانی کی صورت میں سب کو مرحمت فرمائے بس یہی میری متضرعانہ دعا اور یہی میری طرف سے آپ کا مخلصانہ شکریہ ہے۔ کیا میرے بھائی اس پر قناعت کریں گے۔ میں جلسوں کے آداب و حقوق اور منصب صدارت کے فنی رسوم و فرائض سے نہ پوری طرح واقف ہوں نہ اپنی افتاد طبیعت سے ان کے انجام دینے کی صلاحیت و قدرت رکھتا ہوں۔ اس لئے اگر میں آپ کے تخمینہ یا عصری معیار کے مطابق کوئی خطبہ پیش نہ کر سکوں تو مجھے معذور سمجھے میرا مشورہ تو دوسروں کے لئے بھی یہی ہے کہ اب ہم مسلمانوں کے پاس اپنے قومی جہاز کو شدید ترین خوفناک گرداب بلا سے نکالتے ہوئے اتنا فضول وقت نہیں بچنا چاہئے جس میں اہم اور ضروری مقاصد کو چھوڑ کر ہم محض اپنی علمی قابلیت کا اظہار اور رسمی و زبانی شکریوں کی نمائش کیا کریں۔

علماء و مشائخ کے فرائض منصبی:۔

ہم مسلمانوں اور خصوصاً" علمائے امت کو اپنی مجالس عامہ اور خاصہ میں تتبع کرنا چاہئے قرون اولیٰ کی سادہ اور بے لوث مجالس کا۔ انکی مختصر مگر پر مغز تقریروں اور طویل و عریض سلسلہ عمل کا۔ انکی مشاورت اور تبادل آرا و افکار کے بہترین اصول کا۔ ان کی مخلصانہ تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کا۔ انکے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا۔ اور اصلاح ذات البین کی مفید و منتفع گفتگوؤں کا۔ غرضیکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اس مطرد و منعکس ارشاد پر ٹھیک ٹھیک عمل پیرا ہونے کا۔

لاخیر فی کثیر من نجواھم الا من امر بصدقۃ او معروف او اصلاح بین الناس	انکی اکثر مجالس میں کوئی بھلائی نہیں بجز اس شخص کے جو امر کرے خیرات کا یا کسی اچھی اور معقول بات کا یا اصلاح ذات البین کا۔

حضرت عثمان کا تاریخی فیصلہ:۔

اے حضرات علماء کرام! میں نہ کوئی خطیب ہوں نہ انشا پرداز نہ سیاست دان اور

نہ گویائی کی ایسی ممتاز قوت رکھتا ہوں جس سے دوسرے حضرت محروم ہوں۔ بلکہ اگر آپ مجھے مجبور نہ کریں تو اس سے زیادہ ایک لفظ بھی نہیں بولنا چاہتا جو میرے جد بزرگوار خلیفہ ثالث حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کے منبر پر فرمایا تھا کہ

ایھا الناس انکم الی امام فعال احوج منکم الی امام قوال | اے لوگو یقیناً تم کو زیادہ کلام کرنے والے رہنما سے بڑھ کر بہت زیادہ کام کرنے والے رہنما کی ضرورت ہے

مگر جب آپ حضرات نے محض اپنی مہربانی اور حسن ظن سے مجھے اس مقام پر کھڑا ہونے کے لئے مامور فرمایا ہے تو میرا فرض ہے کہ اپنی اور آپ کی بلکہ تمام لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے والے مسلمانوں کی صلاح و فلاح سے متعلق نظر بحالات موجودہ جو میرے ناچیز خیالات ہیں وہ مختصراً بلا کم و کاست آپ کے سامنے رکھ دوں۔

میں آج زندہ دلان پنجاب کے ماحول میں اپنے اندر بھی ایک قسم کی زندہ دلی محسوس کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ پاکستان کے قلب و جگر سے جو صدائے حق بلند ہو گی اس کی گونج اخوت اسلامی کی عروق و شرائین کے ذریعہ بہت تیزی کے ساتھ تمام جسد پاکستان بلکہ ملک ہند کے اعضاء میں پھیل جائے گی۔ اس وقت پورا حوالہ مجھے یاد نہیں رہا لیکن پورے جزم و وثوق کے ساتھ عرض کر سکتا ہوں کہ اب سے تقریباً ساڑھے تین سو سال پہلے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ نے اپنی کسی تحریر میں ازراہ کشف ارشاد فرمایا تھا کہ آج کل رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی توجہ یا نظر التفات شہر لاہور پر مرتکز ہے۔

رسول اکرم محمد صلعم کی نظر کرم :-

میں سوچتا ہوں کہ لاہور کے حق میں کیا اس محبوب خدا اور آقائے دو جہان کی وہ نظر کیمیا اثر خالی جا سکتی ہے۔ وہ نگاہ لطف و کرم جسکی ایک معمولی جھپک ہزار سالہ بت پرست کو ایک آن میں ولی کامل بنا دے۔ جو مدت کے بگڑے ہوئے شیطانوں کو ایک لمحہ میں درست اور پاک وصاف بنا کر فرشتوں کے زمرے میں شامل کر دے۔ جو ذرا سی دیر میں قلوب و ارواح کی دنیا بدل ڈالے۔ ملکوں اور قوموں کی کایا پلٹ کر رکھ دے۔ کیا چند صدیوں کی مسافت زمانی نے لاہور کے مستقبل کو اس انقلاب آفریں نگاہ لطف کی عظیم تاثیر و تصرف کے فیض سے بالکلیہ محروم کر دیا ہو گا۔ ہرگز نہیں ان کی شان تو یہ ہے۔

در فشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا | دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
جو نہ تھے خود راہ پر دنیا کے ہادی بن گئے | کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

غور کیجئے "مُردے" اس نظر سے صرف زندہ نہیں ہوئے بلکہ مسیحا بن گئے جن کی مسیحائی سے کروڑوں مردہ دلوں کو حیات تازہ حاصل ہوئی۔

حضرت شیخ مجدد کا نعرۂ حق :-

یہ چیز بھی لائق غور ہے کہ شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ (جن کو لاہور کی یہ سعادت مکشوف ہوئی) وہ ہی بزرگ ہیں جنہوں نے اکبر بادشاہ کی بنائی ہوئی "قومیت متحدہ" اور نام نہاد دین الٰہی کے مقابلہ پر تاریخی جہاد کیا تھا۔ ممکن ہے ان کے مذکورہ بالا کشف سے ادھر بھی اشارہ ہو کہ آگے چل کر جب قومیت متحدہ ایک دوسرے رنگ میں اور اکبر کا دین الٰہی گاندھی ازم کی شکل میں ظہور کرے گا اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ گرامی اور التفات خصوصی کی بدولت لاہور ہی وہ مقام ہو گا جہاں سے ان نئے بتوں کے توڑنے کی پہلی آواز بلند ہو گی پھیلے گی پھلے گی اور پھولے گی۔

حضرت شیخ الہند کا آخری پیغام :-

بہرحال آج اس نئی مہم کا ابتدائی منظر ہمارے سامنے ہے۔ "جداگانہ قومیت" کا عقیدہ تو ہمیشہ سے مسلمانوں کے جذر قلوب میں بطور ایک متفروع عنہ مسئلہ کے مرتسم و متمکن ہے اور کانگریس کے چند سالہ شور و غل سے پہلے کوئی اس پر نظر ثانی کی ضرورت بھی نہ سمجھتا تھا۔ چنانچہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے آخری پیغام صدارت میں جو جمعیۃ علمائے ہند کے اجلاس دہلی کے موقع پر حضرت کی وفات سے نو دن پہلے پڑھا گیا۔ ہندو مسلمان کے دو قوم ہونے کی تصریح موجود ہے۔ کسی شخص نے آج تک اس پر حرف گیری نہیں کی۔

ہاں ہندوستان کے مسئلہ کا پاکستانی حل ابتداءً لاہور کی آرام گاہ میں سونے والے ڈاکٹر اقبال مرحوم کے قلم سے ۱۹۳۰ء میں سامنے آیا لیکن یہ نام پاکستان علامہ اقبال کا تجویز کردہ نہیں بلکہ پیام اقبال کے ایک پرجوش علمبردار چودھری رحمت علی صاحب نے ۱۹۳۲ء میں اس تجویز کو یہ نام دیا ہے جو آگے چل کر اختصار کی وجہ سے لوگوں میں مقبول ہو گیا تقسیم ہند کی اس تجویز پر جس کا اصطلاحی نام پاکستان ہے اور جس کا اصل واضع علامہ اقبال مرحوم ہے۔ آخرکار قدرے ترمیم و تغیر کے ساتھ آپ کے اس تاریخی شہر لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ نے مہر تصدیق ثبت کر دی اور آج پاکستان جمہور مسلمانان ہند کیلئے محض ایک گرمی اور جوش پیدا کرنے والا نعرہ نہیں بلکہ ایک مضبوط اور اٹل سیاسی عقیدہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اب پاکستان کا نام آتے پر ان کے دلوں میں جذبات مسرت و ابتہاج کی لہر دوڑ جاتی ہے اور وہ یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ ہمارا درخشاں مستقبل گویا ہماری طرف کو تیزی سے بڑھا چلا آ رہا ہے مسلمان جب اپنے نصب العین کے متعلق یہ یقین حاصل کر لے اور مطمئن ہو جائے کہ اسلامی نقطہ نظر سے وہ صاف واضح غیر مبہم اور بے غبار ہے تو

اس کے حصول کے لئے اسے کوئی قربانی بھاری نہیں معلوم ہوتی۔ وہ آگ کے طوفان سے کھیلنے اور خون کے دریا میں کودنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے پھر وہ کسی دھمکی کو خاطر میں نہیں لاتا اور دلیھ ٹیل جیسے ناعاقبت اندیش مدعیوں کے چیلنج کو بہت خوشی اور اطمینان کے ساتھ منظور کرتا ہے۔

دورِ جاہلیت کی تاریکیاں :-

حضرات!! ذرا آپ تیرہ سو اٹھتر برس پیچھے نظر دوڑا کر دیکھئے! دنیا کی فضا کس قدر بھیانک اور کیسی تاریک نظر آرہی ہے۔ ہر جگہ ظلم و ستم کفر و شرک عصیان و طغیان جبر و استبداد وحشت و بہیمیت اور شیطانی طاقتوں نے کس طرح پرے جما رکھے ہیں۔ امن و اطمینان کی ایک کرن بھی کسی طرف نظر نہیں آتی۔ تیرہ و تار گھٹاؤں نے دن کو رات بنا دیا ہے۔ ان ہی خوفناک اندھیریوں میں دفعتہً مکہ کی پہاڑیوں پر ایک چمک دکھائی دی۔ رحمت کا بادل زور سے گرجا اور کڑکا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ جبل النور کی چوٹی سے دنیا کا ہادی اور شہنشاہ اکبر کا پیغامبر اعظم چمکتا اور گرجتا ہوا باران رحمت کو ساتھ لئے نزول اجلال فرما رہا ہے اللّٰھم صل علیٰ سیدنا محمد و علیٰ آل سیدنا محمد الف الف صلوٰت و سلام

سرورِ عالم کی تعلیمات :-

تھوڑی سی مدت گزری کہ مکہ کی فضا میں بہت عجیب و غریب تغیر پیدا ہونا شروع ہوا ایک طرف سے رحمۃ للعالمین کا دست شفقت دراز تھا اور دوسری جانب اس کا جواب ہرزہ سرائیوں دشنام طرازیوں بلکہ بعض اوقات اینٹ اور پتھر سے دیا جا رہا تھا۔ نور و ظلمت کی اس کشمکش میں حضور انور کے ساتھ جو چند سعید روحیں آپ کے پیغام کی حقیقت کو سمجھ چکی تھیں دشمنوں کے ظلم و ستم کی آماجگاہ بنتی رہیں۔ رشد و ہدایت کے اس سراج منیر کو جس قدر اپنی پھونکوں سے بجھانے کی کوشش کی جاتی اسی قدر زور سے اسکی روشنی بھڑکتی تھی۔ آپ برابر اس قوم کو سمجھایا کئے کہ تمہارے لئے دارین کی کامیابی اور فلاح میری پیروی میں ہے۔ آؤ کہ دنیا کی حکومت اور آخرت کی سعادت کا زرتاج تمہارے سروں پر رکھ دوں، مگر وہ کچھ ایسے غفلت کے نشہ میں سرشار تھے کہ آپ کی ساری دردمندی اور نیک خواہی کا جواب متمردانہ استکبار اور ناشائستہ سب و شتم سے دیتے رہے۔ آپکے جاں نثار اصحاب پر جن کے سینے اللہ تعالےٰ نے ایمان و عرفان کے لئے کھول دیئے تھے جور و ستم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ مدت دراز تک ایسے ایسے زہرہ گداز مظالم سے ان کو دوچار ہونا پڑا جنکی مثال شائد کسی امت کی تاریخ میں نہ مل سکے مسلسل تیرہ سال تک ایسے سخت امتحان و آزمائش کی چکی میں پستے رہے جن کے پڑھنے اور سننے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ایک عرصے تک قوم کی طرف سے ایسا سخت بائیکاٹ کیا گیا کہ درختوں کے پتے اور جنگل کی گھاس

کھانے کی نوبت آگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلیٰ اور مقدس نصب العین یہ تھا کہ زمین پر اللہ کی حکومت قائم فرمائیں اور اس کے نائب السلطنت کی حیثیت سے اس کا آخری ابدی اکمل اور عالمگیر قانون نافذ کریں۔

لیکن مکہ میں جہاں کفار کا غلبہ تھا ایسا موقع کہاں میسر تھا آزاد حکومت قائم کرنے کے لئے ایک آزاد مرکز و مستقر کی ضرورت تھی۔

یثرب کا پاکستان :-

کوئی ایماندار آدمی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ اگر خداوند قدیر چاہتا تو ان ہی مٹھی بھر مظلوم و مجبور مسلمانوں کو ان سب پر غالب کر دیتا اور ان کے دشمنوں کو دفعتہً کچل کر تباہ کر ڈالتا مگر حکمت الٰہیہ کا تقاضا یہ تھا کہ امت مرحومہ ہر قدم پر اس عالم اسباب کے محکم نظام کے ماتحت اپنے نبی سے سبق حاصل کرے اور زندگی کے ہر ایک روشن یا تاریک دور میں اپنے مستقبل کی تعمیر کا کام سیکھے۔

اس لئے اس ناسازگار فضا میں سیاست و حکمت کا ایک نیا باب کھولا گیا یعنی یہ کہ اسلام کے لئے مکہ سے ہٹ کر (جو اس وقت دار الحرب تھا) کوئی ایسا مامن و مسکن بناؤ جو اگرچہ ابتداءً مکمل طور پر دار الاسلام نہ کہلا یا جا سکے تاہم اسلام وہاں آزاد ہو اور کم از کم اپنے پیروؤں پر اپنا قانون بے روک ٹوک نافذ کر سکے۔ پھر جب تائید ربانی سے مسلمانوں کا وہ آزاد مرکز دائرہ اسباب میں مضبوط اور طاقتور ہو جائے (خواہ وہ کتنے ہی محدود پیمانہ پر ہو) تو اس مرکز سے اسلام کو اپنے اصلی عزائم کے فروغ اور وسعت دینے کا موقع مل سکے۔ اس نقطہ نگاہ کے ماتحت شہر یثرب کو (جو حضور کی تشریف آوری کے بعد مدینۃ النبی بن گیا) مرکز توجہ بنایا گیا۔ ہجرت سے پہلے وہاں کی زمین ہموار کی گئی اور حضور اکرم کی تشریف بری سے پہلے بہت سے چیدہ و برگزیدہ اصحاب کو وہاں بھیجا گیا۔ تاکہ اللہ کے سب سے بڑے نائب کی حکومت قائم کرنے کے لئے (جس سے ساری روئے زمین پر قرآنی سیاست اور آسمانی حکومت کا صور پھونکا جانے والا تھا) راستہ صاف رکھیں۔

پاکستان اولیٰ کی فتوحات

مکہ کے رہنے والے دشمن بھی اس نتیجے سے غافل نہ تھے انہوں نے ہر طرح اس تحریک کو ناکام بنانے کی کوشش کی مگر وہ خود ناکام رہے اور مشیت الٰہیہ کے زبردست ہاتھ نے آخر کار اپنے رسول مقبول کی تاریخی ہجرت سے مدینہ طیبہ میں ایک طرح کا پاکستان قائم کر دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ پہنچنا تھا کہ نور اسلام ظلمت کفر پر حسی رنگ میں غالب آنا شروع ہو گیا اور

گو وہاں اس وقت تک بہت سی ناپاک ہستیوں کی موجودگی سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا مگر اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ پاک اور طاہر و مطہر بندوں کی پاکی اس طرح مدینہ کے در و دیوار پر چھا گئی کہ اب کسی پلید اور ناپاک ہستی کے لئے ابھرنے کا موقع باقی نہ رہا۔ اندریں حالات کفار مکہ کو یہ فکر دامنگیر تھی کہ اسلام کے پودے کی جڑ مدینے کی سرزمین میں انصار مدینہ کی آبیاری سے مضبوط ہوتی جا رہی ہے کوشش ہونی چاہیئے کہ تناور درخت بننے سے پہلے ہی اس کی جڑ نکال دی جائے۔ اس طرح کے مشورے ہوتے تھے، منصوبے باندھے جاتے تھے۔ سازشیں اور تیاریاں کی جا رہی تھیں کہ اسی اثنا میں چند قدرتی اور ناگزیر اسباب کی بناء پر وہ مشہور و معروف معرکہ پیش آگیا جو اسلامی تاریخ میں غزوہ بدر کے نام سے موسوم ہے۔

دار الحرب کے ضعفا:۔

"یوم بدر" کو قرآن نے "یوم الفرقان" کہا ہے کیونکہ اس نے حق و باطل اسلام و کفر اور موحدین و مشرکین کی پوزیشن کو بالکل جدا کر کے دکھلا دیا، بدر کا معرکہ فی الحقیقت خالص اسلام کی عالمگیر اور طاقتور برادری کا سنگ بنیاد اور حکومت الٰہیہ کی تاسیس کا دیباچہ تھا، وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ کے مقابلہ میں جس خالص اسلامی برادری کے قیام کی طرف سورۂ انفال کے خاتمہ پر "اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ......" کہہ کر توجہ دلائی تھی، اس کا صحیح اقتضا تھا کہ اس اسلامی برادری کا کوئی طاقتور اور زبردست مرکز جس طور پر بھی دنیا میں قائم ہو جو ظاہر ہے کہ جزیرۃ العرب کے سوا نہیں ہو سکتا تھا جس کا صدر مقام مکہ معظمہ ہے۔ انفال کے آخر میں یہ بھی جتا دیا گیا تھا کہ جو مسلمان مکہ وغیرہ سے ہجرت کر کے نہیں آئے اور کافروں کے زیر تسلط زندگی بسر کر رہے ہیں دار الاسلام کے آزاد مسلمانوں پر انکی ولایت و رفاقت کی کوئی ذمہ داری نہیں "مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ......" ہاں حسب استطاعت ان کے لئے دینی مدد بہم پہنچانی چاہیئے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ مرکز اسلام میں موالات و اخوت اسلامی کی کڑیوں کو پوری مضبوطی کے ساتھ جوڑنے کے لئے دو صورتوں میں سے ایک ہونی چاہیئے یا تمام عرب کے مسلمان ترک وطن کر کے مدینے آجائیں اور اسلامی برادری میں بلا روک ٹوک شامل ہوں اور یا پھر آزاد مسلمان اپنی مجاہدانہ قربانیوں سے کفر کی قوت کو توڑ کر جزیرۃ العرب کی سطح ایسی ہموار کر دیں کہ کسی مسلمان کو ہجرت کی ضرورت باقی نہ رہے یعنی سارا جزیرۃ العرب خالص اسلامی برادری کا ایسا ٹھوس مرکز اور غیر مخلوط مستقر بن جائے جس کے دامن سے عالمگیر اسلامی قومیت کا نہایت محکم اور شاندار مستقبل وابستہ ہو سکے۔ یہ دوسری صورت ہی ایسی تھی جس سے روز روز کے فتنہ و فساد کی بیخ کنی ہو سکتی تھی اور مرکز اسلام کفار کے اندرونی فتنوں سے پاک و صاف اور آئے دن کی بدعہدیوں

اور ستم رانیوں سے پوری طرح مامون و مطمئن ہو کر تمام دنیا کو اپنی عالمگیر برادری میں داخل ہونے کی دعوت دے سکتا تھا۔

غلبۂ اسلام:۔

اس اعلیٰ اور پاک مقصد کے لئے مسلمانوں نے ۲ ہجری میں پہلا قدم میدان بدر کی طرف اٹھایا تھا جو آخر کار ۸ ہجری میں مکہ معظمہ کی تطہیر اور فتح عظیم پر منتہی ہوا، جو فتنے اشاعت یا حفاظت اسلام کی راہ میں مزاحم ہوتے رہتے تھے فتح مکہ نے انکی جڑوں پر تیشہ لگایا اور چند سال بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سچائی کی طاقت سے مرکز اسلام ہر قسم کے وساوس کفر و شرک سے پاک ہو گیا اور سارا عرب متحد ہو کر شخص واحد کی طرح تمام عالم میں نور ہدایت اور اسلام کا پیغام اخوت پھیلانے کا کفیل و ضامن بنا اور اس طرح پورا جزیرۃ العرب ساری دنیا کے لئے ایک عظیم تر پاکستان بن گیا فللہ الحمد علیٰ ذالک

یہ ہے مختصر سی تاریخ اس امت کے پہلے دور کی۔

حضرت امام مالک کا قول حکیمانہ:۔

امام مالک رحمۃ اللہ نے فرمایا تھا کہ اس امت کا آخر بھی اس چیز سے درست ہو سکتا ہے جس سے اس کا اول درست ہوا تھا آیئے اس حکیمانہ قول کی روشنی میں ہم امت کے اس پچھلے دور کا جائزہ لیں۔

کہنے کو آج ہم مسلمان دنیا میں ستر کروڑ اور صرف ملک ہند میں تقریبًا دس کروڑ ہیں لیکن ہماری غفلت، حماقت، بزدلی، تفشل اور افتراق و انتشار نے اس کثرت عدد کے باوجود ہم کو مفلوج بے جان یا نیم جان کر کے چھوڑ دیا ہے۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی قوت ایمانی اور جذبہ اسلامیت سے اگر موازنہ کیا جائے تو شاید ہم ستر کروڑ کا مجموعہ ان کے ستر افراد کے ہم وزن بھی نہ نکل سکے۔ ہندوستان ہی میں دیکھ لیجئے جس پر ہم نے صدیوں تک حکومت کی اور جہاں ہم اب تک محمد بن قاسم محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری وغیرہ کے ناموں پر فخر کرتے رہتے ہیں نہ آج ہماری حالت اس بر کوچک میں کیا ہے۔

ہم یہاں ہر طرح لٹے ہوئے اور پامال کئے ہوئے ہیں۔ کسی شعبہ زندگی میں بھی ہمارا اقتدار و امتیاز باقی نہ رہا۔ اسلامی حکومت کے خاتمہ کے ساتھ ہمارے سیاسی اقتصادی تمدنی اور اخلاقی نظام سب تباہ ہو گئے۔ نسلی قبائلی طبقاتی اور مذہبی تعصبات اور تنگ نظریوں نے ہماری قبائے قومیت کو تار تار کر دیا۔ "سامراج" کے علمبرداروں اور رام راج کے طلبگاروں نے مل کر ہمارے اجتماعی نظام کا شیرازہ بکھیر دیا۔ نہ مادی طاقت ہمارے ہاتھ میں رہی نہ روحانی قوت کا ذخیرہ محفوظ رہ سکا۔ ہم اپنے جس گوشہ زندگی پر نظر ڈالتے ہیں وہی کیفیت ہو گئی کہ:

"تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم"

ہندوستان کی جنگ آزادی :-

ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے بعد ایسی بُری طرح ہم کو کچلا گیا کہ مدت تک موت کی سی بے ہوشی سارے ملک پر طاری رہی۔ کچھ افاقہ ہوا تو چاروں طرف مایوسی کی گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ مایوسی کے بعد حکومت کے سامنے چاپلوسی اور خوشامد کا دور آیا۔ پھر مدت کے دبے ہوئے جذبات کچھ ابھرنے شروع ہوئے، یہاں کے حاکموں نے جب دیکھا کہ موت کی نیند سونے والے کچھ کروٹیں بدلنے اور جھرجھری لینے لگے ہیں تو انہوں نے معروضات اور گذارشات پیش کرنے کا راستہ سجھا دیا۔ مبادا یہ تازہ حرکت اُٹھتے ہوئے جذبات اور بیدارکن احساسات کے نکلنے کا کوئی دوسرا خطرناک راستہ اختیار کرے۔ معروضات سے گزر کر اول نرم پھر گرم لہجہ میں مطالبات کا آغاز ہوا۔ تا آنکہ پہلی جنگ عظیم کے ختم ہونے پر مسلمانوں کے سامنے خلافت اسلامیہ کے زوال نے ایک نئی اور زوردار تحریک کھڑی کر دی۔ تحریک خلافت کا سیلاب اس جوش و خروش سے اُمڈا، جس کی نظیر اس سے پہلے کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ ملک کا گوشہ گوشہ خلافت اور ترک موالات کے نعروں سے گونج اُٹھا۔ یوں کہئے کہ ۵۷ء کے بعد سے اس قدر ہمہ گیر شجاعانہ گرمجوشی اور بے پناہ مظاہرہ یہاں کے زمین و آسمان نے نہ دیکھا تھا۔

انڈین نیشنل کانگرس :-

مسلمانوں نے اس خالص اسلامی مقصد کی خاطر عظیم الشان جانی و مالی قربانیاں پیش کیں۔ قدرتی طور پر کچھ حالات اس دوران میں ایسے پیش آگئے کہ ہمسایہ اقوام بھی ہمارے ساتھ رل مل گئیں اور نام نہاد انڈین نیشنل کانگرس نے موقع غنیمت دیکھ کر اس نیم مذہبی اور نیم سیاسی تحریک کو اپنا لیا۔ کوئی ہوشمند باخبر اور ذی انصاف آدمی انکار نہیں کر سکتا کہ سمندر کی طوفانی موجوں کی طرح اُمنڈتے ہوئے مسلمانی جوش و ایثار نے ہی اس وقت کانگرس کے قلب میں روح حیات پھونکی اور برطانوی قہرمانیت کا خوف و ہراس عام پبلک کے دلوں میں سے نکالا۔ اب لوگوں کو جیل بلکہ پھانسیوں کا ڈر بھی خوفزدہ نہ کرتا تھا بلکہ بڑی حد تک یہ چیزیں مفاخر میں شمار ہونے لگیں یہ بہت بڑا فائدہ تھا جو اس تحریک سے ملک کو حاصل ہو گیا، یہ رلی ملی سیاست بدون کسی تمیز و تخصیص کے کچھ عرصہ تک چلتی رہی۔

شاطران بساط حکومت بھی اس سے غافل کب ہو سکتے تھے۔ وہ بھی اس کے توڑ کے لئے نئے جال بچھاتے رہے۔ بہادر مسلمان کی سادہ دلی اور عیار ہندو کی تنگ نظری اور بنیا ذہنیت کو وہ خوب سمجھتے تھے ...... آخر کبھی شدھی کبھی سنگھٹن اور کبھی نہرو رپورٹ جیسی افتراق انگیز اور اشتعال آمیز تحریکات و تجاویز سے یہاں کے مسلمانوں کو دوچار ہونا پڑا۔ دریائے سیاست کا یہ جزر و مد برابر تھوڑے تھوڑے وقفے سے جاری رہا۔ تا آنکہ ایکٹ ۳۵ء کے ماتحت انتخابات ۳۷ء کے بعد ہندوستانی وزارتیں

بن گئیں گویا ہندو کو اب موقع ہاتھ آگیا کہ اپنے صوبوں میں خودغرضی تنگ نظری اور اپنے ان ناپاک خواہشات و عزائم کا زور و قوت سے مظاہرہ کرے جو ابھی تک ذرا مستور بنے اور کبھی کبھی بطور مکر و کید بروئے کار آتے تھے۔

کانگرس وزارتیں :-

کانگرس کی ڈھائی سالہ وزارتوں میں جو دردناک سفاکانہ اور وحشیانہ مظالم مسلمانوں پر کئے گئے ہیں ان کی تفصیل کی ضرورت نہیں سمجھتا کیونکہ وہ مدت سے منظر عام پر آچکے ہیں اور "ڈان" نیز "منشور" کے پچاس ساٹھ نمبروں میں مسلسل شائع کئے گئے ہیں۔

"واردھا اسکیم" اور "ودیا مندر اسکیم" کو آپ بھولے نہ ہوں گے جن کی مذمت تمام مسلم جماعتوں نے متفقہ طور پر کی مگر مسلمانوں کے دین و اخلاق کو نقصان پہنچانے اور انکی تاریخ کو بھلا دینے والی یہ اسکیمیں سب مل کر بھی کانگرس وزارتوں سے منسوخ نہ کرا سکے مسلمانوں نے آخر سمجھ لیا کہ جب ہندو کا نشہ حکومت وزارتی اقتدار میں اس قدر تیز ہے تو آزاد حکومت میں کیا کچھ نہ ہوگا، انہوں نے طے کر لیا کہ ہندوستان کے سیاسی مسئلہ پر از سر نو غور کیا جائے اور اونچ ذات اکثریت کے بل بوتے پر پورے ملک میں جو اقتدار حاصل کرنا چاہتا ہے اس سے آزاد رہنے کی کوئی تدبیر سوچی جائے۔

کیا کوئی حساس مسلمان، اپنی خوشی سے یہ منظور کر سکتا ہے کہ دس کروڑ فرزندان اسلام انگریز کی جگہ ہندو کے غلام بن کر رہیں یا انگریز ہندو کی ڈبل غلامی کو ہمیشہ کے لئے قبول کریں۔

مسلم لیگ کا تاریخی فیصلہ :-

مسلمانوں کی سب سے بڑی سیاسی جماعت آل انڈیا مسلم لیگ نے ان تمام خطرات و عواقب کا اندازہ لگا کر جو زمانہ ماضی کی رلی ملی سیاست سے پیدا ہو سکتے تھے، آخر کار آپ کے اس تاریخی شہر میں دو ٹوک فیصلہ کر لیا کہ جس طرح ہندو مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں لہٰذا ان کی سیاست اور مرکز حکومت بھی الگ الگ رہنا چاہئے انہوں نے اپنے سب سے بڑے ہادی اور دنیا کے سب سے بڑے مصلح اور خداوند قدوس کے سب سے بڑے پیغمبر کی سیرت طیبہ پر ایک نظر ڈالی جو ہم مختصراً اس خطبہ کے آغاز میں آپ کو سنا چکے ہیں۔ اس کی صاف روشنی میں وہ سمجھ گئے کہ ہندوستان کے اس بر کوچک میں سے ہم کو ایک ایسا خطہ حاصل کر لینا چاہئے جو نسبتاً چھوٹا اور محدود ہی کیوں نہ ہو مگر وہاں ہم پوری آزادی کے ساتھ اپنے آسمانی قوانین کے موافق اپنے مذہب اپنے علوم و معارف اپنی تاریخی روایات قومی خصائص اور تہذیب و معاشرت کی حفاظت کر سکیں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی توفیق و دستگیری سے اس بے مثال قانون عدل و حکمت کا کوئی چھوٹا سا نمونہ قائم کر کے دنیا کو دکھلا دیں کہ قرآن کی حکومت جبر و استبداد اور ظلم و ستم کی حکومت نہیں بلکہ وہ تمام اقوام اور بندگان خدا کے لئے انصاف رواداری رحمت و رافت اور امن و سلام کا پیغام ہے۔

خوش نصیبی سے خود قدرت نے ہندوستان میں آبادی کی تقسیم ایسے نہج پر کر دی ہے کہ ہمارے لئے مروجہ اصول سیاست کے موافق ایسے خطہ کا حاصل ہو جانا ممکنات سے ہے یعنی مسلم اکثریت والے صوبوں میں ایک ایسا مرکز قائم ہو سکتا ہے جہاں آزادی حاصل ہونے پر مسلمان اپنے نیک عزائم اور قومی رجحانات کو فروغ دے سکتے ہیں اور وہ ایک ایسی طاقت حاصل کر سکتے ہیں جو نہ صرف ان مسلم صوبوں میں ان کی آزادی کی ضامن ہوگی بلکہ اپنی اس اقلیت کے تحفظات کا بھی اچھا انتظام کر سکے گی جو ہندو اکثریت والے صوبوں میں آباد رہے گی۔ اس آزاد اسلامی خطہ کو آج پاکستان کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

حقیقت پاکستان:۔

آغاز خطبہ میں میں نے مدینہ کے پاکستان کا ذکر کیا تھا، یہ تو جسارت اور بے ادبی ہوگی کہ کوئی شخص ہند کے اس پاکستان کو اس کے مماثل قرار دے چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

ہاں جس طرح آپ ایک بوسیدہ بے حیثیت پھٹے پرانے کپڑے کا ذرا سا ٹکڑا یا ذرا سی کترن بزاز کی دوکان پر بطور نمونہ پیش کر کے فرمائش کرتے ہیں کہ اس کپڑے کا ایک بڑا قیمتی تھان نکال دو۔ حالانکہ اس تھان اور اس کترن میں کچھ بھی نسبت نہیں ہوتی۔ ایسے ہی ہم ایک ادنیٰ اور حقیر نمونہ کی حیثیت میں ہندی پاکستان کا ذکر کرتے وقت اس اعلیٰ مدنی پاکستان کا ذکر کرتے ہیں۔ آخر ہم اپنے تمام وظائف شرعیہ مثلاً نماز حج وغیرہ کو اس وقت معتبر و مستند سمجھتے ہیں۔ جب وہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہوں تو کیا ایسا کہنے سے کوئی شخص گمان کر سکتا ہے کہ ہماری نمازیں اور عبادتیں اس درجہ اور اس مرتبہ کی ہونگی جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کو حاصل تھا۔ ظاہر ہے کہ ہماری سینکڑوں برس کی عبادتیں بھی آپ کے ایک مرتبہ سبحان اللہ فرمانے کے برابر نہیں ہو سکتیں لیکن موضع استدلال میں تو ہر چیز کے لئے قرآن و سنت کی سند ہی پیش کی جاتی ہے بہر حال عامہ مسلمین نے ایک قطعی فیصلہ کر لیا ہے کہ ہندوستان کے ایک حصہ کو پاکستان بنایا جائے۔ جو اسلامی ثقافت و دیانت اور سیاست و حکومت کا آزاد مرکز ہو۔

نظام پاکستان:۔

پھر جس طرح رات کی تاریکی آہستہ آہستہ کم ہوتی اور دن کی روشنی بتدریج پھیلتی ہے یا جس طرح ایک پرانا مریض دھیرے دھیرے صحت کی طرف قدم اٹھاتا ہے دفعۃً و بغتۃً بیماری سے چنگا نہیں ہو جاتا۔ اس طرح پاکستان ہماری قومی صحت اور مکمل ترین آزادی کے نصف النہار کی طرف تدریجی قدم اٹھائے گا۔

آخر مدینہ کا اعلیٰ پاکستان بھی تو اپنے عظیم الشان مرتبہ کے موافق بتدریج ہی حد کمال کو پہنچا تھا شروع میں مکہ سے خاص خاص صحابہ مدینہ تشریف لے گئے جنہوں نے سطح ہموار کی۔ آج ہندی

پاکستان کے لئے بھی اکثر غیر پاکستانی مسلمان آ کر مقامی برادران اسلام کے تعاون سے اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

یہ غیر پاکستانی بے شک ترک وطن کر کے نہیں آئے اور وہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کے قیام سے ہم کو براہ راست وہ نفع نہیں پہنچے گا جو پاکستانی مسلمانوں کو پہنچ سکتا ہے، پھر بھی وہ اپنی قوم کے دو تہائی سے زیادہ افراد کی آزادی میں ساعی ہیں اور اس کے لئے تدبیریں اور دعائیں کرتے ہیں، گویا وہ زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ جس طرح مکہ کے مہاجرین کرام آخر مکہ کے مستضعفین کو وہیں چھوڑ کر اور اللہ کے سپرد کر کے چلے آئے تھے اور اپنے معابد وغیرہ کو بھی ساتھ نہ لے جا سکتے تھے۔

پاکستان کے حدود:۔

آپ لوگ بھی ہم سے تھوڑی دیر کے لئے قطع نظر کر کے مکمل آزادی حاصل کر لیں۔ کیا بعید ہے کہ جیسے مدینہ کا پاکستان انجام کار فتح مکہ پر منتہی ہوا اور سارے جزیرۃ العرب کو اس نے پاکستان بنا دیا اسی طرح یہ ہندی پاکستان بھی اللہ کے فضل و رحمت سے وسیع تر ہوتا چلا جائے۔ بلکہ ممکن ہے کہ پاکستان کے طرز حکومت اور اس کے منصفانہ و فیاضانہ رویہ کو دیکھ کر خود ہندوستان یہ خواہش کرنے لگے کہ ہمارے ہاں بھی اسی پاکستانی نوع کی حکومت قائم ہو جائے۔ وما ذالك على الله بعزيز۔

اس سلسلے میں سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہندوستان کے مسئلہ کا اطمینان بخش حل کیا پاکستانی تجویز کے سوا کسی دوسرے طریق سے نہیں ہو سکتا۔ "منشور" کی ایک قریبی اشاعت میں اس کے فاضل مدیر نے بہت ہی سلیس اور معقول انداز میں اس پر بحث کی ہے جس کا اقتباس یہاں درج کیا جاتا ہے کیونکہ اس سے زیادہ عام فہم اور سلجھے ہوئے الفاظ اس کی تفہیم کے لئے مجھے نہیں مل سکے۔ چنانچہ وہ رقمطراز ہیں:۔

آل انڈیا یونین کا فریب:۔

کہا جاتا ہے کہ کانگریس نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ مسلم اکثریت کے صوبوں کو داخلی حیثیت سے کامل حق خود ارادیت حاصل ہوگا اور نیز یہ بھی کہ جو صوبے چاہیں وہ آل انڈیا یونین سے الگ ہو جائیں ظاہر ہے کہ ان ہی صوبوں سے مسلم لیگ پاکستان بنانا چاہتی ہے، جب ان کا حق خود ارادیت تسلیم کر لیا گیا اور یہ بھی کہ جب یہ چاہیں تو الگ ہو جائیں پھر اب اس اصرار کی کیا ضرورت ہے کہ پاکستان کو ایک جداگانہ آزاد اور خود مختار اسٹیٹ کی حیثیت سے اس وقت تسلیم کیا جائے مسلم لیگ یہ کیوں نہیں کرتی کہ اب کانگریس کے ساتھ شریک ہو کر ہندوستان کو برطانوی تسلط سے آزاد کرنے کے لئے جدوجہد کرے اور جب ہندوستان آزاد ہو جائے تو مسلم اکثریت کے خود اختیار صوبوں کو آل انڈیا یونین سے

الگ کر لے۔ اگر مسلم لیگ کو یہ خوف ہے کہ اس وقت ہندو مسلم اکثریت کے صوبوں کو الگ نہیں ہونے دیں گے اور وہ ہندوؤں کو اتنا طاقتور سمجھتی ہے کہ وہ ایسا کر سکیں گے تو پھر اگر اس وقت پاکستان کا ایک جداگانہ حکومت کی حیثیت سے اعلان بھی ہو جائے تو ہندوستان سے انگریزوں کے چلے جانے کے بعد مسلمان پاکستان کی حفاظت نہ کر سکیں گے مسلم لیگ کے اس اصرار پر کہ اس وقت پاکستان کے اصول کو تسلیم کرنے کا اعلان کیا جائے اور کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل نہ کرنے سے مخالفین پاکستان کو یہ بدگمانی ہے کہ مسلم لیگ پاکستان اور مسلمانوں کے تحفظ کے لئے ہندوستان میں تیسری طاقت یعنی حکومت برطانیہ کے تسلط کی خواہش کرے گی۔

کانگریس نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ مسلم اکثریت کے صوبوں کو داخلی حیثیت سے کامل حق خود ارادیت ہوگا اور اگر وہ چاہیں تو تمام ہندوستان کی مرکزی یونین سے علیحدگی کا بھی۔ اس کے معنی کیا ہوئے اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہندوستان میں پہلے ایک یونین یا فیڈریشن کے ماتحت حکومت قائم ہوگی۔ اختیار حکومت برطانیہ سے اس یونین کو منتقل ہوگا یعنی مجموعی طور پر پورے ہندوستان کو کامل یا زیر سایہ حکومت برطانیہ آزادی حاصل ہوگی۔ اس یونین کے ماتحت مسلم اکثریت کے صوبوں کو داخلی حق خود ارادیت حاصل ہوگا بالکل اس طرح جیسے برطانوی نو آبادیات آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور جنوبی افریقہ کو دولت مشترکہ برطانیہ کے اندر داخلی آزادی حاصل ہے اور آئین ویسٹ منسٹر کی رو سے برطانوی سلطنت سے علیحدگی کا حق بھی۔ لازماً اس کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ مسلم اکثریت کے صوبے کچھ عرصہ آل انڈیا یونین کے اندر رہ کر تجربہ کریں کہ آیا وہ آزادی کے ساتھ اور مرکز کی مداخلت کے بغیر معاملات سرانجام دے سکتے ہیں یا نہیں۔

مسلم اکثریت کے صوبوں کی قوت

جب یہ ثابت ہو کہ مرکزی مداخلت مسلمانوں کو انکی منشاء کے مطابق حکومت نہیں کرنے دیتی تب وہ مطالبہ کریں کہ ہم مرکزی وفاق سے الگ ہونا چاہتے ہیں اس وقت صورت حال کیا ہوگی یہ کہ مسلم اکثریت کے صوبوں کی علیحدگی کے حق کے نفاذ کی منظوری اور نفاذ مرکزی فیڈرل گورنمنٹ کے اختیار میں ہوگا اور اس مرکز کے پاس فوج ہوگی مسلم اکثریت کے صوبوں کے پاس جو داخلی طور پر خود اختیار ہونگے فوج نہیں ہوگی۔ یہ فیڈرل گورنمنٹ مسلم اکثریت کے ان صوبوں کی ان وجوہ کو غلط قرار دے کر جنکی بناء پر وہ علیحدگی چاہیں گے اپنی عسکری قوت کے دباؤ سے مسلم اکثریت کے صوبوں کا یہ مطالبہ مسترد کر دے گی اور اگر وہ اس پر اصرار کریں گے تو فوج کے ذریعہ ان کی سرکوبی کی جائیگی۔

کانگریس نہیں کہتی مسٹر گاندھی نہیں کہتے۔ ان کا کوئی ہندو لیڈر دعویٰ نہیں کرتا کہ وہ اسلحہ سے جنگ کر کے انگریزوں سے ہندوستان کا اختیار حکومت چھیننا چاہتے ہیں کانگریس کی تمام جدوجہد

اور تحریک ایک طرح کا آئینی ایجی ٹیشن ہے سول نافرمانی بھی اس سے زیادہ نہیں کیں۔ کانگریس کی ہر تحریک برطانیہ کی خدمت میں معروضات سے شروع ہوتی ہے یہ لہجہ گرم ہوتا ہے یہ ہمیں تسلیم ہے مگر وہ ہوتا ہے معروضہ ہی اور ہر تحریک کا انجام بھی معروضات ہی پر ہوتا ہے۔ کوئٹ انڈیا یعنی تخلیہ ہند کا ریزولیوشن بھی مطالبہ ہی تھا جو بات سخت لہجے میں کہی جائے وہ مطالبہ۔ جو نرم لہجے میں کہی جائے وہ معروضہ ہے اس کے بعد جو کچھ ہؤا وہ جاپان کی قوت کے بھروسہ پر تھا کانگریسی حکومت برطانیہ سے اختیار مانگتے ہوئے جیل گئے اور اختیار مانگتے ہوئے جیل سے نکلے انکا یہ تنزل البتہ ساری دنیا نے دیکھا ہے کہ تخلیہ ہند کا مطالبہ کرتے ہوئے گئے اور عارضی حکومت کے لئے انہوں نے شملہ میں لارڈ ویول کے قدموں پر سر رکھا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ انگریزوں کو ہندوستان سے بزور دفع کرنے کا نہ ارادہ ہے اور نہ اس کا سامان ہے لہٰذا ہندوستان کو کامل یا نیم آزادی اگر ملنے والی ہے تو وہ انگریزوں کے دینے سے ملے گی اور انگریز بھی یہ اختیار اور آزادی کچھ ہندوستانیوں کے ایجی ٹیشن سے پریشان ہو کر کچھ بین الاقوامی سیاسی حالات اور بین الاقوامی رائے عامہ سے متاثر ہو کر دیں گے اگر یہ ہوتا کہ فوجیں بھرتی ہو رہی ہوتیں۔ اسلحہ اور سامان حرب کا انتظام ہوتا اور انگریزوں سے کھلے میدان جنگ کر کے ہندوستان کی آزادی حاصل کی جاتی تو بلاشبہ مسلمانوں کو اس کی ضرورت نہ تھی کہ وہ ایسے حقوق اور مفاد کے متعلق پہلے ہندوؤں سے کوئی سمجھوتہ یا پاکستان کا اصول تسلیم کرنے کا مطالبہ کرتے وہ تو زیادہ سے زیادہ فوجوں کی تنظیم کرتے زیادہ تعداد میں اور بہتر مسلم فوجیں اسکی ضمانت ہوتیں کہ ہندوستان میں مسلمان آزاد ہونگے اور ہندو ان کے ساتھ ناانصافی نہیں کریں گے۔

معروضات و مطالبات

جب صورت حال یہ ہے کہ ہندوستان کو جو کچھ ملنے والا ہے وہ برطانوی پارلیمنٹ کے قانون سے ملے گا تو مسلمانوں کو اس کی کیا ضرورت ہے کہ وہ ہندو اکثریت کو اس کا موقع دیں کہ ہندوستان کی خدمت کا اختیار و اقتدار اس کے حق میں منتقل ہو اور پھر مسلمانوں کو اس ہندو اکثریت سے معروضات کرنے پڑیں۔ اس کے خلاف ایجی ٹیشن کرنا پڑے اور ہندو اکثریت مسلمانوں کے ساتھ اس طرح پیش آئے جس طرح برطانیہ ہندوستانیوں کے ساتھ پیش آ رہی ہے اسکی کون سی وجہ ہے کہ مسلمان یہ مطالبہ نہ کریں ...... کہ پہلے ہندوستان کی تقسیم اور آزاد و خود مختار پاکستان کا اصول تسلیم کیا جائے اور جب برطانیہ کی طرف سے ہندوستان کو اختیار حکومت منتقل ہو تو ہندوستان کے دونوں علاقوں میں بیک وقت انتظامی عدالتی اور دفاع و تحفظ کے نظامات قائم ہوں۔ اس صورت میں ہندوؤں کی کیا مجال ہے کہ پاکستان کی آزادی سلب کرنے کا خیال بھی دل میں لائیں۔ ہندوستانی انگریزوں سے کیوں آزادی حاصل نہیں کر سکتے کیا اس کے سوا

کوئی دوسری وجہ ہے کہ انگریزوں کے پاس طاقت اور فوج ہے ہندوستانیوں کے پاس نہیں ہے اور برطانیہ کی طاقتور فوج کی موجودگی میں ہندوستانیوں کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنی فوج بھرتی کریں اور اس کی تنظیم کریں۔ مسلم لیگ یہ حماقت کرنے کے لئے تیار نہیں کہ پہلے آل انڈیا یونین کو جس میں ہندوؤں کی اکثریت ہو گی ہندوستان کا اختیار حکومت دلادے اس کی فوجیں مرتب کرادے اور اسکے مقابلہ میں مسلم اکثریت کے صوبوں کی وہی حیثیت کر دے جو برطانیہ کے مقابلہ میں تمام ہندوستان کی ہے۔ آزادی کی حفاظت فوج اور اسلحہ جنگ سے ہوتی ہے تعلیموں اور تنخیوں سے نہیں ہوتی۔

پاکستانی تجویز پر ایک دوست کے کچھ شبہات :-

اب آخر میں بطور تتمیم فائدہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنے ایک مخلص دوست کی وہ تحریر لفظ بلفظ نقل کر دوں جو اس نے بہار سے مجھے لکھدی تھی اور جس میں اکثر پیش آنے والے شبہات کو مختصر پیرایہ میں سمیٹ لیا گیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :-

"مسلمانوں کے موجودہ تشتت و افتراق کو دیکھ کر سخت تذبذب ہے کہ ہم لوگوں کو کونسا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔ مسلمانوں کو جمعیۃ علماء اسلام اور لیگ کی تجویز کے مطابق مطالبہ پاکستان کا ساتھ دینا چاہئے۔ یا جمعیۃ علماء قدیم کی متحدہ حکومت دوسرے پاکستان ۔۔ جہاں تک ہم لوگوں نے غور و فکر کیا اس نتیجہ پر پہنچے ہیں ...... کہ پاکستان کی صورت میں مسلمانوں کے کئی نقصانات ہیں جو درج ذیل ہیں۔

پاکستان کی صورت میں مسلم اکثریت والے صوبے اکثریت والے صوبوں سے کٹ کر نہایت خطرناک اقلیت میں ہو جائیں گے۔ ہندو رام راج کے منصوبے گانٹھے بیٹھے ہوئے ہیں وہ بہار و مدراس وغیرہ کے مسلمانوں کی مذہبی آزادی کو بتدریج سلب کر لیں گے اور ہندوستان میں رام راج کا بول بالا ہوگا۔ تین کروڑ مسلمانوں کی مذہبی موت ہو گی پانچ کروڑ مسلمانوں کے مفاد کے لئے تین کروڑ مسلمانوں کو اس طرح کفار کے حوالہ کر دینا شرعاً جائز نہ ہوگا۔ ہجرت وغیرہ کی تجویز محض مہمل اور ناممکن العمل ہے تین کروڑ مسلمانوں کی کھپت کہیں نہ ہو سکے گی۔ ہجرت کا ایک دفعہ تلخ تجربہ بھی مسلمانوں کو ہو چکا ہے۔ جو عبرت کے لئے کافی ہے۔ ارباب لیگ کا یہ کہنا کہ اگر مسلم اقلیت پر ظلم ہوگا تو مسلم اکثریت کے صوبوں میں ہندوؤں سے اس کا بدلہ لیں گے محض طفلانہ بات ہے جو عقل و شرع کے خلاف ہے مدبرین کو تو ایسی باتیں بھول کر بھی نہ کرنی چاہئیں۔ اگر اکثریت والے صوبوں میں قرآنی حکومت ہو تو بھی غنیمت تھا مگر ہندوؤں کی اقلیت ایسی نہیں جیسی مسلمانوں کی ہے بلکہ بعض بعض صوبوں میں انکی تعداد تقریباً مساوی ہے لہٰذا ان کے مساویانہ حقوق ہونگے۔ انکی مساوی نشستیں اور ملازمتیں ہونگی تو اس طریق حکومت کو حکومت اسلامیہ کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ علاوہ بریں پاکستان ابھی تو یقیناً زیر سایہ برطانیہ ہوگا پھر کافر کی سرپرستی میں قرآنی حکومت کا قیام چہ معنی دارد۔ یہ بات سمجھ میں نہیں

آتی۔ غرض پاکستان کی صورت میں پنجاب و بنگال وغیرہ میں قرآنی حکومت تو نہیں ہو گی مگر سی پی و مدراس میں رام راج ضرور ہو کر رہے گا اور وہاں کے ہندو شعائر اسلامیہ کو پامال کریں گے اور مسلمانوں پر بدترین غلامی مسلط ہو جائے گی۔ معدنی اشیاء زیادہ تر ہندوستانی خطوں میں پائی جاتی ہیں۔ پاکستانی علاقوں میں بہت کم ہیں اور یہی علاقے زراعتی و صنعتی اعتبار سے ممتاز ہیں لہٰذا پاکستان کے مسلمان اقتصادی اعتبار سے دن بدن کمزور ہوتے جائیں گے کیونکہ ہندوستان سے ان کو سروکار ہی نہیں ہوگا پاکستان ہو جانے پر سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ انگریزوں کا قدم ہمیشہ کے لئے ہندوستان میں جم جائیگا تاریخ شاہد ہے کہ تفریق اور باہمی تنازع ہی نے ہندوستان میں انگریزوں کو بڑھنے اور پنپنے کا موقع دیا ہے۔ پاکستان کی بنیاد ہی تفریق و تقسیم پر ہے۔ برٹش مہاراج کو ہندوؤں اور مسلمانوں کو لڑانے کا اچھا موقع مل جائے گا۔ اور ہمیشہ در پردہ شکار کھیلا جائے گا۔ دونوں قوموں میں تصادم ہوتا رہے گا عصبیت لازماً پیدا ہوگی۔ کبھی یہ لوگ متحد ہونگے نہ ہندوستان کی مکمل آزادی کا خواب شرمندہ تعبیر ہوگا بلکہ چند سال بعد ہندوستانیوں کو نااہل ٹھہرا کر انکی آزادی چھین لی جائے گی۔ ہندوستان بدستور غلام رہ جائیگا۔ ممالک اسلامیہ بھی برطانیہ کے پنجہ استبداد سے نہ نکل سکیں گے۔ حالانکہ آزادی خواہ مسلمانوں کا مطمح نظر صرف ہندوستان ہی کی آزادی نہیں بلکہ تمام عالم اسلام کی آزادی مدنظر ہے۔

برما کی تفریق مویدین پاکستان کی عبرت کے لئے کافی ہے کہ برمیوں نے وطنی عصبیت پیدا ہو جانے پر ہندوستانیوں کے ساتھ کیسا برا سلوک کیا۔ پاکستانی حکومت کا زمام اختیار ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہوگا جو دین و مذہب سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتے۔ جن لوگوں نے اسمبلی میں جا کر سول میرج ایکٹ اور اس جیسے دوسرے لعنتی قوانین کو مسلمانوں پر مسلط کیا۔ اگر پاکستانی علاقوں کے ایسے نام نہاد مسلمان ایسے ہی خلاف شرع قوانین کا نفاذ کرتے رہے تو اس پاکستان سے اسلام اور مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچا۔

کانگریس کی مجوزہ متحدہ حکومت کی صورت میں گو من حیث المجموع مسلمان اقلیت میں ہوں گے مگر ایسی خطرناک اقلیت نہ ہو گی جیسی پاکستان کی صورت میں صوبہ جات سی۔ پی و مدراس وغیرہ میں ہو جاتی ہے پھر مسلمانوں کی حیثیت فریق کی ہو گی، محکوم کی نہ ہو گی، اپنے حقوق کا تحفظ کر سکیں گے۔ جمعیۃ علماء ہند کا مطالبہ تو یہ ہے کہ مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کی نشستیں مساوی کر دی جائیں یعنی ۴۵ فیصد ہندو ۴۵ فیصدی مسلمان اور ۱۰ فیصدی دیگر اقوام اس صورت میں مسلمانوں کی اکثریت والے صوبوں میں مسلمانوں کا اقتدار بھی ہو جاتا ہے اور من حیث المجموع مسلمانوں کے محکوم ہونے کا خطرہ بھی دور ہو جاتا ہے۔ بتدریج مکمل آزادی کے لئے بھی راستہ صاف نظر آتا ہے۔ ممالک اسلامیہ بھی برطانیہ کے دستبرد سے نجات پا سکیں گے، اگر یہ شبہ ہو کہ اچھوت وغیرہ مل ملا کر پھر مرکز میں ہندوؤں

کی اکثریت رہے گی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اچھوت اور سکھ ہندوؤں سے قریب تر ہیں تو پارسی اور عیسائی اہل کتاب ہونے کی وجہ سے مسلمانوں سے زیادہ مانوس ہیں۔ اپنے مفاد کی خاطر مسلمان بھی ان اقوام کو اپنانے کی کوشش کر سکتے ہیں۔

دریافت طلب یہ ہے:۔

۱۔ کہ جمعیتہ علما جدید اور لیگ اگر واقعی آزادی خواہ جماعتیں ہیں جو جمعیتہ علماء ہند کی اس زریں تجویز کا کیوں ساتھ نہیں دیتیں۔

۲۔ کیا اگر کانگریس جمعیتہ علما کی ۴۵ فیصدی والی تجویز کو منظور کر لے اور اس کا باضابطہ اعلان ہو جائے تو لیگ اور جدید جمعیتہ اس کا ساتھ دے گی یا نہیں۔

۳۔ کیا لیگ ہائی کمانڈ نے جمعیتہ علماء اسلام کے ساتھ اس قسم کا کوئی معاہدہ کیا ہے کہ شرعی امور میں علماء کی طرف رجوع کریں گے۔

۴۔ اگر کوئی معاہدہ اس قسم کا نہ کیا ہے تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ الیکشن کے بعد لیگ ہائی کمانڈ جمعیتہ علماء اسلام سے اس طرح منحرف نہ ہو جائے گی جس طرح ۳۷ء کے بعد جمعیتہ علماء قدیم کے ساتھ نقض عہد کیا۔

اگر ارباب لیگ نے جمعیتہ علماء اسلام سے کوئی اس قسم کا معاہدہ کر لیا ہے تو اس کا باضابطہ اعلان ہونا چاہیئے ممکن ہے کہ اس اعلان کے بعد قدیم و جدید جمعیتوں میں اختلاف باقی نہ رہے اور دونوں ایک ہی مرکز پر آجائیں۔

ہمارا جواب

اس تحریر کا جواب میری طرف سے حسب ذیل لکھا گیا ہے۔

پاکستانی صوبوں کے اعداد و شمار:۔

پاکستانی تجویز اور جمعیتہ علماء کے فارمولا کا فرق سمجھنے کے لئے اولاً یہ ملحوظ رہے کہ ہر مسلم اکثریت والے صوبے کا پاکستان علیحدہ نہیں بنے گا بلکہ پانچ چھ صوبوں کا ایک ہی پاکستان ہوگا۔ اس لئے پاکستان پر بحث کرتے وقت ہر صوبہ کے جداگانہ اعداد و شمار اور انکی اکثریت و اقلیت کی بحث بیکار ہے۔ اب یہ سمجھئے کہ صحیح تحقیق کے موافق پاکستانی صوبوں میں مجموعی تعداد مسلمانوں کی سات کروڑ بیس لاکھ ہے۔ ہم تنزلاً سات کروڑ ہی فرض کئے لیتے ہیں اور غیر مسلم آبادی پاکستان میں ڈھائی اور تین کروڑ کے درمیان ہے۔ اس کو بڑھا کر پورے تین کروڑ مان لیجئے پس مجموعی حیثیت سے مسلم اور غیر مسلم میں سات اور تین کی نسبت ہوئی گویا ستر فیصدی مسلمان اور تیس فیصدی غیر مسلم، اور اگر اس قسم کے حسن ظن سے کام لیا

جائے جو جمعیتی فارمولا کی تقدیر پر آپ نے استعمال کیا ہے تو کیا بعید ہے کہ عیسائی بوجہ اہل کتاب ہونے اور سکھ بوجہ موحد ہونے کے اور اچھوت ہندو دھرم کے مقابلہ میں اسلامی مساوات و رواداری نیز پاکستان میں مسلم غلبہ کو دیکھ کر ہماری طرف آجائیں ادھر آدی باسی قوم کے کروڑوں افراد اسلام سے قریب تر اور پاکستان کے حامی ہونے کی بناء پر مشرقی حصہ پاکستان میں شامل ہو جائیں پھر تو پوچھنا ہی کیا ہے بہر حال میں سیاسی معاملات میں اس قسم کی خیال آرائیوں کو چھوڑ کر تمام غیر مسلم قوموں کو "الکفر ملة واحدة" کے مطابق ایک ہی پلان فرض کئے لیتا ہوں تب بھی ستر مسلم اور تیس غیر مسلم فیصدی کا تناسب رہے گا دراں حالیکہ آپ کے بیان کردہ جمعیتی فارمولا کے مطابق سارے ہندوستان کی مرکزی حکومت میں ۴۵ مسلم اور ۵۵ غیر مسلم رہتے ہیں۔

یہ چیز عجائب دہر میں سے ہے کہ ہم ستر فیصدی رہتے ہوئے تو خسارہ میں رہتے ہیں اور جب ۴۵ فیصدی ہو جائیں تو فلاح و کامرانی کے خزانوں کی گویا سب کنجیاں ہمارے ہاتھ میں آجاتی ہیں۔ نیز ہماری صوبجاتی قلیل اکثریت جو آپ کے نزدیک غیر مؤثر اور ناقابل اعتماد ہے متحدہ حکومت کی صورت میں کس طرح مؤثر بن جائے گی جبکہ اوپر مرکز میں بھی ہم اقلیت میں ہونگے اگر مسلم صوبجات میں وہ اقلیت بے اثر ہی رہی تو صوبوں کی آزادی کا مطلب جمعیتی فارمولا کی بناء پر کیا ہوگا۔ کیا کوئی عاقل اسے باور کر سکتا ہے کہ ہماری صوبجاتی تھوڑی سی اکثریت اس وقت تو کارآمد نہیں جبکہ اسکے مرکزی حکومت میں ہم ستر فیصدی ہوں لیکن جب وہ اکثریت ایک ایسے مرکز کے ماتحت آجائے جہاں ہم ۴۵ فیصدی رہ جاتے ہیں تو وہ نہایت محفوظ اور کارآمد ہو جاتی ہے پھر اس پینتالیس فیصدی کو بھی اس خطرہ سے مامون نہ سمجھئے کہ بہت سے مسلمان اس وقت بھی ایسے نکل سکتے ہیں جو محض اپنے ذاتی اغراض و مفاد کی خاطر ہندوؤں کی دولت تنظیم اور اکثریتی حاکمانہ تفوق سے مرعوب و متاثر ہو کر ادھر چلے جائیں جب کہ بحالت راہنہ ہندو حکومت کے فقدان کے باوجود ایسا مشاہدہ کیا جا رہا ہے۔

ہندوستان کے مسلمانوں کی حیثیت:۔

رہا یہ سوال کہ قیام پاکستان کی صورت میں ان ڈھائی کروڑ مسلمانوں کا کیا بنے گا جو ہندو اکثریت کے ماتحت رہیں گے، تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح ہم کو اپنی اس اقلیت کی فکر ہے، ہندوؤں کو تین کروڑ ہندو اقلیت کے تحفظ کا کوئی احساس نہ ہوگا جو پاکستان میں آباد ہوگی۔ اصل یہ ہے کہ تحفظ اقلیت کے اس دو طرفہ احساس اور پورے ملک کے مشترک دفاعی مسائل کی فکر ہی قدرتی طور پر وہ بنیاد ثابت ہوگی جس پر مضبوط معاہداتی سسٹم کے تحت دونوں قوموں کے عملی اتحاد و اشتراک کی عمارت قائم کی جائے گی اور باہمی تعاون سے مشترک فوائد حاصل کرتے اور مشترک مضار کو دور کرنے کے راستے نکلتے چلے آئیں گے۔ پاکستان میں ہم غیر مسلم اقلیتوں کو جس قسم کی مراعات کھلے دل سے دیں گے

ہم توقع رکھیں گے کہ اس قسم کی مراعات ہندوستان میں ہمارے مسلم بھائیوں کو ملیں۔ ہم پاکستان کا تحفظ اس لئے کر رہے ہیں کہ ملت اسلامیہ کا بحیثیت مجموعی اس میں فائدہ ہے۔ پاکستان پر ہندوستانی مسلمانوں کا اتنا ہی حق ہے جتنا ہمارا ہے کیونکہ وہ ہماری ملی جائے پناہ اور انکا اخلاقی سہارا ہوگا۔

پاکستانی اور ہندوستانی مسلمانوں کا راستہ:۔

ہمارا ہندوستان سے کٹ جانا ہندی مسلمانوں سے کٹ جانے کے مترادف نہیں سمجھنا چاہئے مسلمانوں کے باہمی تعلقات کے راستے میں جغرافیائی حد بندی کوئی شے نہیں۔ جنوبی افریقہ کا مسلمان اور بحر منجمد شمالی کا مسلمان ملت اسلامیہ کے محکم و استوار رشتہ میں منسلک ہونے کی وجہ سے ایک ہی جسم کے دو حصے ہیں اس لئے ہم میں اور ہندی مسلمانوں میں کوئی بعد نہیں ہوگا۔ کوئی چیز ہمارے راستہ میں حائل نہیں ہوگی ہم اپنے ہندو معترضین کو یقین دلاتے ہیں کہ ہمارے عزائم غاصبانہ نہیں۔ پاکستان کے مسلم اور غیر مسلم اپنے ملک کی خوشحالی اور مصیبت میں برابر کے شریک اور حصہ دار ہونگے۔ مسلمان جو اکثریت میں ہونگے انشاء اللہ اپنے عمل سے ثابت کر دکھائیں گے کہ طاقت اور قوت انکے دماغ میں نخوت اور غرور نہیں بلکہ خدمت خلق کا جذبہ پیدا کر دیتی ہے، وہ انڈین نیشنل کانگریس نہیں کہ اقلیتوں کے جذبات سے اغماض کریں اور ان کے حقوق پامال کر ڈالیں۔ وہ اپنے حقوق کی طرح برادران وطن کے حقوق کی محافظت کریں گے، اس لئے کہ ان کا مذہب انہیں اس امر کی تعلیم دیتا ہے اور ان کی گذشتہ تاریخ انکی اس قومی خصوصیت کی تفسیر ہے"۔

اچھا اسے چھوڑیئے، اکھنڈ ہندوستان کی صورت میں ملک کی مسلم اقلیت کا تحفظ کس طرح ہوتا ہے اور کس طرح آئندہ ہوگا۔ اقلیت بہرحال اقلیت ہے۔ مرکز حکومت ایک ہو یا دو ملکی حکومت ہو یا اجنبی۔ اقلیت کو اکثریت کے برابر کر دینا تو کسی کی قدرت میں نہیں۔ اب اگر دس کروڑ میں سے سات کروڑ مسلمان ہی رام راج کی تیاری کرنے والے ہندوؤں کی گرفت سے آزاد اور محفوظ ہو جائیں تو کیا یہ کوئی فائدہ کی چیز نہیں۔

ہندوستان کے مسلمانوں کی قربانی:۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے جب مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو مکہ کے معابد کو اپنے ساتھ اٹھا کر نہیں لے گئے اور بے کس و بے بس مستضعفین کو بھی وہیں چھوڑنا پڑا جن کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔

والمستضعفین من الرجال والنساء	اور ان کے واسطے جو مغلوب ہیں مرد اور عورتیں
والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا	اور بچے جو کہتے ہیں اے رب ہمارے نکال ہم کو اس
من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا۔	بستی سے کہ ظالم ہیں یہاں کے لوگ
واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا	اور کر دے ہمارے واسطے اپنے پاس
من لدنک نصیرا۔	سے مددگار۔

کفار مکہ ان ہی بعض مستضعفین کو بجبر واکراہ میدان بدر میں مسلمانوں کے مقابلہ پر بھی کھینچ لائے تھے تو کیا ان تصورات و امکانات کی موجودگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو پاکستان بنانے کا خیال ترک فرما دیا تھا۔ ہاں ہوا تو یہ ہوا کہ قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے تمام غیر مہاجر مسلمانوں کے متعلق صاف اعلان کر دیا کہ

والذین امنوا ولم یھاجروا مالکم	اور جو ایمان لائے اور گھر نہیں چھوڑا تم کو انکی
من ولایتھم من شیء حتی یھاجروا	رفاقت سے کچھ کام نہیں جب تک وہ گھر نہ
وان استنصروکم فی الدین فعلیکم	چھوڑ آئیں۔ اور اگر وہ تم سے مدد چاہیں دین میں تو
النصر الا علی قوم بینکم وبینھم	تم کو لازم ہے مدد کرنی مگر مقابلہ میں ان لوگوں کے
میثاق۔	کہ ان میں اور تم میں عہد ہو۔

دارالحرب سے ہجرت:۔

آخر یہ مسئلہ تو اب بھی فقہا کے نزدیک مسلم ہے کہ اگر دارالحرب میں کفار ارکان دین کے ادا کرنے سے روک دیں اور چارہ کار باقی نہ رہے تو ایسے ملک سے ہجرت کر جانا بشرطہا واجب ہے۔ فرض کیجئے ایسی صورت آج کسی ملک میں پیش آجائے تو ہجرت کرنے والے مسلمان کیا اپنے معابد و معاہد کو اٹھا کر اپنے ساتھ لے جائیں گے یا غیر مستطیع مستضعفین کی وجہ سے ہجرت ترک کرنا ضروری سمجھیں گے۔ میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ ایسے صورت حالات میں علماء امت نے وجوب ہجرت کا حکم دیتے ہوئے آخر ان مسائل کا حل کیا سوچا۔ کیا یہی کہ ان سب کو اللہ کے سپرد کر کے چلے جائیں یا کچھ اور ——

پھر یہاں نہ تو سردست ہجرت کا سوال ہے نہ کئی کروڑ مسلمانوں کا عدد ایسا ہے کہ بالکلیہ بے دست و پا ہو کر بیٹھ رہے خصوصاً اس حالت میں جبکہ انکے پڑوس میں مسلمانوں کا طاقتور پاکستان بھی موجود ہو اور اسکو ان کی مادی امداد و تحفظ کا پورا خیال بھی ہو اور پاکستانی خطہ دوسرے آزاد اسلامی ممالک سے متصل بھی واقع ہو۔ خدا جانے لوگ ہندو قوم سے اس قدر خائف کیوں ہیں کہ کسی نے اسکی اکثریت کی غلامی سے نکلنے کا نام لیا اور وہ سمجھے کہ بس ہمارا خاتمہ ہوا۔

ایک مرتبہ کم از کم پاکستانی نظریہ کا تجربہ کر کے تو دیکھ لیں۔ اگر ناکام رہے گا تو بھی یہ موقع تو ہر وقت حاصل ہے کہ پھر اپنے کو ہندو اکثریت کی غلامی کے سپرد کر دیں۔

اصل یہ ہے کہ ابھی تک آزاد اور طاقتور پاکستان کا تصور ہی ان کے ذہن میں نہیں ورنہ اس طرح کے رکیک شبہات دق نہ کرتے۔

رہی پاکستان کی مادی و اقتصادی وسائل کی بحث اور اس میں معدنیات وغیرہ کی قلت

کا سوال اس کا مختصر جواب خود مسٹر جناح ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کے نمائندہ کو اپنے ایک بیان میں دے چکے ہیں۔ سرسپر و کمیٹی کے دو ارکان سر ہومی مودی اور ڈاکٹر جان متھائی نے جو یادداشت پیش کی تھی اس میں بھی پاکستان کے اقتصادی پہلو کا کچھ حل بتایا گیا ہے۔

پاکستان کی اقتصادیات:۔

بعض مسلمان ماہرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس وقت جو رقم پاکستان اپنے مصارف کے لئے مرکزی حکومت سے وصول کرتا ہے ان سے کہیں زیادہ وہ مرکزی خزانہ میں داخل کرتا ہے تو گویا مجموعی حیثیت سے ہم خسارہ میں رہتے ہیں۔ جب پاکستان علیحدہ ہوگا تو دولت کی وہ نہر جو اب گنگا جمنا کے میدانوں کو سیراب کرتی ہے پاکستان کے میدانوں کو گلزار بنانے میں صرف ہوگی۔

اطلاعات سے پایا جاتا ہے کہ سندھ اور بلوچستان کے صوبہ جات میں مٹی کے تیل کے چشمے برآمد ہوئے ہیں۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ یہاں سے اتنا تیل دستیاب ہو سکے گا جو کل ہندوستان اور پاکستان کے لئے کفایت کریگا۔ علاوہ ازیں پاکستان کی زمین ہندوستان کی زمین سے زیادہ زرخیز ہے اور اس میں ہر قسم کی پیداوار ہو سکتی ہے۔ بلوچستان کا ساحل (مکران کا علاقہ) مچھلیوں کے لئے مشہور ہے۔ اس صنعت کو بھی فروغ دیا جا سکتا ہے۔ جنگلات اور ان سے متعلقہ صنعتوں کو بھی ترقی دی جا سکتی ہے۔ یہ ذرائع آمدنی گو سر دست ہمارے لئے بالکل بیکار ہیں لیکن ذرا سے اقتصادی شعور اور تدبیر سے ریگزار کو باغ عدن بنایا جا سکتا ہے۔ گراں بار طرز حکومت اور ملازمین کے گراں قدر مشاہروں میں تخفیف کی جا سکتی ہے۔ ہمارے معدنی ذرائع بھی امید افزا ہیں۔ شمال مغربی علاقہ میں کوئلہ کی کمی ہے۔ لیکن جہاں تک اس کمی کا تعلق ہے ہمارے دریاؤں نے ہمیں اس سے بے نیاز کر دیا ہے۔ دریا تمام کے تمام برفانی پہاڑوں سے نکلتے ہیں اور اپنے راستے میں جا بجا آبشاریں بناتے ہیں جن سے بجلی کی بے پناہ قوت حاصل کی جا سکتی ہے جو آجکل ہائیڈرو الیکٹرک کے نام سے مشہور ہے۔ اس قسم کے دوسرے پاور ہاؤس قائم ہو جانے سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بجلی کتنی وافر مقدار میں پیدا کی جا سکتی ہے اور ہم کس حد تک کوئلہ سے بے نیاز ہو سکتے ہیں۔ کوئلے سے بے نیاز کرنے کے لئے مٹی کا تیل اور پٹرول بھی ہمارا معاون ہوگا اور ان سب اشیاء کے استعمال سے معدنی صنعتی اور زرعی پیداوار کو آسانی اور کامیابی کے ساتھ بڑھایا جا سکتا ہے۔ اب اگر ایسا نہیں ہو رہا تو اس کی وجہ محض یہ ہے کہ جن ہاتھوں میں پاکستان کی قسمت ہے وہ مخلص اور دیانتدار نہیں اور وہ دل سے پاکستان کو اپنا دست نگر اور محتاج بنانے کے خواہاں ہیں۔

پاکستانی صوبوں کی زرخیزی:۔

ہم معترضین کی چشم بصیرت وا کرنے کے لئے پنجاب کے سابق فنانشل کمشنر مسٹر ایچ کیلورٹ کی مشہور تصنیف "پنجاب کی دولت و فراغت" سے مندرجہ ذیل اقتباس پیش کرتے ہیں:۔

آل انڈیا فیڈریشن کا جزو بننے سے پنجاب پر اقتصادی موت طاری ہو جائے گی اور اس کی تمام تر ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوگی جو غیر پنجابی ہونگے مگر جو مرکز میں براجمان ہو کر مرکز کے مفاد کے لحاظ سے پنجاب کا خون شیر مادر کی طرح پی جائیں گے۔ وفاقی دستور کے ماتحت تقسیم دولت کے جملہ وسائل اغیار کے ہاتھوں میں ہونگے۔ ریلوے ڈاک اور تار بری اور بحری ذرائع رسل و رسائل تمام کے تمام صوبائی خود مختاری کے حلقہ اختیار سے باہر ہونگے حتیٰ کہ پنجاب کی پیداوار کیلئے منڈیاں تلاش کرنا اور ان کو مناسب قیمتوں پر فروخت کرنا اور اس قسم کے دوسرے اہم کام ان کے سپرد ہونگے جنہیں پنجاب سے کوئی ہمدردی نہیں ہوگی۔ نرخوں کا تعین خارجی اثرات سے انجام پذیر ہوگا۔ اور درآمد و برآمد کے سلسلے میں پالیسی سراسر مرکزی حکومت کی ہوگی۔ پنجاب کے لئے سب سے زیادہ خطرناک چیز بمبئی کے کارخانہ داروں کا وہ مہلک اثر ہے جس کے باعث وہ مرکزی حکومت کو محصولات کا لالچ دے کر تحفظ صنعت پر آمادہ کر لیتے ہیں۔ اس کے بہادر اور تنومند باشندے بمبئی کے فریب کار اور خود غرض تاجروں کے سامنے مجبور محض ہونگے جن کی ہوس رانیوں نے پہلے ہی ہندوستان بھر کے مفاد کو خطرہ میں ڈال رکھا ہے۔ پنجاب فیڈریشن میں اقلیت کی حیثیت سے شامل ہوگا اور فیڈریشن کے ناخداؤں کو اسکی ترقی اور تنزل سے کوئی سروکار نہیں ہوگا اور اگر پنجاب اپنی گزشتہ روایات کا تحفظ اور اقتصادی آبرو کی بقا چاہتا ہے تو اسے ضرور اکثریت پیدا کرنی چاہئے اور وہ اکثریت دوسرے ہمسایہ زرعی صوبوں کو اپنے ساتھ ملانے سے ہو سکتی ہے۔

مرکزی حکومت جب اپنے ذرائع آمدنی بڑھانے کے لئے اور بمبئی کے تاجروں کی صنعت کو فروغ دینے کی خاطر بیرونی اشیاء کی درآمد پر بھاری محصولات لگائے گی تو غیر ممالک بھی ہندوستان کی برآمد پر جواباً اس قسم کی پابندی عائد کریں گے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہندوستان کی برآمد میں نمایاں کمی ہو جائے گی اور چونکہ ہندوستان کی برآمد کا بیشتر حصہ خام اشیاء پر مشتمل ہے جو زیادہ تر پنجاب سندھ وغیرہ جیسے زرعی صوبے مہیا کرتے ہیں اس لئے بائیکاٹ کی زد سیدھی ان صوبوں کی ۸۰ فیصدی آبادی پر پڑے گی جن کا روزگار ان خام اشیاء کی پیداوار پر منحصر ہے اور اغلب ہے کہ ان صوبوں کے جفاکش کسان تنگدستی اور فلاکت کے مرض میں مبتلا ہو کر راہیٔ ملک بقا ہوں اور انکی سرسبز اور لہلہاتی کھیتیاں ہمیشہ کے لئے خزاں کی نذر ہو جائیں۔

برما نے علیحدہ ہو کر اپنا مستقبل محفوظ کر لیا ہے۔ اب زرعی صوبہ جات کے لئے اپنی یقینی بربادی سے بچنے کی واحد صورت یہی ہے کہ وہ صنعتی صوبہ جات سے علیحدہ ہو کر اپنی جداگانہ فیڈریشن قائم کریں۔

اگر پنجاب، سندھ، بلوچستان سرحد اور وہ ریاستیں جو این ڈبلیو آر (شمال مغربی ریلوے) سے

سے ملحق ہیں اپنی علیحدہ فیڈریشن قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو وہ ان خطرناک نتائج سے بچ سکتے ہیں جو لازمی طور پر انہیں مرکزی حکومت کی تجارتی حکمت عملی کے طفیل بھگتنے پڑیں گے۔

ابھی چند روز ہوئے ایک مضمون "پاکستان کی اقتصادی و سیاسی پوزیشن" کے عنوان سے جناب بابو رام شرما نے شائع کرایا ہے جو معلومات سے لبریز ہے اس کا اقتباس بھی ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

ہمارے صوبوں کی معدنیات :-

کسی ملک کی اقتصادی حالت کا جائزہ لینے کے لئے بنیادی طور پر تین چیزیں سامنے ہوتی ہیں۔ اول اس ملک کی آبادی دوسرے معدنیات تیسرے زرعی پیداوار۔ آبادی کے لحاظ سے شمال مغربی پاکستان کی آبادی تقریباً ساڑھے تین کروڑ اور شمال مشرقی پاکستان کی آبادی ساڑھے تین کروڑ کے لگ بھگ ہے جو یورپ کے سب سے بڑے ملک روس کو چھوڑ کر یورپ کے تمام ممالک سے زیادہ ہے یعنی سات کروڑ کی آبادی یورپ کے کسی ملک کی بھی نہیں ہے اور غالباً یورپی رشیا کی بھی اتنی نہیں ہے اس لئے آبادی کے لحاظ سے پاکستان ایک بہت بڑا طاقتور ملک ہے اور اس کے باشندے نہایت خوبصورت لانبے مضبوط اور سڈول جسم کے ہوتے ہیں۔ ہندوستان کی موجودہ فوج میں ساٹھ فی صدی بھرتی اس خطہ پاکستان سے لی جاتی ہے اس کی آبادی قدرتی طور پر سپاہی ہے اور اس سات کروڑ آبادی میں سے تقریباً دو کروڑ فوج تیار ہو سکتی ہے۔ معدنیات کے لحاظ سے ہمالیہ پہاڑ کا بیشتر حصہ پاکستان میں سے گزرتا ہے جو ریسرچ کرنے پر معدنیات سے بھرپور ہے۔ نمک (کھیوڑہ) اور مٹی کا تیل (اٹک) پنجاب میں کافی مقدار میں موجود ہے اور سیمنٹ کے لئے بھی یہاں بہت بڑا وسیع میدان ہے کوئلہ کی کمی مشرقی بنگال سے پوری کی جا سکتی ہے جہاں ہائیڈرو الیکٹرک پاور دنیا کی بہت بڑی الیکٹرک پاورز میں سے ایک ہے جس سے نیشنل لائن پر بہت بڑا کام لیا جا سکتا ہے جو پاکستانی باشندوں کے لئے بہت بڑی خوشحالی کا باعث بن سکتی ہے۔ عمارتی لکڑی پنجاب میں ضرورت سے بہت زیادہ پیدا ہوتی ہے اس لئے معدنیات کے اعتبار سے پاکستان کا علاقہ کچھ کم زرخیز نہیں ہے۔ زرعی اعتبار سے پاکستان دنیا کا بہترین خطہ ہے۔ پاکستان آج بھی دنیا کا بہت بڑا گندم پیدا کرنے والا ملک ہے حالانکہ ابھی سائنٹیفک طور اور نیشنل طریقہ پر گندم کی کاشت کا کوئی انتظام نہیں۔ اگر سائنٹیفک اور نیشنل طریقہ پر گندم کی کاشت کا انتظام کر لیا جائے اور اس کے خشک علاقوں میں آبپاشی کا انتظام ہو جانے تو یقیناً پاکستان دنیا میں سب سے زیادہ گندم پیدا کرنے والا ملک ہو سکتا ہے۔

ہماری صنعت و تجارت

کشمیر اور بلوچستان کے خشک اور تر میوہ جات پاکستان کی آبادی کی صحت اور خوشحالی میں بہت

معاون ہو سکتے ہیں نیز کشمیر کی جڑی بوٹیوں سے بہت زیادہ مالی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ کشمیر کی اون ریشم کی دستکاری کو اگر آرگنائز کر لیا جائے تو بھوکے کشمیر کو مالا مال کیا جا سکتا ہے۔ دودھ، گھی اور مکھن کے لئے مویشی انسانی زندگی کی جان ہیں اور یہ بات ہر شخص پر عیاں ہے کہ پنجاب کے پاکستانی علاقہ میں بہترین مویشی پالے جاتے ہیں۔ اس علاقے کی گائے بھینسیں اور بکری بہت زیادہ دودھ دیتی ہیں۔ اونٹ اور بیل زرعی کاموں میں بہت کارآمد ہیں اور سچ پوچھئے تو گھوڑا جو سواری کے لئے بہترین جانور ہے ملتان اور سندھ کے سوائے ہندوستان میں اور کہیں ہوتا ہی نہیں۔ کسی ملک کا محل وقوع بھی اس کی ترقی میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی ملک وحشی ممالک کا ہمسایہ ہے تو اس کے لئے ترقی کے موقع بہت کم ہیں۔ اگر سمندر نہ لگتا ہو اور اندرونی نقل و حرکت کے ذرائع موجود نہ ہوں تو وہ ملک تجارتی لحاظ سے ترقی یافتہ نہیں ہو سکتا۔ آیئے شمال مغربی پاکستان کا محل وقوع دیکھئے ایک طرف افغانستان اور روس دوسری جانب ایران اور ایک طرف بحیرہ عرب واقع ہے۔ افغانستان کے ساتھ اناج کے تبادلہ میں پھل اور میوہ لئے جا سکتے ہیں اور مشرقی مقبوضات بھی اپنی ضروریات کے مطابق پورا اناج پیدا کرنے کے اہل نہیں ہیں۔ اس لئے روس سے اناج کے مقابلے میں مشینری لی جا سکتی ہے۔ روس افغانستان ایران اور افریقہ سے براہ راست تعلق ہے۔ کراچی جو کمرشل اور فوجی نقطہ نگاہ سے ہندوستان کی واحد بندرگاہ تصور کی جاتی ہے پاکستان میں واقع ہے۔ جس سے گندم اور کپاس کی برآمد ہوتی ہے۔ سودیشی نقطہ نگاہ سے بمبئی کی بندرگاہ جو بدیشی مال درآمد کر کے ملک کو اقتصادی لوٹ کا شکار بناتی ہے بالکل ناکارہ ہے۔ اندرونی نقل و حرکت کے لئے پاکستان میں ریل کا جال بچھا ہوا ہے۔ نیز دریاؤں سے کامیاب طور پر تجارتی نقل و حرکت کی جا سکتی ہے پاکستانی خطہ میں نہ صرف بڑے بڑے دریا بہتے ہیں بلکہ ہندوستان کو سیراب کرنے والے دریا گنگا اور جمنا بھی اسی پاکستان کی سرزمین سے نکلتے ہیں اگر ان کے منبع پر سائنٹیفک طریق سے کام لے کر گنگا اور جمنا کا پانی ستلج اور بیاس میں منتقل کر دیا جائے تو پاکستان کا کونہ کونہ سیراب ہو سکتا ہے۔ دریاؤں کے رخ بدلنے کا کامیاب تجربہ امریکہ میں ہو چکا ہے۔ پاناما نہر کے بناتے وقت ایک دریا کا پانی کئی سالوں تک دوسرے راستہ سے خارج کیا گیا تھا۔ اب شمال مشرقی پاکستان کو لیجئے اس میں کوئلہ بافراط ملتا ہے بلکہ ہندوستان کی آج تمام ضروریات بنگال کے کوئلے سے پوری ہو رہی ہیں۔ بنگال اپنی ضروریات سے کہیں زیادہ چاول پیدا کرتا ہے اور پٹ سن اسکی خاص انڈسٹری ہے اگر اسے نیشنل لائن پر چلایا جائے تو تمام مشرقی پاکستان محض پٹ سن کے علاقہ سے مالا مال ہو سکتا ہے۔ اس سرزمین کو بھی بڑے دریا سیراب کرتے ہیں جو تجارتی نقل و حرکت کے لئے بھی بہت مفید ہے۔

پاکستان کی بندرگاہیں اور باہر کی دنیا

کلکتہ ہندوستان کی سب سے اہم بندرگاہ ہے اور اسکی کھاڑی بنگال کے جہازوں کے لئے محفوظ ترین بندرگاہ ہے جو پاکستان کی ایک بہت بڑی بحری قوت بننے میں مدد دے سکتی ہے۔ اور اس سے پٹ سن کے مصنوعات اور چاول وغیرہ کی برآمد آسٹریلیا، ملایا اور سنگاپور کو کی جاسکتی ہے اور ادھر سے سماٹرا جاوا جو آبادی کے لحاظ سے پاکستان ہی میں انکے مصالحہ جات براستہ کلکتہ درآمد کرکے ہندوستان میں برآمد کئے جاسکتے ہیں اور مچھلی بھی اندرونی ہند میں برآمد کی جاسکتی ہے سب سے معرکہ کی بات یہ ہے کہ ہندوستان کی دو طرفہ سرحد پاکستان کے ہاتھ میں ہے اس لئے چین روس تبت، افغانستان کو براہ راست پاکستان سے معاہدات کرنے ہونگے اور ان عہد ناموں کی موجودگی پاکستان کو بین الاقوامی طور پر ایک بہت اہم ملک بنا دیتی ہے۔

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں میں اپنے بھائیوں کو دعوت دیتا ہوں کہ یہ چند موٹی موٹی باتیں ہیں جو بیان کی گئی ہیں اگر ان کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ایک غیر جانبدار آدمی یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوتا ہے کہ پاکستان اقتصادی، معدنی اور زرعی طور پر ہندوستان سے کہیں زیادہ بہتر پوزیشن میں ہوگا۔ اور شاید ہندوؤں کے دل میں یہی جذبہ کام کر رہا ہے کہ پاکستان کی علیحدگی سے انکی اپنی اقتصادی پوزیشن کو بہت نقصان پہنچے گا اور اس جذبہ کے اظہار کو وہ پاکستان کی مالی اقتصادی اور سیاسی نقصان سے تعبیر کرتے ہیں۔

برادران وطن کی گھبراہٹ:۔

ابھی حال ہی میں ایک مسلمان اخبار نے پاکستان کے متعلق ہندو کے اقتصادی نقطہ نظر کی توضیح ان الفاظ میں کی ہے ہندو سوچتا ہے کہ بھارت ورش کے ساتھ ملایا، جاوا، برما، چین، جاپان اور آسٹریلیا کی تمام تجارت کلکتہ کی بندرگاہ سے ہوتی ہے۔ بنگال میں پاکستان بن گیا تو یہ سب تجارت گئی۔ عرب ایران اور عراق کی تجارت کا ذریعہ کراچی ہے۔ ایران اور موصل کا تیل کراچی کے قریب ہے اور برما کا تیل کلکتہ کے قریب ہے۔ اگر بنگال و سندھ میں پاکستان بن گیا تو یہ سب تجارتیں بھی گئیں۔ عراق ایران اور برما کے تیل کی کمپنیاں پاکستانیوں کے ہاتھ آسکتی ہیں۔ اس صورت میں ہندو کا کیا بنے گا۔

ہندو سوچتا ہے کہ کشمیر کے میوے گئے۔ کابل کے سردے، چمن کے انگور، افغانستان کے خشک میووں کی تجارت گئی۔ بنگال کا چاول اور جوٹ گیا۔ پنجاب کی اجناس گئیں۔ برما، عراق اور ایران اپنے تیل کے لئے اپنی ہمسایہ پاکستانی بندرگاہوں (کراچی کلکتہ) کو ترجیح دیں گے۔ تیل بھی ہوگا۔ ہندوستان میں کسی بھی دوسری جگہ تیل نہیں ہے۔ ان دردناک حالات میں ہندوؤں کا کیا بنے گا۔

اچھا ان سب باتوں کو رہنے دیجئے۔ پھر کیا کوئی قوم اپنے موجودہ اقتصادی وسائل کی قلت پر

نظر کرکے غلامی کی ذلت کو آزادی کی زندگی پر ترجیح دے گی۔ آپ سرحدی آزاد قبائل کا حال نہیں دیکھتے کہ وہ اتنی بڑی قاہر سلطنت کے مقابلہ میں باوجود انتہائی بے سروسامانی کے کب سے اپنی آزادی کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔

انگریز کی غلامی:۔

اگر آپ کی سب حجتیں صحیح مان لی جائیں تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہندوستان کے مسلمان کو کبھی اور کسی جگہ ایسا ارادہ اور نیت ہی نہ کرنی چاہیئے کہ وہ ہندو اکثریت کے زیر نگیں رہنے اور ان سے تحفظات کی بھیک مانگنے سے انکار کرے۔ آپ نے یہ بھی خوب کہی کہ پاکستان ماننے کی صورت میں انگریز کی دائمی غلامی سب پر مسلط رہے گی۔ کیا آپ نے پڑھا نہیں کہ بار بار قائدین لیگ اعلان کر رہے ہیں کہ آج کانگرس مسلمانوں کا یہ منصفانہ اور صحیح مطالبہ تسلیم کرلے تو کل صبح کا آفتاب طلوع ہونے سے پہلے دونوں قومیں کامل تعاون اور وحدت عمل کے ساتھ آزادی کی جنگ دوش بدوش ہوکر لڑیں گی بلکہ مسلمان اس میں پیش پیش رہیں گے۔ اب اگر ہندو کا یہ دلی منشا ہی نہ ہو کہ ملک کو اجنبی غلامی سے آزاد کرائے بلکہ یہی مقصد ہو کہ مسلمانوں کو دائمًا اپنی اکثریت کا محکوم رکھے تو وہ یہی آزادی ملک کے راستے میں سنگ راہ بنے گا اور مسلمان آزادی حاصل کرنے کے لئے کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہوں گے۔ مطالبہ پاکستان کا انکار کرکے انگریز کو یہ موقع تو خود ہندو دے رہا ہے کہ وہ ہم کو باہم ٹکراتا اور لڑاتا رہے۔ دونوں قوموں کی بیک وقت آزادی تسلیم کر لینے سے تو آپس کے سب جھگڑے مٹ جائیں گے اور دونوں ایک دوسرے کے احساسات کی قدر کرنا سیکھیں گے۔

بے شک انگریزی حکومت باختیار خود اپنے مفاد کو ترک نہیں کرسکتی۔ لیکن اگر حکومت ہندوستانیوں کو الو بناتی ہے تو وہ خود الو کیوں بنتے ہیں۔ ان کو لازم ہے کہ بے جا تعصبات اور تنگ نظریوں سے بالاتر ہوکر فراخ دلی کے ساتھ معاملہ کرنا سیکھیں اور ایک دوسرے کے صحیح اور جائز احساسات کی تعاملت اور قدر کریں اور غیر ملکی حکومت کے جال میں نہ پھنسیں۔

پاکستان کا قانون:۔

یہ کہنا حیرت انگیز ہے کہ پاکستان کی حکومت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آئے گی جو دین و مذہب سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتے اور اپنی حکومت میں سول میرج جیسے قوانین بنائیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ آپ لوگ پاکستانی حکومت ایسے ہاتھوں میں جانے ہی کیوں دیتے ہیں۔ یہ قصور تو آپ کا ہے۔ آج اگر تمام علما و زعما لیگ میں آجائیں اور لاکھوں صحیح الخیال و صحیح العقیدہ مسلمانوں کو اس کا ممبر بنائیں پھر اکثریت آپ کی ہوگی آپ ہر طرح کی اصلاح جمہور کی طاقت کو ساتھ لے کر کرسکیں گے اور ناقابل اصلاح ہونے کی تقدیر پر فاسد عنصر کو نکال باہر کریں گے۔ بہر حال ان مشکلات کا واحد حل

ہوتا ہے۔ ورنہ کیا ہندو اکثریت کی حکومت سے آپ یہ امید کر سکتے ہیں کہ وہ ہمارے دین و مذہب کے تحفظ کی ضامن و کفیل ہوگی۔ اگر کلمہ پڑھنے والوں سے آپ اپنی مذہبی بات نہیں منوا سکتے تو کھلے ہوئے کافروں سے کس طرح تسلیم کرائیں گے۔

کانگریسی وزارتوں کے زمانے میں جو دردناک مظالم ہوئے انہیں چھوڑ کر کیا واردھا اسکیم ہی آپ کانگریس سے منسوخ کرانے میں کامیاب ہو گئے، جس کی پُر زور مذمت تمام مسلم جماعتوں نے متفقہ طور سے کی۔

جمعیۃ العلمائے ہند کا فارمولا:۔

کیا جمعیۃ العلماء کا موجودہ فارمولا ہی کانگریس اور دوسری اقوام متعلقہ سے منظور کرا لیا ہے یا محض ہوا پر قلعہ تعمیر کیا جا رہا ہے۔ پہلے جمعیۃ العلماء ہند اپنا فارمولا کانگریس وغیرہ سے تسلیم کرائے تب دوسری مسلمان جماعتوں سے دریافت کیجئے کہ تم اسے تسلیم کرتے ہو یا نہیں، عجیب بات ہے کہ کانگریس میں دوسری اقوام غالبہ کی شرکت کے لئے تو ہم کو معاہدہ کی ضرورت نہیں مگر مسلم لیگ میں شریک ہونے یا اسکی تائید کرنے کے لئے جس کا دروازہ تمام مسلمانوں کے لئے کھلا ہوا ہے پہلے معاہدہ کی ضرورت ہے گویا مشرکین کی بات پر تو ہم اعتماد کر سکتے ہیں لیکن مسلمانوں کے ساتھ کسی درجہ میں بھی حسن ظن باقی نہیں رکھ سکتے۔ مسلم لیگ کے شائع شدہ دستور میں یہ دفعہ موجود ہے کہ مسلمانوں کے تمام شرعی معاملات میں سُنیوں کے علماء اور شیعوں کے مجتہدین کی رائیوں کو معتبر رکھا جائے گا۔ پھر سب وعدے اور اعلانات کی پابندی کرانا کسی طاقت ہی سے ممکن ہے مسلم لیگ میں جمہور اہل اسلام کی طاقت کو ساتھ لے کر وعدے وفا کرانے کا ہر وقت موقع ہے۔ کانگریس میں کبھی یہ امکان ہی نہیں بجز اس کے کہ اکثریت اپنے لطف و کرم سے ہم کو بھی زندہ رہنے کا حق عطا فرما دے۔ کیا اس قدر واضح اور کھلے ہوئے حقائق کی موجودگی میں کوئی مسلمان بشرط سلامتی ہوش و حواس یہ گمان کر سکتا ہے کہ چند منفرد و منتشر مسلمانوں کا کانگریس میں شریک ہو کر مسلم لیگ کے خلاف محاذ بنانا صحیح ہوگا۔ بار بار سوچئے اور فہم و دیانت سے کام لیجئے۔ کیا بعید ہے کہ حق تعالیٰ صحیح حقیقت سب کے دلوں پر منکشف فرما دے اور جو موقع حسن اتفاق سے کلمہ گویوں کی تنظیم کا کفار مجاحرین کے مقابلہ پر اس وقت اللہ کی رحمت سے ہاتھ آگیا ہے وہ ضائع نہ ہو جائے سب مسلمان یک دل و یک زبان ہو کر اپنا متفقہ مطالبہ حکومت اور کانگریس دونوں کے سامنے رکھیں تو کس کی مجال ہے کہ دس کروڑ فرزندان توحید کی پر قوت و پر ہیبت آواز کو یوں ہی بے اعتنائی سے ٹھکرا دے اور اگر ایسا ہو بھی تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اسے ٹھکرانے کے بعد وہ دنیا میں چین سے بیٹھ کر حکومت کرتے رہیں گے۔

جمہور مسلمانوں کا مطالبہ:۔

یاد رکھئے مسلمان اب بیدار ہو چکا ہے اس لئے اپنی منزل مقصود معلوم کر لی ہے اور اپنا نصب العین خوب سمجھ لیا ہے۔ وہ اس رستہ میں جان و مال نثار کرنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔ خوش قسمتی سے بہت سے علماء امت اور اکثر مشائخ طریقت نے مذہبی نقطۂ نظر سے پاکستان کی حمایت و تائید کا بیڑا اٹھایا ہے اور وہ اپنے پیروؤں کو برابر یہ تلقین کر رہے ہیں کہ پاکستان اور مسلم لیگ کو کامیاب بنانے کی انتہائی سعی کریں اور کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہ لائیں کیونکہ اس وقت یہ مسلمانان ہند کی موت و حیات کا مسئلہ ہے۔ اب ہم مضمون پاکستان کو چوہدری رحمت اللہ کے الفاظ پر ختم کرتے ہیں جو ترکی کی شہرۂ آفاق خاتون خالدہ ادیب خانم کی کتاب "درونِ ہند" سے ماخوذ ہیں۔ انہوں نے اسلامی ہند کی سیاست پر تبصرہ کرتے ہوئے پاکستان نیشنل تحریک پر ایک باب باندھا ہے اور اس سلسلے میں چودھری صاحب سے پیرس اور لندن میں دو دفعہ ملاقات کی ہے اور پاکستان کا باب انہی ملاقاتوں کا نتیجہ ہے۔ اس باب میں ہم چند سطور ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

"ہماری تجویز ایک آزاد اور علیحدہ پاکستان کا تصور ہے جو شمال کے پانچ صوبوں پر مشتمل ہے اور جس کا سیاسی درجہ دیگر مہذب اقوام کے برابر ہوگا۔ ہمارا یقین ہے کہ یہ حل دونوں قوموں (پاکستان کے مسلمان اور ہندوستان کے ہندو) کے لئے آبرومندانہ زندگی کا تحفظ کرے گا اور دونوں کو برطانوی شاہنشاہیت کا آلہ کار بننے سے بچائے گا ...... ہم مسلمانوں کا ہندو اکثریت میں مدغم ہو جانا سیاسی موت کے مترادف ہوگا۔"

ملّی خودکشی کے معنی:۔

"کیا تاریخ عالم میں ایسی ایک بھی مثال ملتی ہے کہ ایک قوم نے ہمسایہ قوم کے اتحاد کے لئے ملی خودکشی کی ہو۔ شکست ایک بُری چیز ہے لیکن بغیر مقابلہ کے ہتھیار ڈال دینا گناہ عظیم ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ برطانوی راج اور ہندو وطن پرستی اپنی مخصوص مصالح کی خاطر ہم سے متحدہ ہندوستان کے نام پر قومی خودکشی کی توقع رکھتی ہے لیکن ایسا ہونا قبیل محالات سے ہے۔ ہندوستان کو متحدہ کرنا الگ بات ہے لیکن پاکستان کو غصب کرنا اور بات۔ یہ ہم کبھی گوارا نہیں کر سکتے ...... ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہم کشمکش حیات میں چند در چند مصائب میں مبتلا ہیں لیکن یہ درخشاں حقیقت ہم فراموش نہیں کر سکتے کہ ہمارے آباؤ اجداد نے اس سرزمین میں ان سے کہیں زیادہ عظیم الشان مصائب کا نہایت جوانمردی اور کامیابی سے مقابلہ کیا تھا۔ ہمارا مستقبل پاکستان سے وابستہ ہے اور ہم اسے زندگی اور موت کا سوال سمجھتے ہیں ہمارا عقیدہ ہے کہ تقدیر نے ہمیں پاکستان کے تحفظ کے لئے انتخاب کیا ہے اور یہ چیز آئندہ نسلوں کو ورثہ میں ملے گی۔ امروز شاید ہمارا مذاق اڑائے لیکن ہماری آنکھیں صبح فردا کے اس دلفریب خندہ کا

نظارہ کر رہی ہیں جس کے پردہ سے ہماری کامرانیوں کا مہر منیر طلوع ہوگا اس صبح کی نمود تک ہم نومیدیوں کی شب تار کو اپنی قربانیوں کے نور سے روشن رکھیں گے اور اسلام کے سچے فرزندوں کی طرح ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کریں گے۔ دیگر اقوام عالم کی طرح ہمارے سامنے بھی خدمتِ خلق کا معین مقصد ہے اور وہ اس صورت میں پورا ہو سکتا ہے کہ ہم پاکستانی روح کو منزہ اور ملحوظ رکھیں۔ اندریں حالات اگر ہم قومیت متحدہ ہندیہ کے بر خود غلط اور خطرناک نظریہ کے لئے اپنے ہی قتل نامہ پر دستخط ثبت کر دیں تو یہ آئندہ نسلوں سے غداری اپنی تاریخ سے صریح ظلم اور انسانیت کے خلاف گناہِ عظیم ہوگا۔

پاکستان کا نظام حکومت:۔

اب آپ نے سمجھ لیا کہ پاکستان کیا ہے۔ اگر یہ پاکستان بن گیا تو وہاں نظام حکومت کس قسم کا ہوگا اس کے متعلق سر دست بدون تفصیلات میں جانے انہی اعلانات پر اکتفا کرتے ہیں جو آل انڈیا مسلم لیگ کے قائد اعظم محمد علی جناح اسکے جنرل سیکرٹری نواب زادہ لیاقت علی خاں اور اس کی مجلس عمل کے صدر نواب محمد اسمٰعیل خاں صاحب وقتاً فوقتاً کرتے رہے ہیں کہ سرزمین پاکستان میں قرآن کریم کے سیاسی اصول کی بنیادوں پر اسلام کی حکومت عادلہ قائم ہوگی جس میں تمام اقلیتوں کے ساتھ منصفانہ بلکہ فیاضانہ برتاؤ کیا جائے گا۔ ذمہ داران لیگ کے اعلانات پر اعتبار کرتے ہوئے مجھے اس قدر وضاحت کرنے کی اجازت دی جائے کہ یہ اعلیٰ اور پاک نصب العین ممکن ہے بتدریج حاصل ہو تاہم ہر دوسرا قدم جو اٹھایا جائے گا انشاء اللہ پہلے قدم سے زیادہ مسلم قوم کو اس محبوب نصب العین سے قریب تر کرے گا۔ ہاں اس موقع پر میں یہ کہنے کی جرأت ضرور کرونگا کہ پاکستان بنانے والوں کے لئے بیت ضروری ہے کہ وہ پہلے خود پاک بنیں۔ بلاشبہ پاکی کے درجات ہیں اور اس کا کوئی نہ کوئی درجہ ادنیٰ ترین مسلمان کو بھی حاصل ہے کیوں کہ کفر و شرک کی نجاست سے وہ بہرحال پاک ہوتا ہے۔ مگر بانیان پاکستان کے لئے بہت ہی ادنیٰ درجہ کی پاکی کفالت نہیں کر سکتی۔ لازم ہے کہ پاکستان قائم ہونے سے پہلے وہ زیادہ سے زیادہ پاکیزگی اپنے اخلاق اعمال خیالات اور جذبات میں پیدا کریں۔ میں نے میرٹھ کانفرنس کے خطبہ صدارت میں اس پر ذرا تفصیل کے ساتھ متوجہ کیا ہے اور آج پھر کہتا ہوں کہ حقیقی معنی میں پاکستان بنانے والی قوم کے لئے ضرورت ہے کہ وہ خود پاکیزہ اخلاق و اطوار کا نمونہ بنے اور اس کے ساتھ تحصیل پاکستان کے ذرائع و وسائل مہیا کرنے میں ان تھک جد و جہد سے کام لے، وہ ذرائع و رسائل کیا ہیں اس کی تفصیلات تو حالات کے اقتضاء سے وقتاً فوقتاً سامنے آتی رہیں گی۔ فی الحال تو ہماری تمام تر مساعی اس نقطہ پر مرکوز ہونی چاہئے کہ ایک طرف حکومت اور دوسری جانب ہندوستان میں بسنے والی قوموں پر یہ ثابت کر دیں کہ یہاں کے جمہور مسلمانوں نے آخری طور پر فیصلہ کر لیا ہے کہ ہم پاکستان لیکر رہیں گے جس کا ثبوت پیش کرنا صرف مسلمان ووٹروں کے قومی

احساس اور فرض شناسی پر منحصر ہے۔

مسلم لیگ کی درخشاں کامیابی:۔

الحمد للہ والمنۃ کہ سنٹرل اسمبلی کے انتخابات میں انہوں نے بہت ہی صاف طور پر اس کا ثبوت پیش کر دیا۔ اب دوسرا مرحلہ شروع ہے اور محض تائید ربانی سے آثار ایسے پیدا ہیں۔ اس مرحلہ پر بھی ہمارا یہ دعویٰ جھوٹا ثابت نہ ہوگا۔ ضرورت ہے کہ اس ایک دو ماہ میں مسلمان چین سے نہ بیٹھیں اور ہر فرد مسلم اپنی اپنی جگہ مطالبہ پاکستان کو حق بجانب ظاہر کرنے کے لئے ہر امکانی کوشش عمل میں لائے۔ کاش جو مسلمان اس مطالبہ سے علیحدہ ہیں وہ بھی اس وقت متفق ہوتے یا کم از کم برسر پیکار نہ ہوتے تو با سہولت اور بلا دقت مقابلہ کے ہمارا یہ قومی نصب العین انگریز اور ہندو دونوں سے تسلیم کرایا جا سکتا۔ خصوصیت کے ساتھ ہمارے احرار بھائی پہلے مسلم لیگ کے ساتھ ہو کر ہندوستان میں کوئی مناسب زمین حاصل کر لیتے پھر وہاں حکومت الٰہیہ کی مضبوط عمارت بنواتے کی خدمت پوری قوت کے ساتھ انجام دیتے۔ افسوس کہ ایسا نہ ہوا

تجری الریاح بما لا تشتہی السفن واللہ غالب علیٰ امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون

بہر صورت اس وقت مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس معرکہ انتخاب میں حصول پاکستان کے پیش نظر مسلم لیگ کی آواز کو زیادہ سے زیادہ کامیاب اور موثر بنانے کی کوشش کریں میں اس سے بے خبر نہیں کہ محض الیکشن کی کامیابی ہم کو پاکستان نہیں دلوا سکتی۔ الیکشن ختم ہونے کے بعد دیکھنا ہے کہ بین الاقوامی سیاست اور ہندوستان کی سخت اضطرابی کیفیات کا اثر حکومت برطانیہ کے دماغ و قلب پر کیا پڑتا ہے اور ہماری ہمسایہ اقوام کہاں تک ٹھنڈے دماغ سے جمہور مسلمین کے منصفانہ مطالبہ پر غور کرتے اور اس پورے ملک کی بہتری اور امن و خوشحالی کا کس حد تک پاس و لحاظ رکھتے ہیں اگر امن پسندانہ آزادی صلح و آشتی نیک خواہی اور خیر سگالی کے جذبات یہاں کی اقوام میں کارفرما ہوئے تو مسلمان آگے بڑھ کر جوش کے ساتھ اس کا خیر مقدم کریں گے ورنہ جو غیر خوشگوار حالات پیش آئیں گے انکے لئے ہم کو بہرحال سینہ سپر ہونا پڑیگا۔

ہمارا قومی نعرہ:۔

اس موقع پر ہمارا قومی نعرہ وہی ہوگا جو روہیل کھنڈ کے آخری ہیرو حافظ رحمت خاں نے اپنے تاریخی خط میں شجاع الدولہ کو لکھا تھا کہ "اگر صلاح دولت ایشاں بصلح ہم رنگ است بارک اللہ و گر بستیز و جنگ است بسم اللہ"

جواں مرداں نتابند از کسے رو ۔۔۔ ہمیں میداں ہمیں چوگاں ہمیں گو

حالات کا آخری نتیجہ کچھ بھی ہو اور اس منزل کے قطع کرنے میں کچھ بھی مصائب کسی طرف سے پیش آئیں مگر ہندی مسلمان اب جاگنے کے بعد پھر سونے کا اور اٹھنے کے بعد بیٹھ جانے کا ارادہ نہیں رکھتے۔

سینے میں دل آگاہ جو ہو کچھ غم نہ کرنا شاد سہی ۔۔۔ مشغول تو ہے بیدار تو ہے نغمہ نہ سہی فریاد سہی

ہر چند بگولا مضطر ہے اک جوش تو اسکے اندر ہے ✤ اک وجد تو ہے اک رقص تو ہے بے چین سہی برباد سہی
وہ خوش کہ کروں گا قتل اُسے یا قید قفس میں رکھوں گا ✤ میں خوش کہ وہ طالب تو ہے مرا صیاد سہی جلاد سہی

اب رخصت ہونے سے پہلے مجھے دو لفظ اور کہنے دیجئے جو یہاں کی برسر حکومت پارٹی سے متعلق ہیں۔ میں ابھی تک یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ یونینسٹ پارٹی کے مسلم ارکان باوجود پاکستان کے حامی ہونے کے کس نوعیت کا اختلاف مسلم لیگ سے رکھتے ہیں۔ میں ایک غیر سیاسی آدمی ہوں۔ ایسے دقیق سیاسی اختلافات کا سمجھنا شاید میری دسترس سے باہر ہے، اخبارات وجرائد سے جو کچھ مجھے اندازہ ہوا وہ یہ ہے کہ اصولاً "اختلاف زیادہ شدید قسم کا معلوم نہیں ہوتا مگر اس نے عملاً ایک سخت نوعیت اختیار کرلی ہے۔ کیا پنجاب میں کوئی سمجھ دار اور با اثر ایسا نہیں جو اختلاف کی اس گتھی کو سلجھا سکے اوس و خزرج کی ایک سو بیس سالہ جنگ کے اثرات کو اسلام کی ربانی تاثیر نے ایک آن میں ختم کر دیا تھا۔ کیا آج ہمارا مشترک جذبہ اسلامیت اور اعلیٰ قومی مفاد کا تصور ایسے حقیر تنازعات کو ایسے نازک موقع پر ختم نہیں کر سکتا۔ ضرور کر سکتا ہے مگر وہ ختم کرنا اس خداوند قدوس کے نام پر ممکن ہوگا جس کا واسطہ دینا الیکشن کے زمانے میں جرم قرار دے دیا گیا۔ اکبر مرحوم نے شاید اسی دن کے لئے کہا تھا۔

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

اب فرمایئے کہ اگر گلیسی ہمارا خضر راہ بن جائے اور خضر راہ ہی کا راستہ سے ہٹانے لگے تو صحیح راہنمائی کی توقع کس طرح کی جا سکتی ہے۔

ہزار ہزار خدا کا شکر کہ مسلمانوں نے یہ سیاسی مہم سر کرنے کے لئے اپنا راہنما چن لیا ہے، جس نے عظیم ترین قومی تنظیم کو ہر قیمت پر محفوظ رکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ حق تعالےٰ ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ خطبہ بلا ارادہ طویل ہوتا جارہا ہے اور جمعیۃ علماء اسلام کے دوسرے مقاصد جو اسکے مفصل نظام نامہ کے پڑھنے سے آپ پر واضح ہوں گے اور جن کا تعلق محض ہنگامی صورت حال سے نہیں ہیں اس پر کوئی بحث نہیں کر سکا۔ اپنی اس تقصیر کا مجھے اعتراف ہے لیکن وقتی مسئلہ نے بہت وقت لے لیا۔ ادھر طویل علالت کے اثرات سے میں اس قابل نہیں کہ مزید محنت برداشت کر سکوں۔ میں تھک چکا ہوں اور میرے خیال میں آپ بھی سنتے سنتے اکتا چکے ہوں گے۔ اس لئے آخر میں آپ کی قدر افزائی اور مہمان نوازی کے شکریہ کے ساتھ اس دعا پر ختم کرتا ہوں۔

اللھم انصر من نصر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم وجعلنا منہم
واخذل من خذل دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولا تجعلنا منہم۔

سبحان ربک رب العزت عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العلمین

نوٹ :۔ میرٹھ کانفرنس کے خطبہ صدارت میں ایک جزو زیر عنوان "ووٹروں سے خطاب" شائع ہو چکا ہے اگر آپ چاہیں تو اس خطبہ کا جزو بنا سکتے ہیں۔ کیونکہ اس کی ضرورت آجکل ہر جگہ ہے اور مناسب سمجھیں تو علیحدہ بھی اس کو شائع کر سکتے ہیں۔"

آخر میں میں مجلس استقبالیہ اور اسکے سرگرم عہدہ داران بالخصوص مولانا غلام مرشد صاحب صدر جمعیۃ علماء اسلام پنجاب خان صاحب چوہدری عبد الکریم صاحب جنرل سیکرٹری مجلس استقبالیہ جمعیۃ علماء اسلام پنجاب اور ملک لال خان صاحب آرگنائزنگ سیکرٹری مجلس استقبالیہ جمعیۃ علماء اسلام وعزیز مولوی محمد متین خطیب دیوبند نائب ناظم کل ہند جمعیۃ علمائے اسلام کا دلی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنکی انتھک کوششوں اور قربانیوں سے یہ کانفرنس انعقاد پذیر ہو سکی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ان حضرات کے دلوں میں خدمت اسلام کا ایک بے پناہ جذبہ پیدا فرما دیا جس کا اثر یہ ہے کہ آج ہم اس قدر عظیم الشان اجتماع اپنے سامنے دیکھ رہے ہیں اگر یہ حضرات اپنے وقت عزیز کو اس قدر سرگرمی سے مفاد ملت کے علئے وقف نہ فرماتے تو شاید ہم اپنے مقاصد کے حصول کے لئے کامیاب نہ ہو سکتے۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بیش از بیش خدمت دین وملت کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے آمین

شبیر احمد عثمانی دیوبندی
٢٦ر جنوری ١٩٤٦ء ــــ ٢١ر صفر ١٣٦٥ھ

پاکستان بننے تک
مسلم لیگ اور کانگریس کے انتخابات کے نتائج و ثمرات

حضرت علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا خطبہ جو آپ نے میرٹھ مسلم لیگ کانفرنس میں پڑھا تھا اور جمعیۃ العلماء اسلام کی کانفرنس کا خطبہ ابھی ابھی آپ کی نظر سے گذرا ہے جس میں مسلم لیگ کو ووٹ دینے پر عقلی اور شرعی دلائل سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مسلم لیگ اور نظریہ پاکستان کے حامیوں کو ووٹ دینا مسلمانوں کے لئے وقت کا اہم تقاضا ہے اور ان مسلمانوں کو ووٹ دینا جنکو کانگریس نے اپنے ٹکٹ پر کھڑا کیا ہے دراصل کانگریس بلکہ ہندوؤں کو ووٹ دینا ہے چنانچہ علامہ کے ان خطبات نے دوسرے صور اسرافیل کا کام دیا کہ سب مسلمانوں کو جگا دیا مسلم لیگی نمائندے کانگریسی مسلمانوں کے مقابلے میں بھاری اکثریت سے کامیاب ہو گئے۔

عارضی حکومت کی تشکیل

انتخابات کے بعد دستور سازی کے دوران ایک عبوری حکومت کی ضرورت تھی جو ہندوستان کے انتظامات انجام دے سکے۔ اس لئے لارڈ ویول نے شاہ برطانیہ کی منظوری سے کانگریس کے اکثریتی لیڈر اور صدر جواہر لعل نہرو کو وزارت بنانے کی دعوت دی۔

کانگریس نے اس عارضی حکومت میں ممبروں کی تعداد اس طرح رکھنا چاہی

۱۔ کانگریسی ۶
۲۔ مسلم لیگی ۵
۳۔ اقلیت کے ممبر ۳
کل = ۱۴

کانگریس کا یہ بھی اعلان تھا کہ دستور ساز اسمبلی آزاد ہوگی اور جو اسکی اکثریت فیصلہ کرے گی وہی آخری ہوگا (علمائے حق بحوالہ خلافت بمبئی ۱۴ اگست ۱۹۴۶ء ص ۴۵) مگر قائد اعظم نے اس وقت اس سے اتفاق نہیں کیا کیونکہ اس میں کانگریس کا پلہ بھاری تھا۔

مرکزی اسمبلی کے منتخب شدہ کل ۱۴۲ ممبر تھے جنکی تفصیل یہ ہے:۔

۱۔ کانگریسی	۵۶
۲۔ لیگی	۳۰
۳۔ سرکاری ممبر	۴۰
۴۔ دوسری جماعتیں اور اقلیت	۱۶
	۱۴۲

قائد اعظم کے عبوری حکومت میں شرکت سے انکار پر وائسرائے نے مسلمانوں اور مسلم لیگ کے حقوق کی نگہداشت پر ریڈیو سے تقریر براڈ کاسٹ کی۔ لیگ نے اپنے حقوق کی نگہداشت کے لئے راست اقدام کا ارادہ کیا یعنی مسلمان لیگ کے اجلاس منعقدہ بمبئی مورخہ ۲۸، ۲۹ جون ۱۹۴۶ء کے مطابق اس روز کاروبار بند رکھیں گے۔ یہی راست اقدام تھا۔ اسی اثناء میں ۱۶ اگست ۱۹۴۶ء کو کلکتہ میں ہندو مسلم فسادات ہوئے ہزاروں آدمی مارے گئے۔ ۲ ستمبر ۱۹۴۶ء کو دہلی میں مسلم لیگ کی مجلس عمل کا اجلاس ہونا شروع ہوا جس میں علامہ شبیر احمد عثمانی بھی تھے جس میں لیگ کی تنظیم کو مضبوط اور مزید فعال بنانے کی تجویز پاس ہوئی۔

کانگریس کا قلمدان وزارت

۲؍ستمبر کو کانگریس نے عبوری حکومت کی تشکیل کر کے کام شروع کر دیا اور کانگریس کے نامزد گیارہ ارکان نے اقتدار سنبھال لیا ۲؍ستمبر کو نوابزادہ لیاقت علی نے کانگریس کی عبوری حکومت کے خلاف دکانوں اور مکانوں پر سیاہ جھنڈیوں سے کانگریسی حکومت کے خلاف مظاہرہ کرنے کا اعلان کیا جس کے نتیجے میں لیگ اور کانگریس کی جھنڈیوں کا مقابلہ شروع ہو گیا اور کانگریس نے ترنگے جھنڈوں سے کانگریسی حکومت کا استقبال کیا۔ یہ سلسلہ تقریباً دو ماہ جاری رہا بمبئی میں سخت فسادات ہوئے اور تقریباً ایک ہزار ہندو مسلم مارے گئے۔ مالیگاؤں، ڈھاکہ اور الہ آباد میں بھی فسادات ہوئے۔ لیگ تاہنوز حکومت میں شمولیت سے انکار کرتی رہی۔

پاکستان ہی کا راستہ رہ گیا ہے

۴؍ستمبر ۱۹۴۶ء کو کانگریسی حکومت کے قیام کے بعد قائد اعظم نے فرمایا کہ ہمارے لئے عبوری حکومت میں شمولیت کے بجائے صرف مطالبۂ پاکستان ہی کا راستہ ہے۔ کانگریس کے مقابلے میں مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے لارڈ ویول وائسرائے اور قائد اعظم کے درمیان ملاقاتوں اور خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ جب قائد اعظم نے مسلم لیگ اور مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کی خاطر اس اعلان کو جو حکومت برطانیہ کی طرف سے اعلان کی صورت میں ریڈیو سے براڈ کاسٹ کیا تھا اس کے متعلق مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ کے بعد ایک خط وائسرائے کو لکھا:۔

مکتوب قائد بنام لارڈ ویول وائسرائے

ڈیئر لارڈ ویول

آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی نے تمام مسئلے پر پوری طرح غور کر لیا ہے اور مجھے یہ کہنے کا اختیار دیا ہے کہ وہ عارضی حکومت کو بنانے کی اس بنیاد اور سکیم کو منظور نہیں کرتی جس کا آپ نے غالباً

ملک معظم کی جانب سے فیصلہ کیا ہے۔ اس لئے کمیٹی آپ کے اس فیصلے سے متفق نہیں اور نہ یہ ہو سکتی ہے جو آپ کر چکے ہیں اور نہ ہی ان انتظامات سے متفق ہے جو آپ پہلے ہی عمل میں لا چکے ہیں۔

ہمارا یہ خیال ہے اور ہم اس بات پر اب بھی قائم ہیں کہ اس فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کا مطلب ۸ راگست ۱۹۴۶ء کے اعلان کے منافی ہے لیکن چونکہ آپ کے فیصلے کے مطابق ہمیں مسلم لیگ کی جانب سے ایگزیکٹو کونسل کے لئے پانچ نامزد کرنے کا حق حاصل ہے اس لئے میری کمیٹی مختلف وجوہات کی بناء پر اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ مسلمانوں کے دوسرے فرقوں کے مفاد کے لئے یہ بات مہلک ہوگی کہ مرکزی حکومت کا تمام کاروبار کانگریس کے ہاتھ میں چھوڑ دیا جائے اس کے علاوہ آپ کو اس بات کے لئے بھی مجبور کیا جائے گا کہ عارضی حکومت میں ایسے مسلمانوں کو لیا جائے جن کو مسلم ہند کا اعتماد حاصل نہیں۔ اس کے نتائج بہت خطرناک ہونگے۔

اس کے علاوہ دوسری بہت وزنی اور معقول وجوہات کی بناء پر جن کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں اور جو بالکل عیاں ہیں، ہم نے مسلم لیگ کی جانب سے آپ کی ۲۴ راگست کی براڈ کاسٹ تقریر اور آپ کے ۴ر اور ۱۲ر اکتوبر (۱۹۴۶ء) کے دو خطوں کی بناء پر ۵ اشخاص کو نامزد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

آپ کا مخلص

ایم ۔ اے جناح

اس خط کے جواب میں وائسرائے نے قائد اعظم کا شکریہ ادا کرتے ہوئے مسلم لیگ کی طرف سے پانچ نمائندوں کے نام بھیجنے کی درخواست کی۔ یہ مکتوب ۱۳ راکتوبر ۱۹۴۶ء کا لکھا ہوا تھا۔

اس خط کے جواب میں قائد اعظم نے وائسرائے کو ۱۴ راکتوبر ۱۹۴۶ء کو ایک اور خط لکھا جو یہ ہے۔

لارڈ ویول

آپ کے ۱۳ راکتوبر کے خط کا شکریہ۔ میں آپ کو مسلم لیگ کے ۵ نمائندوں کے نام بھیج رہا ہوں۔

(۱) مسٹر لیاقت علی خان آنریری سیکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ ایم ۔ ایل ۔ اے (مرکزی)

(۲) مسٹر آئی۔ آئی چندریگر، ایم ۔ ایل ۔ اے بمبئی صدر صوبائی مسلم لیگ اور لیڈر بمبئی اسمبلی لیگ پارٹی

(۳) مسٹر عبدالرب نشتر ایڈووکیٹ صوبہ سرحد ممبر ورکنگ کمیٹی آل انڈیا مسلم لیگ کمیٹی آف ایکشن و کونسل

(۴) مسٹر غضنفر علی خاں ایم ۔ ایل ۔ اے پنجاب ممبر کونسل آل انڈیا مسلم لیگ، پراونشل مسلم لیگ و ممبر پنجاب مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی۔

(۵) مسٹر جوگندر ناتھ منڈل ایڈووکیٹ (بنگال) حال وزیر حکومت بنگال۔

آپ کا مخلص

ایم ۔ اے جناح

اس خط کے جواب میں لارڈ ویول نے لکھا:۔

ڈیئر مسٹر جناح

عارضی حکومت میں، میں مسلم لیگ کو حسب ذیل محکمے دے سکتا ہوں۔

مالیات، کامرس۔ ڈاک و ایئر، صحت اور لیجسلیٹو

۲۔ میں مشکور ہوں گا کہ اگر آپ مجھے مطلع کریں کہ ان محکموں کو مسلم لیگی ممبروں کے درمیان کس طرح تقسیم کیا جائے۔

۳۔ میں آج رات کو ایک اعلان کرنا چاہتا ہوں اور کل نئے ممبروں سے حلف اٹھوانا چاہتا ہوں۔

آپ کا مخلص

ویول

جواب قائد اعظم

ڈیر لارڈ ویول

آپ کا ۲۵ راکتوبر کا وہ خط مجھے ۵½ بجے شام کو ملا جس میں محکموں کی تقسیم کے بارے میں آپ کا فیصلہ درج ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اس تقسیم کو مساوی اور منصفانہ نہیں مان سکتا۔ لیکن ہم تمام نشیب و فراز پر تبادلۂ خیالات کر چکے ہیں اور چونکہ آپ کا فیصلہ آخری ہے اس لئے میں اس معاملے کو مزید بڑھانا نہیں چاہتا۔

میں ان مسلم لیگی ممبروں کے نام بھیج رہا ہوں جن کے درمیان محکموں کی تقسیم کس طرح کی جائے۔

۱۔ مالیات :۔ مسٹر لیاقت علی خاں

۲۔ پوسٹ اینڈ ایئر :۔ مسٹر عبدالرب نشتر

۳۔ کامرس :۔ مسٹر آئی۔ آئی۔ چندریگر

۴۔ صحت :۔ مسٹر غضنفر علی

۵۔ لیجسلیٹو :۔ مسٹر جوگندر ناتھ منڈل

آپ کا مخلص :۔ ایم ۔ اے ۔ جناح 25 10/46

محکموں کی اس تقسیم کے بعد اب آئینی طور پر وزراء سے حلف لینے کی رسم ادا ہونی چاہئے تھی اور مرکزی اسمبلی کا اجلاس عمل میں لانا تھا۔ چنانچہ ۹ر دسمبر ۱۹۴۶ء کو قانون ساز اسمبلی کی تاریخ مقرر ہو گئی۔

گذشتہ سے پیوستہ

ہم بیان کر چکے ہیں کہ مسلم لیگ نے مسلمانوں کے حقوق، اور کانگریس سے اپنے حقوق کی نگرانی اور مسلم لیگ کو غیر معمولی موثر بنانے کے لئے عبوری کانگریسی حکومت کے خلاف ۱۶ راگست ۱۹۴۶ء کو راست اقدام کا فیصلہ کیا تھا اسکی ابتداء بنگال سے ہوئی چنانچہ ۱۶ راگست کو بنگال میں لیگی وزارت نے عام تعطیل کا اعلان کر دیا لیکن اس راست اقدام کے غلط معنی سمجھ کر ہندو مسلم فساد پر معاملہ منتج ہوا۔

فسادِ کلکتہ ۱۶ اگست ۱۹۴۶ء کو کلکتہ میں ہولناک ہندو مسلم فساد ہوا جس میں حکومت بنگال نے چار ہزار آدمیوں کے مارے جانے کی اطلاع دی۔ اخبارات نے دس ہزار کی تعداد بتائی لیکن آزاد لاہور نے ۱۱ اکتوبر ۱۹۴۶ء ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۶۵ھ کی اشاعت میں ہلاک شدگان کی تعداد چالیس ہزار سے زیادہ بتائی ہے۔

فسادات نواکھالی، بہار، گڈھ مکیشر کلکتہ کے بعد نواکھالی میں فسادات ہوئے اس کے ردعمل میں بہار میں ہندو مسلم فسادات کی خبریں ۱۵ اکتوبر کو شائع ہوئیں۔ ادھر بہار میں ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۶ء سے سخت فسادات شروع ہوئے جو ۵ نومبر تک جاری رہے۔ پھر ۶ نومبر ۱۹۴۶ء مطابق ۱۱ ذوالحجہ ۱۳۶۵ھ سے گڈھ مکیشر ضلع میرٹھ میں ہندو مسلم فسادات ہوئے۔ ہندوؤں نے مسلمانوں سے خوب انتقام لیا۔ ۷ نومبر کو امن ہوا۔ اس فساد میں دو سو مسلمان مرد اور عورتیں اور بچے شہید کر دیئے گئے۔ گڈھ مکیشر کے تیرتھ کے میلے میں جو مسلمان قتل ہوئے وہ علاوہ ہیں۔ بمبئی، ڈاسنہ اسٹیشن پر بھی فسادات ہوئے۔

قائدِ اعظم کا تاثر ان صوبوں میں جن میں مسلمانوں کی اقلیت تھی قتل و غارت کی گرم بازاری سے یہ نتیجہ نکلا کہ لیگ بننے والی عبوری حکومت کے متعلق معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا۔ اور قائد اعظم نے وائسرائے کو لکھا کہ چونکہ ملک کے حالات بہت خراب ہیں لہٰذا ۹ دسمبر کی مرکزی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دیا جائے جس کو وائسرائے نے معقول سمجھ کر قبول کر لیا۔ کانگریس کے لیڈر نہرو نے اس کی سخت مخالفت کی جس کے سامنے وائسرائے نے سر جھکا دیا۔ مگر ابھی اجلاس کا ہونا گو مگو میں تھا کہ

لندن کو روانگی اسی اثناء میں ۲۷ نومبر ۱۹۴۶ء کو برطانیہ کی پارلیمنٹ کی طرف سے کانگریس، لیگ سکھوں کے نمائندوں کو دعوت دی گئی۔ نہرو نے جانے سے انکار کیا۔ ادھر قائد اعظم بھی نہ جانا چاہتے تھے لیکن مسٹر اٹیلی وزیر اعظم برطانیہ کی اطمینان دہانیوں پر ان حضرات نے جانے کا ارادہ کر لیا۔

پارلیمنٹ کے اجلاس کا مطالبہ مسٹر چرچل جو کہ برطانیہ پارلیمنٹ کے ممبر تھے انہوں نے پارلیمنٹ کا اجلاس طلب کرنے اور ہندوستان کے موجودہ خون ریز اور ہلاکت خیز حالات پر بحث کرنے کے لئے مطالبہ کیا۔ چنانچہ وزیر اعظم برطانیہ مسٹر اٹیلی کے ۱۲ دسمبر ۱۹۴۶ء کے بیان پر بحث کا آغاز ہوا۔ قائد اعظم بھی گیلری میں مبصر کی حیثیت سے موجود تھے۔ مسٹر چرچل کی تقریر کے بعض حصے یہ ہیں:۔

۱۔ میں نے ۱۹۳۱ء ہی میں ایوان کو آگاہ کر دیا تھا کہ اگر ہم ہندوستان سے اپنی ذمہ داری سے دستبردار ہو جائیں تو ہندو مسلمانوں میں خانہ جنگی پیدا ہو جائیگی لیکن اس پر کسی نے دھیان نہیں دیا۔

۲۔ برطانوی حکومت نے ۱۲ اگست کو صرف کانگریس کے ہاتھ میں اختیار دے کر بنیادی غلطی کی ہے اس طرح ہندوستان میں قتل و خونریزی کا دروازہ کھول دیا۔ یہ حقیقت ہے کہ پنڈت نہرو کی حکومت کے قیام کے بعد چار ماہ کے اندر (اگست ۱۹۴۶ء سے نومبر ۱۹۴۶ء تک) جس قدر انسان تشدد کا شکار ہوئے ہیں اتنے گذشتہ نوے سال میں نہیں ہوئے ہیں" وغیرہ وغیرہ (علمائے حق جلد دوم صفحہ ۵۲۶ و ۵۲۷
ماخوذ از اخبار منشور دہلی مورخہ ۱۵ دسمبر ۱۹۴۶ء ۲۸۶/۴)

مسٹر چرچل کی تقریر کے بعد مسٹر الیگزنڈر (لیبر ممبر) نے مسٹر چرچل کی تقریر کا جواب دیا اور کہا:۔
"ہندوستان اور برطانیہ کے تعلقات کی ابتری کی ذمہ داری سب سے زیادہ مسٹر چرچل پر ہے"
(علمائے حق جلد ۲ صفحہ ۵۳۱)

غرضیکہ پارلیمنٹ میں حکومت برطانیہ کی ہندوستان کے بارے میں سیاست پر خوب گرما گرم بحثیں ہوئیں اور کنزرویٹو پارٹی اور لیبر پارٹی نے ایک دوسرے کے خلاف تقریریں کیں۔

برطانوی مسلم لیگ کے زیرِ اہتمام جلسہ ۱۲ دسمبر ۱۹۴۶ء کو برطانوی مسلم لیگ کے زیر انتظام ایک جلسہ کنگس وے ہال میں ہوا جس میں قائد اعظم محمد علی جناح نے تقریر کرتے ہوئے وزارتی مشن کی تجویز کی خرابیوں پر بحث کی اور امریکہ والوں کے نام ایک تقریر ریڈیو سے نشر کی جس میں انہوں نے کہا:۔

"زندگی کے ہر شعبہ کے لحاظ سے ہندو اور مسلمان دو مختلف قومیں ہیں اگر ایسے المناک حادثے کو (کانگریس کو اقتدار منتقل کرنا) جو چند ماہ پہلے ہندوستان میں پیش آچکا ہے فوراً ہی نہیں روکا گیا اور وقت کے مطابق برطانیہ نے اپنی پالیسی کا رخ نہ بدلا (کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی کو خلاف نہ قرار دیا اور وزارتی مشن کی سفارشات پر خطِ نسخ نہ کھینچا) تو اس کے نتیجے میں ہندوستان کے اندر ایسی خانہ جنگی شروع ہو جائے گی جس کے اثرات ساری دنیا پر پڑیں گے۔ متحدہ ہندوستان کے لئے ہر زمانہ میں ہر قسم کی جدوجہد کی جاتی رہی لیکن وہ ہر بار ناکام ہی ہوتی رہی اور اب تو اس قسم کی جدوجہد کا خیال ہی ناممکن ہو گیا ہے نام نہاد ہندوستان برطانوی ساخت کا ہندوستان ہے یہ تلوار کے زور سے بنایا گیا اور اسے تلوار کے زور سے ہی متحد رکھا جا سکتا ہے"۔
(منشور دہلی و قومی آواز لکھنؤ مورخہ ۱۶ دسمبر ۱۹۴۶ء بحوالہ علمائے حق ج ۲ صفحہ ۵۳۲)

اسی تقریر میں جو قائد اعظم نے کی یہ بھی ارشاد فرمایا:۔
"پاکستان کیا ہے آخر اس میں کونسی خطرناک یا خوفناک بات ہے۔ ہندوستان کے شمال مغربی اور شمالی مشرقی علاقوں میں جو ہماری سرزمین ہے اور جہاں ہم اونچی ذات کے ہندوؤں کے مقابلے میں ستر فیصدی اکثریت رکھتے ہیں ہم اپنی ایک علیحدہ مملکت چاہتے ہیں۔ یہاں ہم خود اپنے

نظریات زندگی کے مطابق زندگی بسر کر سکتے ہیں۔"

(منشور مورخہ ۱۶ دسمبر ۱۹۴۶ء صفحہ ۸ کالم ۲ بحوالہ علمائے حق جلد ۲ صفحہ ۵۳۴)

مطالبۂ پاکستان

اب قائد اعظم عبوری حکومت میں شرکت کی بجائے مطالبۂ پاکستان پر اڑ گئے ہیں جس کا ریزولیوشن ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ جلسہ لاہور میں ہوا تھا اور وہ برطانیہ سے اس بات کا مطالبہ پُر زور اور پُر وقار لفظوں میں کر رہے ہیں تاکہ وہ یہ سمجھ لے کہ مسلمان پاکستان کے سوا اور کسی چیز پر راضی نہیں ہے۔

مجلس دستور ساز کا اجلاس

۹ دسمبر ۱۹۴۶ء مطابق ۴ محرم ۱۳۶۶ھ بروز پیر کانگریس نے دستور ساز اسمبلی کا اجلاس بلا ہی لیا جس میں لیگ کے سوا تمام صوبوں کے قریب قریب (۲۰۵) نمائندے تھے۔ شریک ہونے والے صاحبان میں خاص خاص حسب ذیل ہیں:-

۱- جواہر لال نہرو — وزیر اعظم و وزیر امور خارجہ (آنجہانی)
۲- مسٹر رفیع احمد قدوائی (کانگریسی) — سابق وزیر داخلہ صوبہ (یو-پی) مرحوم
۳- مولانا ابوالکلام آزاد (مرحوم) — وزیر تعلیم
۴- خان عبدالغفار خاں سرحدی گاندھی (بقید حیات کابل میں ہیں)
۵- مسٹر آصف علی (مرحوم)
۶- ڈاکٹر سچدا نند سنہا (آنجہانی)
۷- مسٹر کرپلانی
۸- سردار منگل سنگھ ایم-ایل-اے
۹- سردار بلدیو سنگھ وغیرہم

مسٹر کرپلانی نے اس اجلاس کی صدارت کے لئے عمر کی بڑائی کے باعث ڈاکٹر سنہا کا نام پیش کیا انہوں نے کرسی صدارت پر براجمان ہوتے ہی کہا کہ مجھے خان عبدالصمد خاں کی درخواست موصول ہوئی ہے جس میں مسلم لیگی ممبر نواب محمد خاں جوزگانی کے خلاف عذرداری کی گئی ہے تاہم مستقل صدر بننے تک سردست محمد خاں جوزگانی ہی کو ممبر سمجھا جائے گا۔

اس مقام پہ یہ بھی مرتب خطبات کے لئے ضروری ہوگیا ہے کہ وہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں ان ناموں کا بھی اظہار کر دے جو مسلم لیگ کے مخالف تھے مثلاً

۱- صوبۂ بلوچستان میں مسلم لیگ کے ممبر نواب محمد خاں کے خلاف خان عبدالصمد خاں تھے جو ابھی ۱۹۷۱ء کے مئی میں بقید حیات ہیں۔

۲- صوبۂ سندھ میں غلام حسین ہدایت اللہ کے خلاف جی-ایم سید (غلام محمد) تھے جو ابھی بقید حیات ہیں۔

صوبۂ سرحد میں تو ڈاکٹر خان (خان عبدالغفار خاں سرحدی گاندھی کے بڑے بھائی) کانگریسی وزیر تھے ہی۔

آج کے دور میں دسمبر ۱۹۷۰ء کے مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے الیکشن کے بعد جن لوگوں کی وفاداری مشکوک ہے اور تھی ان میں سے سب سے بڑا غدار شیخ مجیب الرحمٰن اور اسکے ساتھیوں نے بھارت کی حکومت کے ساتھ سازباز کر کے محض مشرقی بنگال کو مغربی پاکستان سے جدا کر کے ایک خودمختار بنگالی صوبہ بنانے کی ناپاک اور گھناؤنی سازش کی جسکے نتیجے میں مشرقی پاکستان پر بھارت اپنا قبضہ جما لیتا۔ مشرقی پاکستان کے بنگالی ہندوؤں کی سازش سے بنگالی مسلمانوں اور بنگالی ہندوؤں نے غیر بنگالی مشرقی پاکستان میں مستقل رہائش پذیر مسلمانوں کو تہ تیغ کرنا شروع کر دیا حد ہو گئی کہ مسلمانوں کے اپنے ملک میں بھی ہندوؤں کو مسلمانوں کے قتل کا موقع مجیب الرحمٰن اور اسکی پارٹی نے دیا۔ کشمیر میں بھی مسلمانوں کی اکثریت کے باوجود ہندو مختاروں جن سنگھیوں وغیرہ نے مسلمانوں کا خون بہایا اور حیدر آباد دکن میں مسلمان ریاست ہونے کے باوجود بھی ۱۹۴۸ء میں مسلمان مارے گئے بغرض یہ ہے کہ مجیب الرحمٰن اور اس کے ہمنواؤں نے جعفر و صادق کا غداری میں ریکارڈ توڑ کر رکھا۔ یار فروری، مارچ اور اپریل ۱۹۷۱ء میں عوامی لیگ اور اس کے ساتھیوں نے غیر بنگالی مسلمانوں کا خون ارزاں کر دیا حیرانی تو یہ ہے کہ ایسٹ پاکستان رائفل، بنگالی پولیس اور بنگال رجمنٹ بھی صوبائی تعصب کے سیلاب میں بہ گئیں اور انہوں نے بھی صوبائی تعصب کا ساتھ دیا اسکے نتیجے میں ان کو اور تمام غداروں کو موت کے گھاٹ اتار نا پڑا۔ بھارت سرکار نے اپنے کئی بٹالین فوجی سفید کپڑوں میں مشرقی پاکستان بھیج دیئے۔ گویا ایک گونہ مشرقی پاکستان میں دشمن کا قبضہ ہو چکا تھا اس وقت صدر یحییٰ خاں اور لیفٹیننٹ جنرل ٹکا خاں گورنر مشرقی پاکستان نے اللہ کے فضل سے تدبر سے کام لیا۔

مجیب الرحمٰن کی گرفتاری

الیکشن کے بعد جو لوگ مجیب کے ساتھی بھی نہ تھے وہ بھی اس سے ڈر کر اسکے ساتھ ہو گئے تھے لیکن ۲۵-۲۶ مارچ ۱۹۷۱ء کی درمیانی شب میں ایک بجے مجیب کو ڈھاکہ میں گرفتار کر کے حکومت پاکستان نے انہیں نظر بند کر دیا اور اس کے بعد تخریب پسندوں اور بھارت کے مداخلت کار فوجیوں کا صفایا کر دیا گیا تو لوگوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اگر مجیب کو گرفتار نہ کیا جاتا تو ۲۶ مارچ کو وہ خودمختاری کا اعلان کر دیتا اور عملی طور پر تو خلاف آئین اسی کا حکم مانا جانے لگا تھا۔ بنگلہ دیش کا نعرہ زبان پر تھا۔ قائد اعظم کی تصویر کی توہین کی گئی اور پاکستانی جھنڈے کو پھاڑ پھینکا گیا اور اس کی جگہ بنگلہ دیش کا جھنڈا لہرایا گیا۔ اگر ۲۶ تاریخ کو مجیب آزادی کا اعلان کر دیتا تو بھارت کی فوجیں پاکستان پر کھلم کھلا تسلط کر لیتیں اور کہنے کو آزاد بنگلہ دیش کی فوج کہلاتی۔

آج مئی ۱۹۷۱ء کی ۲۲ تاریخ ہے کہ مشرقی پاکستان کی تطہیر ہو چکی ہے اور ہم نے اطمینان کا سانس لیا ہے ورنہ پاکستان تباہی کے گڑھے میں جا چکا تھا بس اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔ مگر یہ کیا کچھ کم تھا کہ اکتوبر ۱۹۷۰ء

ہے مشرقی پاکستان میں سمندر میں طوفان آیا اور مشرقی پاکستان کے لاکھوں آدمی مارے گئے اور اب مارچ اور اپریل ۱۹۷۱ء کے عذاب میں ایک دوسرے کے ہاتھوں ہجوم کے ہجوم مارے گئے یہ دونوں عذاب کی قسمیں ہیں جو ہم پر مسلط ہوئیں اور صرف اس لئے ایسا دکھائی دیتا ہے کہ ہم نے اسلامی آئین کو نہیں اپنایا جس کے لئے پاکستان معرض وجود میں آیا تھا۔

بہرحال کانگریس کے دور میں بھی کتنے ہی مسلمانوں نے غداری کی اور اس کے بعد بھی۔

آمدم برسر مطلب

ہم یہ کہہ رہے تھے کہ ۹ دسمبر ۱۹۴۶ء کو اگرچہ کانگریس نے قانون ساز اسمبلی کا اجلاس بلا تو لیا مگر مسلم لیگ کی شمولیت کے بغیر وہ آگے کیسے چلتی مسلمانوں کا نعرہ اب متحدہ قانون ساز اسمبلی اور متحدہ حکومت کی بجائے بقول قائد اعظم صرف تجویز پاکستان تھا جیسا کہ انہوں نے لندن کی تقریر میں صاف کہدیا۔

پاکستان کے مطالبے میں بے تحاشا جوش

قائداعظم اور مسلم لیگ کے رجال کار سب پاکستان کے مطالبے میں سرشار تھے۔ مسلمان بچے بچے کی زبان پر یہ نعرہ تھا:۔

"لے کے رہیں گے پاکستان، بٹ کے رہیگا ہندوستان"

جوں جوں وقت گذر رہا تھا پاکستان کا نعرہ پہلے سے زیادہ شدت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ کم از کم مسلم اکثریت کے صوبوں میں یونینسٹ خضر وزارت کو اور صوبہ سرحد سے کانگریسی حکومت کو توڑنا ضروری تھا۔ اتفاق کی بات کہ خضر حیات وزیر اعظم پنجاب اپنی وزارت کے توڑنے کے خود باعث بنے جس کے واقعات حسب ذیل ہیں:۔

مسلم گارڈ اور راشٹریہ سیوک سنگھ خلاف قانون قرار دیدی گئیں

وزیر اعظم خضر حیات کی یونینسٹ وزارت نے بعض سیاسی اور ملکی حالات کے ماتحت مسلم لیگ کی تنظیم "مسلم گارڈ" اور ہندوؤں کی فوجی تنظیم راشٹریہ سیوک سنگھ کو خلاف قانون قرار دیدیا۔ یہ اعلان ۲۴ جنوری ۱۹۴۷ء کو جاری ہوا۔ اعلان میں کہا گیا کہ فرقہ وارانہ فسادات کا اندیشہ ہے۔ دونوں تنظیموں کے دفتروں کی تلاشی لی گئی۔ مسلم لیگ گارڈ نے اس سلسلے میں مزاحمت کی جن میں بیگم شاہنواز، نواب افتخار حسین ممدوٹ صدر پنجاب مسلم لیگ، میاں افتخار الدین میاں شوکت حیات، میاں ممتاز دولتانہ، سر فیروز خاں نون پیش پیش تھے۔ ان سب کو گرفتار کر لیا گیا لیکن اس کا ردعمل سخت ہوا مسلم لیگ نے سول نافرمانی شروع کردی اور تحریک چل نکلی لوگوں نے دھڑا دھڑ سول نافرمانی میں اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کردیا۔ میں نے جالندھر میں

سول نافرمانی میں مسلم لیگ کے جلوس نکلتے دیکھے اور خضر حیات کے پتلے کو جلاتے دیکھا۔ اس کا جنازہ نکالتے دیکھا اور مسلمانوں کو اپنی گرفتاری کے لئے پیش کرتے دیکھا، تا آنکہ مسلم لیگ اور حکومت میں صلح ہو گئی اور دونوں جماعتوں سے پابندی ہٹالی گئی۔

شرائط صلح

(۱) عام جلسوں پر کوئی پابندی نہیں رہے گی۔
(۲) تمام سیاسی قیدی جو سول نافرمانی میں گرفتار کئے گئے ہیں رہا کر دیئے جائینگے۔
(۳) جلوس پر پابندی رہے گی۔
(۴) پنجاب سیفٹی ایکٹ کی جگہ قیام امن کے لئے قانون بنا کر کام لیا جائے گا۔

ان حالات میں وزیر اعظم خضر حیات کے لئے بہتر یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے سواد اعظم کے خلاف نہ جائیں چنانچہ مسلم لیگ کے اہل حل وعقد اور جناب خضر میں طے پایا کہ وہ وزارت سے مستعفی ہو جائیں چنانچہ ۳ مارچ ۱۹۴۷ء کو وہ مستعفی ہو گئے۔ کسی دوسری وزارت تک عبوری طور پر بھی کام کرنے سے انہوں نے اور انکی کابینہ کے شرکاء سردار سورن سنگھ، لالہ بھیم سین سچر اور چودھری بہاری سنگھ وغیرہم نے بھی استعفے پیش کر دیئے۔

خان افتخار حسین ممدوٹ کو وزارت کی دعوت

گورنر نے اکثریت کی پارٹی یعنی مسلم لیگ کے صدر نواب ممدوٹ کو وزارت کی تشکیل کی دعوت دی لیکن ہندو اور سکھوں نے سخت مخالفت کی سکھ اور ہندو طالب علموں نے ایک جلسہ منعقد کیا۔ حکومت نے جلسے کو منتشر ہونے کا حکم دیا لیکن طلبہ نے نہ مانا جس پر گولی چلانا پڑی اور بارہ طلبہ ہلاک ہو گئے حالات جب بگڑ گئے تو گورنر نے خود انتظام سنبھال لیا۔

اب سکھ ہندو مسلم فسادات عروج پر پہنچ گئے۔ ماسٹر تارا سنگھ نے سکھوں کو خوب بھڑکایا جسکے نتیجے میں بالخصوص لاہور، امرتسر اور جالندھر میں کشت وخون کا بازار گرم ہو گیا۔ تارا سنگھ نے پنجاب اسمبلی لاہور کی سیڑھیوں پر غالباً ۴ مارچ کو اپنے گلے میں حمائل تلوار کو میان سے نکال کر ہوا میں لہرایا اور سکھوں کو مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنے کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے پنجاب کا دورہ کیا۔ کپور تھلہ جہاں رندھیر کالج میں راقم الحروف پروفیسر تھا وہاں بھی سردار تارا سنگھ جی آئے اور خفیہ اعلان کر گئے بالخصوص سکھ اسٹیٹ پٹیالہ کے متعصب راجہ اور سکھ پبلک کو بہت منظم کیا اور اکسایا۔ پھر بھی ان علاقوں میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا۔ امرتسر کے شریف پورہ محلے کے مسلمانوں نے وہاں کیمپ بنا رکھا تھا۔ انہوں نے خوب داد شجاعت دی۔ غرضیکہ پنجاب قتل و غارت سے بھر گیا۔ کلکتہ، نواکھالی، پٹنہ، بہار، گڑھ مکیشر وغیرہا میں فسادات پہلے ہی اپنا زور وشور دکھا چکے تھے۔

برطانوی پارلیمنٹ میں ہندوستان کی صورت حال کا جائزہ

ان حالات میں برطانوی

پارلیمنٹ نے ہندو مسلم متحدہ حکومت کو ناممکن سمجھ کر اور وزارتی مشن کو ناکام یقین کر کے صرف کانگریس کو اقتدار سونپنے رہنے دینا جبکہ مسلم لیگ نے قطعاً بائیکاٹ کر رکھا تھا مسلمانوں کو علیحدہ ملک دینے کا ارادہ کر لیا۔ ادھر جواہر لال نہرو نے فروری ۱۹۴۷ء میں وائسرائے کو خط لکھا کہ یا تو مسلم لیگ کو وزارت میں شرکت کرنی چاہئے ورنہ مسلم لیگی ممبروں کو استعفا دیدینا چاہئے۔ ایسا لکھنے کا مقصد یہ ہوگا کہ لیگیوں کے مستعفی ہونے کے بعد نیشنلسٹ مسلمانوں کو وزارت میں شریک کر کے کام چلا لیا جائے۔

ویول کی جگہ ماؤنٹ بیٹن، مسٹر اٹیلی کا بیان

مسلم لیگ کے ممبروں کے استعفوں کا معاملہ تو رہا دوسرا مسٹر اٹیلی نے دار العوام میں ایک طویل تقریر کے اثنا میں کہا :-

ملک معظم کی حکومت نے لارڈ ویول کے جانشین کے طور پر ایڈمرل وائیکاؤنٹ ماؤنٹ بیٹن کا تقرر منظور فرمایا ہے تاکہ وہ ہندوستانیوں کو حکومت کی ذمہ داری سپرد کر دیں۔"

سر اسٹیفورڈ کرپس نے بھی ہندوستان کو آزادی دینے کے بارے میں تقریر کی۔ بعد ازاں مسٹر چرچل نے تقریر کے اثنا میں کہا :-

" ایک غلطی یہ ہے کہ وائسرائے کی کونسل کے ہندوستانی ممبروں کو علیحدہ کر کے ہندوستان کی حکومت پنڈت نہرو کے سپرد کر دی گئی۔ مسٹر نہرو کی حکومت مکمل تباہی اور بربادی کا باعث رہی ہے۔

(علمائے حق جلد ۲ صفحہ ۲۰۵)

الغرض ان تقریروں میں مسٹر اٹیلی نے ہندوستان کو تقسیم کرنے کی طرف بھی اشارہ کیا اور مسٹر چرچل نے بھی۔ بالآخر اسی مقصد کے لئے لارڈ ویول کی جگہ ماؤنٹ بیٹن کو وائسرائے بنایا گیا۔

پاکستان

جب کانگریس نے برطانوی پارلیمنٹ کی نیت اور تقسیم ہند کو ناگزیر سمجھا تو کانگریس نے بھی تقسیم کو تسلیم کر لیا لیکن انکی نیت یہ ہمیشہ رہی کہ سردست پاکستان کو تسلیم کر لو اور ہندوستان کی تقسیم کو مان لو بعد میں جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔

تقسیم پنجاب و بنگال

مسلم لیگ کا نظریہ یہ تھا کہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں پاکستان بنایا جائے یعنی بنگال، پنجاب، سرحد، بلوچستان اور سندھ کے مجموعے کا نام پاکستان ہو لیکن پنجاب اور بنگال کو تقسیم کرنے کے بارے میں بھی کانگریس نے سوال اٹھایا اور کہا کہ جن اضلاع میں ہندوؤں اور سکھوں کی اکثریت ہے پنجاب اور بنگال کے وہ اضلاع ہندوستان میں شامل کر دیئے جائیں قائد اعظم نے اس خیال کی پہلے تو سخت مخالفت کی لیکن پھر انکو تقسیم بھی ماننی پڑ گئی۔ چنانچہ سلہٹ جو آسام میں مسلمانوں کی اکثریت کا علاقہ تھا وہ مسلم بنگال مشرقی پاکستان میں ملا دیا گیا اور جالندھر، امرتسر، لدھیانہ انبالہ، فیروز پور اضلاع کو بھارت میں شامل کر دیا گیا معلوم ہوا تھا کہ گورداسپور میں مسلمانوں کی اکثریت

ہے لہٰذا اسکے متعلق شہرت ہوئی کہ وہ پاکستان میں شامل کیا جا رہا ہے۔ لیکن یہ خیال غلط نکلا۔

مسئلہ کشمیر

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ گورداسپور کا ضلع اگر پاکستان میں شامل کیا جاتا تو کشمیر خود بخود پاکستان کا حصہ بن جاتا لیکن ہندوستان یہ کیسے گوارا کر سکتا تھا اس لئے ریڈ کلف کو جو باؤنڈری کمیشن کا انچارج تھا سننے میں آیا ہے کہ کئی لاکھ روپیہ دیا گیا اور باؤنڈری کمیشن کے اعلان میں پھر ضلع گورداسپور کو بھارت میں شامل کر دیا گیا۔ اس طرح کشمیر پاکستان کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ بالفرض اگر گورداسپور کو بھارت میں شامل ہی کر دیا گیا تھا تو کشمیر کا الحاق بھارت سے ہونا قطعاً ناانصافی تھا۔

راجہ ہری سنگھ کا اعلان الحاق اور بھارت کا کشمیر پر قبضہ

باؤنڈری کمیشن کے اعلان کے بعد کشمیر کے راجہ ہری سنگھ نے بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کا اعلان کر دیا۔ شیخ عبد اللہ کشمیر کے لیڈر اس زمانے میں کانگریس کے ساتھی تھے اور نہرو کے گہرے دوست، وہ بھی خوش ہو رہے۔ ان کو وزارت کا لالچ دیا گیا اور ساتھ میں نہرو اور گاندھی جی نے یہ بھی جھانسہ دیا کہ کشمیر میں رائے شماری کرائی جائے گی۔ مگر پچیسواں سال گذر رہا ہے کہ نہ رائے شماری ہوئی اور نہ یونائیٹڈ نیشنز نے آج مئی ۱۹۷۱ء تک کوئی فیصلہ کیا۔ حالانکہ ۱۹۴۷ء سے ہی یہ کیس بین الاقوامی سلامتی کونسل میں کھٹائی میں پڑا ہے اور بھارت کا بنوک سنگین کشمیر پر قبضہ ہے۔ اس عرصے میں کشمیریوں پر ظلم وستم کی بجلیاں توڑی گئیں مسلمانان کشمیر کے خون سے ہولی کھیلی گئی۔ قید و بند کی صعوبتیں انہوں نے اٹھائیں۔ آخر جب شیخ عبد اللہ اور کشمیری لیڈروں نے رائے شماری کا مطالبہ کیا تو شیخ عبد اللہ جو ریاست کے وزیر اعظم تھے ان کو گرفتار کر لیا گیا اور تقریباً چودہ سال میں وہ قید میں رہے۔ ۱۹۷۱ء کے گذشتہ الیکشن میں جب محاذ رائے شماری نے انتخاب لڑنے کا ارادہ کیا تو اندرا گاندھی وزیر اعظم بھارت نے شیخ عبد اللہ اور مرزا افضل بیگ کو جلا وطن کر دیا۔ چنانچہ اب وہ دہلی میں جلا وطنی کی زندگی گذار رہے ہیں۔

حیدر آباد دکن اور کشمیر

بھارت سرکار بھی عجیب سرکار ہے۔ حیدر آباد دکن پر قبضے کی دلیل یہ دی گئی کہ وہاں کی رعایا نوے فی صد ہندو ہے اور کشمیر پر قبضے کی یہ بیان کی گئی ہے کہ وہاں کا راجہ ہندو ہے۔ حالاں کہ اسی فارمولے کے ماتحت کہ کشمیر میں نوے فیصد مسلمان آباد تھے اس کا الحاق پاکستان سے ہونا چاہئے تھا۔ ۱۹۶۵ء میں جب کشمیریوں نے گوریلا وار شروع کی اور ان کو کامیابی ہوئی تو بھارت نے آزاد کشمیر پر توپوں کے دہانے کھول دیئے۔

پاکستان پر بھارت کا حملہ

حکومت پاکستان کھلم کھلا میدان میں آگئی اور پاک بہادر افواج نے چھمب اور جوڑیاں تک کا علاقہ لے لیا۔ لیکن روس اور امریکہ اور او تھان کے زور دینے پر جنگ بند ہوئی اور یہ علاقہ بھارت کو واپس ہوا۔

تخلیق پاکستان

المختصر لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہندوستان کے وائسرائے بن کر مارچ ۱۹۴۷ء میں آئے اور حکومت برطانیہ، کانگریس اور مسلم لیگ کے باہمی اتفاق رائے سے ۳ر جون ۱۹۴۷ء کو دہلی ریڈیو سے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے پاکستان کا اعلان کر دیا۔

سرحد رائے شماری

ہاں تو جب بھارت تقسیم ہوا تو اس نے صوبۂ سرحد کے بارے میں کہا کہ چونکہ وہاں کانگریسی وزارت ہے لہٰذا وہاں کے لوگوں سے معلوم کیا جائے کہ وہ پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا ہندوستان میں علامہ شبیر احمد صاحب کا آئندہ خطبہ پشاور اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے ہم نے یہ طویل تاریخی واقعات صرف خطبۂ پشاور کے ساتھ ربط دینے اور پاکستان بننے کے بعد کی صورت حال سے باخبر رکھنے کے لئے پیش خدمت کئے ہیں۔

(محمد انوار الحسن مرتب)

پانچواں خطبہ

پشاور

از علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

دربارہ

استصواب رائے عامہ صوبہ سرحد

مورخہ ۲۹ر جون ۱۹۴۷ء

تعارف خط

جیسا کہ ہم نے ابھی گذشتہ سطور میں بیان کیا ہے اور وضاحت کردی ہے کہ چونکہ مسلم لیگ کی مسلسل اور منظم جد وجہد کو اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت بخشا اور لندن کی پارلیمنٹ اور وزیر اعظم اٹیلی نے نظریۂ پاکستان کی منظوری دیدی۔ چنانچہ ۳ رجون ۱۹۴۷ء کو انڈیا ریڈیو پر مسٹر ماؤنٹ بیٹن نے جو لارڈ ویول کے بعد ہندوستان کے وائسرائے بن کر آئے تھے، حکومت برطانیہ کے نمائندہ کی حیثیت سے ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کرنے اور مسلم اکثریت کے صوبوں کو پاکستان کے نام سے علیحدہ ملک بنانے کا اعلان کردیا۔ مسلمانان ہند کی یہ بڑی کامیابی تھی۔ لیکن کانگریس نے ایک اور شوشہ چھوڑا اور وہ یہ کہ صوبہ سرحد میں ریفرنڈم (استصواب رائے عامہ) کرایا جائے کہ آیا وہ ہندوستان کے ساتھ رہنا چاہتا ہے یا پاکستان کے ساتھ۔ کیونکہ صوبہ سرحد میں عبدالغفار خاں سرحدی گاندھی اور ان کے بھائی ڈاکٹر خان کا طوطی بول رہا تھا اور پاکستان کے معرض وجود میں آنے سے پہلے وہاں کانگریس کی وزارت تھی اور ڈاکٹر خان کانگریسی مکتبۂ فکر کے آدمی وہاں کے وزیر اعظم تھے۔ بنگال میں مولوی فضل حق مسلم لیگی کی وزارت تھی۔ سندھ میں غلام حسین ہدایت اللہ کی لیگی وزارت معرض وجود میں آئی تھی۔ بلوچستان میں نواب محمد خاں جوگیزئی مسلم لیگی وزیر تھے۔ لیکن پنجاب میں خضر حیات وزیر اعظم تھے جو یونینسٹ پارٹی سے تعلق رکھتے تھے۔ خضر حیات کے خلاف مسلم لیگ نے راست اقدام کے ماتحت سخت تحریک چلائی جس سے بوکھلا کر خضر حیات وزارت کی کرسی چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس لئے صوبۂ سرحد کے سوا تمام مسلم اکثریت کے صوبے پاکستان کی تقدیر میں لکھے جا چکے تھے۔

صوبۂ سرحد کے مسلمان اگر ہندوستان کے ساتھ شریک ہونے کی رائے دیتے تو پاکستان کا وجود ایک اپاہج وجود تھا اس لئے کانگریس اور مسلم لیگ کے لئے صوبۂ سرحد کا استصواب زندگی اور موت کا مسئلہ تھا۔

قائد اعظم اور علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی دونوں کی دہلی میں ملاقات ہوئی اور یہ کام قائد اعظم نے علامہ عثمانی کے کندھوں پر رکھا اور صوبۂ سرحد کو پاکستان کے حق میں استوار کرنے کی درخواست کی۔ چنانچہ سخت گرمی کے دنوں میں حضرت مولانا عثمانی نے صوبۂ سرحد کا دورہ کیا۔ پشاور، بنوں، کوہاٹ، ہزارہ، ایبٹ آباد میں تقریریں کیں اور مسلمانان سرحد کو یہ باور کرایا کہ اگر صوبۂ سرحد نے پاکستان کے خلاف ووٹ دیا تو انکی زندگی تباہی سے دوچار ہو جائے گی لیکن اگر انہوں نے پاکستان کا ساتھ دیا تو یہاں اسلامی حکومت قائم کی جائیگی اور قرآن و سنت کا قانون جاری کیا جائیگا۔

الحمد للہ کہ علامہ عثمانی کی کوششیں بار آور ہوئیں۔ اس ریفرنڈم میں پاکستان کو کامیابی ہوئی۔ جب قائد اعظم کو علامہ نے مبارکباد دی تو قائد اعظم نے فرمایا کہ مولانا اس مبارکباد کے آپ مستحق ہیں جنکی مساعی سے صوبہ سرحد پاکستان میں شامل ہوا۔

آئندہ صفحات پر علامہ کی وہ تقریر پیش کی جاتی ہے جو انہوں نے پشاور میں کی تھی۔ دراصل یہ علامہ کی تقریر کا خلاصہ ہے جس کو اخبار "ہمارا پاکستان" پشاور نے اپنے سالانہ نمبر میں ایک مبصر سے لیکر درج کیا ہے ہم اخبار سے یہ تقریر مع اس نوٹ کے پیش کرتے ہیں جو اس نے اول میں تعارفی ...

علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی پشاور میں غلغلہ انداز تقریر

بسلسلۂ استصواب (ریفرنڈم)

نوٹ:- ذیل میں ہم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تقریر کا خلاصہ پیش کرتے ہیں جو موصوف نے ۲۹ رجون ۱۹۴۷ء کو کننگھم پارک پشاور میں کی تھی جس کا مقصد صوبۂ سرحد والوں کو ہندوستان کی بجائے پاکستان میں شمولیت پر آمادہ کرنا تھا۔ یہ تقریر ہم نے روزنامہ اخبار "ہمارا پاکستان" پشاور کے سالگرہ نمبر ۸ رمارچ ۱۹۵۶ء سے نقل کی ہے۔ اخبار کے تمہیدی نوٹ کے ساتھ ہم یہ تقریر درج کرنے کا فخر حاصل کر رہے ہیں۔ (انوار انور)

ایڈیٹر کا نوٹ ذیل میں ہم علامہ شبیر احمد عثمانی کی ایک نادر تقریر درج کرتے ہیں جو مرحوم نے آج سے گیارہ برس پہلے یعنی ۲۹ رجون ۱۹۴۷ء کو پشاور میں کی تھی یہ وہ دن تھے کہ تقسیم ہند ۳ رجون ۱۹۴۷ء کا اعلان ہو چکا تھا اور سرحد میں ریفرنڈم کرانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں اہل سرحد کے سامنے اس وقت یہ سوال تھا کہ بھارت میں شامل ہوں یا پاکستان سے وابستہ رہیں۔ استصواب عام کی اس مہم کے لئے مسلم لیگ ہائی کمانڈ نے اپنے کئی با اثر نمائندے اور ممتاز ترجمان سرحد روانہ کئے ہیں جن میں ظفر احمد عثمانی، مولانا عبد القدوس بہاری، پیر جماعت علی شاہ، ملک فیروز خان نون، راجہ غضنفر علی خاں، مسٹر چندریگر، نواب زادہ صدیق علی خاں، سردار عبدالرب نشتر اور مولوی بشیر احمد اتنگر قابل ذکر ہیں۔ ان صاحبوں نے صوبے بھر میں طوفانی دورے کرکے لوگوں کو پاکستان کے حق میں رائے دینے پر آمادہ کیا۔ (شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مرحوم بھی اس سلسلے میں یہاں تشریف لائے تھے ان کی آمد پر کننگھم پارک (پشاور) میں مقامی مسلم لیگ کی طرف سے ایک عظیم الشان اجتماع ہوا جس میں علامہ مغفور نے سرحد والوں سے خطاب فرمایا۔ ہمارے ایک دیرینہ کرم فرما جو اس جلسہ میں موجود تھے مولانا کے ارشاد کو جستہ جستہ نقل کرتے رہتے۔ ذیل کی تقریر انہی کی یادداشتوں سے مرتب کی گئی ہے ترتیب میں ہم نے اس کا لحاظ رکھا ہے کہ مضمون مختصر ہو مگر الفاظ حتی الامکان مولانا ہی کے رہیں (ادارہ)

خطبۂ عثمانی گذشتہ الیکشن کی بات ہے کہ میں نے جمعیۃ العلماء ہند دہلی کو کانگریس کا غلام دیکھ کر اس سے بے تعلقی اختیار کی جس کی پاداش میں مجھ پر طرح طرح کے الزام لگائے گئے لیکن جب مسٹر محمد علی جناح اور خان لیاقت علی خاں نے اپیل کی کہ الیکشن میں ووٹ پاکستان کو دیئے جائیں کیوں کہ وہاں

شریعت اسلامی کی حکومت ہوگی تو میں بھی ان کی جماعت میں شامل ہوگیا۔ یہ وقت کڑے امتحان کا ہے اسلام اس کفرزار میں زندہ کرنے کے لئے آپ لوگ پہلے ہی کافی قربانیاں پیش کرچکے ہیں دشمنوں نے آپ کو مٹانے کے لئے کافی جدوجہد کی ہے لیکن قدرت نے اسلام میں یہ خصوصیت رکھی ہے کہ یہ دنیا سے فنا نہیں ہوسکتا اگر اسے ایک جگہ دبا دیا جائے تو دوسری جگہ ابھر آئے گا۔

اسلام کو قدرت نے کچھ ایسی لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

پس جو کچھ بہار[1] میں ہوا ہے اس سے یہ سمجھ لینا کہ اسلام ختم ہوجائے گا نادانی ہے آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ روئے زمین پر کوئی ایسا خطہ باقی نہ رہے گا جہاں اسلام کا نام اور پیغام نہ پہنچے اس لئے مسلمانوں کو بہار کے خونچکاں واقعات سے ہراساں نہ ہونا چاہئے بلکہ آئندہ کے لئے پھر سے ہمت کی کمر باندھ لینی چاہئے مجھے اکبر الٰہ آبادی سے بہت محبت ہے انہوں نے کہا تھا کہ ؎

خزاں آتی رہی ہے اور خاک میں ملنا ہی پڑتا ہے
مگر کلیوں کو اس گلزار میں کھلنا ہی پڑتا ہے

یعنی خزاں تو ہر برس آتی ہے اور کلیاں خاک میں ملتی ہیں، مگر کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کلیوں نے اس خیال سے چلو خاک میں ملنا ہے کھلنا اور چٹکنا چھوڑ دیا ہو۔ بھلا تاتاریوں نے کس طرح مسلمانوں کو مٹانے کی جدوجہد کی لیکن جب وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے تو یہ مسٹر سنہا (گورنر بہار) مسلمانوں کا کیا بگاڑلیں گے۔ دنیا میں بڑی بڑی قومیں اور بڑے بڑے فرعون اور نمرود اُٹھے مگر جب خدا نے چاہا تو ان کو نیست و نابود کردیا عاد اور ثمود جیسی زبردست قوموں کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح مٹا دیا کہ ان کا نام و نشان بھی نہ رہا یہ اس لئے کہ انہوں نے حق سے منہ پھیر لیا تھا۔

مسلم لیگ کا مقصد ہندوستان کے مسلمانوں کو یکجا کرنا تھا اور وہ پورا ہوگیا میں کہتا ہوں کہ ایک تو رہو مگر نیک بھی، نیکی کے بغیر تمہارا ایکا قائم نہیں رہ سکتا بہتر ہے کہ اب گمراہی کے طریقے چھوڑ دو اور غیر اسلامی حرکتیں بند کردو قرآن پاک میں آیا ہے کہ اگر تم خدا کی طرف لوٹو گے تو خدا تمہاری مدد کریگا۔

اسلامی سیاست میں دو اصطلاحیں قابل ذکر ہیں۔ ایک دارالاسلام، دارالاسلام اسے کہتے ہیں جہاں حکومت بھی مسلمانوں کی ہو اور جہاں قانون بھی اسلام کا چلتا ہے اور دارالحرب اس کو کہا جاتا ہے جہاں مسلمانوں کی حکومت نہ ہو یا اگر ہو بھی ہو تو بدقسمتی سے وہاں اسلامی قانون نہ چلتا ہو پس اسلامی قانون نافذ کرنے کے لئے زمین کا ٹکڑا تو ہم نے حاصل کرلیا اب یہاں اسلامی قانون چلائیں گے انشاء اللہ

[1] بہار میں ہندوؤں نے مسلمانوں پر بے حد ظلم و ستم توڑا تھا اور اپنی کانگریسی حکومت کے زعم میں ان پر عرصۂ حیات تنگ کردیا تھا۔ (مرتب)

انشاء اللہ تو ویسے کہنا ہی چاہئے ورنہ بشارت[1] تو ہوچکی ہے میری دعا یہ ہے کہ آپ اپنے آپکو اسلام کے اصولوں پر چلائیں۔ آرائش و زیبائش اور نزاکت کے ارمانوں میں کمی کردیں نمائشی باتیں چھوڑ دیں۔ جفاکش بنیں۔ اس کے لئے مسلمانوں میں فوجی تعلیم کی سخت ضرورت ہے چنانچہ میں نے نواب محمد اسماعیل ممبر آل انڈیا مسلم لیگ سے کہا ہے کہ جب پاکستان بن جائے تو اس میں ایک قانون یہ بھی ہو کہ ہر مسلمان بچے کے بالغ ہونے پر اسے چھ ماہ کی فوجی تعلیم دی جائے اور اس کے بعد اس کی مرضی ہے کہ چاہے وہ فوج میں بھرتی ہو چاہے دکان داری کرے یا کچھ اور۔ نواب صاحب نے اس تجویز سے اتفاق کیا ہے۔ پشاور آتے ہوئے ایک ریل گاڑی میں میں نے ایک مسلمان فوجی سپاہی کو دیکھا وہ کہہ رہا تھا کہ ہم ہر قسم کی اپنی خدمات پیش کرنے کو تیار ہیں۔

علامہ عثمانی اور مسٹر جناح کی ملاقات

تھوڑے دن ہوئے ہمارے ایک وفد نے جس میں یہ خادم بھی تھا دہلی میں مسٹر جناح سے ملاقات کی اور نئے حالات پر گفتگو ہوئی میں کہتا ہوں کہ جو کام اس فاسق محمد علی جناح نے کر دکھایا ہے وہ مولویوں سے بھی نہ ہوسکا اس کے فسق و فجور کا مجھے اعتراف ہے لیکن گاندھی اور جواہر لال کی بہ نسبت وہ ہمارے لئے بہتر ہے مسٹر محمد علی جناح نے مجھ سے کہا کہ میرا کام اب ختم ہوگیا میں الگ ہوتا ہوں اب یہ مسلمانوں کا کام ہے کہ وہ جسے چاہیں اپنا سربراہ بنالیں اور جس قسم کی حکومت چاہیں قائم کرلیں میں نے ان کو جواب دیا کہ آپ غلط کہہ رہے ہیں آپ کا کام ابھی ختم نہیں ہوا ہے اگر حکومت قائم کرنا مسلمانوں کا کام ہوتا تو پاکستان بھی مسلمانوں ہی کا مطالبہ تھا آپ نے جو وعدے اسلامی قانون جاری کرنے کے لئے بمبئی۔ سندھ۔ بلوچستان اور آسام کی تقریروں میں کئے تھے اور جو وعدہ لیاقت علی خاں نے کیا تھا وہ کدھر گئے؟ آپ یہ نہ بھولیں کہ اب شریعت اسلامی قائم کرنا بھی تمہارا ہی فرض ہے اس پر جناح صاحب نے مجھ سے وعدہ کیا کہ دو ماہ بعد اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی۔

اکثر ہندو اخبارات اور لیڈر کہا کرتے تھے کہ لنگڑا لولا پاکستان بھوکوں مرجائے گا۔ لیکن اب تو جغرافیوں میں سے بھی بعض نے پیشگوئی کردی ہے کہ پاکستان ایک امیر ملک ہے اس لئے ہندو نکتہ چین اب کچھ خاموش ہوگئے ہیں پاکستان میں پانچ کروڑ مسلمان آباد ہوں گے۔ دیکھئے ترکی میں دو کروڑ افراد بستے ہیں اور رقبے میں بھی وہ پاکستان سے بہت چھوٹا ہے لیکن جنگ میں ترکی دنیا کی عظیم ترین سلطنتوں کے درمیان چٹان کی طرح کھڑا رہا اسے تو کوئی بھی لنگڑا لولا نہیں کہتا۔

[1] اس جملے سے علامہ عثمانی کے شرح صدر کا پتہ چلتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ بہرحال جہاں پاکستان میں اسلامی حکومت قائم ہوکر رہے گی اور قرارداد مقاصد کی تجویز جو اسلامی قانون کی ترویج کے لئے علامہ نے قومی اسمبلی میں پاس کرائی تھی وہ رنگ لاکر رہیگی (ادارہ)

علامہ عثمانی کی ایک پرانے کانگریسی سے ایبٹ آباد میں ملاقات

ایبٹ آباد میں مجھے ایک پرانے رفیق کانگریسی کی مجلس میں شامل ہونے کا موقع ملا وہ فرماتے تھے کہ پاکستان ایک مفلس اور قلاش ملک ہوگا اس میں مدافعت کی طاقت نہ ہوگی اور فرض کیجئے روس نے حملہ کر دیا تو پاکستان کیا کرے گا؟ میں نے ان کو جواب دیا اگر روس آئے گا تو ہم کہیں گے کہ مفلس اور قلاش ہیں یہ ریلوے لائن ہندوستان کی طرف جاتی ہے روپوں کی تجوریاں وہیں رکھی ہوئی ہیں۔ انہی صاحب نے پھر پوچھا کہ پاکستان قائم ہونے کے بعد ہندوستان میں رہنے والے چار کروڑ مسلمانوں کا کیا بنے گا؟ اس پر میں نے خلیفہ معتصم باللہ کے زمانے کا ایک واقعہ سنایا اور وہی میں آپ کو بھی سنانا چاہتا ہوں۔ اس وقت روما میں عیسائی حکومت تھی وہاں ایک عیسائی فوجی نے ایک مسلمان بڑھیا کے تھپڑ مارا۔ بڑھیا معتصم باللہ کو مدد کے لئے پکارنے لگی۔ ظالم نے پھر ایک تھپڑ مارا اور کہا کہ کیا معتصم باللہ ابلق پر سوار ہو کر مجھ سے تیرا بدلہ لینے آئیگا؟ یہ بات روما سے بغداد پہنچی تو خلیفہ نے کہا جب تک بڑھیا کی بات پوری نہ کر دوں گھر میں قدم نہ رکھوں گا۔ اتنا کہا اور جا کر جنگل میں خیمے گاڑ دیئے اور حکم دیا کہ گرد و نواح سے جتنے بھی ابلق گھوڑے جس قیمت پر بھی ملیں لائے جائیں۔ آن کی آن میں لشکر تیار ہوا اور معتصم نے اٹلی پر حملہ کر دیا ظالم سپاہی کو گرفتار کر لیا گیا اور خلیفہ نے بڑھیا سے کہا کہ دیکھ معتصم تیری مدد کو آپہنچا تو یہ تھا فائدہ آزاد حکومت کا اسی طرح اگر ہماری بھی ایک آزاد مملکت ہو تو ہندوستان کے مسلمانوں کو کوئی بھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔

حضرات! پاکستان میں اللہ کی غلامی ہوگی رقص و سرود نہ ہوگا۔ شراب و کباب نہ ہوگا کیوں کہ ہم صرف اپنی نیکی کی بدولت دنیا میں باقی رہ سکتے ہیں اور اپنی بدی سے مٹ سکتے ہیں۔ تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ مسلمان جہاں بھی تباہ ہوا ہے اپنے ہی ہاتھوں ہوا ہے اور اسے کوئی دوسرا نہیں مٹا سکتا اسی لئے اب ہم کو چاہیئے کہ ہر قسم کے بُرے افعال سے باز آجائیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ آئی ہوئی چیز ہاتھ سے چلی جائے اسلامی حکومت قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ لوگ پیر صاحب[1] مانکی شریف جیسے دیندار آدمیوں کو اسمبلی میں بھیجنے کی کوشش کریں۔

مسلمانوں میں ایک گروہ تھا جس کو فرقہ معتزلہ کہتے تھے اب تو وہ نہیں رہا اور نہ خدا اسے پھر زندہ کرے۔ ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ ایک طرف کفر ہے اور ایک طرف اسلام ان دونوں کے درمیان تیسری راہ کوئی بھی نہیں لیکن معتزلہ کا عقیدہ یہ تھا کہ کفر اور اسلام کے درمیان ایک تیسری چیز اور بھی ہے جو کفر اور اسلام کے بین بین ہے یعنی جو شخص گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے وہ نہ مسلمان ہوتا ہے اور

[1] پیر صاحب مانکی شریف (صوبہ سرحد کے مشہور عالم اور پیر تھے۔ جن کا انتقال پاکستان بننے کے کئی سال بعد ہوا) وہ علامہ عثمانی کے شاگرد دیوبند کے فاضل مخلص اور تحریک پاکستان کے زبردست حامی تھے۔ انہوں نے علامہ کی اقتداء میں ریفرنڈم میں بڑی اعانت کی۔ انوار

نہ کافر بلکہ ایک درمیانی تیسرے درجے میں لٹکا ہوا ہوتا ہے۔

ایک اور مثال دیکھئے۔ ایک ہوتا ہے مرد اور ایک ہوتی ہے عورت۔ مگر جو نہ مرد ہو اور نہ عورت بتایئے اسے کیا کہتے ہیں؟ میری مراد یہ ہے کہ انہی مثالوں پر پٹھانستان کو بھی قیاس کر لیجئے۔ گاندھی جی نے مطالبہ کیا ہے کہ صوبہ سرحد کو آزاد پٹھانستان بنا دینا چاہیئے کیونکہ سرحد کا کلچر اور تمدن جدا ہے میں پوچھتا ہوں کہ کیا آزاد پٹھانستان خدا سے بھی آزاد رہے گا؟ پٹھانوں کا خدشہ بالکل غلط ہے کہ پنجابی انہیں لوٹ لیں گے تمام صوبوں میں مکمل مساوات ہوگی کوئی کسی کا حق نہیں مار سکے گا۔

پاکستان کو لنگڑا کہا جاتا ہے کہ اس کا ایک پاؤں تقسیم پنجاب سے ٹوٹ گیا۔ دوسرا تقسیم بنگال سے۔ لیکن آپ دیکھتے ہیں کہ سینکڑوں لنگڑے آدمی ہسپتالوں میں داخل ہو کر ٹھیک ہو جاتے ہیں اسی طرح پاکستان کا لنگڑا پن بھی دور ہو سکتا ہے لیکن سرحد تو پاکستان کا سر ہے لنگڑا سر کٹے پاکستان سے تو بہتر ہے۔ اور لنگڑا پاکستان چھوڑ تاریخ میں تو لنگڑے بادشاہ[1] بھی گذرے ہیں۔

آخر میں یہ عرض کروں گا کہ آپ نے سپاسنامہ میں حد سے زیادہ میری تعریف کی ہے مگر رسول کریم کی حدیث ہے کہ جس نے کسی کی اس کے منہ پر تعریف کی تو گویا اس کی گردن کاٹ ڈالی۔ میری چند معمولی[2] خدمات کیا ہیں۔ تعریف تو اللہ کی راہ میں ہاتھ چلانے والوں کی کرنی چاہیئے۔ ہم تو صرف باتیں کرتے ہیں۔

انشاءاللہ جلد پاکستان بن جائے گا اور ہم ایک ایسی مملکت میں آجائیں گے جس میں اسلامی قانون نافذ ہوگا۔

نوٹ:۔ افسوس کہ علامہ کی یہ تقریر نہایت مختصر لکھی گئی ہے۔ کاش تقریر میں موجود رہنے والے مبصر صاحب موصوف کی مکمل تقریر لکھتے۔ نہ صرف یہ بلکہ ہزارہ، ایبٹ آباد، بنوں، کوہاٹ وغیرہا میں جو علامہ نے تقریریں کی تھیں ان کو بھی نوٹ کیا جاتا۔ تاکہ ہمارے لئے خاص تاریخی دستاویز بن جاتیں۔ (انوار)

---

[1] امیر تیمور لنگ، بابر کا باپ اور ہمایوں کا دادا ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کا بانی لنگڑا تھا۔ اسی لئے اس کو لنگ کہتے تھے۔ انوار

[2] معلوم ہوا کہ صوبہ سرحد میں علامہ کا زبردست پُرجوش استقبال کیا گیا (انوار) [2] معمولی خدمات کا اظہار علامہ کی عاجزی کے باعث ہے ورنہ سچ تو یہ ہے کہ مسٹر جناح سے پاکستان کے لئے علامہ نے کچھ کم کام نہیں کیا۔ انوار

حدودِ پاکستان

گذشتہ سطور میں کہا گیا ہے کہ کانگریس اور بنگال نیز پنجاب کے ان علاقوں کے ہندوؤں نے بنگال اور پنجاب کی تقسیم کا بھی مطالبہ کیا تھا چنانچہ ۳ر جون کو جب تقسیم ہند کا اعلان ہوگیا تو ۲۰ر جون ۱۹۴۷ء کو تقسیم بنگال اور تقسیم پنجاب کا فیصلہ بھی ان کی اسمبلیوں نے کر دیا۔ صوبۂ آسام کے سلہٹ کے علاقہ میں بھی کانگریس کو کامیابی کی امید تھی اس لئے سلہٹ اور سرحد میں رائے شماری کا فیصلہ ہوا۔

صوبۂ سرحد اور سلہٹ میں رائے شماری

۶ر، ۷ر جولائی ۱۹۴۷ء کو ضلع سلہٹ میں رائے شماری ہوئی۔ بحمد اللہ کثرت آبادی نے پاکستان میں شمولیت کا فیصلہ کیا اور یوں سلہٹ پاکستان میں شامل ہوا۔ سلہٹ کی رائے شماری میں مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے بڑا کام کیا۔

۶ر جولائی ۱۹۴۷ء سے صوبہ سرحد میں رائے شماری شروع ہوئی جو دس دن تک جاری رہی اور ۱۸ر جولائی ۱۹۴۷ء کو ختم ہوئی۔ بشکل تمام معمولی اکثریت سے پاکستان کے حق میں فیصلہ ہوا۔

عبدالغفار خاں سرحدی گاندھی اور خدائی خدمتگاروں کا مطالبہ

صوبۂ سرحد میں رائے شماری فیصلہ شدہ امر کے ماتحت ہوئی لیکن سرحدی گاندھی اور خدائی خدمتگاروں نے پاکستان یا بھارت میں شامل ہونے کے لئے رائے دینے کی بجائے یہ مطالبہ کیا کہ رائے شماری آزاد پٹھانستان اور پاکستان کے نظریات کے ماتحت کرائی جائے۔ مگر حکومت نے اس مطالبے کو مسترد کر دیا۔ چنانچہ اس کی تہ میں آج تک پختونستان کا مسئلہ زیر بحث چلا آ رہا ہے۔ سرحدی گاندھی آج کل کابل میں کئی سال سے براجمان ہیں اور پختونستان اور ہندوستان کے ساتھ ساز باز میں مصروف ہیں۔ وہ پاکستان کے صاف طور پر وفادار نظر نہیں آتے۔ ۱۹۶۹ء میں انہوں نے حکومت ہندوستان کی خواہش اور دعوت پر بھارت کا دورہ کیا اور ایک لاکھ کی تھیلی انکو تحفے میں بھارت کی حکومت نے پیش کی اور وہ پھر کابل واپس آگئے۔

مختصر یہ کہ

۱۸ر جولائی ۱۹۴۷ء یعنی ۲۸ر شعبان ۱۳۶۶ھ جمعہ کے دن ۴ بج کر دس منٹ پر برطانیہ کی پارلیمنٹ میں ہندوستان کی آزادی پر شاہ برطانیہ کی منظوری ہو گئی اور یہ حکم لکھا گیا

"بادشاہ سلامت اسے منظور فرماتے ہیں"

۳ر جون ۱۹۴۷ء کو پاکستان کا اعلان ہوا تھا۔ اب یہ ملک شاہ برطانیہ کے ماتحت آزاد ہو گیا لیکن ان دونوں میں رسمی طور پر تاج برطانیہ کے ماتحت دو گورنر جنرلوں کا تقرر طے ہوا۔

پاکستان کے گورنر جنرل

قائد اعظم نے پاکستان کے گورنر جنرل کے عہدے کے لئے اپنے آپ کو ضروری سمجھا۔ اس لئے ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے قائد اعظم کو گورنر جنرل بنا دیا گیا۔ اُدھر ہندوستان نے بڑی گہری چال چلی اور ماؤنٹ بیٹن کو اپنا گورنر جنرل نامزد کیا۔ اس کے نتیجے میں بھارت نے بہت فائدہ اٹھایا اور گورداسپور اور کشمیر حاصل کر لیا۔

الغرض پاکستان میں صوبہ پنجاب کے کئی ضلعوں کو نکال کر مغربی پنجاب، صوبۂ سرحد، صوبہ سندھ، بلوچستان اور مشرقی پاکستان میں تقسیم شدہ بنگال اور آسام کا ضلع سلہٹ پاکستان کو مل گیا اور بقیہ تمام ملک بھارت کے حصے میں آیا۔ غنیمت ہے کہ جتنے مسلمانوں کی گردنیں غلامی سے نکل گئیں۔

ریڈکلف کا خطِ تقسیم

صوبۂ سرحد اور سلہٹ کے ریفرنڈم کے بعد ریڈکلف صدر کمیشن باؤنڈری نے خطِ تقسیم قائم کر دیا اور ہر ایک ملک کو اپنی حدود کا پتہ چل گیا جس سے پاکستانیوں اور بھارتیوں کو اپنے اپنے علاقوں میں کھل کھیلنے کا موقع مل گیا۔

ذمہ داری کا انتقال

۱۳ر اور ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کی درمیانی شب یعنی رات کے بارہ بجے وہ مبارک ساعت تھی جبکہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کراچی کی قومی اسمبلی کے اجلاس میں شاہ برطانیہ جارج ششم کا وہ حکم پڑھ کر سنایا جسکے مطابق پاکستان کو علیحدہ ایک ملک قرار دے کر اس کی ذمہ داری قائد اعظم محمد علی جناح کو بحیثیت گورنر جنرل پاکستان سونپ دی اور ۱۴ر اور ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء کی درمیانی شب بارہ بجے بھارت کی زمام اختیار کانگریس کے ہاتھ میں دیدی۔ اسی لئے پاکستان کا یوم آزادی ۱۴ر اگست اور بھارت کا ۱۵ر اگست ٹھہرا۔

شب قدر کی ستائیسویں اور رمضان مبارک کا ماہ

یہ رات جس میں پاکستان عالم وجود میں آیا رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ کی رات تھی جس کے بارے میں عام طور پر مشہور ہے کہ یہ شب قدر کہلاتی ہے۔ مولانا محبوب الٰہی صاحب مصنف تاریخ دیوبند و ناظم مسل خانہ دار العلوم دیوبند نے پاکستان کے وجود میں آنے کا تاریخی مادہ حسب ذیل بتایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

۱۳ ھ ۶۸

فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست ٭ آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید

تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ ۚ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۖ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

قیامت خیز فسادات

ہند و پاک میں انسانی خون کی ارزانی

حکومت برطانیہ کا تخت و تاج (ہند و پاک کے دو حصوں میں تقسیم ہو جانے اور مکمل آزادی کی صورت میں) لٹ گیا اور آزادی کے اس حصول میں فرنگی بچوں سے لڑنے کی نوبت نہ آئی۔ یہ بھی فرنگی کی دانائی مان لینی چاہیئے کہ جب اس نے دیکھا کہ ہندوستان پر اب مزید تسلط دشوار ہے تو اس نے ہند کو دو حصوں میں تقسیم کر کے رخت سفر باندھا۔ مگر ہندو اور سکھوں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف جو لاوا ایک ہزار سال سے جوش مار رہا تھا وہ پھوٹ پڑا۔

پہل ہندو اور سکھ نے کی، اس کا جواب مسلمانان پاکستان نے دیا۔ دونوں طرف سے خون کی ندیاں بہیں، نہیں بلکہ قتل و خونریزی کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ بچے، لڑکے، جوان، بوڑھے مرد اور عورتیں تلوار کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ معصوم بچوں کو سکھوں نے بھالوں اور سنگینوں کی نوکوں پر اٹھایا، مسلمان عورتوں کی شرمگاہوں میں سنگینیں بھونکیں، پستان کاٹے، آبرو ریزی کا بازار گرم کیا۔ دونوں طرف سے ہزاروں نہیں لاکھوں آدمی مارے گئے۔ مال و دولت لٹا، آبرو لٹی، جانیں لٹیں، شہر اور قصبے لٹے، آبادیاں اور بستیاں اجڑیں، قافلے لوٹے گئے اور کاٹے گئے، باپ کو ذبح کیا جا رہا تھا اور اس کا کنبہ دیکھ رہا تھا، ماں کی آبرو لوٹی جا رہی تھی، شوہر اور جوان بیٹا دیکھ رہا تھا مگر کچھ نہ کر سکتا تھا۔ جوان بیٹے کو باپ کے سامنے ذبح کیا گیا لیکن باپ کلیجہ مسوستا ہوا آگے روانہ ہوا۔ جوان سال لڑکی باپ اور بھائیوں کے سامنے چھین لی گئی لیکن ...... لیکن ...... وہ چلاتی، چیختی، تڑپتی، روتی، پیٹتی رہ گئی۔ لیکن ...... نہ اس کو بھائی چھڑا سکے اور نہ باپ بچا سکا۔

خوبصورت کوٹھیاں جل رہی تھیں، دکانوں سے شعلے بلند تھے، مکانوں سے دھوئیں کے بادلوں کے غول کے غول اٹھ رہے تھے، عبادتگاہیں سنسان، خانقاہیں ویران، مدرسے نوحہ کناں، کتب خانے مرثیہ خواں اور زبان حال سے کہہ رہے تھے ؎

ہم نفسو اجڑ گئیں مہر و وفا کی بستیاں ÷ پوچھ رہے ہیں اہل دل مہر و وفا کو کیا ہوا

انسان نہیں بلکہ وہ بھیڑیے بن گئے تھے یا بھیڑیوں نے انسانوں کا روپ دھار لیا تھا۔ ؎

قیامت سے پہلے قیامت تھی برپا — کہ انسان انسان کو کھا رہا تھا
خدا جانے انسان کو کیا ہو گیا تھا — یہ انسان نہ تھا بھیڑیا تھا سراپا

زمانے سے انسانیت اٹھ گئی تھی — شرافت کا نام و نشاں مٹ چکا تھا
جفا کار، سفاک، ظالم، ستمگر — یہ انسان کے نام تھے اور کیا تھا

کہ اُجڑے لُٹے قافلے جا رہے تھے!
مصیبت کے مارے چلے جا رہے تھے

ایک اندازے کے مطابق طرفین سے مقتولین کی تعداد پانچ لاکھ کے قریب ہو گی، زر، زیور، سامان کا نقصان اربوں سے کم نہ تھا۔ دونوں طرف سے عورتوں کو اٹھا لیا گیا۔ کتنی ہی مسلمان عورتیں ہندوؤں اور سکھوں کے گھروں میں مرتد ہو گئیں۔

مشرقی پنجاب، دہلی، حیدر آباد دکن میں مسلمانوں کا بے دریغ خون بہایا گیا۔

سیلاب ادھر قدرت کا تماشہ دیکھیئے کہ ستمبر کے آغاز سے بارشیں ہونی شروع ہوئیں۔ پنجاب میں سیلابوں نے جوش دکھایا۔ اُجڑ کر گھروں سے روانہ ہونے والوں کے قافلے سیلابوں میں بہ گئے۔ بعض لوگوں نے کئی کئی دن رات درختوں اور کھمبوں پر گذارے۔ غرض الامان الحفیظ۔ عورتوں نے کیمپوں میں بارشوں اور سیلابوں میں بچے جنے۔

میرے مشاہدات راقم الحروف رندھیر کالج کپور تھلہ میں ملازمت کے باعث اتفاق سے دو مہینوں کی تعطیل کپور تھلہ میں گذار رہا تھا۔ چاروں طرف سکھوں کے خوف سے مسلمانان کپور تھلہ سہمے ہوئے تھے۔ اکا دکا قتل کا آغاز ہوا۔ کرفیو لگا۔ میرے مالک مکان فضل دین کو ایک فوجی سپاہی نے گولی مار دی۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر کرفیو لگ گیا۔ کرفیو سے پہلے میں نے اپنے ایک شاگرد سب انسپکٹر کو جو کہ کپور تھلہ کی کوتوالی میں تھا اطلاع دی کہ میت کو دفنانے کے لئے پولیس کی حفاظت کا انتظام کیا جائے۔ میں نے محلے کے چند آدمیوں کو بلایا۔ غرض کہ میت کا نمازہ جنازہ گھر میں پڑھا اور فوجی سپاہیوں کی حفاظت میں قبرستان جا کر مرحوم کو دفن کیا۔ اس دن کا حصہ فوجیوں کی سنگینوں کے سائے میں گذارا۔ شام کو کرفیو میں سب شریک میت ہمسایوں کو اپنے اپنے گھر پہنچایا۔ میں بھی گھر پہنچا۔ فالحمد للہ۔ کپور تھلہ میں کرفیو کا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ یکم ستمبر کو میں ایک کانوائے کے ساتھ جس میں باہر کے مسلمان مہاجرین تھے جنکو جالندھر کے گڈانے کے کیمپ میں کپور تھلے سے منتقل کیا جا رہا تھا جالندھر اپنے ہم وطن بزرگ مولانا عماد الدین صاحب شیر کوٹی کی خیریت کے لئے گیا۔ جونہی جالندھر آبادی میں پہنچے مکانات اور دکانوں کو جلا ہوا برباد پایا۔ مولانا کے یہاں پہنچا عجب خوف طاری تھا یہ محلہ عالی خود کیمپ بنا ہوا تھا۔ رات بھر امام ناصر الدین کے علاقے سے گولیوں کے چلنے کی آوازیں آتی رہیں۔ ۲ ستمبر ۱۹۴۷ء کو میں جالندھر کے گڈانے کیمپ میں گیا۔ کچھ نہ پوچھو ایک شہر دیکھا جو زمین پر لیٹا بیٹھا اور چلتا پھرتا تھا۔ میں اس کیمپ میں جا کر پھنس گیا۔ کپور تھلہ جانے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ راستہ

خطرناک تھا۔ تین دن تین رات ملک فضل قادر صاحب ٹیچر اسلامیہ ہائی سکول جالندھر کے پاس کیمپ میں رہا انہی کے ساتھ روٹی کھائی۔ آخر تین دن کے بعد وہاں سے جو مسلمان لاہور کو ہجرت کر رہے تھے ان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر سجان پور کے اڈے پر اترا جو کپور تھلہ کی سرحد میں لاہور کی راہ میں واقع تھا۔ وہاں چند تانگے کھڑے تھے۔ ایک تانگے میں سوار ہو رہا تھا کہ غلام محمد صاحب مہاراجہ کے ڈرائیور کار لئے آ پہنچے اس میں سوار ہو گیا اور کپور تھلہ پہنچ گیا۔ وہاں جا کر ایک خوفناک حالت دیکھی۔ لوگ اپنے اپنے سامان محفوظ مکانوں میں منتقل کر رہے تھے۔ میرے بچے میرے غم میں آدھے ہو چکے تھے کہ میں پہنچ گیا۔ سکھوں نے سر اٹھا رکھا تھا اور مسلمانوں کو نکال دو کے نعرے لگا رہے تھے۔

۱۰ ستمبر ۱۹۴۷ء کو شیخ عبدالرحیم صاحب انصاری کے ساتھ دوستی کے باعث مسٹر محمد علی کپتان خواجہ فیروز الدین کپور تھلوی کے داماد اور عبدالرحیم صاحب کے بھتیجے کی فیملی کے ہمراہ اہل و عیال سمیت گھر کو تالا لگا کر اور صرف ایک زنانہ کپڑوں کا صندوق ہمراہ لے کر جالندھر پہنچا۔ راستے میں ایک ٹرک ملا جس میں خونخوار سکھوں کا جتھا ہاتھوں میں برچھیاں لئے قتل و غارت کرتا پھر رہا تھا۔ ہمارے ساتھ دو فوجی بندوقچی تھے جو ہم بچ گئے۔ رات کو جالندھر چھاؤنی میں رہے لیکن تمام رات گرمی میں کمرے کے اندر پڑے رہے مبادا کوئی بم پھینک دے۔ بجلی کے پنکھے کی آواز میں خوف کی کرنٹ تھی۔ ہندو اور سکھ مسلمانوں کی رہائش گاہوں اور پناہ گاہوں پر بم مارتے تھے۔ اگلے روز ٹرک میں سوار ہو کر ۱۰ ستمبر ۱۹۴۷ء کو لاہور روانہ ہوئے۔ ٹرک چلانے والا فوجی سکھ تھا اس نے ایک موڑ پر اس تیزی سے ٹرک موڑا کہ الٹا ہو گیا۔ میں اور میرے بیوی بچے اچھل کر زمین پر گرے۔ میرے داہنے پاؤں میں سخت بند چوٹ آئی۔ میری اہلیہ کے سر میں زخم آئے اور خون جاری ہو گیا۔ انکی ہنسلی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ میری بڑی لڑکی ثریا کا منہ چھل گیا۔ آنکھوں پر ورم ہو گیا اور آنکھیں بند ہو گئیں۔ سمجھے کہ آنکھیں ضائع ہو گئیں، البتہ انصار میاں میرے فرزند پانی کے ایک گڑھے میں گرے جو اس وقت آٹھ سال کے تھے اور بحمد اللہ بالکل محفوظ رہے۔ میری شیر خوار بچی فرحانہ انوار ٹرک کے پہیئے کے بالکل قریب بلکہ نیچے پڑی تھی۔ میں گر کر کھڑا تو ہو گیا لیکن میرے ہوش ٹھکانے نہ تھے۔ میں نے اپنی اہلیہ سے پوچھا کہ ہم کہاں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ فرحانہ کو اٹھائیے وہ پڑی ہے۔ اب ذرا ہوش ٹھکانے لگے۔ بچی کو اٹھایا میرے ہاتھ میں صرف ایک بیگ تھا جس میں پانچسو روپیہ تھے جو میں نے سفر کے لئے پوسٹ آفس کپور تھلہ سے نکلوا کر ہمراہ لے لئے تھے وہ پاکستان میں ملازمت تک میرے کام آئے اور مجھے کسی سے مدد لینے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اس بیگ کے اٹھانے کا بھی ہوش نہ تھا وہ بھی اہلیہ کے کہنے پر اٹھایا۔ ٹرک الٹا ہو جانے کے بعد ایمبولینس میں ہم پھر جالندھر چھاؤنی کے ہسپتال بھیج دیئے گئے۔ اہلیہ اور لڑکی زنانہ وارڈ میں پہنچائے گئے اور میں مردانہ میں۔ انصار میاں ہمیں ایک دوسرے سے باخبر کرتے۔ رات کے وقت ثریا کو ضروری حاجت نے اٹھنے پر مجبور کیا وہ کچھ فاصلے پر تھی۔ اپنی امی کو مدد کے لئے پکار رہی تھی لیکن وہ اٹھنے کے قابل نہ تھیں

پھر لڑکی کی آنکھیں بند تھیں۔ آخر ایک عورت نے مدد کی۔

جالندھر چھاؤنی کے ہسپتال میں زخمیوں کا منظر

میرا ہسپتال میں یوں پہنچنا زندگی میں پہلی بار تھا۔ تمام بارک زخمیوں سے بھری پڑی تھی۔ کسی کی ایک اور کسی کی دونوں ٹانگیں ندارد۔ کسی کا ایک اور کسی کے دونوں ہاتھ تن سے جدا۔ کسی کا سر زخموں سے چور، کسی کا سینہ چھلنی۔ کسی کے گلے پر خنجر کی کاٹ اور کسی کی پیٹھ پر کرپان کا کشادہ زخم، آہیں، چیخیں، سسکیاں، کراہیں، آہ و بکا اور آنسوؤں کی جھڑیاں، کسی کو ٹیوب کے ذریعہ گردن کے کشادہ زخم کی راہ سے دودھ پلایا جا رہا تھا کہ منہ کا دروازہ بند تھا اور کسی کے منہ میں ٹیوب لگی تھی۔ ایک مسلمان نوجوان کی چارپائی ۱۰ ستمبر ۱۹۴۷ء کو ہسپتال میں میرے برابر لا کر بچھائی گئی۔ اسکے کسی غیر مسلم نے پستول سے گولی ماری تھی وہ میرے سامنے لمبے لمبے سانس لے کر بخت کرب و بلا میں دنیا سے رخصت ہوا۔ مہربان انگریز ڈاکٹر اور اسکے معاونین اسکی جان بچانے میں مصروف تھے لیکن

الٹی پڑ گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا ہمیں پستول کی گولی نے کیا کام تمام کیا

پنجاب کے علاقوں میں سب سے زیادہ ظلم و ستم کی بجلیاں پٹیالہ کی سکھ اسٹیٹ پر گریں جہاں کے راجہ نے خود ذاتی مسلم دشمنی اور ماسٹر تارا سنگھ سکھوں کے لیڈر کے گٹھ جوڑ سے بیان سے باہر ظلم و ستم کیے۔

کپور تھلہ سے لاہور تک ایک مصیبت زدہ ٹرین کا سات روزہ سفر

اس دل گداز ٹرین کا سفر ناقابل فراموش ہے جس میں کپور تھلے کے مسلمان اپنے گھروں کو چھوڑ کر روانہ ہوئے۔ اعلان ہوا کہ ایک ٹرین جانے والی ہے لوگ جوق در جوق سٹیشن پر پہنچ گئے لیکن ٹرین کا نام و نشان نہ تھا۔ کتنے ہی گھروں کو واپس پہنچ گئے۔ آخر کار اگلے روز ایک ٹرین روانہ ہوئی۔ کپور تھلہ اور جالندھر کے درمیان ٹرین کو روکا گیا۔ خوب خوب مسلمانوں کا کشت و خون ہوا وہاں سے ٹرین چلی تو جالندھر سٹیشن پر پہنچی۔ وہاں کافی قیام رہا۔ بھوک پیاس سے کتنے بچے گاڑی میں مر گئے۔ ٹرین کیا تھی مال گاڑی کے ڈبے تھے۔ یہاں پر بھی حملہ ہوا۔ پانی پینے کے لئے باہر نکلتے ہیں تو جان کی خیر نہیں۔ کپور تھلہ کالج کی ایک طالبہ لڑکی زبیدہ بیگم جو میری شاگرد تھی اور چیفی مرزا صاحب کی لڑکی تھی وہ پانی پینے کے لئے سٹیشن پر اتری تو کوئی ہندو بندوقچی فوجی اس کو پکڑ کر لے گیا۔ اس کا آج تک پتہ نہیں چلا۔ اس کی والدہ رو رو کر دنیا سے رخصت ہو گئی۔ باپ پہلے ہی مر چکا تھا۔ پھر یہ بدنصیب ٹرین امرتسر پہنچی تو وہاں سکھوں نے بموں سے تواضع کی۔ آخر بلوچ رجمنٹ کی بروقت مدد سے پھر یہ ٹرین لاہور روانہ ہوئی اور سات دن میں پہنچی۔ جن عورتوں اور لڑکیوں کو آفتاب و ماہتاب نے بھی کبھی نہ دیکھا تھا وہ ٹرین سے پھٹے کپڑوں میں ننگے سر دوپٹے کے بغیر اور ننگے پاؤں جوتے کے بغیر

اتمیں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ہندو اور سکھ جس مسلمان کو ٹرین میں دیکھتے گاڑی سے دھکا دیدیتے تھے ریلوے لائنوں کے دونوں طرف لاشیں ہی لاشیں دیکھنے میں آئیں۔ کچھ نہ پوچھو کہ ہماری آنکھوں نے کیا کیا دیکھا اب تو اس کے اثرات دل پر رہ گئے ہیں۔ ؎

ہر اشک ہے افسانہ ہر درد کہانی ہے
رہ رہ کے یہی باقی حسرت کی نشانی ہے

پھر ہسپتال کی طرف

وہاں تو تین دن جالندھر چھاؤنی کے ہسپتال میں ہم رہے وہاں خدمتگار اور باورچی مسلمان بھی تھے۔ انہوں نے بڑی خدمت کی۔ کھانے پینے میں کوئی کمی نہ تھی علاج معالجہ بھی ہمدردانہ تھا۔ چوتھے دن شور مچا کہ ہسپتال کا انچارج کوئی سکھ آرہا ہے کیپٹن مسٹر محمد علی صاحب کپور تھلوی کی کوشش سے ہم نے وہاں سے کوچ کرنے ہی میں خیریت سمجھی اور ۱۱ر ستمبر ۱۹۴۷ء کو تقریباً دوپہر کے کھانے کے وقت ایک ایمبولینس میں ہم روانہ کر دیئے گئے۔ امرتسر سے گذرے تو سڑک کے دونوں طرف سکھ تلواریں لئے قطار اندر قطار کھڑے تھے۔ ہم پر انہوں نے حملہ کرنا چاہا لیکن ہمارے ساتھ جو فوجی گارد کے سپاہی تھے انہوں نے سکھوں کو ڈانٹ کر کہا اس ایمبولینس میں زخمی ہیں۔ اگر تم نے حملہ کیا تو ہم سٹین گنوں سے تمہیں بھون دیں گے۔ وہ پیچھے ہٹ گئے۔

الحاصل ۱۱ر ستمبر ۱۹۴۷ء کو ہم لاہور کے میو ہسپتال پہنچا دیئے گئے۔ یہاں کا ہسپتال خود زخمیوں سے بھرا ہوا تھا ہماری گنجائش کہاں تھی۔ خدا بھلا کرے پروفیسر عبد الباسط مرحوم بچھرایونی کا وہ ہمیں اپنی کوٹھی پر ماڈل ٹاؤن لے گئے انہوں نے ہماری بڑی خدمت کی۔ پھر ہم اپنے دوست پروفیسر صابر علی (دھام پوری بجنوری) کوٹھی میری کالج کے مکان پر جا ٹھہرے وہ اس زمانے میں ابھی واپس نہیں آئے تھے تقریباً ایک ماہ ان کے مکان میں رہے پھر گوالمنڈی کے ایک مکان میں جا رہے۔ تا آنکہ دسمبر ۱۹۴۷ء تک ملازمت مل گئی ۱۹۵۳ء تک لاہور رہا بعد ازاں ۲۳ر ستمبر ۱۹۵۳ء کو اسلامیہ کالج لائلپور میں ملازمت مل گئی اور ہنوز تحریر سطور تک یہیں اپنے مکان میں مقیم ہوں یہ ہے ایک مختصر سی خود دیدہ واقعات کی روئداد جو بلا ارادہ زیر قلم آگئی۔

ہوشیار پور کی ایک ٹرین میں مسلمانوں پر کیا گذری

میرے مخلص دوست ملک عطا محی الدین صاحب جالندھری مرحوم سابق کنٹرولر امتحانات پنجاب یونیورسٹی کے چھوٹے بھائی ارشاد محی الدین ریلوے میں گارڈ تھے۔ وہ ہوشیار پور سے زخمی حالت میں لاہور پہنچے تو انہوں نے اس ٹرین کے کٹنے کی جو داستان سنائی اس سے میرا جسم کانپ اٹھا اور بدن میں لرزہ پیدا ہو گیا۔ یہ ٹرین ہوشیار پور سے مسلمان مہاجرین کو لے کر چلنے والی تھی مسلمان مہاجروں سے بھری ہوئی تھی۔ ناگاہ سکھوں نے حملہ کر دیا ارشاد محی الدین نے اپنے جوان لڑکے کو کہا کہ مقتولین کے نیچے ہو کر دبو چلے سے ٹرین

پڑے تھے) اپنا سانس روک لینا اور خود بھی ایسا ہی کیا جب سکھ دیکھتے پھر رہے تھے تو جوان سال لڑکے کو دکھنے لگے مجبوراً اس نے سانس لیا۔ آہ پھر کیا تھا اس زور سے ایک سکھ نے بھالا مارا کہ خون کا فوارہ اچھل پڑا۔ لڑکے نے باپ کو چلا کر پکارا لیکن باپ کوئی مدد نہ کر سکا تا آنکہ اس نے دم توڑ دیا۔ ارشاد کو مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا گیا۔ جب لاشوں کو ٹرین سے پھینکا گیا تو ارشاد کو بھی مردہ سمجھ کر پھینکدیا گیا۔ یہ جس حالت میں پھینکے اسی پہلو پڑے رہے۔ اتفاق سے پاکستان کی بلوچ رجمنٹ جو مسلمان مہاجرین کی دیکھ بھال کے لئے پھر رہی تھی وہاں آپہنچی ارشاد صاحب کا بیان ہے کہ میں ان کو دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور اس طرح میری جان بچی لیکن میرے جوان لڑکے کی لاش قریب پڑی تھی اور میں اسکو اسی حال میں چھوڑ کر چلا آیا اتفاق سے انہوں نے دوسرے بچوں اور بیوی کو پہلی ٹرین سے بھیجدیا تھا جو بچ نکلے تھے۔ یہ ہے فسادات پنجاب کے مشاہدات۔ ریلوے سٹیشن ہوشیار پور کے اندرونی حصے میں ریل کی پٹڑیوں کے قریب مقتول مسلمان مرد اور عورتوں، بچوں اور بچیوں کی بکھری ہوئی لاشیں ملاحظہ کیجئے یہ فوٹو مجھے ریلوے پولیس لاہور کے ایک کانسٹیبل محمد شفیع ہوشیار پوری نے دی تھی اور بتایا تھا کہ یہ ہوشیار پور کے سٹیشن کا منظر ہے۔

نظریۂ پاکستان کے مخالفین ان امور کا ذمہ دار مسلم لیگ کے لیڈروں اور اس نظریئے کو ٹھہراتے ہیں۔ علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نے ان تمام اعتراضات کے جوابات عید الفطر ۱۹۴۶ء اور اپنے ڈھاکے کے خطبۂ صدارت میں دیئے ہیں۔ وہاں ملاحظہ فرمائے جائیں۔

مسئلہ آبادکاری

اس اثناء میں مہاجرین کی آبادکاری میں ذمہ داران پاکستان بے حد مصروف رہے۔

علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کی بے گھری

علامہ عثمانی نے مہاجرین کی آبادکاری میں زبردست حصہ لیا اور مستحقین کی حکومت کے ذریعہ بڑی مدد کی۔ لیکن اپنے لئے کوئی مکان الاٹ نہیں کرایا۔ بلکہ کراچی میں ابتداء میں سر ہدایت اللہ کے یہاں مقیم رہے اور پھر قریشی صاحب کی خواہش پر ان کی کوٹھی پر آرہے۔ حالانکہ دیوبند میں انہوں نے ۱۹۴۶ء میں ایک نیا دو منزلہ مکان بنوایا تھا۔ آخر بغداد جدید ۱۳ر دسمبر ۱۹۴۹ء کو آپ کا انتقال ہوا اور قریشی صاحب کی کوٹھی سے جنازہ اٹھا اور ۱۴ر دسمبر کو اسلامیہ کالج کراچی کے صحن میں دفن ہوئے۔

مسئلہ کشمیر اور علامہ عثمانیؒ

گرا آنکہ تقسیم ہند کے اصول کے ماتحت کشمیر پاکستان کے حصے میں آنا چاہیئے تھا کیونکہ کشمیر میں مسلمانوں کی نوے فیصدی آبادی تھی نیز جغرافیائی، مذہبی اور ثقافتی اعتبار سے پاکستان کے ساتھ اس کا چولی دامن کا

ساتھ تھا لیکن گاندھی، نہرو اور دیگر بھارتی لیڈروں اور انگریزوں کی مکاری سے گورداسپور کا ضلع بھارت میں شامل کرکے کشمیر کا راستہ صاف کر دیا گیا۔ ادھر ہری سنگھ کشمیر کے راجہ نے بھارت کے ساتھ اپنی ریاست کے الحاق کا اعلان کر دیا اور معاہدہ بھی کر لیا۔ شیخ عبداللہ کشمیری لیڈر نہرو کے دوست تھے اس وقت دونوں کا سیاسی نظریہ ہم آہنگ تھا۔ نہرو نے کہا کہ ریاست کا الحاق کشمیریوں کی مرضی سے ہوگا لہٰذا شیخ صاحب اسکے جھانسے میں آگئے۔ ریاست کی وزارت شیخ عبداللہ کے سپرد کر دی گئی تھی لیکن جب شیخ صاحب نے استصواب رائے عامہ کا مطالبہ کیا تو شیخ صاحب کو گرفتار کر لیا گیا اور تقریباً چودہ برس جیل میں رکھا گیا۔ آج کل بھی دہلی میں کشمیر سے جلاوطنی کی زندگی گذار رہے ہیں۔

علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کو کشمیر کے یوں بھارت کے پنجے میں چلے جانے کا بہت افسوس ہوا آپ نے جہاد کا فتویٰ دیا۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں جنگ ہوئی۔ سرحدی پٹھان تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے پاکستان کی فوج بھی در پردہ کام کر رہی تھی تا آنکہ سری نگر کے اڈے پر لڑائی ہو رہی تھی۔

برطانیہ کا فریب برطانیہ نے یہاں بھی فریب دیا اور کہا کہ جنگ بند کر دی جائے اور استصواب رائے عامہ کرایا جائے گا اس فریب میں آکر جنگ بند کر دی گئی اور کشمیر میں آج تک استصواب نہیں ہوا۔ بھارت اپنی فوجی طاقت کے بل پر کشمیر پر قابض ہے۔ ۱۹۶۵ء میں کشمیر میں گوریلا وار ہوئی بھارت نے آزاد کشمیر کے بعض علاقوں پر گولہ باری شروع کر دی اس پر پاکستان کھلم کھلا میدان میں آیا پاکستان نے چھمب اور جوڑیاں تک کا کشمیری مقبوضہ علاقہ فتح کر لیا۔ اگلے روز اکھنور پر پاکستانی حملہ ہونے والا تھا۔ اس کی فتح سے کشمیر کا تعلق بھارت سے ختم ہو جاتا لیکن ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو بھارت نے مغربی پاکستان پر حملہ کر دیا پاکستان نے اس جنگ میں بھارت کے دانت کھٹے کر دیئے بھارت کو شکست ہوئی لیکن روس نے درمیان میں پڑ کر صلح کرائی اور دونوں کے مقبوضہ علاقے ایک دوسرے کو واپس کر دئے گئے۔ روس نے اس کردار میں بے ایمانی سے کام لیا، ورنہ چھمب اور جوڑیاں کا علاقہ چھوڑنا مناسب نہ تھا۔

المختصر جب ۱۹۴۷ء میں بھارت نے کشمیر کو اپنے قبضے میں کر لیا اور وہاں بھارت اور پاکستان کی جنگ چھڑ گئی تو پاکستان کے ایک مشہور اہل علم نے اس جہاد کو ناجائز قرار دیا اور کہا کہ چونکہ پاکستان نے بھارت سے معاہدے کو منہ پر مارے بغیر جنگ نہیں کیا لہٰذا یہ جہاد جہاد نہیں ہے۔ اس پر علامہ عثمانی نے جہاد کا فتویٰ دیا اور علمائے عرب نے اسکی تصدیق کی۔ استفتاء اور فتویٰ حسب ذیل ہے جو زمیندار مورخہ ۷ جون ۱۹۴۹ء میں شائع ہوا۔

مملکت پاکستان کی حفاظت اور حمایت و امداد واجب ہے

علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کا فتویٰ

استفتاء: کیا مملکت پاکستان کی حفاظت و حمایت اور اس کی بقا کی مقدور بھر کوشش کرنا اور کفار کے شر سے اسکو محفوظ رکھنا مسلمانوں پر واجب ہے اور کیا یہ فریضہ حفاظت و حمایت ان مسلمانوں پر دوسروں سے زیادہ ہو کہ جو پاکستان یا اسکے متصل علاقوں میں آباد ہیں؟ ۔۔۔ اور کیا مسلمان کیلئے اس مملکت کو ضعف و نقصان پہنچانے کی کوئی کوشش کرنا حرام ہے؟ اور کیا پاکستان کی مخالفت اور اس کے دشمنوں کی اعانت اس مکاری سے جائز ہو سکتی ہے کہ پاکستان کے موجودہ ارکان سلطنت، اسلاف امت کے انداز و طریق سے مختلف ہیں اور یہ کہ انہوں نے اپنے ملک میں ابھی تک احکام شرعیہ نافذ نہیں کئے۔ نیز اپنے اعمال و افعال کی اصلاح میں غفلت یا لاپرواہی برتتے ہیں؟

ثناء اللہ خاں و بشیر احمد صدیقی

فتویٰ از علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی

ہاں! بلا شک و شبہ پاکستان اور اسکے متصل علاقوں میں بسنے والے مسلمانوں پر اور ان اسلامی سلطنتوں پر جو پاکستان کے متصل ہیں، پاکستان کی حفاظت اور دشمنوں کا دفاع فرض عین ہے جیسے نماز روزہ وغیرہ اور ان کے علاوہ تمام ممالک کے مسلمانوں پر فرض کفایہ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اے ایمان والو! ان کفار سے جہاد کرو جو تمہارے قریب ہیں اور تم اپنی دفاعی قوت ایسی بناؤ کہ کفار تمہارے اندر سختی اور شدت محسوس کریں" یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو مسلمان کفار اہل حرب کے متصل رہتے ہیں ان پر جہاد فرض کفایہ ہے (یعنی) اگر ایک جماعت اپنے متصل علاقے کے کفار سے جہاد کے لئے کھڑی ہو جائے اور وہ مدافعت کے لئے کافی ہو تو وہ دوسرے مسلمان سبکدوش ہو جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل روم کے کھڑے ہونے سے اہل ہند و ماوراء النہر اس فریضے سے سبکدوش نہیں ہو جاتے بلکہ وہ اپنی جانب کے دشمنوں پر جہاد کے لئے مامور ہیں (شامی)

نیز شامی میں بدائع سے نقل کیا ہے کہ اگر ایک علاقے کے مسلمان کفار کے مقابلے سے عاجز ہو جائیں اور ان کو دشمنوں کے غلبے کا اندیشہ ہو تو انکے آس پاس کے مسلمانوں پر اور پھر انکے قرب و جوار کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ ہتھیاروں اور سامان حرب اور مال اور جان سے انکی امداد کو پہنچیں۔

جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ ہر مسلمان جو جہاد کی صلاحیت رکھتا ہے اس پر جہاد فرض ہے لیکن اگر مسلمانوں کی ایک جماعت مقابلۂ کفار کے لئے کافی ثابت ہو تو باقی مسلمانوں سے جہاد ساقط ہو جاتا ہے اور اسی کتاب میں اس کے بعد "دُرَر" سے نقل کیا ہے "اور جہاد فرض عین ہے اگر کسی سرحد پر اسلامی سرحدات میں سے کفار نے حملہ کیا تو جہاد فرض عین ہو جائے گا ان مسلمانوں پر جو اس کی سرحد

مولانا شبیر احمد عثمانی آزاد کشمیر کے دورے پر جا رہے ہیں!

کراچی ۲۰ اپریل۔ صدر آزاد کشمیر سردار محمد ابراہیم کی دعوت پر شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی کراچی سے راولپنڈی جا رہے ہیں جہاں سے آپ آزاد کشمیر تشریف لے جائیں گے۔ راولپنڈی سے آپ پشاور اور پھر پلندری جائیں گے۔ مولانا ۲۸ اپریل کو واپس کراچی پہنچ جائیں گے۔ آپ کے ہمراہ مسٹر احتشام الحق اور مسٹر غلام محمد حافظ جی آزاد کشمیر جا رہے ہیں۔ (زمیندار ۲۳ اپریل)

والوں سے قریب رہتے ہیں اور جہاد پر قدرت رکھتے ہیں اور صاحب "نہایہ" نے "ذخیرہ" سے نقل کیا ہے کہ جب جہاد کے لئے اعلان عام ہو جائے تو جہاد فرض عین ان لوگوں پر ہوتا ہے جو دشمن کے قریب تر اور ان کے علاوہ دوسرے مسلمان جو دشمن سے مسافت بعیدہ پر رہتے ہیں ان پر فرض کفایہ ہوتا ہے یہاں تک کہ جب تک انکی ضرورت نہ پڑے انکے لئے گنجائش ہے کہ شریک جہاد نہ ہوں لیکن اگر ان کی ضرورت محسوس ہو اس وجہ سے کہ جو لوگ دشمن کے قریب تھے وہ ان کے مقابلے سے عاجز آگئے یا عاجز نہیں ہوئے لیکن سستی و غفلت سے جہاد چھوڑ بیٹھے ہوں تو جو لوگ ان سے قریب تر ہیں ان پر جہاد فرض عین ہو جائے گا مثل نماز، روزہ وغیرہ کے جس کا ترک انکے لئے جائز نہیں۔ پھر جو لوگ ان کے قریب ہیں، پھر انکے قریب (شامی)

لیکن یہ حیلہ کہ حکام اس حکومت کے فاسق ہیں[1] اور وہ احکام اسلامیہ اپنی مملکت میں جاری نہیں کرتے سو یہ حیلہ فریضۂ جہاد کے ترک کر دینے کے لئے حجت نہیں بن سکتا (بچند وجوہ)

اوّل اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا ہر ایک نیک و بد آدمی کے ساتھ۔

اور امام جصاص نے احکام القرآن میں آیت اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا کے تحت میں فرمایا ہے کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جہاد کرنے والے اگر فاسق بھی ہوں تو ان کے ساتھ مل کر بھی جہاد کرنا واجب ہے جیسے دیندار متقی کے ساتھ واجب ہے۔ اور سیر کبیر امام محمدؒ کی شرح میں ہے، کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ مسلمان اہلسنت خوارج کے ساتھ مل کر مشرکین اہل حرب سے جہاد کریں کیوں کہ اس وقت بمقابلہ مشرکین خوارج کا جہاد بھی فتنۂ کفر کے دفع کرنے اور اسلام کو سربلند کرنے کے لئے ہے تو یہ جہاد بھی شرعی ہے جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے کیا جاتا ہے (شرح سیر)

دوسرے اس لئے بھی یہ حیلہ صحیح نہیں کہ مملکت پاکستان کے علما اور عوام کی سعی برابر اس کام کے لئے جاری ہے کہ یہاں نظام اسلامی اور احکام شرعیہ جاری ہوں اور اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ ان کو انکی مساعی میں ناکام نہ فرمائیں گے۔

اس لئے عام مسلمانوں پر عموماً اور ارکان پاکستان پر خصوصاً واجب ہے کہ اول اس سلطنت کی حفاظت اور دشمنوں کی اس سے مدافعت کریں۔ پھر اس میں سعی بلیغ کریں کہ یہاں احکام اسلامیہ اور نظام شرعی جاری ہوں اور یہ کہ ان کوششوں میں وہ اپنی پوری قوت جماعتی اور انفرادی طاقتوں کو خرچ کر دیں۔ اور جیسا کہ مسلمانوں پر اس حکومت کی حمایت واجب ہے اسی طرح ارکان حکومت پر بھی فرض ہے کہ شعائر

[1] مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کا یہ خیال تھا کہ چونکہ مملکت خداداد پاکستان کے حکام فاسق و فاجر ہیں لہٰذا جہاد درست نہیں۔ (مرتب)

اسلام کو قائم کریں اور احکام اسلامیہ شرعیہ کو جاری کریں۔ اس مملکت کی جسکی بنیاد ہی کفر و اسلام کے تفرقے پر رکھی گئی ہے اور اس کے زعما کے ان وعدوں پر کہ جب ان کو آزادی مل جائیگی تو اس مملکت میں نظام قرآن اور قوانین اسلام جاری کریں گے۔ تو اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مراد پوری کر دی اور ان کا مرتبہ بلند کر دیا تو ان پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کریں اور اپنے وعدوں کو پورا کریں اور اللہ تعالیٰ کو نہ بھولیں ایسا نہ ہو کہ اللہ بھی ان کو بھلا دے جس سے ان کی دنیا و آخرت تباہ ہو جائے نعوذ باللہ من ذالک واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

شبیر احمد عثمانی

(منقول از اخبار زمیندار لاہور، ۱۷ر جون ۱۹۴۹ء)

غرض یہ ہے کہ علامہ عثمانی نے مسئلہ کشمیر پر پوری توجہ صرف کی۔ جیکب لائن کی مسجد میں ایک زبردست تقریر کے دوران مسلمانوں کو مجاہدین اور مظلومین کشمیر کی امداد کی طرف توجہ دلائی۔ زخمیوں کے علاج کے لئے طبی امداد، دواؤں اور ڈاکٹروں کے ایک وفد کو بھیجکر مظلومین کی امداد کی۔ جمرود کے ایک مجاہد کو مجاہدین کی جماعت تیار کرنے کا حکم دیا۔ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کو بنگال سے روپیہ بھیجنے کو لکھا اور انہوں نے زر خطیر بھیجا۔ خود بھی آزاد کشمیر جانے کا ارادہ کیا۔ مولانا محمد متین خطیب لکھتے ہیں:۔

"کشمیر کا مسئلہ سامنے آیا تو حضرت شیخ الاسلام اور ان کے رفقائے کار نے پورے ملک میں مسئلہ کشمیر کو اٹھایا اور قائد ملت (لیاقت علی شہید) کے ساتھ مل کر جلسوں میں شرکت کے علاوہ امدادی کاموں میں پوری تندہی اور جانفشانی سے کام کیا۔" (اخبار انقلاب کراچی اسلامیہ جمہوریہ نمبر ۲۳ر مارچ ۱۹۵۶ء)

مرکزی اسمبلی میں مسئلہ کشمیر پر علامہ عثمانی کی تقریر

پھر علامہ عثمانی نے مرکزی آئین ساز اسمبلی میں مسئلہ کشمیر کو اٹھایا اور ایک زبردست تقریر کی جس میں حکومت پر زور دیا کہ وہ مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں کی امداد اور کشمیر کے حاصل کرنے کی کوشش کرے چنانچہ آپ کی تجویز پر کشمیر کمیٹی بنائی گئی جس کا کام کشمیر کے مسائل کو سلجھانا اور مسلمانان کشمیر کی امداد کرنا تھا۔ اس کمیٹی کے صدر ڈی۔ ایم ملک اور سیکرٹری غلام محمد صاحب حاضر بنائے گئے۔

مسئلہ کشمیر کی ثالثی پر علامہ کا بیان

مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے کئی صاحبان بین الاقوامی ادارے کی طرف سے مختلف اوقات میں آتے رہے چنانچہ سب سے پہلے ثالثی کی تجویز سامنے آئی اور مسٹر نمٹز کو ثالثی کا کردار ادا کرنے کے لئے تجویز کیا گیا تو علامہ عثمانی نے حسب ذیل بیان اخباروں کو دیا۔ (واضح ہو کہ تقسیم ہند میں ریڈکلف ہمارے ساتھ بددیانتی کر چکا تھا) بیان یہ ہے:۔

مومن ایک سوراخ سے دو دفعہ نہیں ڈسا جاتا پس اگر ہم صحیح معنی میں مومن ہیں اور ہم میں ایمانی فراست

کا کوئی شائبہ موجود ہے تو مغربی اقوام کی تماشی کے اس سوراخ میں پھر ہاتھ ڈالنے کا ہرگز ارادہ نہ کریں گے جہاں سے کئی مرتبہ ہم کو سانپ بچھو کاٹ چکے ہیں اور جنکا زہر ابھی تک ہمارے جسم سے خارج نہیں ہو سکا۔ ریڈ کلف ہو یا امیر البحر نشتر ہمارے لئے سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ خدا پاکستان کو اپنی پناہ اور حفاظت میں رکھے"۔ (اخبار زمیندار ۹ر ستمبر ۱۹۴۹ء)

اب ہم آپ کی خدمت میں شیخ الاسلام علامہ عثمانی کے وہ خطوط پیش کرتے ہیں جو انہوں نے جناب مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے نام کشمیر کے جہاد کو جہاد ثابت کرنے کے لئے لکھے ہیں۔ واضح رہے کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ مولانا مودودی صاحب موصوف نے کسی شخص کے سوال کے جواب میں لکھا تھا کہ موجودہ صورت میں جبکہ حکومت پاکستان کے ذمہ داروں نے بھارت کے منہ پر معاہدہ کو منسوخ کرنے کے لئے نہیں مارا تھا بلکہ ایسا کئے بغیر فوج کے سپاہی لڑ رہے تھے لہٰذا وہ جہاد کشمیر کو جہاد کہنا اسلامی روح کے منافی سمجھتے تھے لیکن علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی اس جہاد کو جہاد اسلامی خیال کرتے تھے، چنانچہ لکھتے ہیں۔

مکتوب اول حضرت عثمانی بنام مولانا مودودی

کراچی ۷ر جولائی (۱۹۴۹ء مطابق ۱۳۶۷ھ)

محترم المقام جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب زید مجدکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ بعض احباب نے مجھے ترجمان القرآن کا وہ پرچہ دکھایا جس میں آپ نے کسی شخص کے خط کا جواب دیتے ہوئے جنگ کشمیر کے متعلق اپنے خیالات شرعی حیثیت سے ظاہر فرمائے ہیں جنگ کشمیر کے اس نازک مرحلے پر آپ کے قلم سے یہ تحریر دیکھ کر مجھے حیرت بھی ہوئی اور شدید قلق بھی ہوا۔ کیونکہ میرے نزدیک اس معاملے میں جناب سے ایسی مہلک لغزش ہوئی ہے جس سے مسلمانوں کو عظیم نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ لوگوں کا اصرار تھا کہ میں اس کے متعلق جلد از جلد اپنے تاثرات شائع کر کے ان اثرات کا حتی الامکان انسداد کرنے کی سعی کروں جو آپ کی اس تحریر سے پھیل چکے ہیں یا پھیل سکتے ہیں لیکن میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ یہ معاملہ اخبارات میں آئے۔ بہتر صورت یہ نظر آئی کہ اپنے خیالات کو مع ان دلائل کے جن پر وہ مبنی ہیں منضبط کر کے آپ کی خدمت میں بھیجدوں اور آپ سے توقع رکھوں کہ جیسا آپ نے اس مضمون میں خود تحریر فرما دیا ہے کہ "خدا کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سنت ہی سے یہ ثابت کر دیا جائے کہ میری تحقیق غلط ہے۔۔۔ تو اس کے بعد ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی رائے پر اصرار کرنا میں گناہ عظیم سمجھتا ہوں" آپ اپنی اس تحریر سے رجوع فرمالیں گے اور اس سے بلا ارادہ جو نقصان عظیم مسلمانوں کے اس اہم مقصد کو پہنچ رہا ہے اس کی کماحقہٗ تلافی کی سعی فرمائیں گے۔

ان ہی خیالات کے تحت میں نے اخبارات میں بیان دینے سے احتراز کرتے ہوئے اپنے ایک رفیق کو ماہ صیام میں خاص اسی مقصد کے لئے سفر کی زحمت دی تا کہ وہ آپ تک میرا یہ مراسلہ پہنچا دیں اور اس معاملے میں زبانی بھی گفتگو کریں۔ میں اللہ پاک سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمارے دلوں کو جذبۂ سخن پروری سے پاک اور ہمارے سینوں کو قبول حق کے لئے کشادہ رکھے۔ آمین۔

آپ کے مضمون کا نصف اول جوش حق پرستی و حق گوئی اور جذبۂ اتباع کتاب و سنت کے اظہار پر مشتمل ہے بلاشبہ یہ انتہائی قابل قدر جذبہ ہے، اللہ پاک ہر مسلمان کو اس جذبے سے سرشار رکھے۔

جہاں تک نفس مسئلہ کا تعلق ہے، آپ کا خیال ہے کہ مسلمانان پاکستان کے حق میں کشمیر کی یہ جنگ اسلامی جہاد کا حکم نہیں رکھتی کیونکہ حکومت ہند اور حکومت پاکستان کے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے اور مملکت پاکستان کے باشندے اس معاہدے کا احترام کرنے پر شرعاً مکلف ہیں۔ اب اگر وہ اس جنگ میں حصہ لیں تو یہ اس معاہدہ کی خلاف ورزی ہوگی۔ کاش اس موقع پر آپ مولہ معاہدہ کی متعلقہ دفعات بھی نقل فرما دیتے تو بہت اچھا ہوتا۔

خط لکھنے والے کی اس دلیل کے جواب میں کہ دوسرا فریق اس معاہدہ کو جونا گڑھ وغیرہ میں علانیہ توڑ چکا ہے اب پاکستان پر اس کی پابندی کیونکر باقی رہتی ہے آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "اسلام نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ یا تو کسی قوم سے معاہدہ نہ کرو یا اگر معاہدہ کرتے ہو تو پھر پوری ایمانداری کے ساتھ اس کی پابندی کرو اور جب دیکھو کہ فریق ثانی اپنے معاہدوں کی خلاف ورزی کر رہا ہے تو اس کے معاہدہ کو کھلم کھلا اس کے منہ پر مار دو، پھر تم آزاد ہو کر اس کے خلاف جو کارروائی چاہو کرو۔ وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ۝ (اور اگر کسی قوم سے تم کو خیانت کا اندیشہ ہو تو برابری کے ساتھ ان کا عہد ان کی طرف پھینک دو یعنی اس طرح کہ سب کو معلوم ہو جائے کہ تمہارا اور ان کا معاہدہ باقی نہیں رہا ہے۔۔۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ خائنوں کو پسند نہیں کرتا۔" سخت حیرت ہے کہ آیت بالا کے الفاظ اور خود اپنے لکھے ہوئے ترجمے پر بھی آپ نے غور نہ فرمایا ورنہ ادنیٰ تامل سے واضح ہو جاتا کہ مسئلہ زیر بحث سے اس آیت کا کوئی تعلق ہی نہیں۔ اس آیت میں تو اس قوم کا ذکر ہے جس کے ساتھ معاہدہ تھا اور ہنوز انہوں نے اس کی صریح خلاف ورزی نہیں کی۔ مگر آثار و قرائن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ غدر اور عہد شکنی کرنے والے ہیں، یعنی فی الحال خیانت نہیں کی، البتہ قوی اندیشہ ہے کہ خیانت کریں تو ایسی حالت میں مسلمانوں کے لئے احتیاط و تیقظ کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنی طرف سے "نبذ علی السواء" کر کے معاملے کو صاف کر دیں۔

رہی وہ قوم جو معاہدہ کے بعد اس میں علانیہ خیانت کر چکی اور اپنے عمل سے عہد کو توڑ چکی اس کا حکم آیت مذکورہ میں بیان نہیں ہوا۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ معاہدہ کا تحقق دو فریق کے درمیان دونوں طرف

سے ہوتا ہے جب ایک فریق نے اس کی صریح خلاف ورزی کرلی تو صرف ایک جانب سے معاہدہ کا کوئی مطلب ہی نہیں اسی وقت اس کا وجود ختم ہوچکا۔ اس لئے اب "نبذ" کس چیز کا کیا جائے؟

دیکھئے صلح حدیبیہ میں جو معاہدہ قریش کے ساتھ دس برس کے لئے ہوا تھا۔ دو برس کے اندر ہی قریش نے اس کی بالواسطہ خلاف ورزی کی، بنی خزاعہ جو مسلمانوں کے حلیف تھے ان کے مقابلے پر قریش اپنے حلفاء بنی بکر کی مدد کو آئے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "نبذ عہد" کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی۔ بلکہ آپ نے نہایت خاموشی اور اخفا کے ساتھ قریش پر حملہ کی تیاری شروع کردی۔ آپ کا منشاء مبارک یہ تھا کہ اچانک دشمن کے سر پر پہنچ جائیں۔ تاکہ اس کو تیاری کا زیادہ موقع نہ ملے اور اس طرح خونریزی زیادہ نہ ہو۔ اسی سلسلہ میں حاطب بن ابی بلتعہ کی جاسوسی کا قصہ پیش آگیا جو کتب حدیث میں مشہور ہے اور جس پر سورۃ ممتحنہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ بہرحال فتح مکہ کا قصہ اس دعوے پر صاف حجت ہے کہ جب ایک فریق معاہدہ توڑ ڈالے تو دوسرا فریق فوراً آزاد ہو جاتا ہے کہ جو کارروائی چاہے کرے نہ اس میں کوئی دھوکہ ہے نہ فریب اور نہ یہ کوئی سیاسی اخلاق ہے بلکہ پیغمبرانہ کردار ہے جس پر عقل و دیانت کوئی حرف گیری نہیں کرسکتی۔ "نبذ عہد" کی ضرورت تو اسی لئے تھی کہ فریق ثانی معاہدہ کو باقی سمجھ کر غفلت میں نہ رہے مگر جب اس نے دیدہ و دانستہ از خود معاہدے کا وجود ختم کردیا تو پھر دوسری جانب اس کی پابندی کا انتظار کرنے کے کیا معنی ہیں؟

اس موقع پر یہ واضح رہنا چاہئے کہ مکہ ۸ھ میں فتح کرلیا گیا تھا اور سورۃ براۃ کی ابتدائی آیات کا اعلان ۹ھ میں ہوا۔ فتح مکہ سے پہلے ایک حرف "نبذ عہد" یا براۃ کا منقول نہیں۔

سائل کے جواب میں آگے چل کر آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "آپ کا یہ استدلال بھی صحیح نہیں ہے کہ حکومتوں کے باہمی معاہدات کے باوجود ہمارے افراد اپنی ضمیر کی آواز کے مطابق سرحد پار کی کسی جنگ میں رضاکارانہ حصہ لے سکتے ہیں آپ اس طرز عمل کے لئے بین الاقوامی دستور کو حجت میں پیش کرتے ہیں مگر ہمارا کام کسی بین الاقوامی دستور کی پیروی کرنا نہیں ہے۔ بلکہ اگر ہم مسلمان ہیں تو ہمیں صرف قرآن کی پیروی کرنا چاہئے۔ قرآن کی رو سے ہمارے ہر فرد پر ان معاہدات کی پابندی واجب ہے جو ہم نے قومی حیثیت سے کسی کے ساتھ کئے ہیں۔"

میں عرض کرتا ہوں کہ بے شک قومی معاہدات کی پابندی ہر فرد پر واجب ہے مگر انہیں چیزوں میں جن پر معاہدہ ہوا ہے، جب فریقین جانتے ہیں اور ساری دنیا جانتی ہے کہ معاہدے کے ماتحت یہ چیز آتی ہی نہیں کہ ایک فریق کے افراد رضاکارانہ طور پر کسی جنگ میں اپنے ضمیر کی آواز پر شریک ہوں تو ایسے کام سے معاہدہ کی خلاف ورزی کیونکر ہوئی، بین الاقوامی دستور کو یہاں کسی چیز کا جواز ثابت کرنے کے لئے پیش نہیں کیا جارہا ہے بلکہ معاہدے کے مفہوم کا صحیح تجزیہ بتلانے کے لئے اس کا حوالہ دیا گیا ہے یعنی بین الاقوامی دستور جو فریقین کو پہلے سے مسلم ہے معاہدے کے الفاظ کا مطلب اسی کی روشنی میں لیا جائیگا۔ کیونکہ عرفاً اس کا مطلب وہی سمجھا جاتا ہے لہٰذا افراد کی مذکورہ بالا رضاکارانہ جنگ معاہدے کے تحت میں شروع سے داخل ہی نہیں تھی۔ پھر خلاف ورزی کے کیا معنے؟ الحاصل جو چیزیں معاہدے کے الفاظ سے فریقین کے نزدیک مراد ہیں ان کی پابندی بے شک حکومت اور افراد سب کے ذمہ ہے۔ ہاں اگر ایک فریق معاہدہ کو اپنے عمل سے توڑ ڈالتا ہے تو دوسرے فریق پر سے خود بخود اس کی پابندی ختم ہوجاتی ہے اس صورت میں شرعاً "نبذ" کی اصلاً ضرورت نہیں رہتی۔ انڈیا میں مسلمانوں کا جو قتل عام ہوا وہ بھی معاہدات کے خلاف تھا کیونکہ دونوں فریق اقلیتوں کے تحفظ کے پابند تھے۔ اگر اس کے جواب میں پاکستان بدون "نبذ علی السواء" کے انڈیا کے مسلمانوں کی مدد کرتا تو یہ بھی غدر اور نقض عہد نہ ہوتا نہ سورۃ انفال کی آیت "وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قوم بینکم و بینہم میثاق" کی خلاف ورزی ہوتی کیونکہ فریق ثانی نے میثاق باقی ہی نہیں چھوڑا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ پاکستان ایسا نہ کرسکا یا اس نے ایسا نہ کرنا چاہا۔

میں سمجھتا ہوں کہ سطور بالا میں از روئے کتاب و سنت اس حقیقت کی کافی وضاحت ہوگئی ہے کہ فریق ثانی کی طرف سے علانیہ اور صریح نقض عہد کے بعد مسلمانوں کے لئے نبذ عہد کی قطعاً ضرورت نہیں رہتی اور وہ آزاد ہوتے ہیں کہ اس فریق کے خلاف کارروائی کرنا چاہیں تو کریں۔ نیز یہ کہ اب تک دونوں مملکتوں کے نزدیک بین الاقوامی قوانین کو مسلم حیثیت حاصل ہے اور جو کچھ بھی معاہدات وغیرہ ہوتے ہیں ان کا مفہوم لازماً انہی قوانین کی روشنی میں متعین ہوگا۔ لہٰذا جس وقت تک یہ صورت باقی رہتی ہے۔ فریقین اسی مفہوم کی حد تک معاہدات کے پابند ہیں۔ جو مسلمہ بین الاقوامی قوانین کی رو سے متعین ہوتا ہے اور جو معاہدہ کرتے وقت یکساں طور پر فریقین کے ذہنوں میں موجود تھا۔

میں اس مراسلہ کو ختم کرتے ہوئے آپ کی خدمت میں مخلصانہ عرض کرتا ہوں کہ اگرچہ آپ کی نیت مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی نہیں ہوسکتی تاہم آپ کی تحریر سے سخت نقصان پہنچ رہا ہے اسے مجاہدین آزاد کشمیر میں خوب پھیلایا جارہا ہے مفسد عناصر اپنے ناپاک اغراض کے لئے اسے بہت اچھال رہے ہیں اگر معاملہ صرف نظری اور علمی اختلاف کی حیثیت کا ہوتا تو اور بات تھی مگر یہاں صورت دوسری ہے اگر اس تحریر کی وجہ سے مجاہدین اسلام کسی تذبذب میں پڑ گئے اور اس مقدس مقصد کو کسی قسم کا ضعف یا ضرر پہنچا جس کی طرف قرآن پاک نے آیۃ "وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ہذہ القریۃ الظالم اہلہا واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا" میں آمادہ کیا ہے تو اس کے وبال سے ڈرنا چاہئے۔

مجھے قوی امید ہے کہ آپ ٹھنڈے دل و دماغ سے مذکورہ بالا دلائل پر غور فرمائیں گے اور اس نقصان

کی کیا حقہ تلافی کرنے کی کوشش کریں گے جو آپ کی اس تحریر سے مسلمانوں کو پہنچ رہا ہے یا پہنچ سکتا ہے۔

والسلام (دستخط) شبیر احمد عثمانی
(نشان راہ کراچی ۲۲ ستمبر ۱۹۴۸ء صفحہ ۹ تا ۱۱)

مکتوب مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی بنام مولانا شبیر احمد عثمانی

۱۳ جولائی ۱۹۴۸ء

اچھرہ - لاہور

مخدوم و محترم جناب مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دام ظلکم العالی - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ مورخہ ۷ جولائی ۱۹۴۸ء ظفر احمد انصاری صاحب کے ذریعے ملا۔ میں نے کشمیر کے معاملہ میں رائے کا اظہار کیا ہے مجھے اس پر کوئی خوشی نہیں ہے بلکہ میری دلی خواہش ہے کہ کسی طرح میری وہ رائے غلط ثابت ہو جائے اور میں مسلمانانِ پاکستان سے یہ کہہ سکوں کہ تمہارے لئے اپنے کشمیری بھائیوں کی جنگی امداد کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اسی امید کے ساتھ میں نے جناب کے گرامی نامہ کو بھی پڑھا اور دو دن مسلسل اس پر غور کرتا رہا کہ شاید اس میں کوئی دلیل ایسی مل جائے جس کی بناء پر میں اپنی رائے سے رجوع کر سکوں لیکن مجھے افسوس ہے کہ جناب کے ارشادات سے بھی میرا اطمینان نہ ہو سکا۔ اب میں واضح طور پر پوری صورت مسئلہ جیسی کہ میں سمجھ رہا ہوں جناب کے ملاحظہ کے لئے نمبروار پیش کرتا ہوں اور استدعا کرتا ہوں کہ براہِ کرم اس پر روشنی ڈال کر مجھے یا تو بتائیں کہ مسئلہ کی اصل صورت یہ نہیں ہے یا پھر یہ ارشاد فرمائیں کہ اس صورت میں فلاں دلیل سے جنگی امداد شرعاً جائز ہے

(۱) یہ امر واقعہ ہے کہ پاکستان کی موجودہ حکومت مسلمانانِ پاکستان کے اپنے منتخب کئے ہوئے نمائندوں پر مشتمل ہے اور خصوصاً اس حکومت کے گورنر جنرل کو کم از کم ۹۹ فیصدی مسلمانوں کا اعتماد حاصل ہے لہٰذا کسی بیرونی قوم کے ساتھ جو معاہدات یہ حکومت طے کرے وہ دراصل ہماری قوم کی طرف سے وکالتاً طے ہوں گے اور ہم سب شرعاً و اخلاقاً خدا اور خلق کے سامنے انہیں وفا کرنے کے ذمہ دار ہوں گے جب تک ان لوگوں کو قوم کی نمائندگی کا منصب حاصل ہے ہمارے افراد کو انفرادی طور پر ان کے کئے ہوئے معاہدات کی ذمہ داری سے بری ہو جانے کا حق نہیں ہے۔

(۲) یہ بھی واقعہ ہے کہ پاکستان اور ہندوستان کی الگ مملکتوں کا قیام ایک ایسے سمجھوتے سے عمل میں آیا جو برطانوی حکومت کے توسط سے دونوں طرف کے نمائندوں نے قبول کر لیا تھا اس کے بعد دونوں مملکتوں کے درمیان روز اول سے سفارتی تعلقات قائم ہیں اور لین دین تجارت اور دوسرے امور کے متعلق تمام معاملات باہمی گفت و شنید سے طے ہوتے رہتے ہیں انہی تعلقات کو میں معاہدانہ تعلقات سے تعبیر کرتا ہوں اور دو حکومتوں کے درمیان معاہدانہ تعلقات میں یہ بات آپ سے آپ شامل ہے کہ ان کے درمیان جنگ نہیں ہے خواہ عدم محاربہ کا صریح معاہدہ باہم ہوا ہو یا نہ ہوا ہو پھر یہ بات اب سے تین ہی مہینے پہلے اپریل ۱۹۴۸ء کے میثاق کلکتہ میں صاف صاف واضح بھی کر دی گئی ہے چنانچہ اس کی دفعہ ۵ ضمن ۳ میں دونوں حکومتوں کے درمیان طے ہوا ہے کہ وہ اپنے اپنے ملک کے اخبار نویسوں کو ایسی باتیں شائع کرنے سے روک دیں گی جن سے یہ بات نکلتی ہو کہ ایک مملکت دوسری مملکت کے خلاف اعلان جنگ کرے یا دونوں کے درمیان جنگ ناگزیر ہو چکی ہے" کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ دونوں کے درمیان کم از کم مسالمت اور عدم محاربہ کا میثاق ضرور ہے؟

(۳) جو ناگڑھ میں سمجھوتہ کی جو خلاف ورزی کی گئی ہے اور دوسری بدعہدیاں جن کا ارتکاب حکومت ہند نے کیا ہے ان کو پاکستان کی حکومت نے خود کبھی اس درجہ کی بدعہدی قرار نہیں دیا کہ اس کے بعد معاہدانہ تعلقات ختم ہو جاتے ان تمام بدعہدیوں کے باوجود دونوں میں سفارتی تعلقات بھی رہے لین دین اور خرید و فروخت کے معاملات بھی طے ہوتے رہے اور اپریل ۱۹۴۸ء میں میثاق کلکتہ پر ان واقعات کے بعد دستخط بھی ثبت کئے گئے پھر ان معاہدانہ تعلقات کو برقرار رکھتے ہوئے تجارتی سمجھوتوں کے ذریعہ کوئلہ، شکر، کپڑا اور دوسری چیزیں جو ہندوستان سے آج تک لی جا رہی ہیں ان کو پاکستان کی آبادی قبول بھی کر رہی ہے۔ اب آپ یہ کیسے فرما سکتے ہیں کہ فریق ثانی کی طرف سے معاہدات توڑے جا چکے ہیں لہٰذا ہم اس کے خلاف جنگی کارروائی کے لئے آزاد ہیں اس کی عہد شکنی کو تو ہماری قوم کے نمائندوں نے اور خود قوم نے بحیثیت مجموعی آج تک بھی قطع علائق کا ہم معنیٰ قرار نہیں دیا ہے اسی بنا پر میں کہتا ہوں کہ اب اگر ہم عہد شکنی کے ان واقعات کو "خیانت" کی علامت قرار دے کر جنگی کارروائی کرنا چاہتے ہیں تو "نبذ علیٰ سواء" ضروری ہے۔

(۴) میں تسلیم کرتا ہوں کہ ایک فریق جب عہد توڑ دے تو دوسرا فریق اس عہد کی پابندی سے آزاد ہو جاتا ہے اور اس صورت میں فانبذ الیہم علیٰ سواء کا حکم نہیں ہے اس کی صریح دلیل وہی ہے جو آپ نے نقل فرمائی ہے یعنی خزاعہ کے معاملہ میں قریش کی عہد شکنی پر نبی صلعم کا بلا اطلاع مکہ پر حملہ کر دینا لیکن اگر فتح مکہ کا پورا واقعہ جناب کے پیش نظر ہے تو جناب یہ تسلیم کریں گے کہ فریق ثانی کے نقض عہد کی وجہ سے جب ہم اپنے آپ کو معاہدانہ تعلقات سے آزاد سمجھ لیں تو پھر یا تو ہمیں کھلی کھلی جنگی کارروائی کرنی چاہئے یا کم از کم قطع تعلق ضرور کرنا چاہئے جناب کو یاد ہوگا کہ بنی خزاعہ کے ساتھ عہد شکنی کرنے کے بعد جب قریش نے ابوسفیان کو تجدید عہد کے لئے مدینے بھیجا تھا تو نبی صلعم نے انہیں کوئی جواب نہیں دیا تھا حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ نے سفارش سے صاف صاف انکار کر دیا تھا اور قریش پر یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ اسلامی حکومت اب ان کے ساتھ معاہدانہ تعلقات کو ختم سمجھتی ہے اس نظیر کو سامنے رکھتے ہوئے جناب مجھے بتائیں کہ آخر اس طرز عمل

کے لئے ہمارے پاس کیا دلیل ہے کہ ایک طرف تو ہم فریق ثانی کی عہد شکنیوں کو حجت قرار دے کر اپنے آپکو جنگی
کارروائی کے لئے آزاد سمجھیں اور دوسری طرف ہمارے نمائندے اس کو برابر یقین دلاتے چلے جائیں کہ ہمارے
اور اس کے درمیان تعلقات برقرار ہیں اور ہم خود بھی تعلقات کی اس برقراری کے تجارتی فوائد کو قبول کرتے رہیں؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے اگر ہم استدلال کرتے ہیں تو ہمیں آپکے پورے عمل کو دلیل بنانا چاہئے حضور نے یہ طریقہ
تو اختیار نہیں فرمایا تھا کہ خود تو قریش کے ساتھ مصالحانہ ربط و ضبط رکھ کر سطح پر یہ نمائش کرتے رہیں کہ ہمارے اور تمہارے
درمیان جنگ نہیں ہے اور چپکے چپکے مسلمانوں کو یہ اشارہ کر دیں کہ جاؤ قریش کے خلاف جنگی کارروائیاں کرو،
کیونکہ وہ عہد توڑ چکے ہیں۔

(۵) جہاں تک مجھے علم ہے شرعی مسئلہ یہی ہے کہ جب کسی قوم کے ساتھ مسلمان من حیثیت القوم مسالمت
کرلیں تو جب تک مسالمت برقرار ہے وہ قوم مسلمانوں کے لئے "مباح الدم والاموال" نہیں ہوتی اور ظاہر بات
ہے کہ جنگی کارروائی جان و مال کو مباح کئے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اس بناء پر میں اب بھی یہی رائے رکھتا ہوں کہ ایک معاہد
یا مسالم قوم کے خلاف کسی جنگ میں حصہ لینا ہمارے افراد کے لئے جائز نہیں ہے خواہ موجودہ زمانے کے بین الاقوامی
قوانین اس کو جائز رکھتے ہوں بین الاقوامی قانون میں بھی اس فعل کا جواز اس معنی میں نہیں ہے کہ ایک قوم کے
افراد اپنی قومی حکومت کے کئے ہوئے معاہدات میں اخلاقاً شریک نہیں ہیں اور ان کی اخلاقی ذمہ داری سے بری ہیں
بلکہ وہ صرف اس معنی میں ہے کہ ایک معاہد قوم کے افراد اگر اپنی ذمہ داری پر دوسری معاہد قوم کے خلاف جنگ
میں حصہ لیں تو ان کا یہ فعل قوموں کے درمیان نقض معاہدہ کا ہم معنی نہیں ہو گا اسی بنا پر آج کی حکومتیں ایسے انفرادی
افعال پر کوئی معاندانہ کارروائی تو نہیں کرتیں مگر احتجاج ضرور کرتی ہیں اور یہ مطالبہ بھی کرتی ہیں کہ اپنے آدمیوں کو ہمارے
خلاف جنگی کارروائیاں کرنے سے منع کرو۔ پس بین الاقوامی معاہدات میں جو چیز عرفاً شامل ہے وہ اس سے زیادہ
کچھ نہیں ہے کہ قومی معاہدات کی انفرادی خلاف ورزی قومی پیمانے پر نقض عہد نہیں سمجھی جائے گی اس قانونی پوزیشن
کو نگاہ میں رکھ کر آپ فتویٰ دیں کہ آیا عرف اس کیلئے کافی ہے کہ ہمارے افراد شرعاً اس قوم کے خون اور مال کو مباح
کرلیں جس کے ساتھ ہماری قوم نے مسالمت کر رکھی ہے؟ میں دو دن تک اس مسئلہ پر غور کرتا رہا ہوں اور ابھی تک
مجھے اطمینان نہیں ہوا ہے کہ یہ عرف اس اباحت کے لئے کافی ہے لیکن اگر آپ ذمہ دارانہ طریق پر تحقیق فرما کر یہ
فتویٰ دیں گے تو میں آپ کے علم پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی توثیق کر دوں گا۔

جب تک آپ امور مذکورہ بالا میں مجھے مطمئن نہ فرمائیں میں اپنی اس رائے پر قائم ہوں کہ ہم کشمیر کے مسلمانوں
کو سردست کوئی جنگی مدد نہیں دے سکتے اسکے معنی یہ نہیں کہ میرے نزدیک وہ مدد کے مستحق نہیں ہیں۔ حاشا و کلا
میں تو دل سے یہ چاہتا ہوں کہ ان کو بچانے کے لئے کچھ کیا جائے لیکن میرے نزدیک اس کی صحیح شرعی صورت
یہ ہے کہ حکومت پاکستان حکومت ہند سے معاہدانہ تعلقات ختم کر دے پھر خواہ وہ کشمیر میں جنگی کارروائی کرے یا نہ
کرے ہم اپنے بھائیوں کی مدد کے لئے آزاد ہو جائیں گے مگر جب تک ایسا نہیں ہوتا ہم آزاد کشمیر کے مسلمانوں کو

روپے کپڑے اور غلے سے مدد دے سکتے ہیں وہ اسلحہ خریدنا چاہیں تو ہم وہ بھی ان کے ہاتھ بیچ سکتے ہیں وہ دوائیں اور
مرہم پٹی کا سامان اور ڈاکٹر اور تیماردار بھیج سکتے ہیں لیکن خود لڑنے کے لئے وہاں نہیں جا سکتے البتہ اس پابندی سے
آزاد قبائل کے وہ لوگ آزاد ہیں جنہوں نے ابھی تک پاکستان کی شہریت قبول نہیں کی ہے۔

خاکسار
(دستخط) ابوالاعلیٰ

مکتوب مولانا شبیر احمد عثمانی بنام مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی

کراچی ۸ / اگست ۱۹۴۸ء

کرم فرمائے محترم جناب مولانا مودودی صاحب دامت مکارمہم

بعد سلام مسنون آنکہ گرامی نامہ مورخہ یکم اگست ۴۸ء کو ملا مسٹر ظفر احمد انصاری کا بھی کل پہنچے ہیں۔ شدید
انتظار کے بعد مایوسی کے قریب پہنچ چکا تھا کہ آپ کا نوازش نامہ ملا۔ جہاد کشمیر کے بارے میں میرے خیالات
کا خلاصہ یہ ہے کہ

(۱) ایک معاہدہ انڈیا یونین اور پاکستان میں ہوا کہ ایک حکومت دوسری حکومت کے مقابلہ میں جنگ نہیں کریگی۔
(۲) اس معاہدے کے الفاظ کا مطلب وہی لیا جائے گا جو دونوں فریقین نے ان سے ارادہ کیا ہے
اور جسے عرفاً فریقین اس قسم کے معاہدے سے سمجھ سکتے ہیں۔
(۳) اس زمانہ میں عرف عام یہی ہے اور یہی مطلب فریقین سمجھتے ہیں کہ کسی فریق کے افراد کی رضاکارانہ جنگ
ایسے معاہدے کے تحت میں نہیں آتی۔ ظاہر ہے کہ افراد کی رضاکارانہ جنگ سے بھی "اراقۃ دم"
اور اہلاک انفس و اموال" اسی طرح واقع ہو گا جیسے دو حکومتوں کی جنگ سے ہوتا ہے۔ اس بات کو
جانتے ہوئے اور یہ سمجھتے ہوئے کہ معاہدہ کا مقصد "عصمت دماء و اموال" ہے، فریقین کا اس چیز کو خارج
از معاہدہ سمجھنا اس کی دلیل ہے کہ معاہدہ کو اس صورت حال پر مقصور رہنا چاہیئے جو حکومتوں کے درمیان
من حیثیت الحکومت جنگ کرنے سے پیدا ہوتی ہے لہٰذا انڈین یونین اور پاکستان کے درمیان معاہدہ مذکور
کو باقی مانتے ہوئے بھی پاکستان کے افراد کا جنگ کشمیر میں حصہ معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں۔

دوسری بحث یہ ہے کہ آیا انڈین یونین کے بار بار اور صریح نقض عہد کے بعد معاہدہ مذکور شرعاً
باقی بھی رہا یا نہیں؟ اور اس صورت میں "نبذ علی السواء" کی ضرورت ہے یا نہیں؟

میں پورے وثوق سے یہ سمجھتا ہوں اور جناب کے حالیہ گرامی نامہ سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ
کے نزدیک بھی ایسی صورت میں معاہدہ قائم نہیں رہتا۔ کیونکہ معاہدہ کا تعلق فریقین سے ہے فقط ایک
طرف سے معاہدہ کا تقوم ہو ہی نہیں سکتا بنا بریں "نبذ علی السواء" کی ضرورت نہیں رہتی۔ جیسا فتح مکہ
کے قصہ میں ہوا۔ ہاں! آپ کو خلجان یہ ہے کہ اگر پاکستان جوناگڈھ وغیرہ کے واقعات سے یہ سمجھ لیتا
کہ ہمارا معاہدہ ختم ہو چکا ہے تو وہ تا ایندم انڈیا کے ساتھ ایسے معاملات نہ کرتا رہتا جو عموماً دو متحارب

قوموں میں نہیں ہوا کرتے۔

میں کہتا ہوں کہ پاکستان کے ارباب حکومت نے اگر بعض معاملات میں غلط روش اختیار کرلی تو اس سے شرعی مسئلہ بدل نہیں جاتا اور نہ وہ ٹوٹا ہوا معاہدہ ان معاملات سے جُڑ سکتا ہے جبتک از سر نو دوسرا معاہدہ نہ کیا جائے۔

ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ انڈین یونین کے علانیہ نقض عہد کے بعد حکومت پاکستان کا ایسا معاہدہ کرنا اس کی کمزوری یا احکام اسلام سے بے خبری و لاپرواہی کا ثبوت ہے یا زیادہ سے زیادہ فریق ثانی کے صریح نقض عہد کے باوجود دھوکہ بازی، قول و فعل کے اختلاف اور تضاد بیانی کو دیکھتے ہوئے پاکستان کی جانب سے اسے ایک قسم کا "جوابی مخادعہ" کہہ سکتے ہیں۔ یہ جوابی مخادعہ جائز ہے یا ناجائز، اس سے بحث نہیں اسے خواہ کتنا ہی مذموم سمجھا جائے تاہم شرعی مسئلہ اپنی جگہ پر قائم رہے گا۔ جو چیز شرعاً غلط ثابت ہو چکی وہ کسی حکومت کے طرز عمل سے صحیح ثابت نہیں ہو جائے گی اور اب تو آپ نے اخبارات میں یہ بھی پڑھ لیا ہوگا کہ پاکستان نے کشمیر کمیشن کے سامنے اعتراف کر لیا ہے کہ اس کی فوجیں بے شک جنگ میں حصہ لے رہی ہیں جس سے ثابت ہوا کہ وہ انڈیا کے عمل کے پیش نظر اپنے کو بھی معاہدہ کا پابند نہیں سمجھتا جو اصول شرع کے مطابق بالکل صحیح ہے۔

رہا میثاق کلکتہ سو وہ صرف اخبار نویسوں کو ایک ہدایت دینے کے متعلق ہے جس پر شاید انڈیا کے اخبارات کی طرف سے ایک مرتبہ بھی عمل نہیں ہوا۔ خود انڈین یونین کے بڑے بڑے ذمہ دار برابر ایسی ایسی تقریریں کر رہے ہیں جو صریح اس معاہدے کے خلاف ہیں۔

آپ کا یہ ارشاد بالکل درست ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو لیا جائے تو پورا لینا چاہیے۔ بلاشبہ ایک مومن کی شان یہی ہونی چاہیے کہ حضور کے پورے اسوہ پر عمل اور تمام احکام اسلام کا پورا پابند ہو۔ لیکن اگر جہل یا حماقت سے کسی نے اس میں کوتاہی کی تو وہ قابل ملامت تو ہو سکتا ہے پر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ اس کے طرز عمل سے اسلام کا کوئی حکم بدل جائے گا یا اگر کوئی صحیح عمل کرے تو وہ بھی ضبط ہو جائے گا۔

بہر حال میں نے پہلے عریضہ میں جو کچھ عرض کیا تھا وہ اپنی علمی بضاعت کے موافق پورے غور و فکر کے بعد عرض کیا تھا۔ آپ کو مطمئن کر دینا میری قدرت سے باہر ہے۔ باقی آپ کی نیت پر مجھے آجتک کبھی بدگمانی نہیں ہوئی۔ امید ہے کہ آپ کے گرامی نامہ میں جو امور نمبروار درج ہیں ان سب کا جواب مختصراً عریضہ ہذا میں آگیا ہے۔ آپ سے خطاب کرتے ہوئے مزید تطویل کی ضرورت نہیں۔ واللہ الموفق لا رب غیرہ۔

ہاں ایک بات اب یاد آئی وہ جو آپ نے تجدید عہد کی غرض سے ابوسفیان کے آنے کا ذکر کیا ہے اس سے تو بداہتہً یہ ثابت ہوتا ہے کہ محض ایک فریق کے نقض عہد سے معاہدہ کا ختم ہو جانا ایک ایسا مسلّم مسئلہ ہے کہ جس پر اس زمانہ کے مسلم اور کافر سب متفق تھے اور اندریں صورت "نبذ علی السواء" کی ضرورت بھی نہیں سمجھتے تھے۔ اسی طرح پاکستان اور انڈین یونین کو بھی سمجھنا چاہیے تھا لیکن مغربیت کے زور امانت کے فقدان نے معاہدات کی کوئی قیمت باقی ہی نہیں رکھی جو ان سے متعلق مسائل کے سمجھنے پر کوئی دھیان دیا جائے۔ تاہم کوئی دھیان دے یا نہ دے مسئلہ اور حکم وہ رہے گا جو عہد رسالت کے مسلمان اور کافر سب بالاتفاق سمجھتے تھے۔

اسی سلسلہ میں غالباً یہ بھی یاد ہوگا کہ جب ابوسفیان مکہ میں واپس پہنچے اور جو کچھ مدینے میں گذری تھی اسے بیان کیا تو قریش نے کہا کہ یہ تو تم نے کچھ نہ کیا نہ جنگ کی صورت متعین ہوئی نہ صلح کی ہم تو اس سے کچھ بھی نہ سمجھ پائے۔ اب اس سے ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء کا طرز عمل ایسا تھا جس سے ابوسفیان اور قریش ابہام میں مبتلا ہو گئے اور بات صاف نہیں کی گئی۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم — (دستخط) شبیر احمد عثمانی۔ ۹ ر اگست ۱۹۴۸ء

(نشان راہ کراچی ۲ ر ستمبر ۱۹۴۸ء صفحہ ۱۳-۱۴)

مکتوب مولانا ابوالاعلیٰ مودودی بنام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی

لاہور ۱۰ ر ستمبر ۱۹۴۸ء

مخدوم و محترم جناب مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دامت معالیکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ عنایت نامہ مورخہ ۹ ر اگست کا جواب بڑی تاخیر سے دے رہا ہوں اور اس کے لئے معافی خواہ ہوں۔

دراصل آپ کے اس عنایت نامہ کو دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یہ مراسلت کچھ لاحاصل سی ہے اسی بناء پر مجھے جواب دینے میں تامل تھا۔

آپ نے اپنے فقرات نمبر ۱-۲-۳-۴ میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اسکو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ وہ بنیادی نکتہ آپ کی توجہ سے بالکل محروم ہی رہ گیا جو میں نے اپنے پچھلے نیاز نامہ کے فقرہ نمبر ۲ میں پیش کیا تھا حالانکہ اس معاملہ میں مدار بحث وہی تھا میں نے عرض کیا تھا کہ بین الاقوامی قانون میں کبھی اس فعل (یعنی معاہد قوم کے خلاف افراد کی رضاکارانہ جنگ) کا جواز اس معنی میں نہیں ہے کہ ایک قوم کے افراد اپنی قومی حکومت کے کئے ہوئے معاہدات میں اخلاقاً شریک نہیں ہیں اور ان کی اخلاقی ذمہ داری سے بری ہیں بلکہ وہ صرف اس معنی میں ہیں کہ ایک معاہد قوم کے افراد اگر ذاتی ذمہ داری پر دوسری معاہد قوم کے افراد کے خلاف جنگ میں حصہ لیں تو ان کا یہ فعل قوموں کے درمیان نقض معاہدہ کا ہم معنی نہیں ہوتا ہے اور بس بین الاقوامی معاہدات میں جو چیز عرفاً شامل ہے وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ قومی معاہدات کی

خلاف ورزی قومی پیمانے پر نقض عہد نہیں سمجھی جائے گی۔"

یہ اس عرف عام کی اصل حقیقت ہے جسے آپ حجت قرار دے کر اس رضاکارانہ جنگ کو شرعاً جائز قرار دے رہے ہیں۔ اب یا تو آپ یہ فرمائیں کہ اس عرف کی یہ حقیقت ہے ہی نہیں یا پھر یہ فرمائیں کہ اس حقیقت کے باوجود یہ عرف شرعاً اس بات کے لئے کافی ہے کہ ایک مسلمان خود اپنی قومی حکومت کے معاہدات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایک معاہد قوم کے خلاف جنگ کرے اگر پہلی صورت ہے تو میری غلطی مجھ پر واضح کر دی جائے میں اسے تسلیم کرنے میں تامل نہ کروں گا۔ اگر دوسری بات ہے تو آپ اپنی ذمہ داری پر اس مسئلہ کی صراحت کرتے ہوئے فتویٰ دیں، میں اس کے مقابلے میں اپنی رائے واپس لے لونگا۔

(۲) دوسری بحث نقض عہد سے متعلق ہے۔ اس معاملہ میں اصل مدار بحث یہ سوال ہے کہ اگر ایک فریق کی طرف سے نقض عہد ہو جانے کے بعد دوسرا فریق بار بار اس کے ساتھ مزید معاہدات کرتا رہا ہو۔ اور اپنے طرز عمل سے برابر یہی ظاہر کرتا جائے کہ فریق اوّل کے ساتھ اس کا تعلق جنگ یا قطع علائق کا نہیں بلکہ صلح و مسالمت کا ہے تو کیا اس صورت میں فریق ثانی کو یہ کہنے کا حق باقی رہتا ہے کہ ہمارے اور اس کے درمیان معاہدانہ تعلق ٹوٹ چکا ہے۔؟"

آپ فرماتے ہیں کہ اس نقض عہد کے بعد جو معاملات فریق ثانی نے فریق اوّل کے ساتھ کئے وہ ایک قسم کا جوابی مخادعہ ہیں اور یہ مخادعہ اس شرعی مسئلہ پر کوئی اثر نہیں ڈالتا کہ نقض عہد واقع ہو چکا اور اس کی بنا پر ہمیں وہ حقوق حاصل ہو گئے جو شریعت ایک ناقض عہد قوم کے خلاف ہم کو دیتی ہے لیکن میں اس بات کو نہیں سمجھ سکا کہ بعد کے معاہدات سمجھوتے اور مواثیق سب کے سب محض لفظ "مخادعہ" کی لپیٹ میں کیسے آ جائیں گے۔ یہ تو درحقیقت تعلقات معاہدانہ کی تجدید ہے جس کے وقوع میں آتے ہی ناقض العہد قوم پھر سے معاہد ہو گئی۔

میرے نزدیک اس بحث میں اصل مسائل یہی دو ہیں اس لئے میں اپنی گذارشات کو انہی تک محدود رکھتا ہوں۔ دوسرے ضمنی مباحث پر کلام کرنا بے فائدہ ہے اگر آپ ان دو مسائل سے تعرض کر کے کوئی صاف بات بیان فرمائیں تو یہ بحث نتیجہ خیز ہو سکتی ہے ورنہ اس سے کیا حاصل کہ آپ اپنی کہے جائیں اور میں اپنی۔

خاکسار (دستخط) ابوالاعلیٰ

مکتوب مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی بنام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی

۵۔ اے۔ ذیلدار پارک۔ اچھرہ۔ لاہور

۱۶ ستمبر ۱۹۴۸ء

مخدوم و محترم جناب مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مدظلکم العالی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ میرا ۱۶ ستمبر ۱۹۴۸ء کا عریضہ جناب کو مل چکا ہوگا اس کے بعد دوسرے ہی روز پاکستان ٹائمز مورخہ ۱۷ ستمبر ۱۹۴۸ء میں مجلس اقوام متحدہ کے کشمیر کمیشن کا یہ بیان میری نظر سے گذرا۔ کہ حکومت پاکستان نے سرکاری طور پر حدود کشمیر میں اپنی فوجوں کی موجودگی کا اقرار کیا ہے" پھر ۲۰ ستمبر ۱۹۴۸ء کو وہ مراسلت شائع ہوئی جو حکومت پاکستان اور کمیشن کے درمیان ہوئی تھی اور ۹ ستمبر ۱۹۴۸ء کو مسٹر ظفر اللہ خاں کا بیان شائع ہوا لیکن میں نے اپنی رائے کے اظہار میں اس لئے تاخیر کی کہ ۱۵ ستمبر ۱۹۴۸ء کو جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کا اجلاس ہونے والا تھا اور میں ضروری سمجھتا تھا کہ اب اس مسئلہ میں جو بھی قدم اٹھاؤں مجلس کے مشورے سے اٹھاؤں، چنانچہ کل اور آج مجلس میں اس مسئلہ پر پوری طرح غور و خوض کر لیا گیا اور جو بات طے ہوئی اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

"حکومت پاکستان کے اس اقرار و اظہار اور حکومت ہند کے اس پر مطلع ہو جانے کے بعد مسئلہ کی نوعیت شرعاً بالکل بدل چکی ہے اب جو معاہدانہ تعلقات دونوں مملکتوں کے درمیان ہیں وہ دراصل اس معنی میں ہیں کہ ایک علاقہ میں حالت جنگ کا قیام اور دوسرے تمام علاقوں میں مصالحانہ روابط کا بقاء فریقین کی رضامندی سے ہے لہٰذا دونوں صورتوں میں اب اہل پاکستان کے لئے جہاد کشمیر میں جنگی حصہ لینا بالکل جائز ہے۔"

اس کے ساتھ جماعت نے یہ بھی طے کیا ہے کہ اب وہ خود اس جنگ میں عملاً حصہ لے گی جماعت اسلامی کا کام صرف مسئلہ بتانا نہیں ہے بلکہ اس پر عمل کرنا بھی ہے کشمیر کی اہمیت سے ہم لوگ کبھی غافل نہ تھے بلکہ اس کو بچانا فرض سمجھتے تھے۔ لیکن ہم اس کے قائل نہیں ہیں کہ جس کام کے شرعاً درست ہونے میں ہم کو شک ہو اسے کسی دنیوی غرض و مصلحت کے لئے کر گزریں۔ اسی وجہ سے اب تک ہم عملاً اس فرض کی ادائیگی سے باز رہے اب الحمد للہ وہ چیز باقی نہیں رہی جو مانع تھی۔

آپکو یہ اطلاع اس غرض سے دے رہا ہوں کہ پچھلی بحث کو اب ختم سمجھیں نیز چونکہ اس سے پہلے کی مراسلات شائع ہو چکی ہے اس لئے میں اپنے اس عریضہ کو بھی بغرض اشاعت پریس میں دے رہا ہوں میں جناب سے استدعا کرتا ہوں کہ اگر اس بحث میں میری کوئی بات ناگوار ہوئی ہو تو اسے معاف فرمائیں۔

خاکسار (دستخط) ابوالاعلیٰ

(نشان ڈاک کراچی ۲۴ ستمبر ۱۹۴۸ء)

تبصرہ علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا مودودی صاحب قبلہ کے مکتوبات آپ کے سامنے ہیں۔ مولانا مودودی صاحب نے اپنے آخری مکتوب مورخہ ۱۶ ستمبر ۱۹۴۸ء میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ اب مسئلے کی نوعیت یہ ہوئی کہ دونوں حکومتوں میں جو معاہدانہ تعلقات وہ دراصل اس معنی میں ہیں کہ ایک علاقے میں حالت جنگ کا قیام اور دوسرے تمام علاقوں میں مصالحانہ روابط کا بقا فریقین کی رضامندی سے

ہے لہٰذا دونوں صورتوں میں اب اہل پاکستان کے لئے جہادِ کشمیر میں جنگی حصہ لینا جائز ہے۔"

در اصل مولانا مودودی صاحب مدظلہ نے یہ فیصلہ علامہ عثمانی کے ۹ راگست ۱۹۴۷ء کے خط کی روشنی میں ہی اس کو بنیاد سمجھ کر کیا ہے۔ ہمارے نزدیک مسئلہ کشمیر کی نوعیت یہ ہے کہ :-

۱۔ کشمیری مسلمان بھارت کی حکومت اور ڈوگرہ راجہ کے استبداد کی چکی میں پس رہے۔

۲۔ ہندوستان نے جونا گڑھ اور مانا ودر کو غصب کر لیا تھا۔

۳۔ بھارت اور پاکستان میں کوئی ایسا معاہدہ نہیں ہوا تھا جسے دوستی کا معاہدہ کہا جا سکے ۱۹۴۷ء سے پہلے اور بعد میں مسلسل سیاسی اور فرقہ وارانہ جنگ جاری تھی۔ ان سخت نازک اور ہلاکت آفریں حالات میں جنگ کشمیر کو جہاد نہ کہنا اور براہ راست مسلمانان کشمیر کی جہاد میں شامل ہو کر امداد نہ کرنا پاکستان کی سلامتی کے لئے مستقل خطرہ تھا کیونکہ کشمیر کے ہندوستان کے قبضے میں ہونے سے پاکستان ہندوستان میں گھر کر رہ جاتا ہے جو اس کے لئے مستقل خطرہ ہے اور ہر وہ صورت حال جس سے خود پاکستان خطرے میں گھر کر رہ جائے اس کے مبادیات اور اطراف وجوانب کو صاف کرنا ضروری ہے چنانچہ ڈیلی ٹیلیگراف کے فوجی مبصر لفٹیننٹ جنرل مارٹن کا وہ بیان پڑھئے جو انہوں نے لندن میں ۱۳ ر دسمبر ۱۹۴۸ء کو دیا تھا کہ اگر کشمیر ہندوستان کے قبضے میں چلا گیا تو پاکستان محصور ہو کر رہ جائے گا۔"

یہی وجہ ہے کہ علامہ نے پاکستان کے دفاع اور کشمیر کے حصول کے لئے ایک فتویٰ جاری کیا جو دراصل مولانا ثناء اللہ صاحب کے سوال کے جواب میں تھا۔ ہم اس سوال اور علامہ عثمانی کے فتوے کو بعینہ پیش کر چکے ہیں۔ جو اخبار زمیندار مورخہ ۱۷ رجون ۱۹۴۹ء میں شائع ہوا ہے جس کی تائید میں مکہ مکرمہ مدینہ منورہ، شام، مصر، عراق، لبنان، ترکی اور دیگر ممالک اسلامیہ کی تائیدات موجود ہیں۔

تائیداتِ فتوائے عثمانی

علامہ عثمانی کے اس فتوے پر ممالک عربیہ کے علماء نے شد و مد سے تائیدیں کیں جن میں سعودی عرب، مکہ، مدینہ کے علماء اور مصر، شام کے علماء نیز فلسطین کے مفتی امین الحسینی اور مراکش، الجزائر، سوڈان، مسقط، عراق، نجد، اردن کے علماء فحول کے دستخط ثبت ہیں۔ علاوہ ازیں شمال پاکستان کے تمام علماء نے علامہ عثمانی رحمۃ اللہ کی تائید میں فتوے دیئے ذیل میں ہم نوائے وقت مورخہ ۱۶ راگست ۱۹۴۹ء سے ایک فتویٰ نوٹ کرتے ہیں جس میں حضرت مولانا احمد علی صاحب بانی انجمن خدام الدین کے دستخط بھی ثبت ہیں۔

آزاد کشمیر کی جنگ جہاد ہے اور اس میں حصہ لینے والے قوم کی بہت بڑی خدمت انجام دے رہے ہیں

قرآن اور حدیث کی روشنی میں علمائے کرام کا فتوے

حال ہی میں بعض کوتاہ اندیش مولویوں نے اپنے سطحی فہم کی بنا پر جہادِ کشمیر سے متعلق شکوک و شبہات پیدا کرنے کی ناکام کوشش کی جس کی بنا پر عوام میں ایک گونہ بے چینی اور اضطراب پیدا ہونے کا خفیف سا امکان ہے لیکن اللہ کے فضل و کرم سے علمائے حق کی دوررس اور حقیقت شناس نگاہوں

کے فساد کے اس ابلتے ہوئے چشمے کو بر وقت بند کر دیا اور قرآن و حدیث کی روشنی میں آزاد کشمیر کی جنگ کو جہاد اور اس میں حصہ لینے والوں کو مجاہد فی سبیل اللہ ثابت کر کے قوم و ملت کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔ ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

(۱) حضرت مولانا سید میرک شاہ صاحب اندرابی صدر جمعیۃ العلماء و انصار المجاہدین لاہور (۲) حضرت مولانا احمد علی صاحب امیر انجمن خدام الدین شیرانوالہ گیٹ لاہور (۳) حضرت مولانا محمد حسن صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور (۴) حضرت مولانا نور الحسن صاحب مہتمم تنظیم اہل سنت لاہور (۵) حضرت مولانا سید محمد احمد صاحب خطیب مسجد وزیر خاں لاہور۔

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کشمیر کی موجودہ جنگ شرعی جہاد ہے یا نہیں؟ بعض لوگ شبہ ڈالتے ہیں تحقیق فرما کر ممنون فرمایا جائے۔

الجواب:- جہاد اصطلاح شرعی میں وہ جنگ ہے جو اللہ کا کلمہ بلند کرنے اور فتنہ کفر کے استیصال یا مظلوم مسلمانوں کو ظالم کفار سے رہائی دلانے کے لئے لڑی جائے۔ قرآن کریم کے ارشادات اس بارے میں قطعی ہیں کما قال اللہ تعالیٰ وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة ويكون الدين لله حتى کفار کے ساتھ اس حد تک لڑو کہ فساد عقیدہ نہ رہے اور دین اللہ ہی کا ہو جائے۔ اسی طرح فرمایا وما لكم لا تقاتلون في سبيل الله والمستضعفين من الرجال والنساء والولدان الذين يقولون ربنا اخرجنا من هذه القرية الظالم اهلها واجعل لنا من لدنك وليا واجعل لنا من لدنك نصيرا۔ یعنی تمہارے پاس کیا عذر ہے کہ تم اللہ کے راستے میں جہاد نہ کرو کمزوروں کی طرف سے (یعنی ان کی امداد کے لئے نہ لڑو) جو کفار کے پنجۂ ستم سے رہائی پانے میں بے چارے ہیں کچھ مرد ہیں کچھ عورتیں ہیں اور کچھ بچے ہیں۔ جو کفار سے تنگ اور پریشان ہو ہو کر دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے باہر نکال جس کے رہنے والے سخت ظالم ہیں اور ہمارے لئے غیب سے کسی کو دوست کھڑا کر دیجئے اور ہمارے لئے غیب سے کسی حامی کو بھیج دیجئے (ترجمہ مع فوائد تبیان القرآن)

کشمیر کی موجودہ جنگ میں آیت مذکورہ کا پورا نقشہ موجود ہے وہاں کے کمزور مسلمان مرد، عورتیں اور بچے کفار سے عاجز ہو کر فریاد کر رہے ہیں ان کی رہائی اور اسلام کے اعزاز اور فتنہ کفر کے استیصال کے لئے باقاعدہ امارت کے ماتحت ایک باقاعدہ اسلامی فوج جنگ کر رہی ہے۔ لہٰذا اس کے جہاد شرعی ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

الجواب صحیح — ھذا ھو الحق والحق احق — واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

(۱) فقیر الی اللہ احمد غوا میرک شاہ عفا اللہ عنہ (۲) احقر الانام احمد علی عفی عنہ، شیرانوالہ گیٹ لاہور (۳) محمد حسن مہتمم جامعہ اشرفیہ (۴) جواب صحیح ہے۔ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری (۵) جواب صحیح ہے۔ سید نور الحسن بخاری۔

کشمیر ابھی تک بھارت کے قبضے میں

الغرض علامہ عثمانی نے کشمیر کے بارے میں داخلی اور خارجی فتنوں سے دفاع کے لئے اپنی لسانی، قلمی، مالی اور جانی پوری اعانت کی لیکن کشمیر کا معاملہ جوں کا توں ہے اور ابھی تک کشمیر کا بہت بڑا حصہ بھارت کے قبضے میں ہے۔ جب مجاہدین نے کشمیر پر جہاد کیا اور مجاہدین سرینگر کے ہوائی اڈے پر لڑ رہے تھے تو برطانیہ نے جنگ بند کرائی تھی اور پاکستان سے کہا تھا کہ کشمیر کا معاملہ کشمیریوں کی رائے سے طے کیا جائیگا۔

مجاہدین نے کشمیر کا جو حصہ آزاد کرایا تھا اس میں آزاد کشمیر کی حکومت قائم ہے جس کے صدر موجودہ سردار عبد القیوم خاں جیسے دیندار مجاہد ہیں۔ جنہوں نے آزاد کشمیر کو اسلامی سٹیٹ بنانے کا اعلان کیا ہے اور اسلامی قانون جاری کرنے کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے افسران کشمیر کا لباس جناح کیپ، شیروانی اور شلوار قرار دیا ہے نیز طلبہ اور دوسرے لوگوں کو بھی اس لباس کے اختیار کرنے کا اظہار کیا ہے۔ اسٹیٹ کو شراب اور اس قسم کے حرام امور سے پاک کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور کہا ہے کہ ہم آزاد کشمیر کو مثالی اسٹیٹ بنا کر چھوڑیں گے۔

آزادی کشمیر

اگست ۱۹۶۵ء میں صدر ایوب کے زمانے میں مقبوضہ کشمیر میں گوریلا جنگ کا آغاز ہوا اور پاکستانی فوج نے چھمب اور جوڑیاں کو فتح کرکے کشمیر کو حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن لیکن ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو بھارت کے لاہور اور سیالکوٹ پر حملے نے یہ مہم فیل کرکے رکھ دی اور صلح کے نتیجے میں مفتوحہ علاقے بھی دینے پڑے۔

بین الاقوامی اداروں میں کشمیر کا مسئلہ

یونائیٹڈ نیشنز کے سلامتی کونسل کے شعبے میں ہندوستان و پاکستان کا یہ تنازع تا ہنوز تشنہ فیصلہ نہ ہو سکا۔ ۱۹۴۸ء میں سلامتی کونسل نے طے کیا تھا کہ کشمیر کا فیصلہ کشمیریوں کی رائے سے طے ہوگا۔ اس سلسلے میں منٹر گراہم اور دوسرے نمائندے سلامتی کونسل کی طرف سے وقتاً فوقتاً آتے رہے اور انہوں نے اپنی رپورٹیں بھی پیش کیں۔ لیکن بھارت نے ہر تجویز کو ٹھکرا دیا۔

معاہدۂ تاشقند

۱۹۶۵ء کی جنگ پر روس نے معاہدۂ تاشقند کے ذریعہ دونوں کو اپنے مسائل باہمی گفت و شنید سے طے کرنے کو کہا تھا لیکن بھارت نے گفتگو کے بجائے مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے جدا کرنے کی کوشش کی جو ناکام تو ہو گئی لیکن معاملات تا ہنوز خراب ہوتے جا رہے ہیں یقینی امر ہے کہ بھارت، اسرائیل، برطانیہ، روس وغیرہم سب ہی پاکستان کے وجود کو ختم کرنا چاہتے ہیں لیکن مشرقی بنگال کے مسلمانوں نے جو غداری کی ہے اور بھارت کے ساتھ مل کر پاکستان کو تباہ کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اس سے دل کانپ اٹھتا ہے۔ اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ مولانا عبدالحمید بھاشانی، تاج الدین انصاری دست راست مجیب الرحمٰن اور کتنے ہی بنگلہ دیش کے حامی مشرقی پاکستان کے بنگالی بھارت بھاگ گئے۔ ڈھاکہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر...... نے پاکستان کے خلاف بیانات دیئے اور محمود علی مشرقی پاکستانی اسرائیل پہنچا اور یہودی حکومت سے پاکستان کے خلاف اسلحہ حاصل کرنے کی درخواست کی جس کا وعدہ اسرائیلی حکومت نے کر لیا لیکن جب چاروں طرف سے تاریکی نظر آئی تو پیرس پہنچ کر پاکستانی سفارت خانے کے اپنے آپ کو حوالے کر دیا جس کو پاکستانی سفارت خانے نے کراچی بھیج دیا جس سے کئی ایسی دستاویزات ملی ہیں جن سے پاکستان کے خلاف زبردست سازش کا پتہ چلا ہے۔ الامان الحفیظ۔ خدا پاکستان کو سلامت رکھے۔

الغرض پاکستان بننے کے بعد بہت سے مسائل اٹھ کھڑے ہوئے۔ علامہ نے ہر معاملہ میں پاکستان کی خدمات انجام دیں اور معترضین پاکستان نے جو جو خدشات پیش کئے ان کے دندان شکن جوابات بھی دیئے۔

موتمر اسلامی ——— اور ——— اتحاد ممالک اسلامیہ

علامہ شیخ الاسلام حضرت شبیر احمد صاحب عثمانی جہاں مملکت خداداد پاکستان کی تعمیر میں شب و روز مصروف رہے وہاں ایک آزاد اسلامی ریاست میں ان کو ممالک اسلامیہ کے اتحاد کا بے حد احساس تھا اس سلسلے میں انکی کوششوں سے پاکستان عرب ثقافتی انجمن کی بنیاد ڈالی گئی۔ یہ ۱۹۴۸ء کے آغاز کا ذکر ہے۔ اس انجمن کا مقصد اسلامی عرب دنیا کے ساتھ پاکستان کے ثقافتی تعلقات کو مضبوط بنانا تھا۔ اور بالعموم عربوں سے پاکستان کے تعلقات کو فروغ دینا تھا۔

علامہ عثمانی صدر انجمن ثقافت پاکستان و عرب

اس پاکستان عرب ثقافتی انجمن کا صدر حضرت عثمانی ہی کو بنایا گیا۔ آپ کی صدارت میں اس انجمن نے اپنا کام شروع کر دیا۔

صدر اسلامک ایجوکیشنل سوسائٹی

ایک طرف وہ ممالک اسلامیہ کو باہمی رشتوں میں جوڑ رہے تھے تو دوسری طرف اندرون ملک قوم کے بچوں کو دین اور دنیا کی تعلیم سے آراستہ کرنے کی فکر دامنگیر تھی چنانچہ اس مقصد کے لئے اسلامک ایجوکیشنل سوسائٹی قائم کی گئی اسکی صدارت بھی علامہ کو سونپی گئی اور سیکرٹری شپ عبدالرحمٰن محمد صاحب جو بی۔ ایم قریشی کے نام سے کراچی کی مشہور شخصیت ہیں کے سپرد کی گئی۔ انہی کے مکان محمد علی روڈ سے علامہ کا جنازہ اٹھایا گیا تھا۔ اسی سوسائٹی کے ماتحت دو اسلامیہ کالج کراچی میں چل رہے ہیں نیز جمشید روڈ کراچی ۵ جو اسلامیہ کالج ہے اسی کے احاطے میں علامہ کی آخری آرامگاہ ہے۔ اور آپ کے ساتھ سید سلیمان ندوی کی قبر ہے۔

علامہ عثمانی بحیثیت صدر جمعیت اخوت اسلامیہ پاکستان

ایک اور انجمن جمعیت اخوت اسلامیہ کے نام سے قائم ہوئی اس کا صدر بھی علامہ عثمانی کو بنایا گیا اس کے نائب صدر تمیز الدین مرحوم سابق اسپیکر پاکستان مرکزی اسمبلی اور ممبران چودھری خلیق الزمان پروفیسر بی۔ اے علیم اور ڈاکٹر محمد حیات بنائے گئے۔ اگر انجمن پاکستان عرب ثقافت کا مقصد صرف ممالک عربیہ کے ساتھ تعلقات کو مضبوط کرنا تھا تو دوسری طرف تمام ممالک اسلامیہ ایران، ترکی، افغانستان، انڈونیشیا وغیرہا کو ایک مرکز پر جمع کرنا تھا یعنی جمال الدین افغانی کا جو مقصد تھا اسکو شیخ الاسلام عثمانی نے انجام کو پہنچانے کا عزم صمیم کیا۔ چنانچہ فروری ۱۹۴۹ء میں شیخ الاسلام نے حکومت کی مدد سے ایک موتمر اسلامی طلب کی۔ اس موتمر کے کئی اجلاس ہوئے اور علامہ عثمانی نے اس میں پیش از پیش اور بیش از بیش حصہ لیا۔ ممالک اسلامیہ کے مندوبین کے استقبال، تواضع اور مجالس کے انتظام و انعقاد میں بھرپور کوشش کی۔ وہ خود اس موتمر کے بھی صدر تھے علامہ کی وفات کے بعد ۱۹۵۰ء میں جب موتمر اسلامی کا انتظام ہوا تو اخبار جنگ کراچی نے اسلامی بلاک اور مولانا شبیر احمد صاحب کا یوم وفات منانے کے سلسلے میں ۱۹۴۹ء میں حسب ذیل خبر شائع کی۔

"ڈاکٹر محمود حسین (صدر مجلس استقبالیہ و احتفال العلماء و وزیر امور کشمیر) نے اپنی کانفرنس میں بتایا کہ کانفرنس (موتمر اسلامی) کے انعقاد کا پہلا مقصد شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کا یوم وفات منانا اور دوسرا ان کی زندگی کے سب سے بڑے مشن اسلامی بلاک کی تشکیل کے لئے غور کرنا ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ تمام ممالک اسلامیہ کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے اور ان کے متحد کرنے کا بیڑا علامہ عثمانی نے ہی ۱۹۴۷ء کے آغاز میں اٹھایا تھا اور مذکورہ ۱۹۵۱ء کی تحریک موتمر بھی انہی کی مساعی کا نتیجہ تھی۔

اس وقت میرے سامنے وہ مطبوعہ خطبہ ہے جس میں وزیر مملکت سعودیہ جناب سید عبد الحمید صاحب کا خطبہ اور علامہ عثمانی کا مختصر خطبہ بیان اور تقریر ہے۔ یہ پمفلٹ "الخطاب البلیغ" کے نام سے مطبع "عرب" میں چھپا تھا۔

سید عبد الحمید صاحب نے آغاز خطبہ میں فرمایا:۔

یا حضرات السادة لقد کان	اے حضرات سرداران قوم تمہیں پاکستان کے عالم
سرورنا بنیل الباکستان استقلالها	وجود میں آنے کی خوشی پاکستانی بھائیوں سے کسی
لا یقل عن سرور اخواننا الباکستانیین	درجے میں کم نہیں ہے۔ جس قدر کہ ان کو ہوئی۔
به (الخطاب البلیغ صہ)	

آگے چل کر وزیر موصوف پاکستان میں اس موتمر اسلامی کے انعقاد اور اہل پاکستان کی اخوت اسلامی کے متعلق لکھتے ہیں:۔

فقد صدق ظننا عندما قامت	ہمارا یہ گمان صحیح نکلا جب کہ مسلمان بھائیوں
جماعة الاخوة الاسلامیة	کی ایک جماعت کم عمر حکومت پاکستان کے دار الخلافہ
بالدعوة الی هذا المؤتمر فی عاصمة	کراچی میں اس موتمر اسلامی کو بلانے کے لئے
هذه الحکومة الفتیة فیما ینبغی	کمربستہ ہوگئی تاکہ اللہ کے کلمے کو بلند کرنے
اتخاذه من الوسائل لاعلاء کلمة الله	کے لئے وسائل تلاش کریں۔ (الخطاب البلیغ صہ)

علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کے بیان سے جو آئندہ آرہا ہے اس کانفرنس میں کتنے ہی ممالک اسلامیہ کے مندوبین کی شرکت واضح ہوتی ہے اب علامہ عثمانی کا خطبہ اور بیان ملاحظہ فرمائیے۔

خطبۂ موتمر اسلامی

از

حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی

صدر اخوت اسلامی و رئیس موتمر

منعقدہ ۲۰-۲۱-۲۲ فروری ۱۹۴۸ء / ۱۳۶۷ھ

جو علامہ موصوف نے ممالک اسلامیہ کے اہل علم رجال اور مفکرین و مدبرین کو دعوت نامے بھیجکر مدعو کیا اور کراچی کی اس موتمر اسلامیہ میں یہ خطبہ پڑھا اور علمائے بلاد اسلامیہ کو اخوت اور اتحاد عالم اسلام کی دعوت دی۔

محمد انوار الحسن
مرتب

ورلڈ مسلم کانفرنس کراچی میں اسلامی ممالک کے نمائندوں کی تقریریں

ذیل میں ہم اس موتمر اسلامی کے متعلق اخبار زمیندار لاہور مورخہ ۲۱ فروری سے ممالک اسلامیہ کے نمائندوں کی تقریریں کے متعلق ایک رپورٹ پیش کرتے ہیں جو اس ورلڈ مسلم کانفرنس کی نشاندہی کرتی ہے جس کے صدر علامہ عثمانی تھے اور جس میں صدر کی حیثیت سے آپ نے خطبہ پڑھا اور بیان دیا۔

کراچی۔ ۱۹ فروری کل رات ورلڈ مسلم کانفرنس کا پہلا اجلاس منعقد ہوا جس میں ۱۷ اسلامی ممالک کے نمائندوں نے شرکت کی اور دس ہزار اشخاص شامل ہوئے۔ اجلاس میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ان کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیائے اسلام میں اتحاد و اشتراک اور یگانگت نہ صرف مسلمانان عالم کی ترقی اور خوشحالی کا باعث ہو سکتی ہے بلکہ عالمگیر انسانیت کی فلاح و بہبود کا راز اس میں مضمر ہے۔

جن اسلامی ممالک نے اس کانفرنس میں شرکت کی ان کے نام یہ ہیں مصر، سعودی عرب، افغانستان، شام، انڈونیشیا، فلسطین، لنکا، ایران، لیبیا، ملایا، یمن، عراق اور شرق اردن۔ پروفیسر اے بی اے حلیم وائس چانسلر سندھ یونیورسٹی نے تقریر کرتے ہوئے کہا اس کانفرنس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانان عالم میں معاشرتی اور ثقافتی تعلقات استوار کئے جائیں اور اسلامی ممالک کو جو مسائل درپیش ہیں ان کا مشترکہ جدوجہد سے حل تلاش کیا جائے۔ صدر محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنی تقریر کے دوران اس بات پر زور دیا کہ ایک ایسی مستقل اسلامی جماعت کا قیام عمل میں لایا جائے جو تمام مسلمانوں میں وحدت کا رشتہ از سر نو پیدا کر دے تاکہ مسلمانان عالم دنیا میں دائمی امن قائم کرنے میں کارہائے نمایاں سرانجام دے سکیں۔ سردار عبدالرب نشتر وزیر مواصلات نے تقریر کرتے ہوئے کہا پاکستان دنیا کے نقشہ پر ابھرا اور مسلمانوں کے جذبات آزادی کا عملی مظاہرہ ہے مسلمان اپنے وطن میں اپنی زندگیاں اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھال رہے ہیں اور دیگر اسلامی ممالک میں اپنے بھائیوں سے گہرے تعلقات استوار کریں۔ صرف کانفرنس منعقد کرنے سے ہی اتحاد عمل کا جذبہ اجاگر نہیں ہو سکتا بلکہ سب سے پہلے وحدت خیال کا احساس پیدا ہونا چاہیئے تمام اسلامی ممالک میں ایک ایسا ادارہ منظم اور عمل میں لایا جائے اور سب کا پروگرام یہ ہو کہ مسلمان قرآنی تعلیمات پر عمل کریں۔ آخر میں آپ نے اس امید کا اظہار کیا کہ یہ کانفرنس پہلی اور آخری ہی کانفرنس نہ ہوگی بلکہ مستقبل میں عظیم تر کانفرنسیں منعقد ہوتی رہیں گی۔

وزیر تعلیم مسٹر فضل الرحمن نے کہا کہ پاکستان دوسرے اسلامی ممالک سے اشتراک و تعاون کرتے ہوئے دنیا میں مستقل امن قائم کر سکتا ہے جس سے عالم انسانیت کو خطرات اور تفکرات سے نجات حاصل ہو جائے۔ سیلون کے وزیر معاشرتی بہبود جناب ... نے اعلان کیا کہ سیلون کے چار لاکھ مسلمانوں نے اپنے بھائیوں کے شانہ بشانہ دنیا سے جنگ کا خاتمہ کرنے کے اس بات کا عزم بالجزم کر لیا ہے کہ دنیا کی دکھتی ہوئی بیماریوں کا علاج مضبوط مسلم بلاک کا قیام ہے۔

مصر کے ایک نوجوان نمائندہ نے کہا کہ دنیائے اسلام کا اس وقت یہی نعرہ ہے کہ متحد ہو جاؤ۔ انڈونیشیا اور فلسطین میں مسلمانوں پر جو بے پناہ مظالم ڈھائے جا رہے ہیں ان کے مؤثر تدارک کی واحد صورت یہی ہے۔ اس کے بعد مفتی اعظم فلسطین حضرت امین الحسینی کے ذاتی نمائندے جلالۃ الملک ابن سعود کے خاص ایلچی اور سفیر نے مسلمانان عالم سے اپیل کی کہ وہ اپنے تمام اختلافات کو یکسر ختم کر دیں اور قرآنی تعلیمات پر عمل کریں۔ ان حضرات نے انتباہ کیا کہ ریاست اسرائیل کا قیام دنیائے اسلام اور اس کے اتحاد کے لئے ایک چیلنج ہے۔ شام کے نمائندے نے اس توقع کا اظہار کیا کہ پاکستان میں اسلامی قوانین کا نفاذ ہوگا۔ حیدر آباد دکن کے سابق وزیر خارجہ نواب معین نواز جنگ نے کہا کہ ہندوستان نے حیدر آباد میں ظلم و ستم کا جو ریکارڈ قائم کیا ہے اس سے ثابت ہو گیا ہے کہ ہندوستان لادینی ریاست کی بجائے کٹر فرقہ پرست حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔ انڈونیشی نمائندے نے کہا کہ مسلمانوں کی مشترکہ اعانت سے انڈونیشیا میں آزادی کی جدوجہد کامیابی و کامرانی میں منتقل ہو سکتی ہے۔

بیان مولانا شبیر احمد عثمانی فی المؤتمر الاسلامی کراتشی

لقد اجتمع المؤتمرون على بركة الله من جميع الاقطار الاسلامية ينشدون شيئا واحدا وهو خدمة الاسلام ولما كان هذا المقصد متعدد النواحي في تفاصيله وبحوثه فقد انهمك على دراسته نخبة من اعضاء المؤتمر ليقدموا الموضوع الى العالم الاسلامي تاما كاملا صالحا لان يكون اساس التعاون من رجال الدعوة الاسلامية في انحاء الارض

ولكنا رأينا جماهير الناس متعطشين الى ان يقرءوا شيئا من مقررات المؤتمر سريعا قريبا الى افهامهم فاستحسنا ان نقدم اليهم ما ياتي

ان كل اسباب المصائب والنكبات على الامة الاسلامية ترجع جملتها الى شيء واحد هو ضعف الايمان بالله والثقة به وفساد العقيدة فسادا قتل روح الاسلام في قلوب المسلمين فلو ان العقيدة الاسلامية كانت متمكنة في قلوبهم كما كانت في قلوب السلف الصالح لما انحرفوا قيد شعرة عن تعاليم الاسلام ولما غير الله من حالهم شيئا وتحقق وعده لهم ومكن لهم دينهم الذي ارتضى لهم وبدلهم من بعد خوفهم امنا يعبدونه ولا يشركون به شيئا ان هذا

اللہ کی مہربانی سے اطراف ممالک اسلامیہ سے افراد مؤتمر کا اجتماع ہوا جو سب کے سب ایک ہی راگ الاپ رہے ہیں یعنی خدمت اسلام اور چونکہ یہ مقصد اپنی تفصیلات اور مباحث کے اعتبار سے متعدد پہلو رکھتا ہے اس لئے اسی پر بعض مخصوص افراد مؤتمر نے زور دیا ہے تاکہ وہ پورے اور کامل اور درست طریق پر مقصد کو مسلمانان ممالک اسلامیہ کے سامنے پیش کر سکیں اور تاکہ اطراف ارض میں دعوت اسلامیہ دینے والوں میں تعاون کی بنیاد کا سبب ہو۔

لیکن ہم نے لوگوں کی اکثریت کو اس بات کا پیاسا پایا ہے وہ مؤتمر کی تجویزیں جو ان کی عقلوں کے لئے آسان ہوں جلد پڑھیں اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ ان کے سامنے آئندہ خیالات پیش کریں۔

یقین کیجئے کہ امت مسلمہ کی بدبختیوں اور مصیبتوں کے تمام اسباب کی جڑ صرف ایک چیز ہے اور وہ ہے اللہ پر اعتماد اور ایمان کی کمزوری اور عقیدے کی وہ خرابی جس نے اسلام کی روح کو مسلمانوں کے دلوں میں قتل کر ڈالا ہے اگر اسلامی عقیدہ ان کے دلوں میں اس طرح جڑ پکڑے جیسا کہ ہمارے صالحین بزرگوں کے دلوں میں تھا تو پھر مسلمان ایک بال برابر بھی اسلام کی تعلیم سے نہ ہٹیں اور اللہ تعالیٰ ان کی حالت کچھ بھی نہ بگاڑیں اور ان کے لئے اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے کہ اللہ ان کے جس دین سے راضی ہو چکا اس پر ان کو قائم رکھے اور ان کو خوف کے بعد امن نصیب کرے کہ وہ اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور یہی یقینی دعوت

هو جوهر الدعوة الاسلامية بل هو اساس اديان السماوية كلها فعلى المسلمين ان يبدأوا باصلاح انفسهم من هذه الناحية حتى يرسخ التوحيد ويتمكن كل التمكن فى قلوبهم وتظهر آثاره الطيبة على السنتهم وجوارحهم فاذا بدءوا به فالله كفيل لهم بالمزيد من التوفيق والهداية والامداد (ان تنصروا الله ينصركم) الخ ثم (ان ينصركم الله فلا غالب لكم وان يخذلكم فمن ذا الذى ينصركم من بعده وعلى الله فليتوكل المومنون)

لقد كان رسول الله عليه الصلوٰة والسلام يحافظ على جوهر هذه الدعوة كل المحافظة وينكر كل شئ ينقص منها او يكون ذريعة للاخلال بها من كل ما يصرف الناس عن التوجه الى الله والركون اليه بحيث يفوت الالتفات التام الى الخالق سبحانه وتعالى

ونذكر على سبيل التمثيل ما رواه الامام احمد رحمه الله فى مسنده ان رجلا قال لرسول الله صلى الله عليه وسلم فيما قاله (ما شاء الله وشئت) فتغير وجه رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال (اجعلتنى لله ندا قل ما شاء الله وحده) وهذا ارده صلى الله عليه وسلم على سوء تعبيره فى بيان مقام التوحيد المحض

ونذكر ايضا ما روى عن ابى واقد الليثى قال (خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم الى حنين ونحن حدثاء عهد بكفر

اسلامیہ کا جوہر ہے بلکہ تمام آسمانی دینوں کی بنیاد ہے اس لئے مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسی سرزمین سے اپنی خود اصلاح کا آغاز کریں حتیٰ کہ ان کے دلوں میں توحید راسخ ہو جائے اور پوری طرح جم جائے جس توحید کے پاکیزہ آثار ان کے اعضاء اور زبانوں پر صاف ظاہر نظر آئیں۔ جب وہ اس کی طرف قدم اٹھائیں گے تو اللہ ان کے لئے مزید ہدایت وامداد کی توفیق کے ذمہ دار ہو جائیں گے (اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کریگا الخ) پھر (اگر اللہ تمہاری مدد کریگا تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکیگا۔ اور اگر وہ تمہیں ذلیل کرے تو بعد ازاں کوئی بھی نہیں جو تمہاری مدد کر سکے اور مومنوں کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہئیے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی جوہر توحید کی تبلیغ پر کڑی نگرانی اور کوشش فرماتے تھے اور ہر اس چیز کی مخالفت فرماتے جس سے توحید میں خلل پیدا ہو یا جو چیز خداوند تعالیٰ کی طرف دھیان اور توجہ سے مانع ہو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف پوری توجہ سے مسلمان کو روک دے۔

ہم مثال کے طور پر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت کا ذکر کرتے ہیں جو انہوں نے اپنی مسند میں پیش کی ہے کہ "ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کے بارے میں جو آپ نے اس سے فرمایا۔ عرض کیا (جو کچھ اللہ نے اور آپ نے چاہا) اس پر آنحضور علیہ السلام کو غصہ آیا اور فرمایا (کیا تو نے مجھے اللہ کا شریک ٹھہرایا صرف ماشاء اللہ کہو) یہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی طرف سے اس شخص کی اس غلط تعبیر کا رد ہے جو توحید خالص سے ہٹ گئی تھی اور ہم اس کا بھی ذکر کئے دیتے ہیں۔ جو ابی واقد لیثی سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وللمشركين سدرة يعكفون عندها وينوطون بها اسلحتهم يقال لها ذات انواط فمررنا بسدرة فقلنا يا رسول الله اجعل لنا ذات انواط كما لهم ذات انواط فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الله اكبر انها السنن قلتم والذى نفسى بيده كما قالت بنو اسرائيل لموسى اجعل لنا الها كما لهم آلهة قال انكم قوم تجهلون لتركبن سنن من كان قبلكم رواه الترمذى وصححه

ونذكر ايضا ان دعوة كل الانبياء كانت تبدأ بقولهم يا قوم اعبدوا الله ما لكم من اله غيره ونحن فى مستهل دعوة هذا المؤتمر نحو المسلمين باول ما دعاهم اليه انبياءهم فنقول لهم يا قوم اعبدوا الله ما لكم من اله غيره ولا تدعوا مع الله احدا ومع هذا يجب ان تحفظوا ان اسقاط الاسباب الطبيعية رأسا وتعطيل الوسائل المشروعة ليس من التوحيد ولا من التوكل الشرعى المحمود فى شئ بل القيام بها واعتبارها وانزالها فى منازلها التى انزلها الله فيها هو محض التوحيد والعبودية واجمع القوم على ان التوكل لا ينافى القيام بالاسباب فلا يصح التوكل الا مع القيام بها والا فهو بطالة وتعطل وتوكل فاسد فالموحد المتوكل يلتفت الى الاسباب بمعنى انه

کے ساتھ جنگ حنین کے لئے نکلے اور ہم نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور مشرکین کی ایک بیری تھی جس کے پاس وہ اعتکاف کیا کرتے تھے اور ان میں اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے جس کا نام ذات الانواط تھا (کھونٹیوں والی) پس ہم ایک بیری کے پاس سے گذرے تو ہم نے کہا کہ یا رسول اللہ ہمارے لئے بھی ایسی ہی بیری کھونٹیوں والی مقرر فرما دیجئے جیسی کہ انکی ہے اس پر آنحضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ اکبر خدا کی قسم تم نے انہی باتوں کی خواہش کی جیسی کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے ظاہر کی تھی کہتے تھے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایسے ہی معبود تجویز کر دیں جیسا کہ انکے ہیں موسیٰ علیہ السلام نے کہا تم تو جاہل قوم ہو تم پہلوں سے پہلے لوگوں کے راستہ پر چلنا چاہتے ہو۔ اسکو ترمذی نے روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے۔

اور ہم یہ بھی یاد دلاتے ہیں کہ تمام انبیاء دعوت وتبلیغ کی ابتداء یہاں سے کرتے تھے کہ "اے قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ہم بھی اس موتمر کی دعوت کا آغاز انبیاء کے اسی قول کے مطابق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "اے قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوائے تمہارا کوئی معبود نہیں ہے اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو" اس کے باوجود یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ اسباب طبعیہ کو اصل سے چھوڑ دینا اور وسائل شرعیہ کو معطل کر دینا نہ تو توحید سے ہے اور نہ ہی اسباب کا چھوڑ دینا شرعی توکل کا نام ہے بلکہ ان ذرائع کو قائم رکھنا اور ان کا لحاظ رکھنا اور ان کو ان کے ان مقامات میں رکھنا جن میں اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے وہی خالص توحید اور عبادت ہے اور قوم کا اس امر پر اتفاق ہے کہ توکل اسباب کو حرکت میں لانے کے مخالف نہیں بلکہ اسباب وذرائع کو عمل میں لانے کے بعد ہی توکل صحیح ہوتا ہے ورنہ تو وہ بیکاری اور تعطل اور فاسد توکل ہے کیونکہ توحید پرست متوکل اسباب کی طرف اس معنی

...سقطها ولا يهملها ويلغيها بل يكون
...ما بها ملتفتا اليها ناظرا الى مسببها
...يا فلا يصح التوكل شرعا وعقلا الا
...يه سبحانه وحده ولا الخوف الا منه
...الرجاء الا لديه ولا الطمع الا في
...حمته كما قال اعرف الخلق به (اعوذ
...رضاك من سخطك واعوذ بمعافاتك
...عقوبتك واعوذ بك منك) وقال
...ملجأ ولا منجا منك الا اليك)
...اجمعت بين هذا التوحيد وبين
...ت الاسباب استقام قلبك على
...سير الى الله تعالى ووضح لك
...يق الاعظم الذي مضى
...يه جميع رسل الله وانبياءه
...تباعهم وهو الصراط المستقيم
...راط الذين انعم الله عليهم
...لله التوفيق۔

میں متوجہ ہوتا ہے کہ وہ ان کو ساقط نہیں کر دیتا اور چھوڑ نہیں رہا اور لغو نہیں کر رہا ہے بلکہ ان اسباب کے ساتھ قائم رہتے ہوئے اور متوجہ ہوتے ہوئے اس کے مسبب کی طرف دیکھتا ہوتا ہے لہٰذا شرعاً اور عقلاً سوائے ایک اللہ کے توکل کسی پر کرنا صحیح نہیں اور اس کے سوائے کسی سے خوف نہ کھانا اور امید نہ رکھنی چاہئے اور اسی کی رحمت کی طمع رکھنی چاہئے جیسا کہ اللہ کو مخلوق میں سب سے زیادہ پہچاننے والے نے فرمایا (میں اے اللہ تیری رضامندی کو تیرے غصہ سے اور تیری معافی کی تیری سزا سے پناہ چاہتا ہوں اور تیری ہی پناہ چاہتا ہوں تیری گرفت سے) اور حضور نے فرمایا (نہ تو جائے نجات ہے اور نہ جائے پناہ ہے تجھ سے مگر تیری ہی طرف) پس اگر تم اس توحید اور اسباب کو باہم یکجا کرو گے تو تمہارا دل اللہ کی طرف جانے کیلئے مستقیم ہو جائے گا۔ اور تم پر ایک شاہراہ صاف ہو جائے گی جس پر تمام انبیاء اور رسول چلا کئے ہیں اور وہی صراط مستقیم ہے جو ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے اور اللہ ہی کے ہاتھ میں توفیق ہے۔

ثم ان من الاسباب المشروعة
...امر الله بالقيام بها كما امر
...م الصلوة وايتاء الزكوة والصيام
...حج وغيرها من العبادات هو
...حض عليه عباده وندبهم
...ا بقوله سبحانه (واعدوا
...م ما استطعتم من قوة ومن رباط
...ل ترهبون به عدو الله وعدوكم
...ه ونبههم على ان اعداد
...سباب الحربية التي تجلب القوة وتلقي

پھر وہ اسباب مشروعہ جن کے قائم کرنے کا حکم دیا ہے مثلاً نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، روزہ رکھنا اور حج وغیرہ عبادت کرنا جن کی رغبت دلائی ہے اور اپنے بندوں کو ان کی طرف بلایا ہے جیسا یہ اللہ کا قول (اور تم تیاری کرو حسب استطاعت طاقت کی اور گھوڑے وغیرہ کی جن کے ذریعہ اپنے اور اللہ کے دشمنوں کو تم ڈرا سکو) اس آیت میں اللہ نے مسلمانوں کو تنبیہ کی ہے کہ سامان جنگ کی تیاری جو قوت کا باعث ہو اور جو اعدائے اسلام کے دلوں میں رعب و ہیبت پیدا کرے زمانہ کے تقاضوں کے مطابق ہر جگہ اور ہر وقت عین دین اسلام اور خالص اسلام اور توحید کے لوازمات سے ہے کیونکہ اللہ

الرعب وتوقع الرهبة والهيبة في قلوب
اعداء الاسلام حسب ما تقتضيه الضرورة
في كل زمان ومكان هو عين الدين ومحض الاسلام
ومن لوازم التوحيد فانه تعالى حيث ذكر ارسال
الرسل وانزال الكتب في كتابه العزيز قرن معه انزال
الحديد وذكر غايته بقوله وليعلم الله من ينصره
ورسله بالغيب

تعالیٰ نے جس جگہ رسولوں کے بھیجنے اور قرآن کریم میں کتابوں کے نازل کرنے کا ذکر فرمایا ہے وہاں لوہے کے بھیجنے کا بھی ذکر کیا ہے اور لوہے کے پیدا کرنے کی غرض بھی بیان کی ہے اور وہ یہ کہ اللہ جان لے کہ اس کی اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے کون مدد کرتا ہے۔"

واني ارى ان ترك الامة الاسلامية
الامتثال بهذه الاوامر منذ قرون من
اكبر اسباب ضعفها وانحطاطها.
وانا لن ننجح في مقاصدنا الدنيوية الا
بتحقيق التوحيد الخالص ومباشرة
الاسباب وتهيئها الى اخر حد الاستطاعة
الانفرادية والاجتماعية حسب ما اسلفنا
ذكره من طريقة اسلافنا الاولين الاكرمين
من الجمع بين [illegible] قدرة الله العاملة
الشاملة وما تقتضيه حكمته البالغة الكاملة
وهذا هو الذي يجب علينا ان نعض عليه
بالنواجذ ولا نغفل عنه ولا نتساهل فيه والله
الموفق لا رب غيره وصلى الله على خير خلقه محمد
وآله واصحابه اجمعين (الخطاب البليغ صفحہ ۱۳ تا ۱۶)

اور میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ امت اسلامیہ کے کئی صدیوں سے ان احکام کو چھوڑ بیٹھنے سے امت میں کمزوری اور انحطاط پیدا ہو گیا ہے اور ہم کبھی بھی دنیوی مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک کہ خالص توحید اور اسباب کو بحد امکان تیار نہ کریں خواہ وہ تیاری انفرادی ہو یا اجتماعی ہو جیسا کہ ہمارے اسلاف کے ذکر میں گذرا کیونکہ ہمارے قابل احترام بزرگ ان اسباب کو اللہ تعالیٰ کی کامل اور شامل قدرت کے تقاضوں کے ماتحت اور اس کی حکمت بالغہ کے مطابق مہیا کرتے تھے یہی وہ عمل ہے جس کو ہمیں چاہئے کہ مضبوطی سے اسکو اپنے لئے لائحہ عمل بنائیں اور اس سے قطعاً غافل نہ ہوں اور اس میں بالکل تساہل نہ کریں اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے کہ اس کے سوائے کوئی رب نہیں ہے وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔ (الخطاب البلیغ ص ۱۳ تا ۱۶)

یہ تو تھا حضرت عثمانی کا عربی مختصر بیان لیکن جو خطبہ استقبالیہ آپ نے اس موتمر میں پڑھا ہے اور جو تجویزیں پیش کیں وہ اپنی جگہ تاریخی حیثیت رکھتی ہیں اور خطبہ میں تو ادبیت کا خاص جوہر جگہ جگہ ہے ملاحظہ فرمائیے

خطبہ مولانا الشبیر احمد عثمانی رئیس الموتمر الدائم

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة
والسلام على افضل الانبياء والمرسلين

ہر قسم کی تعریف جہانوں کے پروردگار کیلئے ہے اور درود و سلام افضل الانبیاء والمرسلین اور ان کی آل و

واٰلہ وصحبہ اجمعین۔ اما بعد فانی انتهز هذه الفرصة السعيدة فرصة الفراغ من شئون المؤتمر الاسلامی الدائم لاول مرة فی تاریخه فاحی العالم الاسلامی من هذا المنبر التاریخی الذی ولد فیه هذا المؤتمر الاسلامی الخطیر واسأل الله سبحانه لشعوب العالم الاسلامی اجمع السداد والتوفیق وجمع الشمل ونجاح القصد والاقالة من العثرات كما انی باسم الامة الباكستانية المجيدة لارحب بوفود المؤتمر كضيوف اعزاء لدى الباكستان واشكرهم علی تكلفهم مصائب الاسفار من شتی الاقطار لتشجيع المؤتمر وتدعيمه وانا معشر الباكستانيين لنعتز بظهور هذا المؤتمر فی العاصمة الباكستانية كما نعتز بحكومتنا الباكستانية التی احتضنت هذا المؤتمر وشدت فی ازره وشجعته اكبر تشجيع لتقديم الدليل الاول علی ان پاكستان جديرة بمكانتها فی الشرق كدولة الاسلامية كبری تحرص اشد الحرص علی تحقيق رسالة الاسلام السامية فی هذه الارض ولا عجب فی ذلك فان باكستان هی اول امة فی العالم تمخض عنها الاسلام وولدت من اسمه ونفخ فيها من روحه فصحت قوته وصبح روحا لها لا نعيش لابه وای قبل تو دیع

اصحاب سب پر ہو۔ بعد ازاں یہ پہلا خوش نصیب تاریخی موقع ہے کہ ہم ایک موتمر اسلامی دائم کے حالات سے دوچار ہو رہے ہیں اس لئے میں عالم اسلامی کو اس تاریخی منبر سے زندگی کا پیغام دے رہا ہوں جس میں یہ شاندار موتمر اسلامی عالم وجود میں آئی ہے اور میں خدائے پاک سے تمام عالم اسلامی کی مختلف شاخوں کے لئے استقامت اور توفیق اور انتشار کو اجتماع اور ارادہ میں کامیابی اور لغزشوں سے چشم پوشی کی دعا کرتا ہوں اور اس طرح صاحب عظمت امت پاکستانیہ کے نام پر پاکستان کے نزدیک محترم مہمانوں کی آمد پر خوش آمدید کہتا ہوں اور مختلف مقامات سے موتمر کو کامیاب بنانے کے لئے سفر کی تکالیف اٹھانے پر ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور ہم پاکستانی لوگ دار الخلافہ (کراچی) میں اس موتمر کے انعقاد کو اسی طرح سے عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جس طرح ہم اپنی حکومت پاکستان کو دیکھتے ہیں جس نے اس موتمر کی سرپرستی کی اور اس کو پروان چڑھایا اور اس کی بہترین طریقہ پر حوصلہ افزائی کی تاکہ ہم اس بات پر پہلی حجت قائم کر سکیں کہ پاکستان ایشیا میں ایک بڑی اسلامی سلطنت ہے جو اسلام کی تبلیغ کا اس سرزمین میں بہت زیادہ شوق رکھتی ہے اور جو اپنے بلند منصب کے لائق ہے اور اس میں کوئی تعجب نہیں کہ پاکستان دنیا میں پہلی جماعت ہے کہ جس میں سے اسلام خالص ہو کر نکلا اور اسلام کے نام پر یہ قوم وجود میں آئی اور اس امت میں اسلام کی روح پھونکی گئی چنانچہ پاکستانی قوم اسلام کی قوت بنی اور اسلام کی روح بنی کہ ہم اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے اور میں معزز مہمانوں کو رخصت کرنے سے پہلے

ضيوفنا المحترمين احب ان الفت الانظار الی ثلاث حقائق۔

١۔ اولا۔ ان هذا المؤتمر اخذ علی نفسه ان لا يتصادم مع السياسة وان لا تقوم فی ای طور من اطواره باعمال التسیء الی حكومة من الحكومات بل لقد اخذ علی نفسه فوق ذالك ان يكون حربا علی الحركات الهدامة وان يكون عونا مخلصا لمساعد الحكومات الاسلامية من طريق الدين علی تحقيق اغراضها السامية وتقريب الطريق لخطواتها ونهضتها۔

٢۔ ثانيا۔ سيتعاون رجال المؤتمر والانصار علی حصر اعمالهم فی مسائل الاسلامية المتفق عليها بين الجميع وعلی تجنب النظريات التی كثر الكلام والاختلاف فيها والتی من شانها ان تثير النقاش وتصدع كيان المؤتمر۔

٣۔ ثالثا۔ نلاحظ ان هناك حقيقة مرة وهی ان العالم الاسلامی قد ابتلی بالاجتماعات والخطاب والمناهج والتصريحات التی لا طائل تحتها ولا عمل من ورائها والتی لا تثمر الاشيئا واحدا هو مضاعفة ياس الامة الاسلامية وسوء ظنها بزعمائها وعلمائها واعتقادها انه لم يبق شئ يمكن فيه انقاذها مما هی فيه و بناء علی هذه الحقيقة المرة فارجوان يوطن رجال المؤتمر انفسهم علی ان لا

اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ ان کو تین باتوں کی طرف متوجہ کروں۔

١۔ اول۔ یہ موتمر اپنے اوپر اس امر کو لازم کرے کہ سیاست میں آپس میں نہیں ٹکرائیں گے اور کسی صورت میں بھی ایسا اقدام نہ کریں گے جو کسی حکومت اسلامی کے منافی ہوگا بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ کہ تخریبی حرکتوں کے خلاف ڈٹ جائیں گے اور مددگار مخلص بن کر اسلامی حکومتوں کی دینی طور پر ان کے بلند مقاصد کی حقیقت کے مطابق مدد کریں گے اور ان حکومتوں کی ترقی کے لئے ان کے قدموں کے واسطے راستوں کو قریب کرنے کی کوشش کریں گے۔

٢۔ دوم موتمر کے ممبران اور مددگار تمام مسلمانوں کے متفق علیہا مسائل میں محدود رہ کر باہمی تعاون سے کام لیں گے اور ایسے نظریات سے بچیں گے جن سے زیادہ بحث اور اختلاف کرنا پڑے اور جو باہمی اختلافات پیدا کریں اور موتمر کے متفقہ فیصلوں کو پارہ پارہ کر دیں۔

٣۔ سوم۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے سامنے ایک تلخ حقیقت ہے جو یہ ہے کہ دنیائے اسلام ایسی جماعتوں تقریروں، طریقوں اور وضاحتوں میں مبتلا ہے کہ جن کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور اس کے پیچھے کوئی عمل نہیں ہے اور جو امت اسلامیہ میں رہبروں اور علماء کے ساتھ بدگمانی اور ناامیدی کے سوائے کوئی نتیجہ نہیں رکھتی ان کا عقیدہ یہ ہے کہ کوئی چیز ایسی نہیں رہی کہ امت اسلامیہ جس مصیبت میں مبتلا ہے اس سے اس کو کوئی چھڑا سکے اس تلخ حقیقت کی بنا پر میں امید کرتا ہوں کہ موتمر کے اشخاص اپنے دلوں میں اس

يخرجوا منه الابنتائج عملية ولوضيلة او ناقصة حتى يشعروا بانهم قد ادوا شيئا حقيقيا من خدمة الاسلام وانى لعلى ثقة بان هذا المؤتمر سينجح بعون الله ويؤدى الطيب الثمرات وان المسلمين وحكوماتهم فى اقطار الارض سيساعدونه لانه اول مؤتمر اسلامى من نوعه فى هذا العهد۔

بات کو مضبوط کرلیں کہ وہ اس موتمر سے عملی نتائج کے بغیر خواہ وہ معمولی ہی کیوں نہ ہو یا ناقص حتی کہ وہ محسوس کریں کہ انہوں نے اسلام کی کوئی خدمت انجام دی ہے اور مجھے بھروسہ ہے کہ یہ موتمر اللہ کی مدد سے کامیاب ہوگی اور اچھے نتائج پیدا کرے گی اور مسلمان اور اسلامی حکومتیں اطراف زمین میں اس کی مدد کریں گے کیونکہ یہ موتمر اس زمانہ میں اپنی نوعیت کی پہلی موتمر ہے۔

سعودیہ سفارت خانے میں چائے کی ضیافت

یہ موتمر اسلامی ۲۰۔۲۱۔۲۲ فروری ۱۹۴۹ء کی تاریخوں میں تین روز رہی میٹنگ کے روز ۲۲ فروری ۱۹۴۹ء کو سعودیہ عربیہ کے مندوب وزیر نے سعودیہ عرب کی حکومت کی طرف سے موتمر اسلامیہ کے مندوبین کو اپنے سفارت خانے میں چائے پر مدعو کیا اس دعوت کی رپورٹ یہ ہے۔

وقد حضر هذا الحفل زهاء ثلاثمائة مدعو منهم وزراء پاکستان وجميع ممثلو الدول الاسلامية ورجال الصحافة وكبار موظفى الدولة والاعيان وقد زينت الدار بالاعلام السعودية والباكستانية والانوار الكهربائية

اور اس چائے کی محفل میں تقریباً تین سو حضرات مدعو تھے جن میں پاکستان کے وزراء اور تمام ممالک اسلامیہ کے مندوبین صحافی صاحبان اور حکومت پاکستان کے اعلیٰ افسر تھے سعودیہ سفارت خانے کو سعودیہ اور پاکستانی جھنڈوں اور بجلی کے قمقموں سے سجایا گیا تھا۔

وعندما حان وقت صلوة المغرب اذن موذن المفوضية اذان المغرب فهرع المدعوون الى تادية الصلوة حيث صلى بهم امام المفوضية الشيخ محمد اكرم برادة

اور جب مغرب کی نماز کا وقت آیا تو سعودیہ سفارت خانے کے متعین موذن نے مغرب کی اذان دی تو تمام مدعوین نماز ادا کرنے کے لئے دوڑ پڑے جب کہ شیخ محمد اکرم برادہ نے امامت کرائی جو سعودیہ سفارت خانے کے مقرر امام تھے۔

نماز کے بعد شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کی تقریر کا حسب ذیل الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے اور علامہ کی اس موتمر اسلامی کی صدارت کا بھی۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

ثم خطب مولانا الشبير احمد عثمانى بصفته رئيسا للموتمر و

پھر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی موتمر اسلامی کے صدر نے اپنی خاص شان میں تقریر فرمائی اور موتمر

بين الغاية منه والنتيجة التى وصل اليها ثم تلا البيان الذى اصدره الموتمر وهو يتضمن اهم قرارات المؤتمر حيث يدعو الناس الى التوحيد الخالص وتجنب كل ما يؤدى الى غضب الله من الشرك به ودعاء غير الله۔ (الخطاب البليغ ص۱۹)

کا غایت و غرض بیان کی اور موتمر کے بارے میں وہ جس نتیجے پر پہنچے اس کو بیان کیا پھر اس بیان کو پڑھ کر سنایا جو موتمر نے صادر کیا اور جو اہم تجاویز پر شامل تھا۔ بایں معنی کہ لوگوں کو خالص توحید کی طرف دعوت دینا اور ہر اس چیز سے اجتناب کرنا جو اللہ کے غضب کو دعوت دے مثلاً شرک کرنا اور غیر اللہ سے مانگنا۔

یہ ہے اجمالی کارروائی اس پہلی موتمر اسلامیہ کی جو شیخ اسلام پاکستان کی کوششوں سے عمل میں آئی۔

خطبہ عید الفطر ۱۹۴۹ء

اب ہم آپ کو علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کے ایک اور خطبے کے مطالعے کا سامان فراہم کرتے ہیں جو انہوں نے عید الفطر ۱۹۴۹ء مطابق ۱۳۶۸ھ کے لئے تحریر فرمایا خطبہ کیا ہے پاکستان کی تابندگی اور پائندگی اور امت پاکستانیہ کی آئندہ زندگی کا خوبصورت پروگرام ہے۔

خطبۂ عثمانی کے چند زریں اور الہامی اقوال

۱۔ استقلالِ پاکستان رحمتِ ایزدی کے ظہور کا مقدس دن ہے اور آپ کو یاد ہوگا کہ پاکستان کے قیام کا اعلان ۱۹۴۷ء کے رمضان المبارک کے جمعۃ الوداع (ستائیسویں تاریخ) شبِ قدر میں ہوا۔

۲۔ عالمِ روحانیت اور عالمِ ملکوت سے پاکستان کی اسلامی سلطنت کا نقشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں سے ملتِ اسلامیہ کے قلب پر نازل ہوا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پاکستان کی مجلسِ دستور ساز میں قراردادِ مقاصد بھی پاس ہو چکی ہے۔

۴۔ دنیا طرح طرح کی روشنیوں کے باوجود کروڑوں برس کے فرسودہ شمس و قمر سے ہنوز بے نیاز نہیں ہو سکی تو چودہ سو برس کے قرآنی نظام سے اسکا آنکھیں چرانا کہاں تک حق بجانب ہو سکتا ہے۔

۵۔ قرآن کریم جس وقت دنیا میں آیا اگر ماحول کی تیاری اور فضا کی سازگاری کا انتظار کرتا تو شاید قیامت تک بھی یہ ختم نہ ہوتا قرآن کریم تو ماحول بناتا ہے۔

۶۔ آسمانی قانون کے اجراء کی یہی برکت ہے کہ اس جرم کی سزا جرم کو روکتی ہے مجرم کو جیل میں بھیج کر پکا اور ڈگری یافتہ مجرم نہیں بنایا جاتا۔

۷۔ ہم پاکستان کو اسلامی عدل و انصاف کا گہوارہ بنا کر کرۂ ارضی میں جنتِ ارضی بنانے کے آرزومند ہیں اور انشاء اللہ پاکستان کے ذریعہ ہی تمام اسلامی ملکوں کا اتحاد اور خلافتِ اسلامیہ کا قیام عمل میں آئے گا۔

۸۔ کشمیر کے مسئلے کو ہم فراموش نہیں کر سکتے۔ اگر گرہ آسانی سے نہ کھل سکے تو اسے کھینچ کھینچ کر توڑ دیا جائے۔ تالا اگر چابی سے نہ کھل سکے تو پھر ہتھوڑے سے اسے توڑنا ہی پڑتا ہے۔ کشمیر کے بغیر ہماری سالمیت خطرے میں ہے۔

۹ [uncertain]۔ اشتراکیت کا سیلاب ہر طرف سے بڑھتا چلا آ رہا ہے اسکا صحیح اور اصولی مقابلہ اگر دنیا میں کوئی نظام کر سکتا ہے ... اسلام [uncertain] کا اقتصادی نظام ہے۔

۱۰۔ ہمیں دشمنوں کی سازشوں کے علاوہ پاکستان کے داخلی فتنوں سے بھی پوری طرح ہوشیار اور خبردار رہنا چاہئیے۔

۱۱۔ ہمارا دشمن ملت کے گمراہ افراد کو اپنا آلۂ کار بنا کر غلط افتراق اور انشقاق کی تحریکیں کھڑی کر سکتا ہے تاکہ ہماری وحدت کو پارہ پارہ کر دے صرف اسلام کی روحانی قوت ہی سے پاکستان [uncertain] کے دونوں حصوں میں اخوتِ اسلامی کی برقی رو دوڑائی جا سکتی ہے۔

۱۲۔ اے اللہ پاکستان کو قوت و استحکام عطا فرما اور اسے ابھارنے سنوارنے اور نکھارنے کے کام میں ہماری مدد فرما۔

خطبۂ عید الفطر

سنہ ۱۳۶۷ھ
۱۹۴۹ء

از شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

یعنی

پاکستان کے عالمِ وجود میں آنے کے بعد شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ نے

مسلمانانِ پاکستان کیلئے یہ خطبہ یا پیغام دیا تھا جس پر الجماعت اخبار کراچی کے ایڈیٹر سید سرور شاہ صاحب گیلانی نے علامہ عثمانی کی نظرِ ثانی کرائی تھی اور جس کو گیلانی صاحب نے عید الفطر شوال ۱۳۷۳ھ مطابق مئی ۱۹۵۴ء میں مطبع فیروز سنز کراچی سے چھپوا کر شائع کیا تھا۔ یہ خطبہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے علاوہ ہندوستان اور تمام اسلامی ریاستوں میں بقول گیلانی صاحب ہزاروں کی تعداد میں مفت تقسیم کیا گیا۔

محمد انوار الحسن مرتب

تعارف خطبہ

از سید سرور شاہ گیلانی مدیر الجماعت کراچی

سید سرور شاہ صاحب گیلانی جنہوں نے یہ خطبہ چھپوا کر ہزاروں کی تعداد میں پاکستان، ہندوستان اور آزاد کشمیر میں شائع کرایا اس خطبے کے دیباچے میں تعارف کے عنوان کے ماتحت لکھتے ہیں۔

"حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی علیہ الرحمۃ صدر جمعیۃ العلماء پاکستان وممبر مجلس دستور ساز جنہوں نے مجلس دستور ساز میں شہید ملت لیاقت علی خان مرحوم کی وساطت سے قرارداد مقاصد پیش کر کے منظور کرائی تمام ملت اسلامیہ کے شکریہ کے مستحق ہیں۔

ملت اسلامیہ شیخ الاسلام کی ان عظیم ملی خدمات کو تا قیامت فراموش نہیں کر سکتی جو علامہ مرحوم نے تحریک قیام پاکستان، تحریک قیام دین اور قرآن و سنت کے دستور کی ترتیب کے سلسلے میں سرانجام دیں۔

میں نے حضرت علامہ صاحب کو عیدالفطر (۱۳۶۷ھ ۱۹۴۹ء) پر خطبہ لکھنے کی دعوت پیش کی جسے آپ نے خوشی سے منظور فرمایا۔ (خطبہ لکھا گیا) تو آپ نے اس پر نظر ثانی فرمائی اور اس کی منظوری دی۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے **"قرارداد مقاصد"** کے منظور کرانے میں بھی راقم الحروف نے حضرت علامہ کے ساتھ مل کر بہت وسیع پیمانے پر نشر و اشاعت کا کام کیا اللہ تعالیٰ علامہ مرحوم کی روح پاک کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور ملت اسلامیہ کو ان کے خطبہ عیدالفطر پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔" (خطبہ ص۲)

یہ ہے سید سرور شاہ صاحب گیلانی کا تعارفی نوٹ۔ علامہ عثمانی نے سرور صاحب کے اخبار الجماعت کے متعلق فرمایا تھا "میں دیوبند میں تھا تو سید سرور شاہ گیلانی کے اخبار الجماعت کا مطالعہ کیا کرتا تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ الجماعت میرے دل کی دھڑکن ہے۔"

آئندہ اوراق میں علامہ کا یہ خطبہ ملاحظہ فرمائیے۔

محمد انوار الحسن مرتب

خطبہ عیدالفطر

۱۳۶۷ھ
۱۹۴۹ء

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَسَائِرِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔

عزیزانِ ملت

میرے لئے بڑی مسرت کا مقام ہے کہ میں عیدالفطر کی مبارک تقریب پر اپنی ملت سے خطاب کر رہا ہوں۔ وہی ملت جو آج سے چند سو سال پہلے انگریزی اقتدار کے ظلم و استبداد میں گرفتار رہی تھی اور آج پروردگارِ عالم کے خاص فضل و احسان سے کرۂ ارض کی سب سے بڑی اسلامی مملکت بن کر عالم وجود میں آ چکی ہے۔ استقلال پاکستان رحمت ایزدی کے ظہور کا مقدس دن ہے اور آپ کو یاد ہوگا کہ پاکستان کے قیام کا اعلان ۱۹۴۷ء کے رمضان المبارک کے جمعۃ الوداع (ستائیسویں تاریخ شب قدر میں) ہوا۔ آزادی اور استقلال اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے جس سے پاکستان کے ساڑھے سات کروڑ مسلمانوں کو جمعۃ الوداع اور عیدالفطر کے موقع پر سرفراز کیا گیا۔ آج اسی عیدالفطر کی مبارک و مسعود تقریب پر اپنی ملت کے ہر فرد کو ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں۔

رحمت ایزدی کا ظہور

اللہ تعالیٰ کی اس کرم گستری اور نعمت بخشی کا کس زبان سے شکریہ ادا کیا جائے کہ اس نے ہمیں صدیوں کی محکومی سے نجات دی اور ہر طرح کی خامیوں اور کوتاہیوں سے صرف نظر فرما کر محض اپنے فضل و کرم اور رحمت سے ہمیں قطعۂ زمین پر اقتدار بخشا اور موقع دیا کہ ہم اپنی وہ دیرینہ آرزوئیں پوری کر سکیں جو اسلام کو سربلند اور زندگی کے ہر شعبے میں کارفرما دیکھنے اور دنیا پر ثابت کرنے کے لئے ہمارے دلوں میں موجزن رہی ہیں۔ اسلام اور حاملین اسلام کا غلبہ و اقتدار عالم انسانی کے لئے کن فیوضات و برکات اور کیسی کیسی کامرانیوں اور خوشحالیوں کا حامل ہوتا ہے۔ یہ رحمت ایزدی کا کرشمہ ہے کہ ہم اغیار کے تسلط سے آزاد ہو گئے

اور دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کے مختار و کار فرما قرار پائے اس حصول آزادی نے وہ تمام رکاوٹیں دُور کر دیں جو کم از کم زندگی میں اجتماعی شعبوں میں ہماری اس راہ میں حائل تھیں جس پر چل کر ہم نہ صرف دنیائے اسلام کے سامنے بلکہ سارے عالم اسلام کے سامنے ایک معاشرہ اور ایک ایسی مثالی مملکت کا نمونہ پیش کر سکتے جس میں دجل و فریب کی جگہ صدق و صفا بدعہدی و خیانت کی جگہ پاس عہد و امانت ہوا پرستی کی جگہ حق کوشی، ظن و تخمین کی جگہ ایمان و ایقان کی کار فرمائی ہو جہاں اخلاقی انتشار و ہوس رانی کی جگہ ضبط نفس اور پاکیزگی کا دور دورہ، جہاں اقتصادی چیرہ دستیوں کی جگہ معاشی توازن ہو۔ جہاں زیر دست بالا دستوں کے ظلم و عدوان کے خوف سے مامون ہوں جہاں مخلوق کی گردنیں مخلوق کی غلامی سے آزاد ہوں۔ جہاں نیکی کی قوتوں کو اُبھرنے پھلنے اور فروغ پانے کے لئے ساز گار فضا میسر آسکے جہاں بدی کے سرچشمے بے آب ہو کر خشک ہو جائیں۔ جہاں کا ہر وفادار باشندہ بلا لحاظ مذہب و ملت اور بلا تفریق رنگ و نسل محسوس کرے کہ امن و آشتی عدل و انصاف، آزادی ضمیر، احترام انسانیت، تحفظ جان و مال اور بقائے ننگ و ناموس کے لئے صفحۂ ہستی پر اس سے بہتر خطہ میسر نہیں۔

غرضکہ پاکستان کی شکل میں ہمیں ایک خطۂ زمین اس جنت ارضی کی تعمیر و تشکیل اور ان فرائض منصبی کی انجام دہی کے لئے مل گیا جو ہم پر خیر الامم ہونے کی حیثیت سے عائد ہوتے ہیں کہ ہم اچھائیوں کا حکم کریں اور برائیوں سے روکیں۔

امامت اقوام کا منصب

حضور رحمۃ للعالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گنبد خضرا میں استراحت فرماتے ہوئے عالم اسلام پر نگاہ کرم دوڑاتے ہیں کہ میری اُمت قرآن کی حامل بنکر ایک ہزار سال تک کرۂ ارض میں ہدایت و ارشاد کا مینار بنی رہی اقوام عالم کی امامت کا تاج اُمت مسلمہ کے سر پر زینت بنا رہا لیکن گذشتہ تین چار سو سال سے تمام عالم اسلام میں صرف قرآن کے پیغام ہدایت کو چھوڑ کر زوال کے آثار طاری ہو چکے تھے۔ دیکھنے کو ترکی مصر، مراکش۔ شام، فلسطین، عراق۔ عرب۔ ایران۔ افغانستان۔ ہندوستان اور مشرق و مغرب میں ۷۰ کروڑ سے زائد ملت اسلامیہ پھیلی ہوئی ہے لیکن غلبہ و اقتدار امریکہ۔ انگلستان اور روس کو حاصل تھا۔ اقوام عالم کی قسمتوں کے فیصلے اور اجارے ان اقوام کے ہاتھوں میں آچکے تھے بحر و بر کرۂ ہوائی میں ان کا سکہ رواں تھا اور ملت اسلامیہ جس کے بانی اور موسس اولی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پروردگار عالم سے حضور قلب سے دعا مانگی تھی کہ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَامًا۔ امامت اقوام کا منصب اُمت مسلمہ کو عطا کیا گیا تھا آج اپنے دین اور منصب امامت کو چھوڑ کر کروڑوں کی تعداد میں ہونے کے باوجود زوال یافتہ امتوں میں شمار ہو رہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی تصرفات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات کے روحانی تصرفات کی کرشمہ سازی دیکھئے کہ بارگاہ ایزدی سے عالم اسلام میں احیائے اسلام اور تجدید خلافت اسلامیہ کے لئے ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کا انتخاب ہوتا ہے ہندوستان کے مسلمانوں کے بخت کی فیروزمندی اور طالع کی ارجمندی کس قدر قابل رشک ہے کہ رسول اللہ کی نگاہ لطف و کرم ہندوستان کے بکھرے اور منتشر مسلمانوں پر پڑتی ہے۔ وہ مسلمان جن کے دل دو سو سال کی غلامی سے ٹوٹ چکے تھے انگریز اور ہندو ملک کی سیاست پر چھا چکے تھے متمول اور دولتمند مسلمان انگریز کے آستانہ سے وابستہ ہو چکے تھے اور ملت کے بعض غیر محتاط علماء دنیا طلبی اور جاہ پرستی کے لئے کفار اور مشرکین ہند کے وارد حانی حُسن و جمال پر فریفتہ اور ملت اسلامیہ کے مستقبل سے بالکل مایوس ہو کر راہ حق و صداقت کو چھوڑ چکے تھے۔ ہندو اور انگریز سازش کر چکے تھے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو اسپین کے مسلمانوں کی طرح سیاسی اقتدار سے محروم کر کے مشرکین ہند کی سیاست کے تابع فرمان بنا دیں گے۔ انگریز اپنی مغربی جمہوریت کے تجربات کے شوق میں ہندو اکثریت کو زمام اقتدار سپرد کرنے پر آمادہ ہو چکا تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ادنیٰ غلام اور عاشق علامہ اقبال نے "نغمہ ہندی" کے ساتھ حجازی لے میں پاکستان کی اسلامی مملکت کا تصور ملت کے سامنے پیش کیا۔ عالم روحانیت اور عالم ملکوت سے پاکستان کی اسلامی سلطنت کا نقشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں سے ملت اسلامیہ کے قلب پر نازل ہوا۔ ملک کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک ہر مسلمان کے دل میں ایمان اور عمل کے ولولے پیدا ہو گئے۔ بقول شاعر

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے

جمعۃ الوداع اور لیلۃ القدر

انگریز اور ہندو کے ناپاک عزائم کو دیکھ کر کسی کو یقین نہیں آتا تھا کہ مسلمانوں کو استقلال اور آزادی حاصل ہو گی لیکن بارگاہ ایزدی سے پاکستان کی جلیل الشان مشرقی اور مغربی حکومتوں کے قیام کا فیصلہ ہو چکا تھا محبوب رب العالمین کی دعائیں اپنی امت کے لئے مقبولیت سے سرفراز ہو چکی تھیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے اپنے حبیب پاک کی اُمت کو عزت و اقتدار اور استقلال عطا کر رہا تھا پھر اس کی رحمتوں کو روکنے والا کون ہو سکتا تھا مسٹر اٹیلی وزیر اعظم برطانیہ کو یہ معلوم نہ تھا کہ ۱۴ اگست کو رمضان المبارک کا جمعۃ الوداع اور لیلۃ القدر ہے لیکن جو فیصلہ بارگاہ ایزدی میں ہو چکا تھا اس کے مطابق

یہ دن جمعۃ الوداع کا مقدس دن تھا جس روز ملت اسلامیہ کو عید سے دو دن پہلے آزادی اور استقلال کی خداوندی نعمتیں عطا ہوئیں۔

اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْد

قرآنی نظامِ حیات

الحمد للہ کہ پاکستان کی اسلامی مملکت قائم ہو چکی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے پاکستان کی مجلس دستور ساز میں "قرارداد مقاصد" بھی منظور ہو چکی ہے کہ یہاں قرآن و سنت کے ماحول میں اسلامی نظامِ حیات جاری کیا جائے گا۔ پاکستان کے قیام کا حقیقی مقصد یہی تھا کہ ہمیں ایک ایسا خطۂ ارضی مل جائے جہاں مسلم قوم کو قدرت حاصل ہو کہ وہ تمام و کمال اسلامی آئین و قوانین جاری کرے اور اللہ رسول کے دین کو غالب اور سربلند کرے۔ بعض مغرب زدہ لوگ جو اپنی اسلامی بصیرت کھو چکے ہیں اور خفاش کی طرح ظلمت سے نکل کر روشنی میں آنے کا ارادہ نہیں رکھتے بلکہ اوروں کا بھی راستہ روکنا چاہتے ہیں۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ چودہ سو سال کا معاذ اللہ فرسودہ نظام اس نئی روشنی کی دنیا میں کہاں چل سکتا ہے۔ لیکن جو نہی دنیا طرح طرح کی روشنیوں کے باوجود کروڑوں برس کے فرسودہ شمس و قمر سے ہنوز بے نیاز نہیں ہو سکی تو چودہ سو برس کے قرآنی نظام سے اس کا آنکھیں چرانا کہاں تک حق بجانب ہو سکتا ہے۔ قرارداد مقاصد سے پہلے بعض لوگوں نے جو مسلمانوں کی قیادت کا دم بھرتے ہیں یہ بھی کہا کہ قرآنی نظام چلانے کے لئے ابھی ماحول تیار نہیں لیکن قرآن جس وقت دنیا میں آیا اگر ماحول کی تیاری اور فضا کی سازگاری کا انتظار کرتا تو شاید قیامت تک بھی یہ ختم نہ ہوتا۔ قرآن تو اپنے لئے ماحول بناتا ہے اور قرآنی نظام کے نافذ ہونے سے بڑی حد تک فضا بدلنے لگتی ہے۔ آپ سعودی عرب کی حکومت ہی کو دیکھ لیجئے۔ صرف دو تین چوروں کا ہاتھ کٹنے سے حجاز جیسے ملک میں چوری کا بیج باقی نہیں رہا اور نہ مستورین کو یہ سن کر تعجب ہوگا اور شاید افسوس بھی کہ حجاز میں تھانوں اور لنجوں کا کوئی بڑا شہر تو کجا چھوٹا سا گاؤں بھی کہیں نظر نہیں آتا۔ آسمانی قانون کے اجراء کی یہی برکت ہے کہ اس جرم کی سزا جرم کو روکتی ہے مجرم کو جیل میں بھیج کر پکا اور ڈگری یافتہ مجرم نہیں بنایا جاتا۔

قائداعظم کے پیغاماتِ عید

بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہا تھا کہ مسلم لیگ نے سرکاری طور پر کب کوئی قرارداد منظور کی تھی یا وعدہ کیا تھا کہ پاکستان میں قرآنی نظامِ حکومت جاری کیا جائے گا۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس موقع پر بانیٔ پاکستان کے چند اعلانات آپکو یاد دلائے جائیں تاکہ ہر مسلمان کو معلوم ہو جائے کہ پاکستان کا تصور قائداعظم مرحوم اور ذمہ داران لیگ کے نزدیک کیا تھا ان اعلانات سے اندازہ ہوگا کہ ان کے

ف افسوس کہ یہ خطبہ قرارداد مقاصد کے بعد میں ترتیب کے اعتبار سے پیش کرنا چاہئے تھا لیکن سہو ہو گیا۔ انوار

دماغوں میں پاکستان کا کیا نقشہ تھا جسے بروئے کار لانے کے لئے وہ مسلمانوں کو دعوت دے رہے تھے۔

عید الفطر ۱۹۳۹ء کا پیغام

قائداعظم نے ۱۹۳۹ء میں بمبئی سے ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کو جو پیغام عید دیا تھا وہ یہ تھا:-

"مسلمانو! ہمارا پروگرام قرآن پاک میں موجود ہے ہم مسلمانوں کو لازم ہے کہ قرآن پاک پڑھیں اور قرآنی پروگرام کے ہوتے ہوئے مسلم لیگ مسلمانوں کے سامنے کوئی دوسرا پروگرام پیش نہیں کر سکتی۔"

قائداعظم بنام گاندھی اگست ۱۹۴۴ء

"قرآن مسلمانوں کا ضابطۂ حیات ہے اس میں مذہبی مجلسی۔ دیوانی۔ فوجداری، عسکری، تعزیری، معاشی اور معاشرتی غرضیکہ سب شعبوں کے احکام موجود ہیں۔ مذہبی رسوم سے لے کر روزانہ امورِ حیات تک روح کی نجات سے لے کر جسم کی صحت تک، جماعت کے حقوق سے لیکر فرد کے حقوق و فرائض تک اخلاق سے لیکر انسدادِ جرائم تک زندگی میں جزاء و سزا سے لے کر عقبیٰ کی جزا و سزا تک ہر ایک قول و فعل اور حرکت پر مکمل احکام کا مجموعہ ہے۔ لہٰذا جب میں کہتا ہوں کہ مسلمان ایک قوم ہے تو حیات و مابعد حیات کے ہر معیار اور ہر مقدار کے مطابق کہتا ہوں۔

قائداعظم کا پیغام عید ستمبر ۱۹۴۵ء

میرے پچھلے عید کے پیغام کے بعد سے مسلمانوں میں اپنی ذمہ داریوں کا احساس زیادہ سے زیادہ بڑھ رہا ہے۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ قرآنی تعلیمات محض عبادات اور اخلاقیات تک ہی محدود نہیں بلکہ قرآن کریم سب مسلمانوں کا دین و ایمان اور قانونِ حیات ہے یعنی مذہبی اور معاشرتی تمدنی تجارتی عسکری عدالتی اور تعزیری احکام کا مجموعہ ہے ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم کو یہ حکم ہے کہ ہر مسلمان کے پاس اللہ کے کلام کا ایک نسخہ ضرور ہو اور وہ اسکو بغور مطالعہ کرے تاکہ یہ اسکی انفرادی و اجتماعی ہدایت کا باعث بھی ہو۔"

قائداعظم کی تقریر علی گڑھ ۱۹۴۴ء

"ہماری راہنمائی کے لئے ہمارے پاس اسلام کی عظیم الشان شریعت موجود ہے۔ درخشاں کارنامے تاریخ کا سرمایہ اور روایتیں موجود ہیں" اسلام ہر شخص سے امید رکھتا ہے کہ وہ اپنا فرض بجا لائے۔"

جالندھر کی تاریخی تقریر

آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجلاس منعقدہ ۱۹۴۳ء کی صدارتی تقریر میں قائد اعظم نے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا :-

"مجھ سے پوچھا جاتا ہے کہ پاکستان کا طرزِ حکومت کیا ہوگا ؟ پاکستان کا طرزِ حکومت تعین کرنے والا میں کون ہوں ؟ یہ کام پاکستان کے رہنے والوں کا ہے اور میرے خیال میں مسلمانوں کا طرزِ حکومت آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل قرآن حکیم نے فیصل کر دیا تھا۔"

سرحد کا ریفرینڈم

پاکستان کے اعلان کے بعد صوبۂ سرحد کے ریفرینڈم کے موقعہ پر جب اس بات پر رائے شماری ہوئی کہ صوبۂ سرحد پاکستان میں شامل ہوگا جولائی ۱۹۴۷ء میں قائد اعظم نے مسلمانانِ سرحد کو پیغام دیتے ہوئے فرمایا :-

"خان برادران نے اب یہ زہریلا پروپیگنڈہ شروع کیا ہے کہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی شریعت اسلامی کے بنیادی اصولوں کو نظر انداز کر دے گی۔ آپ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ یہ سراسر جھوٹ ہے اور فریب ہے۔

قائد ملت کے اعلانات

نوابزادہ لیاقت علی خاں نے جو مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری تھے مجلس عمل کے ارکان کی موجودگی میں اعلان کیا۔

"پاکستانی علاقوں میں تمام نظام وہ نظام حکومت قرآن پاک کے احکام اور اصولوں کے بموجب ہوگا۔"

جلسہ تقسیم اسناد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

"اس وقت ہماری قوم کے سامنے جو سب سے اہم سوال درپیش ہے وہ یہ ہے کہ انگریز کے جانے کے بعد یہاں کیا صورت حال پیدا ہوگی - آیا ہم کو ایک آزاد اور خود مختار قوم کی حیثیت سے اسلامی نظام آئین و قوانین کے بموجب اپنی زندگی بسر کرنا ہے یا ہم کو غیر مسلموں کا محکوم اور غلام رہنا ہے ہمارے سامنے ایک نہایت اہم سوال درپیش ہے اور وہ یہ کہ تم کس نظام کے تحت زندگی بسر کرنا چاہتے ہو ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اپنی آئندہ زندگی اسلامی طریق و قوانین کے بموجب بسر کرنا چاہتے ہیں مسلمان کے پیش نظر اس مقصد حیات کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں ہے جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے تیرہ سو برس قبل دنیا کے سامنے پیش کیا تھا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو پیغام الٰہی لے کر تشریف لائے تھے اب وہ ہمارے پاس ہے اور وہ دنیا کی عظیم المرتبت کتاب

قرآن شریف ہے جس میں اب بھی بنی نوع انسان کی ہدایت و رہنمائی کے احکام موجود ہیں۔ ہر مسلمان کا دینی ایمان ہے کہ اس کی موت و حیات سب اللہ ہی کے لئے وقف ہے۔ اللہ ہی ہمارا بادشاہ ہے اور وہی ہمارا حکمران ہے۔"

علمائے دین کا اسلامی اقتدار

کہا جاتا ہے کہ مُلّا حکومت و اقتدار چاہتا ہے لیکن جب دوسرے لوگ دنیا کی نفع اندوزیوں کے ذریعے اقتدار چاہتے ہیں تو دینی اقتدار کے لئے مُلّا کا حکومت حاصل کرنا کیوں گناہ ہوگا درانحالیکہ اس حکومت کے قائم ہونے میں اس کا بھی کافی حصہ ہے۔ آخر یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر سے خود ہی کہا تھا کہ :-

اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ۔ مجھے زمین کے خزانوں کا منتظم مقرر کر دیجئے میں یقیناً نگہبان اور علم والا ہوں"

اور صحیح تر بات یہ ہے کہ مُلّا حاکم بننے کا طلبگار نہیں ہے ہاں اپنے حاکموں کو تھوڑا سا مُلّا بنانے کا ضرور خواہاں ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں اور بعضوں نے مجھے خطوط لکھے ہیں کہ حصولِ پاکستان کے بعد علماء و مشائخ کی ان مساعی عظیمہ کو ارباب اقتدار نے قطعاً فراموش کر دیا نیز مذہبی طبقہ کی خدمات جلیلہ کا اعتراف تو درکنار بلکہ نشر و اشاعت کے ان تمام ذرائع سے جو حکومت کے دامن سے وابستہ ہیں اس کا خاص طور پر لحاظ رکھا جاتا ہے کہ مذہبی عنصر زیادہ چمکنے یا اُبھرنے نہ پائے اور جہاں تک ہو سکے اس کو خمول اور کسمپرسی کی حالت میں چھوڑ دیا جائے۔

مطلب یہ ہوا کہ وقت پڑنے پر علماء کو احمق بنا لیا جاتا ہے اور جب کام نکل گیا تو ان سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔"

سالمیت پاکستان کا عظیم جذبہ

میں صفائی سے بتلا دینا چاہتا ہوں کہ یہ صورت حال ہمارے لئے کوئی غیر متوقع چیز نہیں ہم یقیناً پہلے سے جانتے تھے کہ ایسا ہوگا اور پاکستان کی زمام اقتدار کا بحالات موجودہ جن ہاتھوں میں پہنچنا ناگزیر تھا ان سے اس کے سوا کوئی توقع ہی نہیں کی جا سکتی تھی - ہم ان کی نسبت الحمد للہ کسی فریب میں مبتلا نہ تھے ہم نے سب کچھ جانتے اور سمجھتے ہوئے جداگانہ اسلامی قومیت اور اصول پاکستان کی مخلصانہ حمایت مذہبی نقطۂ نظر سے حق اور صحیح سمجھ کر کی - اور اگر اسے احمق بننا کہتے ہیں تو ہم جان بوجھ کر ایسے احمق بنے ہیں۔

کما قال ابن عمر (جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا :-

مَنْ خَدَعَنَا فِی اللّٰہِ انْخَدَعْنَا لَہٗ جس نے اللہ کے کام میں ہم سے فریب کیا تو ہم اسکے فریب میں آگئے اور آئندہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ پاکستان کی سالمیت اور حفاظت کے معاملے میں رجال حکومت کی

کوئی ناپسندیدہ روش ہماری جدوجہد پر اثر انداز نہیں ہو سکتی خواہ وہ ارباب اقتدار ہمارے ساتھ کچھ بھی برتاؤ کریں ہم خالص خدا کی خوشنودی اور اسلام اور اہل اسلام کی برتری اور بہتری کے لئے اپنی اس نئی اسلامی مملکت کو مضبوط اور محفوظ بنانے میں امکانی کوشش کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریں گے۔

کرۂ ارضی کی جنت (خلافت اسلامیہ)

ہم ایک ایسی اسلامی مملکت تعمیر کرنا چاہتے ہیں جس کو بنیاد اسلام اور قرآن کے اصولوں پر رکھی جائے جس کی تعمیر میں تقویٰ اور دین شامل ہو۔ ہاں ایک ایسی اسلامی سلطنت جو آگے چل کر خلافت راشدہ کے نمونہ کی مثالی حکومت بن سکے۔ ہم پاکستان کو اسلامی عدل و انصاف کا گہوارہ بنانا چاہتے ہیں۔ ہم پاکستان کو کرۂ ارضی میں جنت ارضی بنانے کے آرزومند ہیں۔ ہم پاکستان کے ذریعہ خلافت اسلامیہ کا قیام و احیاء چاہتے ہیں ہاں ہم پاکستان ہی کے ذریعہ عہد صحابہ کے اسلامی اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے حیات افروز اعمال کی یاد تازہ کرنا چاہتے ہیں ہمارا تو یقین ہے کہ انشاء اللہ پاکستان کے ذریعہ ہی تمام اسلامی مملکتوں کا اتحاد اور خلافت اسلامیہ کا قیام عمل میں آئے گا۔

محکمۂ امور دینی کا قیام

قرآنی نظام اور دستور کی ترتیب سے پہلے یہ ضروری تھا اور ہے کہ محکمۂ شریعت کا قیام عمل میں لایا جائے۔ ویسے تو جب مکمل اسلامی نظام جاری ہوگا تو تمام وزارتیں ہی احکام دین کے مطابق کام کریں گی لیکن اسلامی ماحول اور اسلامی فضا تیار کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مرکزی حکومت کے علاوہ پاکستان کے ہر صوبہ میں محکمہ امور مذہبی کا قیام عمل میں لایا جائے اسلامی اوقاف تنظیم زکوٰۃ معارف اسلامیہ تبلیغ و اشاعت دین مبلغین اسلام کی تعلیم و تربیت نومسلموں سے تالیف قلوب نومسلموں کی آبادی کا قیام اندھے اور اپاہجوں کے لئے محتاج خانوں کا قیام۔ مساجد کی تنظیم ائمہ مساجد کی تربیت۔ خطبات جمعہ کی ترتیب اور وحدت۔ ریڈیو پر درس قرآن اور تبلیغ اسلام۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تہذیب و معاشرت اسلامی کا اجراء۔ دینی مدارس کی نگرانی۔ مسلمانوں کے لئے قرآن مجید اور عربی زبان کی جبری اور لازمی تعلیم، نکاح۔ طلاق وراثت کے شرعی قوانین کا نفاذ، ممالک یورپ میں اسلام کے تبلیغی مشنوں کا قیام حاجیوں کے سفر حج کے سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ آسانیاں بہم پہنچانا حج کے لئے بری، بحری اور ہوائی سروسوں کا جدید ترین نظام، پاکستان ممالک خارجہ کے تمام سفارت خانوں میں اسلامی ثقافت، دینی تبلیغ اور بہترین اسلامی لٹریچر تیار کرنے کے لئے ماہرین اسلامیات کا سرکاری تقرر اور ساتھ ہی ممالک اسلامیہ میں اسلامی اخوت اور اتحاد کے رشتوں کو مضبوط بنانے

کے لئے اسلامی وفود کی ترسیل اور مسلمانوں کو ارکان اسلام نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد کی عام تبلیغ اور تلقین، ملت میں مسلسل تبلیغ دین سے ایک ایسا اسلامی ماحول تیار کرنا جہاں دین اسلام کی پابندی میں ملت کا متمول اور دولتمند طبقہ بھی فخر محسوس کرے۔ پاکستان کے مسلمانوں کو جو کچھ حاصل ہوا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی فیضان ہے۔

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا

جہاد کشمیر

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

برادران عزیز! آج عید الفطر کے مبارک دن آپ کے قلوب نور ایمان سے لبریز اور اسلامی مسرتوں سے معمور نظر آتے ہیں۔ لیکن آج کے مقدس دن ہم کشمیر کے مسئلہ کو فراموش نہیں کر سکتے ہماری کوشش یہی ہے کہ یہ نازک مسئلہ ناخن تدبیر سے سلجھ جائے لیکن اگر گرہ آسانی سے نہ کھل سکے تو پھر اسے کھینچ کھینچ کر توڑ دیا جائے۔ تالا اگر چابی سے نہ کھل سکے تو پھر ہتھوڑے سے اُسے توڑنا ہی پڑتا ہے۔ کشمیر کا مسئلہ عالم اسلام کا مسئلہ ہے اگر ضرورت پیش آئے اور استصواب رائے میں رکاوٹیں پیدا کی جائیں تو پھر آخری صورت جہاد ہی کی ہے ہمیں ہر قیمت پر کشمیر کو اسلام اور پاکستان کے لئے حاصل کرنا ہے ملت پاکستانیہ اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرے کہ کشمیر کے بغیر پاکستان مکمل نہیں ہے۔ پاکستان کی زندگی کے سرچشمے کشمیر میں ہیں۔ دشمن آسانی کے ساتھ کشمیر سے اپنا فوجی تسلط نہیں چھوڑے گا۔ ہماری حکومت اور ساتھ ہی پاکستان کے تمام مسلمانوں کا دینی فرض ہے کہ وہ کشمیر کے مظلوم اور سسکتے ہوئے اپنے کشمیری بھائیوں کی آہ و فریاد میں وہ ہمارا خون اور گوشت ہیں حالات کا تقاضا یہی ہے کہ جلد سے جلد ہم اپنے کشمیری بھائیوں کو استبداد سے نجات دلائیں اور کشمیر کو اسلام اور پاکستان کے لئے حاصل کریں کشمیر کے بغیر پاکستان کی سالمیت خطرہ میں ہے۔

صدقات، زکوٰۃ اور کمیونزم

آج عید کے دن ہم مہاجرین کی امداد اور انکی آبادی اور بحالی کو بھی ملت کی سب سے بڑی اہم ضرورت خیال کرتے ہیں۔ حکومت پاکستان کے علاوہ ہر ذی استطاعت مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی دولت اور ثروت میں مہاجرین کو بھی شامل کرے۔ ہر غریب اور مہاجر کے لئے رہنے کو گھر کھانے کو روٹی اور پہننے کو کپڑا مہیا کرنا ہماری حکومت کا جہاں فرض ہے وہاں ہماری ملت کے متمول طبقے کا اسلامی فرض ہے کہ مہاجرین کی آبادکاری اُن کی نو آبادیاں قائم کرنے مکانات تعمیر کرنے اور دیگر ضروریات زندگی میں زیادہ سے زیادہ

حصہ لینے صدقۂ فطر، زکوٰۃ اور صدقات کا نظام اسی لئے قائم کیا گیا تھا کہ ملت کے تمام طبقات میں زندگی کے معیار کا توازن قائم کیا جائے۔ دولت کی غلط تقسیم ہی سے کمیونزم اور دوسری ملحدانہ تحریکیں فروغ حاصل کرتی ہیں، جہاں معاشی ناہمواری کا دور دورہ ہوگا وہاں روسی اشتراکیت کے لئے گویا تیار میدان مل جاتا ہے۔ اس موقع پر یہ بات بالکل فراموش نہ کیجئے کہ آج دنیا میں معاشی اعتدال اور اقتصادی عدم توازن کی وجہ سے ملحدانہ اشتراکیت کا سیلاب ہر طرف سے بڑھتا چلا آرہا ہے، اس کا صحیح اور اصولی مقابلہ اگر دنیا میں کوئی نظام کرسکتا ہے تو وہ اسلام کا اقتصادی نظام ہے۔ اگر پاکستان عالم اسلامی کو اس بھیانک خطرے سے بچانا چاہتا ہے تو اس کی واحد صورت یہ ہے کہ پاکستان میں صحیح اسلامی نظام کا نفاذ عمل میں لائیں۔

استحکام پاکستان کا راز

کشمیر کا مسئلہ ہو یا افغانستان یا پختونستان پاکستان کے دفاع کا معاملہ ہو یا کمیونزم کا مقابلہ، جس پہلو سے بھی نظر کیجئے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہماری مملکت کی خوبی اور استحکام کا راز اسلامی نظام حیات کے نفاذ میں پوشیدہ ہے اور یہ کہ پاکستان اسلام کے نام سے حاصل ہے اور اسی نام پر پوری مضبوطی کے ساتھ باقی بھی رہے گا اور اگر اس نعمت کی سچی قدر شناسی اور شکر گزاری میں ہم کوتاہی کریں گے تو یہ ایسا کفران نعمت ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کے وبال سے محفوظ رکھے اور اگر ہم نے اس قدرت و نکمت کے بقا اور استحکام یا اس کے صحیح استعمال سے غفلت برتی تو یہ ہماری کھلی ہوئی بدبختی ہوگی۔ بارگاہ صمدیت میں جہاں سے ہمیں یہ نعمت ملی ہے سچی شکر گزاری کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ جس مالک الملک اور حاکم حقیقی نے ہمیں اپنے نائب امین کی حیثیت سے یہ امانت سپرد کی ہے اس کی منشاء و مرضی کے مطابق ہم اس پر تصرف کریں اور اس کے پیش کئے ہوئے معیار پر پورے اترنے کی جدوجہد میں مصروف ہوجائیں۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین پر اقتدار اور غلبہ عطا کریں تو یہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ اچھی باتوں کا حکم کریں اور بری باتوں سے روکیں۔

اگر ہم نے ادائے شکر کی سچی کوشش کی تو حسب وعدہ الٰہی

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ — اگر تم شکر کرو تو ہم تم پر اپنا انعام بڑھادیں گے

انشاء اللہ ہم پر مزید فضل و انعام کی وہ بارش ہوگی کہ دنیا ششدر رہ جائے گی۔

مہاجرین

ان بے شمار خاندانوں کی خانہ ویرانی جو اپنے صدیوں کے وطن سے صرف اس لئے نکلنے پر مجبور ہوئے کہ وہ

اسلام کے نام لیوا تھے ایک دردناک حقیقت ہے جس سے اغماض نہیں برتا جاسکتا ان کے مصائب کا احساس سیل اشک سے زیادہ عملی ہمدردی اور مخلصانہ برادر نوازی کا تقاضا کرتا ہے، کاش عید الفطر کا یہ مبارک موقع ارباب اختیار کے قلوب میں اُن بے خانماں بھائیوں اور بہنوں کو آباد کرنے اور ان کے مصائب دور کرنے کی جدوجہد کو تیز تر اور مؤثر بنانے کا عزم پیدا کردے۔

بھارت کے مسلمانوں کی یاد

اپنے ان چار کروڑ بچھڑے ہوئے بھائیوں کی یاد جو انڈین یونین میں اکثریت کے ظلم و استبداد کا ہدف بنے ہوئے ہیں، وہ کسک ہے جو پاکستان میں رہنے والے ہر غیرت مند مسلمان کے دل کو محروم سکون کئے ہوئے ہے ہمارے دل اپنے اور ہندی بھائیوں کی یاد سے کس طرح غافل ہوسکتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہو اور پاکستان کو جلد اتنی طاقت اور استحکام حاصل ہوجائے کہ ہم اپنے بھائیوں کی حفاظت اور اعانت کرسکیں اور ان کو مظلومی کے چنگل سے نکال سکیں، اسی طرح کشمیر، حیدرآباد، جوناگڈھ کے مسلمانوں پر انڈین یونین کے ظالم قوت نے ظلم و عدوان کی جو شکل اختیار کر رکھی ہے ہمارے قبلۂ اول کی سرزمین میں یہودی چیرہ دستیوں نے جو قیامت برپا کر رکھی ہے مصر اور شمالی افریقہ کے مسلمانوں کے ساتھ جو معاملہ ہو رہا ہے یہ سب ایک طوفان ابتلا ہے جس کی لپیٹ میں عالم اسلام کا بیشتر حصہ آگیا ہے اور حالت یہ ہے کہ ؎

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

لیکن بد دلی اور مایوسی کا کوئی موقع نہیں انشاء اللہ وہ وقت دور نہیں کہ یہ سیاہ بادل چھٹ جائیں گے اور اگر ہم نے ساری طاقتوں کے اصلی منبع کی طرف انابت و تضرع کے ساتھ رجوع کیا اور اتحاد باہمی عزم صمیم اور صبر و استقامت پر گامزن ہوگئے تو انجام کار ہم ہی بامراد و کامران ہوں گے۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔

مشرقی اور مغربی پاکستان کی وحدت

عزیزان ملت اس حقیقت کو فراموش نہ کریں کہ مشرقی اور مغربی پاکستان میں ایک ہزار میل کا فاصلہ کا فاصلہ ہے دونوں پاکستانوں کو ایک مستحکم اسلامی مملکت میں مربوط رکھنے کا واحد ذریعہ صرف اسلام اور کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے۔ ہمارے اتحاد ملت کی بنیاد کسی نسل، قوم، قبیلہ یا صوبے کی برتری پر نہیں ہم نے محض اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر حاصل کیا پاکستان کے دونوں حصوں کو فکر و عمل کے اعتبار سے متحد رکھنے کے لئے اسلامی اخوت کا رشتہ ہی

سب سے بڑی طاقت ہے اللہ اور رسول کا نام ہی دونوں مملکتوں کو پاکستان کی اسلامی وحدت میں مربوط رکھے گا دشمن کے ناپاک عزائم سے ہمیشہ خبردار رہیں وہ مسلمانوں میں زبان نسل اور صوبائی تعصب کو پرورش کر کے اتحاد اسلام کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے آپ نے دیکھا کہ دشمن نے افغانستان کے منہ سے پختونستان کا نعرہ بلند کرایا تاکہ ہمارے غیور اور جسور افغان مجاہدین میں نسلی اور قبیلوی تعصب کی چنگاری بھڑکا پیدا کر دے مسلمانوں میں پختون اور غیر پختون، بنگالی اور پنجابی، سندھی اور بلوچی قومیتوں اور مختلف زبانوں کے جھگڑے پیدا کر دے اور سالمیت پاکستان اور وحدت ملت کو پارہ پارہ کر دے۔ قرآن نے اسی لئے تو ملت اسلامیہ سے خطاب کیا کہ :۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا — اللہ کی رسی کو مضبوطی سے اکٹھے ہو کر سب پکڑ لو اور فرقے فرقے مت ہو جاؤ

اسلام اور قرآن کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کا اسی لئے حکم دیا گیا کہ وہ اپنے دین کی وحدت کو زبان، رنگ، نسل اور صوبائی تعصب سے پارہ پارہ کر کے مشرکوں کی طرح نہ بن جائیں (اسی لئے ارشاد ہوا)

وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا — اور تم مشرک نہ بن جاؤ جنہوں نے اپنے دین میں تفریق ڈال دی اور فرقے فرقے میں تقسیم ہو گئے۔

ملت کے داخلی فتنے

ہمیں دشمنوں کی سازشوں کے علاوہ اپنے ملک کے داخلی فتنوں سے بھی پوری طرح ہشیار اور خبردار رہنا چاہئے آجکل کی دنیا میں دشمن کی فوجوں اور ہوائی جہازوں اور دوسرے جنگی ساز و سامان سے زیادہ دشمن کا پروپاگنڈہ اور اندرونی سازشوں سے زیادہ خطرہ ہوتا ہے۔ ہمارا دشمن ہماری ملت کے گمراہ افراد کو اپنا آلۂ کار بنا کر ملت میں افتراق اور انشقاق کی تحریکیں کھڑی کرتا ہے تاکہ ہماری وحدت کو پارہ پارہ کر دے زبان یا صوبائی تعصب کے نام پر بھی جو اختلافی تحریک شروع کی جائے اگر اس کا سرچشمہ غور و فکر سے تلاش کیا جائے گا تو وہ دشمن کی سازش اور دماغی کاوش کا نتیجہ ہوگا ہمیں پاکستان کی اسلامی مملکت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا گہوارہ بنانا ہے۔ یہاں ہر تحریک کی بنیاد اللہ اور رسولؐ کے دین پر قائم ہونی چاہئے حکومت پاکستان کا فرض ہے کہ وہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے مسلمانوں کے میل ملاپ، تبادلۂ خیالات، تبلیغ و اشاعت کے وسائل پر زیادہ سے زیادہ قوت صرف کرے تاکہ پاکستان کے دونوں حصوں میں اسلامی اخوت کو زیادہ سے زیادہ فروغ دیا جا سکے اس بات کو بھی فراموش نہ کیجئے کہ صرف اسلام کی روحانی قوت ہی سے پاکستان کے دونوں حصوں میں اخوت اسلامی کی برقی رو دوڑائی جا سکتی ہے۔

خلافت اسلامیہ کا احیاء

پاکستان اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت ہے۔ پاکستان کا قیام ہی رحمت ایزدی کا ایک کرشمہ ہے اگر امریکہ کی اڑتالیس (۴۸) مختلف ریاستیں مل کر "ریاستہائے متحدہ امریکہ" کی شکل اختیار کر سکتی ہیں اور علم، دولت و ثروت اور وسائل حیات کی فراوانی کے اعتبار سے عظیم طاقت حاصل کر سکتی ہیں تو اسلامی ممالک کا اتحاد تو امریکی اتحاد سے بھی زیادہ پائیدار بن سکتا ہے۔ لاہور سے مسجد اقصیٰ تک اسلامی ریاستوں اور اسلامی ممالک کا ایک لامتناہی سلسلہ چلا گیا ہے ہمارا یقین ہے کہ پاکستان کا قیام انشاء اللہ تمام ممالک اسلامیہ میں بین الملی اتحاد کا ذریعہ ثابت ہوگا اس اتحاد عالم سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے دنیا بھر میں پھر خلافت اسلامیہ کا احیاء ہوگا۔ امریکہ اور روس کے مقابلے میں حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کامل کا اسلامی نظام حیات عملی شکل اختیار کر کے کرۂ ارضی میں ہدایت و ارشاد کا مینار ثابت ہوگا۔

اک ولولۂ تازہ دیا میں نے دلوں کو ۔ لاہور سے تا خاک بخارا و سمرقند

تحریک تنظیم مساجد اور علمائے کرام

آج عید الفطر کے مبارک دن میں علمائے کرام، ائمہ مساجد اور جامع مساجد کے خطیب حضرات سے خصوصیت کے ساتھ خطاب کرنا چاہتا ہوں اور اپنی حکومت کے سامنے بھی اس اہم مسئلے کو پیش کرنا چاہتا ہوں کہ پاکستان ہمیں اللہ کی رحمت سے مل گیا۔ قرآن مجید کا صاف اور واضح حکم ہے کہ :۔

وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ — اور تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہئے جو نیکی کی دعوت دے جو لوگوں کو بھلائی کا حکم کرے اور برائی سے روکے۔

ہدایت و رشد کا پیغام پہنچانا اب ہماری حکومت کا بھی فریضہ ہے اور جو کام حکومتیں کرتی ہیں وہ انفرادی طور پر سر انجام نہیں پا سکتے۔ پاکستان کے اندر مساجد اللہ کی تنظیم وقت کی اہم ضرورت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری تنظیم کی بنیاد مسجد میں رکھی اس وقت تو ایک ہی مسجد تھی۔ آج پاکستان کے ہر شہر ہر قصبہ اور ہر گاؤں میں مسجدیں موجود ہیں۔ مسجدوں کے امام موجود ہیں...... جمعہ کے اجتماع ہیں۔ جمعہ کے خطبات حقیقت میں ہفتہ وار اسلامی کانفرنسیں ہیں پھر عیدین کے عظیم ملی اجتماع ہیں۔ مسجدوں کی تنظیم اور اس دینی نظام کو استوار کر دینے سے نشر و اشاعت کے ہزاروں دینی مرکز ہمیں حاصل ہو سکتے ہیں ہم محکمۂ شریعت کے متعلق پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حکومت پاکستان اس دینی محکمے کے قیام سے تنظیم مساجد، تنظیم زکوٰۃ، قیام صلوٰۃ اور تبلیغ و اشاعت دین کے مراکز قائم کر سکتی ہے

اس دینی محکمہ کے ذریعے ملت کی جدید ضروریات کے مطابق ائمہ مساجد کی ٹریننگ ہو۔ جدید خطبات جمعہ شائع کئے جائیں۔ تبلیغ دین کا لٹریچر ہر زبان میں تیار کر کے مسلموں اور غیر مسلموں میں تقسیم کرایا جائے۔ لیکچر تقریریں ان کی مفت تقسیم یورپ اور امریکہ میں تبلیغ واشاعت اسلام کے مشن غرضیکہ نشر و اشاعتِ دین کے تمام جدید ترین وسائل تیار کر کے پاکستان کے طول و عرض میں مسجدوں کے الہٰی نظام سے قرآن و سنت کا ماحول جلد سے جلد پیدا کیا جا سکتا ہے۔ سید مرور شاہ گیلانی سزاوار تبریک ہیں کہ ملت کے سامنے خطبۂ عید کے ساتھ تنظیم مساجد کا عملی پروگرام بھی پیش کر رہے ہیں اس دینی پروگرام میں ملت کی زندگی کا راز ہے۔

اے حضرات علماء کرام! یہ آپ کا کام ہے کہ اسلام کی خاطر اپنے چھوٹے چھوٹے اختلافات اور فروعی قسم کے نزاعات سے کنارہ کش ہو کر مسلم قوم کو سنبھالنے اور سنوارنے کے لئے اتحاد و یک جہتی کے ساتھ کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہو جاؤ اور قوم کو اس قابل بناؤ کہ وہ نظام شریعت کو اپنا نظام زندگی بنائے تعطل اور جمود اور کسل و بطالت کو چھوڑ دو۔ عمل صالح کے ہر میدان میں نکلو خدا ہماری مدد کرے گا۔

دعا میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ ہمارے دلوں کو سیدھا کرنے کے بعد کج نہ ہونے دے اور پاکستان کے نظام کو اسی طریقہ سے چلانے کی توفیق بخشے جس سے اللہ و رسول راضی ہوں اور ان لاکھوں مردوں اور عورتوں کی روحیں مسرت و سکونِ سرمدی حاصل کریں جو اس راستے میں کام آ چکے ہیں یا جو ابھی تک اسی پاکستان یا اسلام کا نام لینے پر ہدف ظلم و ستم بنے ہوئے ہیں وہ سمجھ لیں گے کہ ہمیں اپنی کھوئی ہوئی جانوں، مالوں اور لٹی ہوئی آبروؤں کا پورا معاوضہ مل گیا۔

اے اللہ تو عالم اسلام کو توفیق مرحمت فرما کہ وہ سب اس طرح یک دل اور یک جان ہو کر تیرا کلمہ بلند کریں کہ ان میں سے ایک کی جنگ دوسرے کی جنگ، اور ایک کی صلح دوسرے کی صلح ہو۔ اے اللہ پاکستان کو قوت اور استحکام عطا فرما اور اسے ابھارنے سنوارنے اور نکھارنے کے کام میں ہماری مدد فرما۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝	اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر تو نے ہمیں ہدایت دی اس کے بعد ٹیڑھا نہ کر اور اپنی جناب سے رحمت عطا فرما کہ بے شک تو عطا فرمانے والا ہے

شبیر احمد عثمانی

شوال ۱۳۶۸ھ
۱۹۴۹ء

وفات قائد اعظم محمد علی جناح مرحوم

قائد اعظم محمد علی جناح کا انتقال ۱۱-۱۲ ستمبر ۱۹۴۸ء کی درمیانی شب میں دس بجکر پچیس منٹ پر گورنمنٹ ہاؤس کراچی میں حرکت قلب بند ہو جانے سے ہوا۔ آپ کی وفات سے تمام ملک غم و الم میں ڈوب گیا۔ ریڈیو پاکستان نے آپ کی وفات کا پُر درد آواز میں اعلان کیا اور چالیس روز تک مسلسل قرآن خوانی کی۔ شاید ہی کسی بڑے سے بڑے لیڈر کو یہ مقام حاصل ہوا ہو جو قائد اعظم کو نصیب ہوا۔ قوم کا کوئی فرد ہو گا جس نے قرآن کریم پڑھ کر ان کی روح کو ثواب نہ پہنچایا ہو۔

قائد اعظم ۷۱ سال ۸ ماہ اور ۱۶ دن دنیا میں رہے اور اپنی زندگی کامیاب گذار کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ قدرت ایسی ہستیاں کبھی کبھی پیدا کرتی ہے۔ ۱۹۴۰ء کے بعد سے شاید انہیں ایک دفعہ زکام، نزلہ، کھانسی کی شکایت ہوئی تھی اسی وقت سے ان کے پھیپھڑے متاثر ہوئے تھے اور ڈاکٹر کے کہنے پر مشغل اس وقت آرام کیا تھا ورنہ ان کی تمام زندگی اس نحیف الجثگی کے باوجود جد و جہد میں گذری پاکستان بننے کے بعد ان پر گورنری کا بے حد بوجھ پڑا اور ان کا جسم تحلیل ہو گیا اس لئے وہ زیارت میں جسم و روح کو آرام دینے کے لئے چلے گئے۔ مگر محسوس کر رہے تھے کہ اب زندگی کا پیمانہ لبریز ہونے کو ہے بقول علامہ اقبال ؎

کوئی دم کا مہماں ہوں اے اہل محفل
چراغ سحر ہوں بجھا چاہتا ہوں

یہ سوچ کر آپ زیارت سے کراچی واپس پہنچ گئے۔ سفر نے اور نڈھال کر دیا تا آنکہ ۱۱ ستمبر کو خالق حقیقی سے جا ملے۔ انکی وفات نے دلوں کو رُلا دیا۔ پورے اعزاز کے ساتھ ان کا جنازہ مدفن تک لے جایا گیا۔ امروز اخبار اپنی اشاعت میں لکھتا ہے:۔

جلوس ایوان حکومت سے روانہ ہو کر الفنسٹن روڈ، گارڈن روڈ اور بندر روڈ سے ہوتا ہوا محمد علی جناح روڈ پر پہنچا۔ اس وقت جلوس میں حاضرین کی تعداد کا اندازہ ملکی اور غیر ملکی نامہ نگاروں نے چار لاکھ کے قریب لگایا۔ آخر کار جلوس اس جگہ پہنچ گیا جو مسلمانان ہند اور پاکستان کے محبوب رہنما کی آخری آرامگاہ تھی۔ اسے نمائش کا میدان کہتے ہیں۔ اس جگہ قائد اعظم نے ایک عظیم جامع مسجد کی بنیاد ڈالی تھی یہ میدان تقریباً قریب میل لمبا اور دو اڑھائی میل چوڑا ہے اس جگہ یوم عید کے موقع پر بھی تقریباً اتنا ہی مجمع ہوتا ہے یہاں مسلمانوں نے نہایت نظم و ضبط کے ساتھ نماز جنازہ ادا کی۔ اخبار مغربی پاکستان کی خبر کے مطابق شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی امامت میں نماز جنازہ میں پانسو صفیں اقتدا میں تھیں۔ نماز ۱۲ ستمبر ۱۹۴۸ء کو شام کے پورے

پانچ بجے شروع ہوئی اور تقریباً ۵ منٹ جاری رہی جونہی نماز جنازہ ختم ہوئی علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نے چار لاکھ سے زیادہ اجتماع سے خطاب فرمایا۔

اخبار جنگ کراچی مورخہ ۱۱ ستمبر ۱۹۷۳ء میں ایک مضمون حافظ محمد اسلام کا شائع ہوا ہے جس میں حافظ صاحب نے جلوس جنازہ کا حال لکھتے لکھتے لکھا ہے

"نماز جنازہ پڑھانے کے بعد علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نے نہایت درد انگیز تقریر کی"۔

افسوس کہ اس تقریر کا پورا متن نہیں مل سکا۔ اگرچہ کراچی کو بھی بعض احباب کو خط لکھا لیکن انہوں نے بھی تغافل اور سستی سے کام لیا۔ تاہم اخبار امروز اور دیگر اخبارات نے جو اقتباسات شیخ الاسلام کی تقریر کے درج کئے ہیں وہ ہم جستہ جستہ لکھتے ہیں۔ ہم نے ریڈیو پاکستان کراچی سے یہ تقریر خود سنی جو ایک گھنٹہ تک جاری رہی۔

قائد اعظم کی نماز جنازہ کے بعد علامہ شبیر احمد عثمانی کی تقریر کا خلاصہ

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

"قائد اعظم کی جدائی سے پاکستان ہی کو نہیں بلکہ سارے عالم انسان کو نقصان پہنچا ہے آپ نے لوگوں کے دلوں کو مسخر کر لیا تھا اور ان پر آپ کی حکومت تھی۔ ایک مدبر کی حیثیت سے قائد اعظم محمد علی جناح اعلیٰ تر اور ناقابل موازنہ حیثیت کا انسان تھا۔ آپ کو دنیا کا کوئی بھی انسان خرید نہیں سکتا تھا۔ اور کوئی بھی انسان آپ کو کسی قانونی یا آئینی مسئلے پر بے وقوف نہیں بنا سکتا تھا۔

قائد اعظم ایک غریب اور بے علم قوم کا رہنما تھا اور تمام دنیوی آسائشوں کو ٹھکرا کر اپنی قوم کے پامال لوگوں کی بہتری کے لئے شب و روز مصروف خدمت رہتا تھا

اس نے عہد اورنگ زیب کی اسلامی شوکت کی یاد تازہ کر دی تھی اور اس سرزمین کے مسلمان ان تمام خدمات کے عوض جو آپ نے مسلم قوم کے لئے انجام دی تھیں آپ کے ہمیشہ خدمت گذار رہیں گے۔

قائد اعظم مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ انشاء اللہ وہ دن قریب ہے جب کراچی اسلامی ممالک کا مرکز ہوگا کراچی سے لے کر انقرہ تک، کراچی سے لیکر مراکش تک اور کراچی سے لیکر چین تک مسلمانوں کا ایک مضبوط بلاک بنایا جائیگا جسکی قیادت کے فرائض انشاء اللہ تعالیٰ پاکستان ادا کرے گا۔

وہ نحیف انسان تھا لیکن وہ پہاڑوں سے ٹکرانے کی قوت رکھتا تھا۔ جب پہلے پہل انہوں نے پاکستان کا تخیل پیش کیا تو ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو یہ یقین رکھتا ہو کہ پاکستان کبھی حقیقت بن سکے گا لیکن اس مرد مجاہد کے استقلال، عزم، ایثار، سیاسی ذہانت اور تدبر نے خدا کے فضل و کرم سے ایک ناممکن امر کو ممکن بنا کر دکھا دیا۔

پاکستان بنا تو انہوں نے مجھ سے فرمایا "مولانا پاکستان صحیح معنوں میں ایک اسلامی جمہوریہ ملک ہوگا جس میں ہر شخص کو عزت و ترقی کرنے کے مواقع حاصل ہونگے۔ شریعت کا بول بالا ہوگا"۔

یہی انکی خواہش تھی، یہی ان کی تمنا تھی۔ انکی اس آخری خواہش کو جامہ عمل پہنانا اب ہم میں سے ہر ایک مسلمان کا مذہبی فرض ہے۔ آؤ ہم خدا کے حضور میں سر نیاز جھکا کر اس امر کا عہد کریں کہ ہم پاکستان کی ترقی استحکام سربلندی اور ظفرمندی کے لئے قائد اعظم کے نقش قدم پر چل کر کسی قربانی سے دریغ نہ کریں گے۔

قائد اعظم محمد علی جناح ہم میں موجود نہیں ہوں گے لیکن ان کی روح ہمیشہ ہماری رہنمائی کرتی رہے گی آپکی ہدایات اور آپ کا جذبہ پاکستانی عوام کے دل و دماغ میں ہمیشہ زندہ رہے گا اللہ تعالیٰ سے میں دعا کرتا ہوں کہ وہ ان کی مغفرت فرمائے اور پاکستان کو پائندہ اور تابندہ رکھے اور پاکستانی قوم کو انکی اس امانت کی صحیح طور پر حفاظت اور ترقی دینے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آئیے ہم عہد کریں کہ ہم مملکت پاکستان کے وفادار بن کر رہیں گے اور اللہ کے احکام پر عمل کرنے کی پوری پوری کوشش کریں گے اور اس مملکت خداداد کو جس مقصد کے لئے حاصل کیا گیا ہے یعنی کہ اس میں قانون خداوندی کا ہم نفاذ کر کے چھوڑیں گے اس کے لئے کمربستہ ہو جائیں گے (امروز ومغربی پاکستان وغیرہما)

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد والہ وصحابہ اجمعین

تدفین قائد

امروز مورخہ ۱۳ ستمبر ۱۹۴۸ء اپنے بیان میں لکھتا ہے کہ علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کی تقریر کے بعد قائد اعظم کی میت کو بحری فوج کے سپاہیوں نے اپنے کندھوں پر اٹھایا اور توپ کی گاڑی پر رکھ دیا جسے مسٹر لیاقت علی (شہید وزیر اعظم) اور پاکستان کے وزراء نے کھینچ کر قائد اعظم کو چھ بجکر چوبیس منٹ پر پورے قائدانہ احترام کے ساتھ اسی سرزمین میں سپرد خاک کر دیا جہاں انکی ۷۲ سال پہلے ولادت ہوئی تھی اس موقع پر پاکستان کے ٹیمپسٹ طیاروں نے پھول برسائے۔

علامہ عثمانی سے راجگوپال چاریہ گورنر بھارت کا اظہار تعزیت

قائد اعظم کی وفات کے غم نے نہ صرف پاکستان کو غم میں ڈبو دیا بلکہ دوسرے ممالک کے لوگوں کو بھی مصروف آہ و بکا کر دیا۔ دوست تو متاثر ہوئے دشمنوں نے بھی رواداری کا ثبوت دیا، شری راجگوپال آچاریہ ہندوستان کے غیر متعصب گورنر نے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کو ایک تار بھیجا جو حسب ذیل ہے:۔

"براہ مہربانی اس موقع پر جب آپ قائد اعظم کی نماز جنازہ پڑھیں گے میرا یہ ذاتی پیغام قبول کیجئے اگرچہ میں جسمانی طور پر نماز جنازہ میں شامل ہو کر آپ کے شریک غم نہیں ہو سکا لیکن اپنی دعاؤں میں آپ کے ساتھ ہوں۔ خدا تعالیٰ ہمیں طاقتوں اور جذبات پر غالب کر کے ہندو پاکستان اور تمام ممالک کے درمیان امن و صلح قائم کرانے میں ہماری مدد کرے۔ (اپ)"

راجگوپال چاریہ گورنر بھارت کو شیخ الاسلام علامہ عثمانی کا جواب

کراچی۔ ۱۶ ستمبر حضرت مولانا شبیر احمد

صاحب عثمانی نے ہز ایکسیلینسی راج گوپال اچاریہ گورنر بھارت کو ان کے تعزیتی تار کے جواب میں لکھا :۔

"مجھے افسوس ہے کہ آپ کا پیغام بر وقت نہیں پہنچا تا کہ نماز جنازہ پر جمع ہونے والے چھ لاکھ آدمیوں کے روبرو پڑھا جاتا۔ حضرت قائد اعظم کی وفات حسرت آیات سے جو صدمہ ہمیں پہنچا ہے۔ اس پر آپ کے اظہار ہمدردی کا میں شکریہ ادا کرتا ہوں۔ یور ایکسیلینسی کے خیال سے متفق ہو کر میں بھی یہ دعا کرتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ نیکی کو بدی کی طاقتوں پر غالب کرے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور دنیا کی تمام قوموں کو اس قابل بنائے کہ ہمارے مشترکہ تعاون اور انس سے دنیا میں ایک ایسا نظام بن سکے جس سے تمام بنی نوع انسان کی سیاسی، اقتصادی، اخلاقی اور روحانی مشکلات کا ازالہ کیا جا سکے۔ آیئے ہم دوسروں کے لئے وہی پسند کریں جو ہم اپنے لئے پسند کرتے ہیں۔" (اخبار زمیندار ۱۰ر ستمبر ۱۹۴۸ء)

الغرض قائد اعظم کی وفات نے پاکستان کے لوگوں پر غم کا گہرا اثر ڈالا بچے، لڑکے، جوان، بوڑھے اور مرد و زن سبھی نے غم میں آنسو بہائے۔ شاعروں نے مرثیوں میں اپنے دلوں کی آہیں کھینچیں ایک مرثیہ اس راقم الحروف نے بھی لکھا جو حسب ذیل ہے :۔

مرثیہ بر وفات قائد اعظم محمد علی جناح مرحوم

درد جدائی ہمکو دے کر آپ سدھارے قائد اعظم
اتنے خفا کیوں ہو گئے ہم سے ہائے ہمارے قائد اعظم

رنج یتیمی دے کر گئے ہو ایک برس کے پاکستان کو
یہ تو بتا دو اب یہ بیٹے کس کے سہارے قائد اعظم

درد ہے دل میں سینہ شق ہے لب پہ آہیں آنکھ میں آنسو
کس سے مداوی زخم جگر کا ہوگا ہمارے قائد اعظم

یہ بھی کچھ سوچا کہ بھنور میں کشتی پاکستان پھنسی ہے
جانا تھا تو جاتے لگا کر اسکو کنارے قائد اعظم

صورت غم تصویر الم، با چشم پُر نم فاطمہ بیگم
درد سراپا، سوز مجسم غم میں تمہارے قائد اعظم

آئے میں نواب لیاقت زیر بغل کچھ لائے ہیں
قابل غور قیادت میں یہ کاغذ سارے قائد اعظم

سوگ میں تیرے سب نے پہنے ہیں صورت غم کی گور غریباں میں
آکر ممالک کے سفرا ہیں رنج کے مارے قائد اعظم

تیری تعریفوں کے چرچے آج زبانوں پر گھر گھر ہیں
تو آرام سے مرقد میں خاموش ہے پیارے قائد اعظم

پنجہ دشمن نے ہیں نکالے قوت بازو دکھلا جا
"تیغم پاکستان" ہے دنیا تجھ کو پکارے قائد اعظم

آ اور آکر دشمن دیں کو حیراں کر دے لرزاں کر دے
تار و پود بکھیر دے آکر کفر کے سارے قائد اعظم

قوم کو جب خطرے میں پایا آڑے آکر تو نے بچایا
قوم کے بگڑے کام ہمیشہ تو نے سنوارے قائد اعظم

ہمت و استقلال مجسم، روح لطیف و عزم مصمم
کوہ وقار و خود دار اے ہمت کے دلارے قائد اعظم

الحاصل دنیا کے نقشے پر جس ملک کا نام نہ تھا
تو نے بنا کے چھوڑا پاکستان ہمارے قائد اعظم

انورؔ سوختہ دل کی دعا ہے ساکن خطۂ شہر خموشاں
تجھ پہ خدا کی رحمت ہو اے آنکھ کے تارے قائد اعظم

سقوط حیدر آباد اور علامہ عثمانی

پاکستان اللہ تعالیٰ نے بنایا اور اسی نے اس کی کشتی پار لگائی اور وہی لگا رہا ہے اور وہی لگائے گا وہی اس مملکت خود داد کو سہارا دے گا۔ قوم کو بھی اسی نے خطروں سے بچایا البتہ قائد اعظم کو ذریعہ بنا کر دنیا کے نقشے پر پاکستان کو ابھارا۔ مرحوم کو گذرے ہوئے ۲۲ سال ہو چکے ہیں اور پاکستان بقول شاعر

اکیلا ہوں میں اور لاکھوں ہیں طوفاں!
مگر اپنی کشتی لئے جا رہا ہوں!!

بھارت نے قائد اعظم کی تجہیز و تکفین اور تدفین کے روز ۱۳ر ستمبر ۱۹۴۸ء کو حیدر آباد دکن پر تسلط کر دیا۔ اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا۔ حکومت ہند نے حیدر آباد کے مسلمانوں کے ساتھ کیا قیامت برپا کی وہ بیان سے باہر ہے حیدر آباد کے رضا کاروں نے بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا۔ بڑی اسٹیٹ کی فوج تو وہ بری طرح پامال ہوئی۔ اتنے بڑے ٹینک کا مقابلہ کیا کر سکتی تھی۔ سید قاسم رضوی رضا کاروں کے سالار تھے وہ مجاہدانہ لڑتے رہے لیکن تابکے۔ ایک موقع ایسا بھی آیا کہ رضا کاروں کو بھارتی ٹینکوں نے کچل کر ریزہ ریزہ کر دیا۔ مسلمانان دکن کے خون سے ہولی کھیلی۔ ایسی خونریزی چشم فلک نے شاید کبھی دیکھی ہو۔

الغرض حیدر آباد ستمبر ۱۹۴۸ء کے آخر تک مفتوح ہو گیا۔ نواب میر عثمان علی خاں اپنے محل میں نظر بند کر دیئے گئے جنرل چودھری اور پٹیل نائب وزیر اعظم سقوط حیدر آباد کے ہیرو ہیں۔ بالآخر میر عثمان علی خاں کا پندرہ سولہ سال کے بعد انتقال ہو گیا اور انتقال سے پہلے ان کی دولت و حشمت کو ڈھنگ ڈھنگ سے بھارت کی حکومت نے اپنے قبضے میں لے لیا۔

علامہ عثمانی کا تاثر علامہ شیخ الاسلام شبیر احمد صاحب عثمانی کو جہاں کشمیر کا بے حد غم تھا اس پر سقوط حیدر آباد کا غم اور دو بالا ہو گیا۔ علامہ نے شہید ملت لیاقت علی وزیر اعظم پاکستان سے برابر دکن کے بارے میں رابطہ رکھا خیال یہ تھا کہ حیدر آباد کی مدد کی جائے اور عسکری مقابلہ بھی کیا جائے لیکن حالات سازگار نہ تھے اس لئے بھارت حیدر آباد کو ہضم کر گیا۔ میر لائق علی وزیر اعظم حیدر آباد بھی اپنے محل میں محصور کر دیئے گئے۔ باہر کڑا پہرا تھا۔ ایک دفعہ برقعہ پہن کر ہوائی اڈے تک آئے اور اٹلی کا مشہور پائلٹ سڈنی جس نے اپنے جہاز کو وہاں پرواز کے لئے کھڑا کر رکھا تھا ان کو سوار کر کے پاکستان لے آیا۔ بھارت کی حکومت دیکھتی رہ گئی۔ پہرے داروں کو اس طرح

چل دیا گیا کہ وہ بکے بکے رہ گئے۔ انقلاب زمانہ کہ میر لائق علی کراچی میں آکر مقیم ہوئے اور گمنامی کے گوشے میں وقت گذار دیا۔ اب امریکہ میں تھے کہ اکتوبر ۱۹۷۱ء کے دوسرے عشرے میں وفات پائی اور انکی میت کو امریکہ سے مدینہ منورہ میں دفن کرنے کے لئے حکومت سعودیہ حجاز سے بات چیت ہو رہی ہے یہی حال سید قاسم رضوی کا ہوا وہ جنرل چودھری کے عوض میں کراچی پاکستان آئے اور کئی سال ہوئے وہ بھی رحلت فرما گئے۔ رہے سدا نام اللہ کا۔

علامہ عثمانی کے نظام دکن میر عثمان علی خاں سے ذاتی تعلقات

علامہ عثمانی کے نظام دکن میر عثمان علی خاں مرحوم سے ذاتی تعلقات تھے اور نظام صاحب علامہ کے بے حد معتقد تھے۔ علامہ عثمانی نے حیدر آباد دکن کا سب سے پہلا سفر ۱۹۲۸ء کے آغاز میں کیا۔ مولانا کے تلامیذ بھی حیدر آباد دکن میں تھے بالخصوص مولانا مناظر احسن گیلانی فاضل دیوبند عثمانیہ یونیورسٹی میں پروفیسر تھے۔ شاگردوں اور معتقدوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ حیدر آباد خاص میں تقریروں کی فرمائش کی گئی۔ علامہ کی تقریروں نے حیدر آباد میں غلغلہ برپا کر دیا۔ تقریروں کا غلغلہ نواب صاحب کے کانوں تک پہنچا تو نواب صاحب نے سننے کا اشتیاق ظاہر کیا وہ مکی مسجد میں جمعہ پڑھنے آیا کرتے تھے۔ اہل حل و عقد نے مکی مسجد میں علامہ عثمانی کی تقریر کرانے کا پروگرام بنایا۔ اتفاق سے مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ بھی ان دنوں حیدر آباد میں آئے ہوئے تھے۔ وہ بھی اتفاق سے مکی مسجد میں پہنچے۔

علامہ عثمانی کی مکی مسجد حیدر آباد دکن میں تقریر اور نظام دکن کا تاثر

علامہ عثمانی نے تقریر شروع فرمائی تقریر میں جوش، طلاقت فصاحت و بلاغت اور لطائف و معانی کے چشمے ابل رہے تھے۔ وہ ہندوستان کے چوٹی کے مقرر تھے پھر کیا تھا نواب صاحب اچھل اچھل پڑ رہے تھے۔ اثنائے تقریر میں علامہ عثمانی نے فرمایا اگر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جوتی کا تسمہ مل جائے تو نواب صاحب اپنے تاج میں اس کو ٹانکنا فخر سمجھیں۔ یہ سن کر نواب صاحب نے بآواز بلند کہا "بے شک مولانا" اس زمانے میں نواب صاحب پر تفضیلی عقیدے کا غلبہ تھا۔

یہ واقعہ علامہ عثمانی نے خود اپنی ایک مجلس میں سنایا اور میں بھی موجود تھا۔ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں۔

"ایک وقت ایسا آیا کہ جب نظام پر تفضیلیت[1] کا غلبہ تھا اور اتفاق سے وہ مکہ مسجد میں نماز پڑھنے آتے تھے تو مرحوم (مولانا شبیر احمد صاحب) نے تقریر فرمائی جس میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل بہت دلنشیں طریقے سے بیان کئے تھے۔ اس دن لوگوں کو مرحوم کی تقریر سے بڑی خوشی ہوئی اور ان کے

---

[1] تفضیلی شیعوں کا ایک معتدل طبقہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تمام صحابہ سے افضل سمجھتا ہے لیکن دوسرے صحابہ کو برا بھلا نہیں کہتا اور ان کا احترام کرتا ہے ... حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو سب پر فضیلت دیتا ہے ... نظام دکن میر عثمان علی بھی اسی عقیدہ کا غالب ... تھا۔

بے باکانہ اظہار حق کی سب نے تعریف کی۔ (معارف اپریل ۱۹۵۰ء اعظم گڑھ)

نواب صاحب بہادر کی تفضیلیت کے غلبے کے باعث اہلسنت والجماعت امراء و وزراء اور حکام کو تفضیلی امراء کے ساتھ کچھ ایسی خلفشار کی صورت پیدا ہو گئی تھی کہ ریاست کے انتظامی اور مذہبی معاملات میں رخنہ پیدا ہو چلا تھا۔ علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں صورت احوال کی اصلاح میں دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دار العلوم دیوبند اپنے ایک مضمون میں علامہ عثمانی پر لکھتے ہیں۔

"ریاست حیدر آباد دکن میں ایک وقت ایسی صورت حال پیدا ہو گئی کہ حکام اور وزراء میں مذہبی خیالات کے باعث آویزش نے سخت اختلاف کا رنگ پیدا کر لیا تھا۔ علامہ عثمانی نے اس سلسلے میں بڑا کام کیا اور ایک مسلمان ریاست کے لوگوں کو اصلاح پر لا کر انہوں نے صورت حال کو بدل دیا۔ (روایت بالمعنی رسالہ دار العلوم)

مولانا سید سلیمان ندوی اپنے مذکورہ بالا مضمون میں ایک جگہ مولانا شبیر احمد صاحب کے متعلق لکھتے ہیں۔

"ایک میلاد[1] کی مجلس میں میرا ان کا ساتھ ہو گیا۔ اسی جلسے میں خود حضور نظام بھی آنے والے تھے میری تقریر ہو رہی تھی کہ وہ آ گئے میرے بعد مولانا شبیر احمد صاحب نے تقریر شروع کی حضور نظام نے بڑی داد دی اور اہل محفل محظوظ ہوئے۔ مولانا شبیر احمد صاحب بڑے خطیب و مقرر تھے۔ ان کی تقریروں میں کافی دلائل ہوتے تھے اور سیاسی و علمی اور تبلیغی اور واعظانہ ہر قسم کے بیان پر ان کو قدرت حاصل تھی ذہانت و طباعی اور بدیہہ گوئی انکی تقریروں سے کافی نمایاں ہوتی تھی۔" (معارف اپریل ۱۹۵۰ء صفحہ ۳۰۶)

ان حالات سے آپ کو معلوم ہو چکا کہ نظام دکن علامہ عثمانی کے پھر کتنے معتقد ہو گئے۔ نواب صاحب نے آپ کو ملازمت کی پیشکش کی لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ تاہم ہر سال تشریف لانے کی خواہش کا اظہار کیا یہ بات علامہ نے قبول فرمالی۔ چنانچہ پھر آپ حیدر آباد تشریف لے جاتے۔ نظام صاحب تقریریں سننے آتے اور اپنے محل میں قدم رنجہ فرمانے کی بھی دعوت دیتے۔ علمی سوالات کرتے اور گھنٹہ گھنٹہ بھر باتوں کا سلسلہ جاری رہتا۔ نظام صاحب اپنے خاصے کا کھانا بھی علامہ کو بھیجتے اور یہ نظام کی عقیدت کا خاص نشان ہوتا تھا۔

نظام سے ایک خاص ملاقات

ایک دفعہ نظام صاحب نے علامہ عثمانی کو اپنے محل میں تشریف لانے کی دعوت دی وقت صرف پندرہ بیس منٹ طے ہوا۔ علامہ عثمانی پہنچے تو نظام صاحب نے علمی سوالات کئے۔ علامہ عثمانی نے محققانہ جواب دئے نواب صاحب قدردان تو تھے ہی بے حد محظوظ ہوئے اور ایک گھنٹے سے زیادہ وقت لگ گیا حالانکہ

---

[1] علمائے دیوبند محفل میلاد کے منکر یا مخالف نہیں ہیں۔ موجودہ بدعات کو جو میلاد میں شامل کر لی گئی ہیں ان کے مخالف ہیں۔ ورنہ ذکر ولادت شریفہ کا انکار کیوں کر ممکن ہے۔ انوار

سر اکبر حیدری وزیر اعظم صوبہ برار کو انگریزوں سے واگذار کرانے کے سلسلے میں ضروری کاغذات لے کر آئے ہوئے تھے اور وہ لندن جانے والے تھے لیکن نظام صاحب کچھ ایسے محو ہوئے کہ وقت بھی بھول گئے۔

فتح الملہم شرح مسلم کی طباعت کے لئے عطیہ عظمیٰ

اسی اثناء میں بعض اہل حل و عقد نے علامہ عثمانی کی معرکۃ الآرا تصنیف فتح الملہم شرح مسلم کی طباعت کے لئے درخواست پیش کی چنانچہ نظام صاحب نے پچیس ہزار کی رقم علامہ عثمانی کو عطا فرمائی۔

جامعہ عثمانیہ کے پرنسپل کے عہدے پر علامہ عثمانی کا تقرر

۱۹۴۵ء میں نواب میر عثمان علی خاں نے علامہ عثمانی کو جامعہ عثمانیہ کی پرنسپل شپ قبول کرنے کی پیشکش کی۔ ابھی آپ جانے بھی نہ پائے تھے کہ پاکستان بن گیا اور آپ کراچی (پاکستان) تشریف لے آئے اور حیدر آباد کی پیشکش کا معاملہ درہم برہم ہو گیا۔

اسی ذاتی تعلقات اور اسلامی ریاست ہونے کے باعث علامہ کو بھارت کے حیدر آباد کے حملے نے بہت دکھ پہنچایا۔ افسوس صد افسوس کہ آج نہ صرف حیدر آباد بلکہ کشمیر، جونا گڑھ، مانا ودر بھی بھارت کے قبضے میں ہیں حالانکہ موخر الذکر دونوں ریاستوں کے نوابوں نے اپنی ریاست کا الحاق پاکستان سے کیا تھا۔

۲۷ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو یونائیٹڈ نیشنز میں چین کی شمولیت کا فیصلہ ہو گیا ہے۔ دیکھئے اب عالمی امور کے بارے میں کیا انقلابات آتے ہیں۔

مختصر یہ کہ ہم سقوط حیدر آباد کا ذکر کر رہے تھے علامہ نے اس سلسلے میں تقریروں اور تحریروں کا سلسلہ شروع کیا اور حکومت کو بھی عملی قدم اٹھانے پر آمادہ کیا لیکن بھارت مکمل قبضہ کر چکا تھا اور یہ معاملہ ہمیشہ کے لئے بھارت کے حق میں طے ہو گیا۔ یونائیٹڈ نیشنز میں کچھ آوازیں بلند بھی ہوئیں لیکن صدا بصحرا ثابت ہوئیں۔

یوم حیدر آباد منایا جائے

ذیل کی ایک خبر سے جو زمیندار اخبار لاہور میں ۲۸ اگست ۱۹۴۹ء کو شائع ہوئی معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳ ستمبر ۱۹۴۸ء سے پہلے سے ہی بھارت نے حیدر آباد کے خلاف چھیڑ چھاڑ شروع کر دی تھی۔ البتہ باقاعدہ حملہ قائد اعظم کی وفات کے بعد کیا گیا تھا۔ اس موقع پر ہم علامہ عثمانی کی حسب ذیل اپیل پیش کرتے ہیں جو انہوں نے پاکستانیوں سے کی۔

کراچی ۲۶ اگست۔ آزاد کشمیر حکومت کے صدر سردار محمد ابراہیم خاں، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی، پیر صاحب مانکی شریف اور مولانا مجددی سرحدی نے مسلمانان پاکستان سے اپیل کی ہے کہ کل جمعہ کے روز طول و عرض پاکستان میں یوم حیدر آباد منایا جائے اور نماز جمعہ کے بعد حیدر آباد کی فتح کیلئے دعائیں مانگی جائیں اور ہندوستان کی جارحانہ سیاست کے خلاف قراردادیں منظور کی جائیں اور تقریریں کر کے عوام کو حیدر آباد اور ہندوستان کے جھگڑے کے متعلق تفصیلات بتائی جائیں۔ (ا-پ)

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔

(جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ ظالم ہیں)

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی

اور

انکی مملکت خداداد پاکستان میں

اسلامی آئین کے نفاذ

اور

اسلامی آئین سازی

کے لئے بے پناہ جدوجہد

(مرتب)

شیخ الاسلام کے چند غور طلب کشفی زریں اقوال

۱۔ یاد رکھئے کہ اگر پاکستان میں اسلامی اصولوں پر حکومت کی بنیاد نہ رکھی گئی تو پاکستان زندہ نہ رہ سکے گا۔ (خطبہ ڈھاکہ کانفرنس)

۲۔ جب تک اسلامی ریاست کا قیام عمل میں نہیں آتا ہمیں کامیابی نہیں ہو سکتی، حکومت کو فوراً اعلان کر دینا چاہئے کہ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے۔ (خطبہ ڈھاکہ)

۳۔ پاکستان کو دنیا کے سامنے اسلامی نظام بطور مثال پیش کرنا چاہئے تاکہ دنیا والوں کو معلوم ہو سکے کہ اسلام ہی امن و انتظام خوشحالی و اطمینان اور اقلیتوں کی حفاظت کا ضامن ہے۔ (خطبہ ڈھاکہ)

۴۔ حکومت ایسی تدابیر فی الفور اختیار کرے کہ یہاں انسانوں کی زندگی کے ہر شعبے میں کتاب اللہ کو رہنمائی کا درجہ مل جائے (خطبہ ڈھاکہ)

۵۔ پاکستان کا آئین شریعت اسلامی کے مطابق مرتب ہونا چاہئے اور اس کی تدوین و ترتیب کے لئے جید علماء اور مفکرین کی ایک کمیٹی مقرر ہونی چاہئے۔ (بیان علامہ زمیندار ۳ فروری ۱۹۴۹ء)

۶۔ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کامل کا اسلامی نظام حیات عملی شکل اختیار کر کے کرۂ ارضی میں ہدایت وارشاد کا مینار ثابت ہوگا۔

۷۔ حضرات علمائے کرام یہ آپ کا کام ہے کہ اسلام کی خاطر چھوٹے چھوٹے اختلافات اور فروعی نظریات سے کنارہ کش ہو کر مسلم قوم کو سنبھالنے اور سنوارنے کے لئے اتحاد و یک جہتی کے ساتھ کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہو جاؤ اور قوم کو اس قابل بناؤ کہ وہ نظام شریعت کو اپنا نظام زندگی بنالے۔

۸۔ میرے نوجوانو! وقت ہے کہ تم ہمت اور اولوالعزمی دکھاؤ اور دریائے الحاد کے دھارے کے خلاف اگر تیر نا پڑے تو شیر ببر کی طرح سینہ سپر ہو جاؤ...... خدائی نظام کا احیاء تاریخ میں تمہارا نام روشن کرے گا اور اللہ و رسول کے سامنے سرخرو بنائے گا۔

یاد رکھو کہ خدا کا دیا ہوا یہ موقع بھی اگر ہاتھ سے کھو دیا تو دنیا اور آخرت کی تباہی سے کوئی چیز تمہیں نہیں بچا سکتی۔

اصل منزل

آئین اسلام کا اجراء اور اسکا نفاذ ہے

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم لیگ میں شرکت ہی اس وقت اور اس لئے کی تھی کہ قائدین مسلم لیگ نے بار بار پاکستان میں اسلامی احکام کے اجراء اور نفاذ کے بارے میں بیانات دیئے تھے۔ چنانچہ بچے بچے کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔

"پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ"

جب پاکستان کو ہندوؤں اور انگریزوں نے تسلیم کر لیا اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ۳ر جون کو اعلان کر دیا تو پنجاب لاہور کے بعض دیندار طبقے نے جس میں جمعیۃ الاسلام پنجاب کے اہل علم بھی تھے علامہ عثمانی کو دیوبند خط لکھا اور یہاں لاہور میں "مجلس العلماء" کی انجمن کے انعقاد سے اطلاع دی اور اس کی صدارت کی منظوری علامہ سے چاہی۔ علامہ عثمانی آل انڈیا جمعیۃ العلماء اسلام کے تو پہلے ہی صدر تھے مجلس العلماء پاکستان میں اسلامی آئین اور دستور سازی کے بارے میں غور و فکر کے لئے عمل میں لائی گئی تھی جس کے جنرل سیکرٹری شفیق احمد صاحب صدیقی تھے۔ علامہ عثمانی نے حسب ذیل مکتوب لکھ کر جواب میں فرمایا:۔

مکتوب علامہ بنام شفیق احمد صاحب جنرل سیکرٹری "مجلس العلماء" لاہور

بیت الفضل دیوبند

مکرمی سلام مسنون!

عنایت نامہ طلاء احوال مندرجہ سے آگاہی ہوئی۔ آپ کا یہ جذبہ قابل قدر ہے کہ آپ اور آپکی "مجلس العلماء" تاسیس پاکستان کے بعد ملک میں اسلامی آئین قائم کرنے کا عزم صادق رکھتی ہے اور اس سلسلے میں میرے تعاون کی آپ کو ضرورت اور میری قیادت کا آپ کو احساس ہے میں بقدر امکان اس مبارک خیال میں آپ کے ساتھ ہر قسم کے تعاون کے لئے تیار ہوں۔

اکابر مسلم لیگ کے وہ اعلانات جو گذشتہ الیکشن کے دوران میں پاکستان میں اسلامی اور قرآنی نظام قائم کرنے کے متعلق کئے گئے تھے میں اپنی خاص و عام مجالس اور تحریر و تقریر میں برابر دہراتا رہا ہوں۔ ۹ر جون ۱۹۴۷ء کی آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے موقع پر ایک وفد کی حیثیت میں

میری جو گفتگو اس سیاق میں جناح صاحب سے ہوئی جس میں موصوف نے ہم کو یقین دلایا تھا کہ پاکستانی دستور ساز اسمبلی کے قیام کے بعد کوئی کمیٹی علماء کی بنائی جائے گی جو مجوزہ دستور کی شرعی نقطۂ نظر سے جانچ کرے گی ......

میں اس نظریہ (آئین اسلامی) کا دل سے حامی ہوں اور جس حد تک موقع ملے اپنی بساط کے موافق اس بارے میں سعی کرنا اپنا فرض مذہبی سمجھتا ہوں۔ چونکہ میرا انتخاب دستور ساز اسمبلی کے لئے بھی ہو چکا ہے اس لئے میرا عزم مصمم ہے کہ وہاں پہنچکر اپنی استطاعت کی حد تک اس سلسلے میں پوری قوت کے ساتھ آواز بلند کروں، خواہ کوئی پارٹی میرا ساتھ دے یا نہ دے اور آخری نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ کیوں کہ یہ نہ صرف میرے ضمیر کی آواز ہوگی بلکہ مجھے یقین ہے کہ میں اس طرح کروڑوں مسلمانوں کے صحیح جذبات اور ان کے ایمانی تقاضوں کی بھی ترجمانی کروں گا اس لئے لاہور میں جو بعض علماء نے "آئین ساز مجلس العلماء" کے نام سے ایک جماعت قائم کی ہے اس کی شرکت میں نے منظور کرلی ہے اور ان سے کہدیا ہے کہ اس سلسلے میں اپنی دعوت تعاون کا دائرہ تنگ نہ کریں بلکہ ہر قسم کے علماء اور دانشمند ماہرین کو جو اس کام سے دلچسپی رکھتے ہوں ———— اور اس میں مدد کرسکتے ہوں دعوت دیں خواہ ان کا مسلک کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ شرط صرف اتنی ہے کہ اسلام کے اولین اساسی اصول میں ان کو کوئی اختلاف نہ ہو۔ میں جانتا ہوں کہ باوجود ہمارے ہزاروں اختلافات کے اس نقطۂ مرکزی پر ہم سب مجتمع ہو سکتے ہیں کہ نوع انسان کے دنیوی و اخروی مصائب کا واحد علاج اسی نظام حکومت کے قیام سے متصور ہے جو قرآن وسنت کے بتلائے ہوئے فطری اصول اور تاریخ عالم کے درخشاں ترین عہد حکومت کی بہترین روایات پر قائم ہو۔ مذکورہ بالا جماعت جو لاہور میں قائم ہوئی ہے اس کا منشا وہی ہے کہ بحث وتمحیص کے بعد سر دست چند جامع اور بنیادی اصول وحقائق ایسے چن لئے جائیں جو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے سامنے اچھے اسلوب کے ساتھ پیش کئے جاسکیں۔ والسلام

شبیر احمد عثمانی

اس مکتوب میں علامہ نے تمام مکتبہ ہائے فکر کے علماء کو بجز ایسے فرقوں کے علماء کے جن سے ہمارا اصولی اختلاف ہے اور جن کے اور ہمارے درمیان نہ پٹنے والی خلیج حائل ہے سب کو مجلس عمل میں شامل ہونے کا مشورہ دیا ہے مبادا ان حضرات کے اختلاف کے باعث ایک اعلیٰ مقصد سے پاکستان محروم نہ ہو جائے۔ جب پاکستان معرض وجود میں آنے کو تھا تو علامہ عثمانی کراچی تشریف لائے۔ کیوں کہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان اسمبلی میں ماؤنٹ بیٹن کے چارج دینے پر ان تمام مرکزی اسمبلی کے ممبروں کو کراچی پہنچنا تھا۔ اور اس سے پہلے کے اجلاسوں میں بھی شرکت کرلی تھی۔

علامہ عثمانی سلہٹ بنگال سے ممبر قومی اسمبلی بنے تھے

علامہ متحدہ ہندوستان کی مرکزی اسمبلی کے

سلہٹ کی طرف سے ممبر چنے گئے تھے لہذا آپ کا بھی آنا ضروری تھا چنانچہ ۶ اگست ۱۹۴۷ء مطابق ۱۸ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ کو علامہ دستور ساز اسمبلی کے افتتاح اور دیگر جلسوں میں شرکت کے لئے صبح کو گیارہ بجے کی گاڑی سے دیوبند سے روانہ ہوئے۔ میں اور مولانا عماد الدین صاحب انصاری دونوں جالندھر کے سٹیشن پر گاڑی کے ڈبے میں علامہ سے ملے۔ دس منٹ کی مختصر گفتگو کے بعد گاڑی روانہ ہوئی میں علامہ سے پوچھ بیٹھا کہ بھارت والوں نے ماؤنٹ بیٹن کو کیوں گورنر بنایا، ہنسکر فرمایا یہ تو وہی جواب دیں گے تاہم ان کو اپنے بعض مقاصد کی تکمیل انگریز سے ہی مقصود ہوگی۔

کراچی میں مہاجرین کی آمد اور ان کی آباد کاری نے اور کسی کام کی فرصت نہ لینے دی۔

جمعیۃ العلماء اسلام اور علامہ عثمانی

مولانا محمد متین صاحب خطیب دیوبندی حال مقیم کراچی جنہوں نے شیخ عثمانی کے ساتھ رہ کر مسلم لیگ کے لئے بہت کچھ کیا وہ علامہ عثمانی کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہ علامہ عثمانی نے مسلم لیگ اور نظریہ پاکستان کی حمایت میں بڑی بڑی کانفرنسوں میں صدارتیں کیں۔ مثلاً میرٹھ، کانپور، بمبئی، لاہور، مدراس، سہارنپور، بجنور، مظفر نگر، دہلی وغیرہا میں تقریریں کیں اور ملک کا دورہ کیا۔ میرٹھ کی کانفرنس میں نواب محمد اسمٰعیل، چودھری خلیق الزمان نے بڑی اعانت کی اور بیرسٹر محمد اشرف صاحب نے کانفرنس کے انتظامات کئے۔ کانپور میں مولانا سعید الرحمٰن صاحب مدرسہ جامع العلوم محلہ ٹپکاپور کانپور کے رہبر مہتمم نے صدرونہ کانفرنس کے انتظامات کئے اور علامہ نے صدارت کی بمبئی کی کانفرنس کے انتظامات چندیگر صاحب۔ مسٹر عبد القادر صاحب۔ عبد العزیز صاحب ایڈووکیٹ اور مسٹر حسن۔ اے شیخ نے کئے اور صدارت علامہ عثمانی نے کی۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کو جمعیۃ العلماء اسلام کے وجود میں آنے اور مولانا عثمانی کے صدر ہونے پر ان کو مبارک باد دی الحاصل جمعیۃ العلماء اسلام کو کراچی میں پھر سے شروع کیا گیا۔ مولانا محمد متین لکھتے ہیں :-

"آباد کاری کے مسئلے کی وجہ سے دو سال تک تنظیمی صورت میں جمعیۃ العلماء کو کام کرنے کا موقع نہ مل سکا البتہ شیخ الاسلام مرحوم ذاتی طور پر اپنے رفقاء کی معیت میں کراچی میں بیٹھ کر کام کرتے رہے اس وقت سب سے اہم مسئلہ پاکستان میں اسلامی دستور کا تھا۔ ابھی اسمبلی نے دستور سازی کا کام بھی شروع نہ کیا تھا کہ حضرت شیخ الاسلام صدر جمعیت کو یہ فکر ہوئی کہ جس قسم کے دستور کا ہم مطالبہ رکھتے ہیں اس کا کوئی خاکہ مرتب ہو جائے۔ تاکہ معین صورت میں ارکان اسمبلی سے اس کا مطالبہ کیا جائے اس کام کے لئے کراچی کے چند معزز مسلمانوں کی ایک جماعت بنا کر آپ نے چند علماء کو ہندوستان سے آنے کی دعوت دی۔ جن میں حضرت سید سلیمان ندوی، مولانا مناظر احسن گیلانی، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اور ڈاکٹر حمید اللہ صاحب

حیدر آبادی (مشہور قانون دان) تھے حضرت سید صاحب تو کسی عذر کے سبب اس وقت تشریف نہ لا سکے۔ باقی تین حضرات کراچی میں جمع ہوئے۔

علامہ عثمانی نے اسلامی قانون کا خاکہ مرتب کیا اور کرایا

مئی ۱۹۴۹ء سے جولائی ۱۹۴۹ء تک ان حضرات نے ایک رہنمائے اسلامی دستور کا مرتب فرماکر وزیر اعظم اور دوسرے ذمہ داران کو دے دیا اس کے بعد پورے ملک سے اسلامی دستور کا مطالبہ کیا اور اس کے بعد دستور ساز اسمبلی کے سامنے عوام کے مطالبات پیش کرنے کے لئے مختلف سفر فرمائے جن میں مشرقی پاکستان کے اضلاع ڈھاکہ، چاٹگام، سلہٹ، کومیلا، میمن سنگھ وغیرہ کا دورہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔" (اخبار انقلاب کراچی اسلامیہ جمہوریہ نمبر صفحہ ب ۲۴ مارچ ۱۹۵۶ء)

علامہ عثمانی یہ سب کارروائی اور قانون سازی کی جدوجہد اس لئے کر رہے تھے کہ وہ اللہ کا قانون پاکستان میں نافذ کرانا چاہتے تھے اور پاکستان کو صحیح معنوں میں پاکستان بناکر تمام ممالک اسلامیہ کو نمونہ پیش کرکے وہاں بھی اسلامی آئین کا نفاذ چاہتے تھے

۱۰ جون ۱۹۴۷ء کو علامہ عثمانی اور قائد اعظم کی دہلی میں ملاقات اور پاکستان میں نفاذ قانون اسلامی کا وعدہ

جب فیصلہ ہوا کہ صوبہ سرحد میں ریفرنڈم اور استصواب رائے ہوگا کہ وہاں کے رہنے والے پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا بھارت میں تو علامہ نے قانون اسلام کے نفاذ کا وعدہ لیا اور فرمایا کہ:-

"ہم لوگوں کی تمام جدوجہد صرف اس لئے ہے کہ آپ کے وعدے کے مطابق پاکستان کا نظام و قانون اسلامی ہوگا۔ اسی وعدے کی میں پھر تجدید چاہتا ہوں اس پر قائد اعظم نے واضح الفاظ میں جواب دیا کہ مولانا یقیناً پاکستان میں اسلامی قانون رائج ہوگا۔ اور آپ صاحبان ہی اس مسئلے کو طے کریں گے۔"

(تجلیات عثمانی ص ۲۹۲)

پاکستانی قوم کا حافظہ کمزور ہے جس نے علامہ عثمانی کو فراموش کر دیا ورنہ وہی واحد ہستی تھی جس نے مسلم لیگ اور پاکستان کو تقدس اور مذہب کا رنگ بخشکر پاکستان کے نظریہ کو اسلامی قانون کے نفاذ کی خاطر شرکت کی تھی۔ میں یہ مبالغہ آرائی اور شاعری نہیں کر رہا ہوں۔ مولانا نصر اللہ خاں صاحب ایڈیٹر ایشیا و سابق تسنیم و اخبار مدینہ لکھتے ہیں:-

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تحریک پاکستان کو مسلمانوں میں مقبول بنانے میں اور بھی کئی عناصر کارفرما تھے مگر اس تحریک کو مذہبی تقدس بخشنے والی ذات تنہا مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی تھی۔ اگر وہ بھی ادھر نہ آجاتے تو عام مسلمانوں کو یہ یقین دلانا مشکل تھا کہ یہ تحریک مذہبی درجہ رکھتی ہے۔۔۔۔۔ اس مقصد کا اعتبار قائم کرنے کے لئے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی حمایت سب سے زیادہ کارآمد ثابت ہوئی۔" (تسنیم ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء)

امروز اخبار کے "امروز و فردا" کے کالم نویس لکھتے ہیں:-

"مولانا کی زندگی اور ان کے کارناموں سے پاکستانی عوام اچھی طرح آگاہ نہیں کیوں کہ ان کے تبحر علمی ان کا استغنا اور حق گوئی و حق شناسی نے کروڑوں ہندوستانی مسلمانوں کو راستہ سمجھایا۔ اس حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ قائد اعظم کی سیاسی بصیرت اور قانونی مہارت کے ساتھ ساتھ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے تبحر دینی اور فیض روحانی نے مسلمانوں کو وہ قوت عمل بخشی کہ انہوں نے صدیوں کا راستہ چند برس میں طے کر لیا۔"

(اخبار امروز ۱۰ دسمبر ۱۹۵۱ء)

ابو سعید بزمی ایم۔ اے مرحوم سابق ایڈیٹر اخبار احسان غفرلہ لکھتے ہیں:-

"جب کانگریس کے نام پر ہندو امپیریلزم کے پھیلتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے لئے علامہ عثمانی مسلم لیگ کے ہم نوا بنے تو عوامی اعتماد اور ہر دلعزیزی کی جس راہ کو طے کرنے میں دوسرے لیڈروں کو سالہا سال صحرا نوردی کرنی پڑی اسے آپ نے چند ہفتوں میں طے فرما لیا۔" (اخبار احسان مورخہ ۱۴ دسمبر ۱۹۴۹ء)

آپ نے ان مبصرین کی آراء کی روشنی میں فیصلہ کیا کہ علامہ عثمانی حقیقت میں پاکستان کے معمار ثانی تھے ان کے اعلانات اور تقریروں نیز تحریروں اور صدارتی خطبوں نے مسلم لیگ میں مذہبی روح اور دینی تقدس بھر دیا اور نظریہ پاکستان کے تعاون کے لئے قوم کو تیار کر دیا اور تھوڑے سے عرصے میں وہ کام کیا کہ مشرق سے مغرب اور ہندوستان کے شمال سے جنوب تک صور اسرافیل کی طرح قوم کو جگا کر رکھ دیا۔ ان کے حق میں یہ بالکل درست ہے کہ ان کے ذریعہ خدائے کریم نے

طے شدہ منزل صد سالہ آ بے گاہے

کا منظر آنکھوں سے دکھا دیا۔ جو شخص ابھی بیماری سے اٹھا تھا اس نے ہندوستان کے طول و عرض کے دورے کئے، تقریریں کیں، صدارتی خطبے پڑھے راتوں اور دنوں کام کیا اور صوبہ سرحد کے ریفرنڈم کے لئے جو کچھ کیا مولانا محمد متین خطیب سے پوچھئے وہ لکھتے ہیں:-

"دوسری طرف صوبہ سرحد میں حضرت شیخ الاسلام نے باوجود ذاتی علالت اور پیرانہ سالی کے ایک طویل دورہ ہزارہ، مردان، بنوں، کوہاٹ، مانسہرہ، پشاور، قبائلی علاقوں اور ایبٹ آباد وغیرہ کا کیا جس میں گرمی کی شدت کے باوجود بسا اوقات موٹر، ریل اور مختلف سواریوں کے ذریعہ سفر کرنا پڑتا تھا جس کی وجہ سے سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ تحریک پاکستان کے مسئلہ کی دو قومی نظریے سے اختلاف رکھنے والوں نے جس طرح عوام کے سامنے پیش کیا تھا اور جس کی وجہ سے سرحد کے باشندے کانگریس کے جال میں پھنس کر رہ گئے تھے اس جال کے تار و پود بکھیرنے کے لئے شیخ الاسلام مرحوم جیسی عظیم الشان شخصیت کی ضرورت تھی۔۔۔۔۔ اس مہم میں آپ نے سرگرمی سے حصہ لیا جس کی وجہ سے سرحد کی فضا بہتر ہوئی اور پاکستان کے حق میں عوام کے رجحانات تبدیل ہو گئے۔"

(انقلاب کراچی ۲۴ نومبر ۱۹۵۶ء)

الغرض یہ ساری جدوجہد اور کاوش صرف اس لئے تھی کہ پاکستان میں اسلامی قانون کا نفاذ ہوگا۔ لہٰذا اس سلسلے میں پاکستان کی دستور ساز مجلس کی مختصر تاریخ سنئے:۔

مجلس دستور ساز پاکستان کا تاریخی خاکہ

آئین سازی کی کوششوں کی تاریخ ۱۰ اگست ۱۹۴۷ء کی صبح سے شروع ہوتی ہے اس دن غیر منقسم ہندوستان کے آخری گورنر لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے حکم کے تحت نو منتخب شدہ دستوریہ پاکستان کا پہلا اجلاس کراچی میں ہوا۔ مسٹر لیاقت علی خاں کی تحریک اور خواجہ ناظم الدین کی تائید پر دستوریہ کے ایک غیر مسلم رکن مسٹر جوگندر ناتھ منڈل اجلاس کے چیئرمین مقرر ہوئے۔ دستوریہ کے ارکان میں قائد اعظم محمد علی جناح، مسٹر ایچ۔ ایس سہروردی، لالہ بھیم سین سچر، مسٹر اے۔ کے فضل الحق، خواجہ ناظم الدین، سردار عبد الرب نشتر اور نواب ممدوٹ وغیرہ ہستیاں شامل تھیں۔

علامہ عثمانی اس مجلس میں خاص طور پر شریک ہوئے اور آپ نے ہی اس پہلے اجلاس کا افتتاح ان آیات کی تلاوت سے کیا۔

اَللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اے اللہ ملک کے مالک تو جسکو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ تیرے ہی ہاتھ میں خیر ہے۔ بیشک، تو ہر چیز پر قدرت والا ہے۔

کیا موقع اور محل کے موزوں ہیں یہ آیات جو علامہ نے تلاوت کیں۔ گویا برطانیہ سے ملک چھینا جا رہا تھا اور اس کو ذلت نصیب ہو رہی تھی اور پاکستان کی قوم کو ملک دیا جا رہا تھا اور اس کو عزت دی جا رہی تھی وتلك الايام نداولها بين الناس گویا تقریباً دو سو سال کے بعد یہ علاقہ مسلمانوں کو پھر ملا۔

قائد اعظم دستوریہ کے صدر — دوسرے روز متفقہ طور پر قائد اعظم کو دستوریہ کا پہلا صدر منتخب کیا گیا۔ ۱۲؍ اگست ۱۹۴۷ء کو اسمبلی نے مملکت کے شہریوں اور اقلیتوں کے بنیادی حقوق کے تعین کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی دو یوم بعد ۱۴؍ اگست ۱۹۴۷ء کو یوم آزادی کی تقریب کے موقع پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن بذریعہ طیارہ کراچی آئے دستوریہ پاکستان سے خطاب کیا اور اس ملک کے حکومتی افق سے ہمیشہ کے لئے غائب ہو گئے۔

(مضمون انجد میر انقلاب کراچی ۲۴ مارچ ۱۹۵۶ء)

علامہ عثمانی اور دستور سازی — ہم پہلے ابھی گذشتہ سطور میں کہہ چکے ہیں کہ علامہ عثمانی برابر ذاتی طور پر اسلامی قانون کا خاکہ مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا مناظر احسن گیلانی اور مرزا حمید اللہ بیگ صاحب حیدر آبادی کے ساتھ باہمی مساعی سے بنا چکے تھے اور بار بار حکومت کو پاکستان میں اسلامی آئین کے نفاذ اور تیاری کی دعوت دے رہے تھے۔ علامہ عثمانی نے ۱۹۴۸ء کے آخر اور ۱۹۴۹ء کے آغاز میں اس خصوص میں بڑی کوشش کی۔

حکومت کی طرف سے بھی ایک کمیٹی بنائی گئی جو ایسا خاکہ تیار کرے جس کی بنیادوں پر آئین اور دستور کی تشکیل کی جائے۔ اس کمیٹی میں شیخ الاسلام علامہ عثمانی، سر ظفر اللہ خاں اور بعض دیگر قانون داں حضرات کو رکھا گیا جنہوں نے آئین کے بنیادی اصول مرتب کئے۔ علامہ عثمانی نے جو خاکہ مرتب کیا اس کو دیکھ کر سر ظفر اللہ نے کہا تھا کہ علامہ عثمانی نے جو اصول مرتب کئے ہیں ان سے بہتر اور کسی نے اصول کا خاکہ مرتب نہیں کیا۔ بنیادی اصول آئندہ اوراق میں ڈھاکہ کے خطبہ صدارت میں آ رہے ہیں۔

اسلامی آئین سازی اور اس کے اجراء کے لئے قوم کا تقاضہ — ہم جیسا کہ لکھ چکے ہیں علامہ عثمانی نے قانون کا نہ صرف بنیادی خاکہ تیار کر لیا تھا بلکہ خود اپنی جماعت کے ساتھ قانون مدون کر لیا تھا مجھ سے خود مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی نے کہا وہ تمام کے تمام قانونی دفاتر میرے پاس موجود ہیں ضرورت تھی کہ اس قانون کو حکومت کے سامنے پیش کر دیا جاتا اور اسی کو اسمبلی میں پاس کر دیا جاتا۔ بہر حال جہاں ایک طرف حضرت عثمانی اسلامی آئین کے نفاذ کے لئے بیتاب تھے قوم کا مطالبہ بھی ۱۹۴۸ء اور ۱۹۴۹ء میں بہت زوروں پر تھا۔ اخباروں اور تقریروں میں اس مطالبے نے شدت اختیار کر لی اور اس خصوص میں علامہ عثمانی نے اپنا ایک بیان اخباروں میں شائع کرایا جس سے وہ تمام صورت حال سامنے آ گئی جس سے قانون سازی میں سستی اور بے پروائی ظہور میں آئی۔ علامہ عثمانی کا بیان یہ ہے:۔

پاکستان میں اسلامی آئین کے اجراء کے متعلق میری گذارشات

اور

اسمبلی کی کارروائی کا اردو زبان میں ہونے کا مطالبہ

(از شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی)

قیام پاکستان کے بعد سے اب تک مجھے ہزاروں تار اور خطوط ملک کے مختلف گوشوں سے اس

مضمون کے موصول ہوتے رہے کہ پاکستان میں اسلامی آئین و قوانین کا نفاذ کرایا جائے بہت سے لوگوں نے اس پر بھی زور دیا کہ اگر میں ایسا نہ کرا سکوں تو مجھے مجلس دستور ساز کی رکنیت سے مستعفی ہو جانا چاہیئے۔

میں اپنے بھائیوں کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے نہ کبھی اپنی رکنیت کی استدعا اور خواہش کی نہ مجھے اس چیز کا شوق ہے۔ بلکہ مجلس مذکورہ میں شامل ہونے کے بعد میں ہمیشہ اس سے کنارہ کش رہا ہوں۔ کیونکہ اسمبلی کی زبان اور اس کے طور و طریق عملی حیثیت سے اب تک مغربیت میں غرق ہیں جن میں فٹ ہونے کی اہلیت قطعاً میں اپنے اندر نہیں پاتا۔ انگلش کے ایک حرف سے میں واقف نہیں۔ ادھر میری ساری زندگی پرانی طرز کے مدارس و مشاغل اور قدیم مذہبی ماحول میں گذری ہے۔ پارلیمنٹری طریقوں سے کبھی کوئی مناسبت نہیں رہی۔ بار بار کی کوششوں اور تقاضوں کے بعد اب چند روز سے ایجنڈا اور اس کے متعلقہ کچھ کاغذات ایک خاص قسم کی اردو میں، خراب قسم کے ٹائپ شدہ ضرور میرے پاس آنے لگے ہیں لیکن عین اجلاس کے موقع پر چونکہ صدر محترم اور اراکین عموماً انگریزی بولتے ہیں۔ مجھے پتہ بھی نہیں چلتا کہ کس موضوع پر بحث ہو رہی ہے اور موافق و مخالف حضرات کیا دلائل پیش کر رہے ہیں اور بحث کا آخری نتیجہ کیا رہا؟ اس لئے میں بحث میں کسی طرح کا حصہ لینے سے قاصر رہتا ہوں اور اندھیرے میں یوں ہی لاعلمی و عدم البصیرۃ کچھ بولنا میری افتادِ طبع کے خلاف ہے۔ بنا بریں رائے شماری کے وقت نہ میں کبھی کسی طرف ہاتھ اٹھاتا ہوں نہ تائید و تردید میں حصہ لے سکتا ہوں۔ آخر عاجز ہو کر اس مرتبہ دسمبر ۴۸ء کے سیشن میں دو تین روز شرکت کے بعد اجلاس کی شمولیت بھی ترک کر دی ارادہ برابر یہ رہا کہ رکنیت سے استعفیٰ پیش کر کے کسی اہل کے لئے جگہ خالی کر دوں۔ مگر صرف ایک چیز مانع رہی اور وہ وہی ہے جس کا مطالبہ جمہور مسلمانانِ پاکستان کر رہے ہیں یعنی مجلس دستور ساز سے آئین و قوانین اسلام کے اجراء کو تسلیم کرایا جائے۔ بہت سے مخلصین نے بھی یہی مشورہ دیا کہ مذکورہ بالا مقصد کے حصول تک میں رکنیت سے علیحدہ نہ ہوں۔ چنانچہ اس انتظار میں استعفاء کا ارادہ ملتوی کرتا رہا۔ اس سلسلہ میں یہ اظہار کرنا ضروری ہے کہ میں نے ایک سال پہلے سے دو تجویزوں کا نوٹس دے رکھا تھا۔ ایک یہ کہ پاکستان کا آئین شریعت اسلامی کے مطابق مرتب ہونا چاہیئے اور اس کی تدوین و ترتیب کے لئے جید علماء اور مفکرین کی ایک کمیٹی مقرر کی جائے دوسرا یہ کہ سردست بطور ایک ابتدائی اور فوری اقدام کے سرکاری طور پر ایسا ادارہ قائم کیا جائے جو اسلامی اداروں (مساجد مدارس، مقابر اوقاف وغیرہ) کا تحفظ نیز علوم اسلامیہ اور تعلیمات اسلام کی ترویج و اشاعت اور اس کام کے لئے مالی اور غیر مالی ذرائع کا انتظام کرے۔

خدا خدا کر کے ایک سال کے بعد تجویز ۲ کو ۱۸ر دسمبر کے بعد ایجنڈا میں شامل ہونے کا موقع ملا۔ مگر اسمبلی کے اجلاس میں لانے سے پہلے جو بحث پارٹی میٹنگ کی مقرر کردہ سب کمیٹی میں ترمیمات،

پر ہوئی، اس کے نتیجہ میں میں نے مناسب نہ سمجھا کہ اُسے اجلاس میں پیش کیا جائے بلکہ یہی صورت بہتر نظر آئی کہ اب صرف ریزولیوشن ۱ ہی کو لانے کی کوشش کی جائے جو تجویز ۱ اور اس کے علاوہ دوسرے متعلقہ مسائل سب پر حاوی ہے۔ دوسرے دن مجھے یہ معلوم کر کے بڑی خوشی ہوئی کہ ۲۳ر دسمبر کے ایجنڈا میں میرا وہ ریزولیوشن ۱ شامل کر لیا گیا ہے لیکن پھر اطلاع ملی کہ ۲۳ر دسمبر کی کارروائی ۳ر جنوری کے اجلاس پر ملتوی کر دی گئی۔ اسی اثناء میں میرے ریزولیوشن سے الگ ہو کر لیکن اس کے محتویات و مضمرات کے پیش نظر پارٹی میٹنگ میں یہ مسئلہ زیر بحث آ گیا کہ پاکستان کا دستور مرتب کرنے سے پہلے ایک اصل الاصول اور جنرل نصب العین کے طور پر یہ طے ہونا چاہیئے کہ "دستورِ اسلامی" کی نوعیت کیا ہوگی اور اس کا جوہری مطمح نظر جو گویا سارے دستور کا سنگِ بنیاد اور "خشتِ اول" کی حیثیت رکھے گا کیا ہونا چاہیئے معمولی بحث و تمحیص کے بعد قرار پایا کہ اس سلسلہ میں آبجکٹیو ریزولیوشن کا مسودہ تیار کرنے کے لئے ایک سب کمیٹی بنا دی جائے جو تیرہ ارکان پر مشتمل ہو۔ آخر اس کمیٹی کی میٹنگ کئی مرتبہ ہوئی اور سب ارکان نے کھلے دل و دماغ سے اس میں حصہ لیا مختلف مسودے پیش ہوئے پھر سب کی کاٹ چھانٹ کے بعد ایک مسودہ زیر بحث لانے کے لئے مرتب کیا گیا۔

میں نے اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں جو فی الحقیقت جمہور مسلمانانِ پاکستان کا نقطۂ نظر ہے، وہ سب دلائل ایک ایک کر کے کمیٹی کے سامنے رکھے جو میرے دماغ میں تھے یا جو آج تک جرائد، مذاکرات اور خطوط کے ذریعہ میرے سامنے آ چکے تھے۔ اراکین کمیٹی نے عموماً ہمارے اصل مقصد کی مخالفت نہیں کی نہ مسلمان ہوتے ہوئے ایسی مخالفت کی کوئی گنجائش تھی۔ ہاں عنوانات و تعبیرات اور اظہار مافی الضمیر کی حدود میں خاصا اختلاف رہا۔ بحث کے دوران میں وہ تمام پہلو اجاگر ہو گئے جو اس مسئلہ کے ردعمل کے طور پر مسلم قوم اور دوسری اقوام کی طرف سے سامنے آ سکتے ہیں۔

جہاں تک میری رائے اور کوشش کا تعلق ہے پورے غور و فکر کے بعد میرا مطمح نظر یہ ہے کہ بانیٔ پاکستان اور دوسرے زعماء لیگ کے دماغوں میں تاسیس پاکستان کے دو اہم مقصد تھے۔ ایک تو عظیم الشان اور تباہ کن خطرہ کا انسداد جو اس ملک میں غیر مسلم اکثریت کی طرف سے دس کروڑ مسلمانوں کو اکھنڈ ہندوستان رہنے کی صورت میں ہو سکتا تھا۔ دوسرا یہ عزم کہ آزادی خود مختاری حاصل ہونے کی تقدیر پر پاکستان میں ایک ایسی اسلامی مثالی مملکت قائم کی جائے جہاں اسلام کا سکھایا ہوا وہ مکمل نظامِ حیات عملاً بروئے کار لایا جا سکے۔ جو ہماری زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے اور جو نہ صرف عالم اسلامی بلکہ تمام دنیا کے مستقبل کو سنوارنے میں ایک "مشعل فروزاں" کا کام دے سکتا ہے۔

قائد اعظم سے لیکر لیگ کے ایک ادنیٰ کارکن تک پاکستان کا یہی نقشہ پبلک کے سامنے

پیش کرتے رہے اور قدرتی طور پر مسلمانوں نے اس کا وہی مطلب سمجھا جو ان اعلانات سے سمجھنا چاہئے تھا۔ یہی سمجھ کر انہوں نے تاریخ کی بے مثال قربانیاں پیش کیں اب جب کہ عوام اپنا فرض ادا کر چکے، وقت آگیا ہے کہ ارباب اقتدار اور ارکان اسمبلی جو جمہور کے نمائندے ہیں۔ اپنا فرض ادا کریں اور پاک دستور ساز اسمبلی کی زبان سے فوراً بلا تاخیر اعلان کر دیں کہ

۱۔ حکومت اور اقتدار اعلیٰ صرف خدائے واحد احکم الحاکمین کا ہے۔

۲۔ اس نے جو اقتدار جمہور کے توسط سے اس مملکت (اسٹیٹ) کو بخشا ہے وہ ایک مقدس امانت الٰہیہ ہے۔ جو اسی خدا کی مقرر کردہ حدود کے اندر بطور نیابت استعمال کیا جائے گا۔ بنا بریں یہ اسمبلی ملک کے لئے ایسا آئین اور دستور اساسی مرتب کرے گی جس کی رو سے اس کا مؤثر انتظام کیا جائے گا کہ مسلم قوم اسلام کے انفرادی اور اجتماعی تقاضوں اور تعلیمات اسلام کے مطابق (جو قرآن و سنت سے ثابت ہوں) اپنی زندگی منظم و مرتب کر سکے اور کوئی ایسا قانون، بل اور آرڈی ننس منظور یا نافذ نہ ہو سکے گا، جو احکام اسلام کے خلاف ہو۔ اس آئین کی رو سے اقلیتوں کے طے شدہ حقوق محفوظ ہوں گے۔ وہ قانون و اخلاق عامہ کے تابع رہتے ہوئے اپنے مذہب پر آزادی کے ساتھ عقیدہ رکھ سکیں گے۔ میں سر دست اسی قدر کہہ سکتا ہوں کہ "مسودہ" کمیٹی کی حالیہ کارروائی میرے مذکورہ بالا خیالات کی روشنی میں مایوس کن نہیں رہی بلکہ اچھی توقعات کی حامل ہے۔

اگر ہماری دستور ساز اسمبلی نے "آئین پاکستان" کے "سنگ بنیاد" کے طور پر مذکورہ بالا نکات پر مشتمل کوئی تجویز منظور کر لی تو جمہور کے لئے یہ امر موجب اطمینان اور پاکستان کے تحفظ و دفاع کے لئے جان و مال کی قربانی کا تازہ و بے اندازہ جوش ان میں پیدا ہو جائے گا۔ اس طرح خدا کے فضل سے وہ نیک مقاصد حاصل ہو سکیں گے جو پاکستان کی تعمیر سے مطلوب ہیں۔

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ زیادہ سے زیادہ کوشش کی جائے کہ دستور ساز اسمبلی آئندہ سیشن میں اس قسم کی تجویز کو ایجنڈا میں شامل کر کے منظور کرے۔ نیز اس بنیاد پر دستور اساسی مرتب کرنے کے لئے جید علماء اور مفکرین کی ایسی کمیٹی بنائی جائے جو مستعدی اور احتیاط کے ساتھ تجویز مذکور کے بنیادی نکتوں کو سمجھ سکے اور پوری طرح محفوظ رکھ سکے۔ دوسری طرف اسمبلی کی زبان بدلنے کی پر زور کوشش کی جائے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اگر آئین سازی کے متعلق مذکورہ بالا نصب العین اسمبلی نے منظور کر لیا اور تدوین و آئین کا کام مضبوط اور قابل ہاتھوں کے سپرد ہوا تو وہ نیک امیدیں پوری ہو سکیں گی۔ جو پاکستان کے وجود سے وابستہ رہی ہیں۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

شبیر احمد عثمانی۔ کراچی (اخبار زمیندار مورخہ ۳ فروری ۱۹۴۹ء صفحہ ۲)

علامہ عثمانی کے اس بیان سے آپ کی بھرپور مساعی اور دستور سازی کے بارے میں حکومت پاکستان کو ان کا حرکت میں لانا صاف واضح ہو۔ نیز آئین سازی کے لئے کمیٹی کا بنوانا، ایجنڈے میں تجویز کو رکھانا یہ سارے امور قارئین کے سامنے آگئے ہیں۔

جمعیۃ العلماء اسلام کی ڈھاکہ میں زبردست کانفرنس

اور

علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت

غرض یہ کہ شیخ الاسلام بیرونی اور اندرونی طور پر دستور سازی اور اسلامی آئین کے نفاذ اور اجراء کی کوشش میں اس مقام تک پہنچ گئے کہ انہوں نے چل پھر کر اور ملک میں جلسوں اور تقریروں کے ذریعہ حکومت کو متوجہ کرنے کے لئے کمر ہمت باندھ لی۔ چنانچہ اس کوشش میں بہت بڑا قدم اٹھایا اور ڈھاکہ مشرقی پاکستان میں جمعیۃ العلماء کی ایک کانفرنس طلب کی جو فروری ۱۹۴۹ء میں منعقد ہوئی۔

۳ فروری ۱۹۴۹ء کے زمیندار نے لکھا۔

حضرت شیخ الاسلام کا پروگرام

"ڈھاکہ۔ یکم فروری۔ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی اور پیر صاحب مانکی شریف عازم چاٹگام ہوئے ہیں۔ جہاں وہ جلسہ ہائے عام میں تقریریں کریں گے۔ ڈھاکے میں واپسی کے بعد اضلاع کے دورے پر روانہ ہوں گے اور چاند پور، کومیلا، سلہٹ، برہمن باریہ اور کشور گنج میں تقریریں فرمائیں گے۔ کشور گنج میں حضرت شیخ الاسلام مشرقی پاکستان کے علمائے کرام کی کانفرنس کی صدارت کے فرائض انجام دیں گے۔ ۱۱ فروری کو ڈھاکہ واپس پہنچ کر اگلے دن صبح کو عازم کراچی ہوں گے (اے پی آف پاکستان)

المختصر شیخ الاسلام حضرت عثمانی کراچی سے خواجہ ناظم الدین صاحب گورنر پاکستان کے ہمراہ یکم فروری ۱۹۴۹ء کو پہنچے جیسا کہ زمیندار اخبار لاہور کی خبر سے یقینی طور پر ہمیں معلوم ہے۔ اگرچہ کانفرنس ۹-۱۰ فروری ۱۹۴۹ء کو منعقد ہوئی لیکن شیخ الاسلام دس روز پہلے ہی پہنچ چکے تھے چونکہ مشرقی پاکستان کا دورہ بھی مقصود تھا اس لئے جانے کے بعد تقریروں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

اخبار امروز لاہور مورخہ ۵ فروری ۱۹۴۹ء مطابق ۷ ربیع الآخر ۱۳۶۸ھ بروز ہفتہ کی اشاعت میں حسب ذیل سرخی کے ماتحت علامہ عثمانی کی تقریر کا خلاصہ ان الفاظ میں شائع ہوا ہے۔ یہ تقریر علامہ نے ۳ فروری ۱۹۴۹ء کو ایک مجمع عام میں فرمائی۔

پاکستان کے استحکام کیلئے اسلامی اصولوں پر کاربند ہونا ضروری ہے

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی تقریر

ڈھاکہ:۔ ۳ر فروری "برطانیہ اپنے مفاد کے پیشِ نظر پاکستان کے قیام کے خلاف تھا، ہندوؤں نے قیام پاکستان کے بعد بھی اس کی مخالفت جاری رکھی اور اس کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے اور اس کو تباہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن پاکستان قائم ہوا اور بے شمار رکاوٹوں کے باوجود قائم ہے اور رہے گا" لوگوں کو اس میں فطرت کے منشاء کو سمجھنا اور اس کا ادراک کرنا چاہئے جو قیام پاکستان کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ قائد اعظم نے فرمایا تھا کہ پاکستان قائم رہنے کے لئے بنا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ لوگ اسلامی اصولوں کو ترک کر دیں، تو بھی یہ ریاست قائم رہے گی" یہ ہیں وہ الفاظ جو مولانا شبیر احمد عثمانی نے یہاں ایک جلسہ عام میں تقریر کرتے ہوئے کہے۔

مولانا نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ لوگوں کو اپنی زندگی کی اصلاح کرنی چاہئے اور اس کے لئے عالم اسلام کے ان پیشرو حضرات کی زندگی کو نمونہ بنانا چاہئے جن کے مجاھدوں نے اسلام میں جوش اور زندگی کی روح پھونک دی تھی۔ جو اپنے ذاتی مفاد بلکہ اپنی زندگی تک اسلام کی راہ میں قربان کرنے کو آمادہ رہتے تھے آپ نے کہا کہ صرف اسلامی اصول ہی پاکستان کو ایک مستحکم حکومت بنائیں گے اور دنیا پر ایک بار پھر یہ واضح ہو جائے گا کہ حکومت کا نظم و نسق کس طرح چلایا جاتا ہے۔

اس کے لئے یہ بات بہت اہم ہے کہ ہم ہر قسم کی برائی کو دل سے نکال دیں جب مٹھی بھر مسلمان دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں کو شکست دے کر ایک عظیم الشان سلطنت قائم کر سکتے تھے۔ تو ہم کروڑ ہا مسلمانانِ پاکستان یہ مقصد کیوں نہیں پا سکتے۔ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم متحد ہو کر خدا کی اس راہ پر گامزن ہو جائیں۔ جو مقدس نبیؐ نے ہمیں بتائی ہے۔

اگرچہ مشرقی پاکستان مغربی پاکستان سے ہزار ہا میل دُور ہے مگر یہاں اور وہاں کے باشندوں کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو ایک قوم سمجھیں اور جغرافیائی حدود کو نظر انداز کر دیں کیونکہ یقین محکم اس دوری کو پاٹ سکتا ہے اور اس کی بدولت ہم متحد ہو کر دشمنوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔"

یہ تقریر ۳ر فروری کے حوالے سے ڈھاکہ سے حاصل ہوئی۔ اس میں علامہ نے فرمایا

"پاکستان قائم ہوا اور بے شمار رکاوٹوں کے باوجود قائم ہے اور رہے گا۔"

پھر تقریر میں قائد اعظم کے اس قول پر کہ پاکستان قائم رہنے کے لئے بنا ہے" علامہ نے فرمایا۔

"اس کا مطلب یہ نہیں کہ لوگ اسلامی اصولوں کو ترک کر دیں تو بھی یہ ریاست قائم رہے گی۔"

قارئین کرام علامہ عثمانی نے جن کے خطبے اور تقریریں آپ نے پڑھی ہیں، ان خطبوں میں پاکستان کے ماضی اور حال اور مستقبل کے بارے میں سب ہی مسائل پر بحث کی ہے وہ بار بار ایک غیبی اطلاع سے ہمیں متنبہ کر رہے ہیں کہ اگر پاکستان میں اسلامی آئین کا اجراء اور نفاذ نہ ہوا تو اس کا قائم رہنا مشکل ہے۔ حکومت اور پاکستانی قوم کو یہ مردِ مومن خطرے کا سرخ لیمپ بار بار دکھا رہا ہے اس پر غور کرنا چاہئے۔ آج کل مشرقی پاکستان کے کناروں پر بھارت نے چھ لاکھ فوج ڈال کر اس کو گھیر لیا ہے اور ادھر مغربی پاکستان کی سرحدوں پر تقریباً ۲ ڈویژن فوج لا ڈالی ہے اور کشمیر میں بھی تقریباً ۶، ۷ لاکھ فوج جمع کر دی ہے مزید برآں روس سے بھارت کا فوجی معاہدہ بھی ہو چکا ہے جس نے بھارت کو ہر قسم کے اسلحہ سے بھر دیا ہے اور مسلسل جنگ کی دھمکی دی جا رہی ہے۔ یہ نومبر کا ماہ اور اس کی آج ۸ر تاریخ ہے۔ دونوں ملکوں کی فوجیں کئی ماہ سے آمنے سامنے کھڑی ہیں مشرقی پاکستان پر بھارت مسلسل توپوں سے گولے برسا رہا ہے پاکستان بھی سرکوبی میں کوئی کسر نہیں رکھ رہا۔ اب عام جنگ ہو جائے اور اب جنگ ہو جائے کا کھٹکا ہر وقت لگا ہوا ہے۔ فَاللّٰہُ خَیْرٌ حَافِظًا وَّ ھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْن۔

دوسری بڑی پتے کی بات علامہ عثمانی نے تقریر میں یہ فرمائی ہے:۔

"اگرچہ مشرقی پاکستان مغربی پاکستان سے ہزار ہا میل دور ہے مگر یہاں اور وہاں کے باشندوں کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو ایک قوم سمجھیں اور جغرافیائی حدود کو نظر انداز کر دیں۔"

جو خطرہ علامہ کو محسوس ہو رہا تھا اس کا لاوا بہر حال مشرقی پاکستان میں اندر ہی اندر پکتا رہا اور اس کا جوالا مکھی مارچ اور اپریل ۱۹۷۱ء میں پھٹ پڑا جس کے آتشی مادے نے سارے مشرقی پاکستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ بارے خدا خدا کر کے وہاں کے حالات اگرچہ قابو میں ہیں لیکن بموں کے دھماکے اور بھارتی تخریب کاروں کی کارروائیاں مسلسل جاری ہیں۔

انشاء اللہ جیسے کہ ہر سیاسی عسکری اور اقتصادی معاملے میں باری تعالیٰ نے ہمیں فتح دی آئندہ بھی وہ ہم پر کرم کرے گا لیکن پاکستان میں اسلامی آئین کے نفاذ میں اب ہمیں قطعاً تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔

صدر محترم محمد یحییٰ خاں صاحب پاکستان کا آئین مرتب کرا رہے ہیں جو ۲۰ر دسمبر ۱۹۷۱ء تک شائع ہو جائیگا اس سے پتہ چلے گا کہ وہ دستور کہاں تک اسلام کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ بہر حال اب ہم آپ کے سامنے علامہ کا وہ خطبہ پیش کرتے ہیں جو انہوں نے جمعیۃ العلماء اسلام پاکستان کی ڈھاکہ کی کانفرنس میں دیا تھا۔ یہ خطبہ کیا ہے قدرت کا الہام ہے۔ اس کی غیبی آواز ہے جس میں وہ سب کچھ ہے جس کی پاکستان کے لئے ضرورت ہے اسی لئے حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کو لسان الغیب فرمایا کرتے تھے۔

ساتواں

خطبۂ صدارت

ڈھاکہ کانفرنس منعقدہ ۹-۱۰ فروری ۱۹۴۹ء مطابق ۱۰-۱۱ ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ

از شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

صدر مرکزی جمعیۃ العلمائے اسلام

جو جمعیۃ العلمائے اسلام (پاکستان) کی عظیم الشان کانفرنس منعقدہ ڈھاکہ میں علامہ عثمانی نے پڑھا اور جس میں آغاز پاکستان کے وقت قتل وغارت، کشمیر اور حیدر آباد پر بھارت کے قبضے کے متعلق تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے اور بالخصوص پاکستان میں قرآن وسنت کے مطابق دستور سازی اور اسلامی آئین کے نفاذ پر مبسوطہ، عالمانہ اور محققانہ روشنی ڈالی گئی ہے چنانچہ اسی خطبے اور کانفرنس کے باعث قرار داد مقاصد پاس کی گئی۔ خطبہ مرکزی جمعیۃ علماء اسلام نے کراچی سے شائع کیا تھا اور سول اینڈ ملٹری پریس کراچی میں چھپا تھا۔

محمد انوار الحسن
مرتب

خطبۂ عثمانی کی چند جھلکیاں

۱- ہم خالص خدا کی خوشنودی اور اسلام اور اہل اسلام کی برتری اور بہتری کے لئے اس نئی مملکت کو مضبوط و محفوظ بنانے میں امکانی کوشش کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرینگے۔

۲- ہم اس کوشش سے کبھی دست بردار نہیں ہو سکتے کہ مملکت پاکستان میں اسلام کا دستور و آئین اور قیام حکومت تشکیل پذیر ہو۔

۳- اگر ہندو اور سکھ کی سیاہ ذہنیت، انگریز کی متعفن سیاست اور بعض خداوندان قسمت کی مجرمانہ خیانت نے گہری سازش کے تحت..... کام نہ کیا ہوتا تو نہ انڈین یونین میں ایسے دردناک اور شرمناک مظالم کا مسلمانوں کو سامنا کرنا پڑتا، نہ کشمیر ایسے روح فرسا حوادث کی آماجگاہ بنتا اور نہ حیدر آباد کی طرف کوئی ظالم نظر اٹھا کر دیکھ سکتا۔

۴- فلسطین ہمارا جزء ایمان، کشمیر ہماری رگ جاں اور حیدر آباد ہمارے قدیم عز و وقار کا نشان ہے۔

۵- کوئی جنگ محض بڑے بڑے مہیب اور ہلاکت بار اسلحہ سے نہیں جیتی جا سکتی۔ فتح و کامیابی کا اصل مدار فوجیوں کے بلند حوصلہ مضبوط کیریکٹر اور بہترین ڈسپلن پر ہے۔

۶- قلت تعداد اور قلت اسباب کے باوجود ہمارے لئے فتح و کامرانی کی صورت ہے اور ان شاء اللہ یقیناً ہے تو اس کا مدار صرف قادر مطلق کی نصرت ہے

۷- آج فلسطین، کشمیر، حیدر آباد، انڈیا، انڈونیشیا اور دیگر ممالک کے مسلمانوں کی جان جس عذاب میں ہے اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے ہمارے پاس بجز اس کے کوئی راستہ نہیں کہ ہم اس مالک الملک کے بتلائے ہوئے راستے پر گامزن ہو جائیں۔

۸- نہ بین الاقوامی انجمنوں کے کمیشن ہماری مسیحائی کر سکتے ہیں نہ متمدن قوموں کے معاہدات موجب اطمینان ہو سکتے ہیں جنہیں معاہدے کی سیاہی خشک ہونے سے پہلے ہی پارہ پارہ کرنے میں باک نہیں ہوتا۔

۹- اگر ہم کو اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کرنا ہے...... تو ہمارے تعلیمی اداروں اور درسگاہوں کو از سر نو ترتیب دینے کی ضرورت ہے۔

۱۰- جس طرح رات کی تاریکی آہستہ آہستہ کم ہوتی اور دن کی روشنی بتدریج پھیلتی ہے...... اسی طرح پاکستان ہماری قومی صحت اور ہماری مکمل ترین آزادی کے نصف النہار کی طرف تدریجی قدم ہے۔

۱۱- پاکستان ایک ایسا ابتدائی قدم ہے جو انجام کار قرآنی اصول کے مطابق احکم الحاکمین کی حکومت عادلہ قائم ہونے پر کسی وقت منتہی ہو سکتا ہے جس کے قیام کا نام نہاد قومیت متحدہ کی حکومت کے ذریعہ بظاہر کوئی امکان نہ تھا۔

۱۲- خدائی نظام کا احیاء تاریخ میں تمہارا نام روشن کرے گا اور اللہ و رسول کے سامنے سرخرو کرے گا۔ یاد رکھو کہ خدا کا دیا ہوا یہ موقع بھی تم نے اگر ہاتھ سے کھو دیا تو دنیا اور آخرت دونوں کی تباہی سے کوئی چیز نہیں بچا سکتی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین وسائر الانبیاء والمرسلین والعاقبۃ للمتقین۔

امّا بعد! محترم صدر استقبالیہ علماء کرام اور برادران اسلام سب سے پہلے میں اس منعم حقیقی کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اس نے اپنے فضل و رحمت سے مجھے دین اسلام اور ملت اسلامیہ کی تھوڑی سی خدمت کی توفیق بخشی اور اس خدمت سے زیادہ برادران اسلام کے قلوب میں میرے متعلق ایک طرح کا حسن ظن پیدا کر دیا۔ حق تعالےٰ اس حسن ظن کو میرے حق میں سچا کر دکھائے آپ حضرات نے مشرقی پاکستان کی جمعیۃ علماء اسلام کانفرنس کی صدارت سے سرفراز فرما کر جو کچھ میری قدر افزائی کی ہے میں اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے بصدق دل دعا کرتا ہوں کہ آپ کی نیک امیدیں پوری ہوں۔ جو خدمت دین و ملت کے سلسلہ میں میری ناچیز ہستی کے ساتھ آپ نے وابستہ کر رکھی ہیں۔

اس سے زیادہ میں رسمی شکریوں کو طول دینا نہیں چاہتا اور حقیقت صدارت کے متعلق صرف عربی شاعر کے اس شعر پر اکتفا کرتے ہوئے اصل مقصد کی طرف آتا ہوں۔

الصدر من المخطوب بصدره   والصبره ویحمله و بشکره

"بنگال کے مسلمانوں کی دیرینہ تمناؤں، مسلسل دعوتوں اور بار بار اپنے ارادوں کی شکست و ریخت کے بعد یہ پہلا موقع ہے کہ میں مشرقی پاکستان کے دار الحکومت ڈھاکہ میں داخل ہوا"

میں نے اپنے رفقاء محترم کی معیت میں اس ملک کے اکثر بڑے بڑے شہروں میں جانے کا پروگرام بنایا تھا جس میں سلہٹ کو خصوصی اہمیت حاصل تھی مگر صد افسوس کہ ابھی صرف دو ایک جگہ حاضر ہونے پایا تھا کہ ناگہاں بیمار پڑ گیا اور معمولی نقل و حرکت سے بھی معذور ہو گیا اس طرح دل کی آرزو دل ہی میں رہ گئی۔ بہر حال مقدرات سے کسی کو چارہ نہیں۔ تجری الریاح بما لا تشتھی السفن۔

اگرچہ آپ کا یہ خطہ جسے اب "مشرقی پاکستان" کہتے ہیں مرکز سے بہت بعید اور گویا ایک طرح سے غیر متصل ہے لیکن "بنائے پاکستان" میں بہت مؤثر کی حیثیت رکھتا ہے۔ عددی اور بعض اقتصادی پہلوؤں سے بھی اس کا تفوق و امتیاز نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور میرے نقطہ نظر سے اس خطہ میں بڑی جاذبیت اس لئے ہے کہ یہاں کے عوام دستور اسلامی اور قوانین شریعت کے قبول کرنے کی خاص تڑپ اور اچھی صلاحیت رکھتے ہیں

بیشتر بنگال و بہار کے مسلمانوں نے ہی اس پر آشوب دور میں جبکہ مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کی کشتی سخت مخالفت کی متلاطم موجوں میں بڑی ڈگمگا رہی تھی کلکتہ کی سرزمین پر جمعیۃ علماء اسلام کی بنیاد رکھ کر مسلم قوم کے سیاسی جذبات و رجحانات میں مذہبی حیثیت سے انقلاب عظیم پیدا کیا جمعیۃ علماء اسلام کے اس تاریخی اجلاس کے وہ

بے مثال روح پرور مناظر دیکھنے اور سننے والوں کے دل و دماغ سے یقیناً ابھی تک محو نہیں ہونگے۔

بناءِ پاکستان میں علماء و مشائخ کی خدمات جلیلہ:۔

کیا کوئی شخص اس حقیقت کو جھٹلانے کی جرأت کر سکتا ہے کہ صوبہ بنگال میں خصوصاً اور پورے برصغیر میں عموماً جمعیۃ علماء اسلام کے وجود میں آنے سے ایک دم ہوا کا رخ پلٹ گیا اور تحریک پاکستان نے وہ قبولِ عام حاصل کیا جس کی بدولت خدا کے فضل سے آج آپ اتنی بڑی آزاد اور ذی اقتدار مملکت کو سنبھالے بیٹھے ہیں۔

بنگال کی کیفیت تو آپکی آنکھوں کے سامنے گزری۔ یوپی بمبئی۔ سندھ اور پنجاب میں کسی جگہ چلے جایئے عیاناً معلوم ہوجائے گا کہ مسلم لیگ کی تحریک کو مکمل طور پر عمومی اور عوامی بنانے کا سہرا علماء اسلام اور مشائخ عظام کے سر ہے۔ سرحد اور سلہٹ کے ریفرنڈم میں ایسی فتح مبین ان ہی حضرات کی بدولت حاصل ہوئی۔ شاید آپ کو یہ معلوم نہ ہو کہ صرف صوبہ سرحد میں پانچ سو سے زیادہ علماء و مشائخ کو جیلوں میں جانا پڑا اور انہوں نے دوسرے لیڈروں سے زیادہ سختیاں برداشت کیں۔

بناءِ پاکستان کے بعد رجال حکومت کا طرز عمل اور علماء کا ثبات قدم:۔

لوگ کہتے ہیں اور بعضوں نے مجھے خطوط لکھے ہیں کہ "حصولِ پاکستان کے بعد علماء و مشائخ کی ان مساعی عظیمہ کو ارباب اقتدار نے قطعاً فراموش کر دیا۔ مذہبی طبقہ کی خدمات جلیلہ کا اعتراف تو در کنار نشر و اشاعت کے ان تمام ذرائع سے جو حکومت کے دامن سے وابستہ ہیں اس کا خاص طور سے لحاظ رکھا جاتا ہے کہ مذہبی عنصر زیادہ چمکنے یا ابھرنے نہ پائے اور جہاں تک ہو سکے اس کو خمول اور کس مپرسی کی حالت میں ہی پڑا چھوڑ دیا جائے مطلب یہ ہوا کہ وقت پڑنے پر علماء کو احمق بنا لیا جاتا ہے۔ جب کام نکل گیا تو ان سے کوئی تعلق نہیں۔"

میں بالکل صفائی سے بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ صورت حال ہمارے لئے کوئی غیر متوقع چیز نہیں۔ ہم یقیناً پہلے سے جانتے تھے کہ ایسا ہوگا اور پاکستان کی زمام اقتدار کا بحالات موجودہ جن ہاتھوں میں پہنچنا ناگزیر تھا ان سے اس کے سوا کوئی توقع کی ہی نہیں جا سکتی تھی۔ ہم اس کی نسبت بحمد اللہ کسی فریب میں مبتلا نہ تھے ہم نے یہ سب کچھ جانتے اور سمجھتے ہوئے جدا گانہ قومیت اور اصول پاکستان کی مخلصانہ حمایت مذہبی نقطۂ نظر سے حق اور صحیح سمجھ کر کی اور آئندہ بھی انشاء اللہ اس کی حفاظت کے معاملہ میں رجال حکومت کی کوئی ناپسندیدہ روش ہماری جدوجہد پر اثر انداز نہیں ہو سکتی، خواہ ارباب اقتدار ہمارے ساتھ کچھ ہی برتاؤ کریں۔ ہم خالص خدا کی خوشنودی اور اسلام اور اہل اسلام کی برتری اور بہتری کے لئے اپنی اس نئی مملکت کو مضبوط و محفوظ بنانے میں امکانی کوشش کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں گے۔

علماء کا نصب العین اور اس کیلئے پیہم مساعی:۔

ساتھ ہی ہم اس کوشش سے بھی کبھی دست بردار نہیں ہو سکتے کہ مملکت پاکستان میں اسلام کا وہ

دستور و آئین اور وہ نظام حکومت تشکیل پذیر ہو جسکی رو سے اس بات کا مؤثر انتظام کیا جائے کہ مسلم قوم اپنی زندگی اسلام کے انفرادی و اجتماعی تقاضوں اور اسلامی تعلیمات کے مطابق (جو قرآن و سنت سے ثابت ہوں) مرتب و منظم کر سکے اور کوئی ایسا قانون بل اور آرڈیننس جاری یا نافذ نہ ہو سکے جو احکام اسلام کے خلاف ہو نیز جسکی رو سے یہاں کے غیر مسلم باشندوں کی جان و مال آبرو و عبادت گاہوں اور دوسرے ان تمام شہری حقوق کے تحفظ کا جو پاکستان آئین ساز اسمبلی طے کریگی کافی بندوبست کیا جائے بشرطیکہ وہ لوگ اسٹیٹ کے وفادار رہیں اور قانون و اخلاق عامہ کے تابع رہ کر زندگی بسر کریں۔

یہ ہی ہمارا وہ صاف بلند اور روشن مطمح نظر ہے جس کے انتظام و انصرام کے لئے یہاں کے کروڑوں مسلمانوں کو ایک خطۂ زمین حاصل کرنے کی شدید ضرورت تھی جہاں وہ آزاد و خود مختار رہ کر اپنی مرضی کے موافق بلکہ صحیح تر الفاظ میں اللہ و رسول کی مرضی کے موافق حکومت کا نظم و نسق چلا سکیں اور اپنے عمل سے دنیا کو امن انصاف خوشحالی اور عام معاشی توازن کے حاصل کرنے میں مدد دے سکیں۔

جمہوریت مروجہ کے اعتبار سے اس آزاد و خود مختار مملکت میں اکثریت اور اقلیت کے وظائف و حقوق کا تناسب کیا رہنا چاہئے اس کے متعلق کتاب "پاکستان اور مسلمانانِ ہند" کے مصنف نے جو کچھ لکھا ہے وہ بالکل صحیح ہے یعنی "گزشتہ جنگ عظیم کے بعد ہی ایک ایسا اصول مرتب کر لیا گیا تھا جس کی بناء پر اقلیتوں کی دو قسمیں قرار دی گئی تھیں ایک وہ جو مستقل قوم کی حیثیت رکھتی ہیں۔ دوسری وہ جنہیں جماعت تحت القوم یا قوم اندر قوم کہنا چاہئے۔ اول الذکر کے لئے حق آزادی و خود مختاری تسلیم کیا گیا اور مؤخر الذکر کو اس کا استحقاق دیا گیا کہ ان کے مذہب زبان اور تہذیب کے تحفظ کی مکمل ضمانت دی جائے۔ "اس نظریہ کی تائید آل انڈیا ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی کے جنرل سیکرٹری مسٹر پورن چند جوشی نے اپنے ایک بیان سے کی تھی۔ بہر حال خدا کا ہزاراں ہزار شکر کہ اس نے مسلمانوں کو قائد اعظم مرحوم کی سیاسی قیادت انتھک کوشش تدبر آئینی قابلیت اور عزم و استقلال کی بدولت مسلم لیگ اور جمعیۃ علماء اسلام کے باہمی تعاون اور جمہور اہل اسلام کی متفقہ جد و جہد سے وہ خطۂ زمین عطا فرما دیا جس پر مملکت پاکستان کی تعمیر حسب دلخواہ ہو سکے۔

قیام پاکستان اور اس کے اسباب

جانے والی برطانوی حکومت کی تاریخ ۱۴ اگست ۴۷ء اور آنے والی اسلامی مملکت کی ۲۷ رمضان ۶۶ھ تھی۔ جبکہ ایک طرف دنیا کے مسلمان شب قدر والی مقدس اور منور رات میں نزول قرآن کی سالگرہ منا رہے تھے اور دوسری جانب کراچی میں حصول پاکستان کا جشن منایا جا رہا تھا۔

بلاشبہ کسی قوم کے لیے "آزادی" بڑی بھاری نعمت ہے جس کے لئے میدان جنگ میں لاکھوں

سپاہی کٹوائے جاتے ہیں۔ لاتعداد عورتوں کو بیوہ اور بے شمار بچوں کو یتیم بننا پڑتا ہے۔ کتنی بستیاں تباہ وبرباد ہوتی ہیں۔ کتنے عزت والے ذلیل اور کتنے غلام آقا یا آقا غلام بن جاتے ہیں۔ ایسے ہولناک مراحل طے کرنے کے بعد کوئی کامیاب قوم عروس آزادی سے ہمکنار ہوتی ہے۔

کیف الوصول الی سعاد ودونہا　　قلل الجبال ودونہن حتوف

لیکن پاکستان کی تخلیق ایک عجوبہ روزگار ہے جو ایک بدیع وغریب طریقے سے عمل میں آئی ہے جس کی کوئی مثال شاید تاریخ کے خزانے میں موجود نہیں۔ یہاں آزادی پہلے آئی اور نہایت لرزہ خیز قربانیاں اس کی آمد کے بعد پیش کرنی پڑیں۔

کوئی شبہ نہیں کہ مسلمانوں کی ایک عظیم الشان مملکت جو دنیا کی ہر ایک مسلم سلطنت سے بڑی ہے بالکل اچھوتے اور بے مثال طریقے سے عالم وجود میں آئی مگر اس بے مثال مملکت کی راہ میں مسلم قوم کی قربانیاں بھی بے مثال تھیں اور دشمنوں کے مظالم بھی دنیا کی تاریخ میں بے مثال رہے۔

تقسیم ہند کے وقت مسلمانوں پر قیامت خیز مصائب کا سبب پاکستان نہیں بلکہ پاکستان نے تو اس کی تباہ کاری کو محدود کر دیا۔

کہا جاسکتا ہے بلکہ کہا جارہا ہے کہ بہار، مشرقی پنجاب کئی ہندو ریاستوں اور دہلی وغیرہ میں مسلمانوں پر جو قیامت ٹوٹی اور جو روح فرسا اور جگر گداز حوادث گذرے کیا یہ سب تحریک پاکستان کے نتائج نہیں۔

یہ بڑا جرم اور قصور نظر ہوگا اگر ہماری نگاہ بصیرت اس نقطہ پر آکر رک جائے۔ ذرا آگے بڑھ کر آپ یہ بھی تو دیکھئے کہ خود تحریک پاکستان کس چیز کا نتیجہ ہے۔

یہ تحریک کوئی ابتدائی اور جارحانہ اقدام کی حیثیت سے شروع نہیں ہوئی بلکہ یہ نتیجہ تھا انتہائی ضد اور اصرار کا جو انڈیا کا چارج لینے والی قوم کی طرف سے دس کروڑ مسلمانوں کو ابدی غلام بنائے رکھنے کے لئے بڑی وحشیانہ ناانصافی اور سفاکی کے ساتھ اختیار کیا گیا اور نتیجہ تھا اس عیاری اور دسیسہ کاری کا جو برٹش ہونے والی حکومت نے تمام اسلامی عناصر کو ہمیشہ مفلوج اور پست رکھنے کے لئے بطور ایک نہ بدلنے والی پالیسی کے اختیار کر رکھی ہے۔

پس اگر یہ صحیح مان لیا جائے کہ ان تمام محشر خیز حوادث کا سبب تحریک پاکستان ہے تو تحریک پاکستان کا سبب ہندو اور انگریز کی مشترک اسلام دشمنی کا جذبہ ہے لہٰذا اس طرح بھی ان تمام مصائب و دواہی کا وبال ہندو اور انگریز پر پڑنا چاہئے جنہوں نے اپنی انتہائی تنگ نظری اور بد دیانتی سے یہاں کے مسلمانوں کو مطالبہ پاکستان پر مجبور کر دیا۔

پھر اس موقع پر یہ بھی سوچنا چاہئے کہ پاکستان کا مطالبہ کسی کے نزدیک ابتداءً خواہ کیسا ہی تھا وہ

بزور شمشیر تو نہیں منوایا گیا بلکہ تمام قوموں اور پارٹیوں کے باہمی معاہدات اور رضامندی سے پاکستان کی تاسیس عمل میں آئی۔

اب اگر اس کے بعد ہندو اور سکھ کی سیاہ ذہنیت انگریز کی متعفن سیاست اور بعض غداران ملت کی مجرمانہ خیانت نے گہری سازش کے تحت اپنی تسلیم کی ہوئی اسکیم کے خلاف کام نہ کیا ہوتا تو نہ انڈین یونین میں ایسے دردناک اور شرمناک مظالم کا مسلمانوں کو سامنا کرنا پڑتا نہ کشمیر ایسے روح فرسا حوادث کی آماجگاہ بنتا اور نہ حیدرآباد کی طرف کوئی ظالم نظر اٹھا کر دیکھ سکتا۔ ہر دو مستعمرات اپنی اپنی جگہ آزاد رہ کر اور دوسروں کی آزادی برقرار رکھ کر باہمی تعاون خیرسگالی اور مشترک مساعی کے ساتھ سارے ملک کو طاقتور اور مامون وخوشحال بنانے کی جدوجہد کرتیں تو آپ دیکھتے کہ گزشتہ ایک سال میں یہ برصغیر ترقی کی دوڑ میں کہاں سے کہاں پہنچ جاتا۔ مگر تلخ نوائی کو معاف کیجئے وہاں تو نیتیں ہی کچھ اور تھیں۔ ہندو کو یہ گوارا ہی نہ تھا کہ کوئی ایک مسلمان بھی ہندوستان کے کسی چپہ پر ہندو اکثریت کی غلامی سے آزاد ہو کر بیٹھ ہندو مہاسبھا اور راشٹریہ سیوک سنگھ کی سوچی سمجھی ہوئی اسکیم کے ماتحت بیس پچیس برس سے مسلمانوں کو بھارت ورش سے ختم کر دینے یا بجبر مرتد بنانے کی تیاریاں جاری تھیں اور سات سو برس سے یہ ارمان دلوں میں پرورش پا رہے تھے کہ جن مسلمانوں نے صدیوں تک ہم پر حکمرانی کی ہے اب ہم ان پر حکومت کریں گے اور اسلامی عہد کی ایک ایک رسم اور ایک ایک یادگار زیست و نابود کر کے چھوڑیں گے مگر اس رستے میں انگریز کا تسلط کوہ گراں بن کر حائل تھا جس کا زور توڑنا ہندو اور مسلمان دونوں اپنی اپنی آزادی کے لئے ناگزیر سمجھتے تھے ہندو نے اس موقع کو خوب بھانپ لیا اور کانگریس کے ذریعے مصنوعی قومیت متحدہ کا ڈھونگ رچایا گیا یہ ایک ایسا تیر تھا جس سے بیک وقت دو شکار ہوتے تھے یعنی ایک طرف دونوں قوموں کی مشترک قوت اور متحدہ مساعی سے انگریز کو شکست دی جائے اور دوسری جانب جمہوریت کے اصول پر جو کچھ ہاتھ آئے اس پر ہندو اکثریت کا قبضہ اور مسلمان کی دائمی بیچارگی کا جواز حاصل کیا جائے۔

وہ تو یہ کہئے کہ اس نام نہاد قومیت متحدہ کے آتش فشاں کے جگر میں جو زہریلا مادہ اور آتشیں لاوا جوش مار رہا تھا تحریک پاکستان سے اسے جلد نکلنے کا ایک راستہ ہاتھ آگیا تھا اسکی تباہ کاری ذرا محدود ہو کر رہ گئی اور اگر دو چار برس اور گزر جاتے اور پاکستان نہ بنتا تو اس آتش فشاں کے بے طور اور وسیع پیمانہ پر پھٹنے سے پورے دس کروڑ مسلمان اسکی لپیٹ میں آجاتے پھر ہندو کی فساد انگیزی بزدلانہ خون آشامی اور اسلام دشمنی کی تحریک کے لئے پاکستان کا نام لینا ہی کوئی ضروری نہ تھا کتنے ہی دوسرے حیلے بہانے موجود تھے جیسا کہ ۱۹۳۷ء کی وزارت کے زمانے میں پیش آنے والے سنگین حوادث سے ہر شخص کو اس کا اندازہ ہو چکا تھا اور آج بھی انڈین یونین کے مختلف حصوں میں اسکا تجربہ ہوتا رہتا ہے۔

الغرض دشمنوں کی کوشش یہ تھی کہ پاکستان کے پودے کو پورے نشوونما سے پہلے ہی ختم کر دیا جائے

لیکن "دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است"

خداوند قدوس نے اپنے فضل و رحمت سے وہ تمام منحوس مساعی ناکام بنادیں قتل و نہب کے بازار گرم ہوئے، اغوا اور عصمت ریزیوں کے طوفان اُٹھے۔ ستم رسیدہ تارکانِ وطن کے سیلاب اُمنڈ پڑے۔ خوف و دہشت پھیلانے کی کوئی ترکیب نہیں چھوڑی گئی جس کا سلسلہ اب تک کم و بیش جاری ہے اور یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب نہ پاکستان کی ساری فوج اس کے پاس تھی نہ پاکستان کا پورا رقبہ اسکے قبضہ میں تھا نہ مالیہ نہ میگزین نہ کوئی ضروری سامان اس کے ہاتھ آیا تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ اگر اس وقت ایک معمولی سا حملہ بھی پاکستان پر ہو جاتا تو شاید اس کی ہستی ختم ہو جاتی مگر حق تعالیٰ نے ایسے نازک ترین دور میں اس کی فوق العادہ حفاظت فرمائی اور اس کے فضل و اعانت سے وہ چیز جسکی حیثیت اگست ۴۷ء میں ایک کاغذی دستاویز سے زیادہ نہ سمجھی جاتی تھی آج ۴۹ء میں ایک ٹھوس فولادی حقیقت بن کر سب کے سامنے ہے ہماری فوج اپنی صلاحیتوں کے لحاظ سے بہترین فوج ہے ہمارا ڈیفنس اگر مکمل نہیں تو مضبوط یقیناً ہے۔ ہمارا مالیہ بھی ہمارے وسائل کی حد تک ناقابلِ تشویش ہے اور سب سے زیادہ یہ کہ ہمارا ہر سپاہی محض بھاڑے کا ٹٹو نہیں بلکہ ایک نئے اور تازہ جوش کے ساتھ اپنے کو مجاہد اسلام کی پوزیشن میں دیکھنے کا مشتاق ہے فالحمد للہ علیٰ ذالک حمداً کثیرا۔

یہ چیز بھی غلط نہیں کہ مسلم لیگ کے بڑے بڑے قائدین کو بھی یہ اندازہ نہ تھا کہ پاکستان کا نام لیتے ہی لاکھوں انسان نما خاکی پتلے جامہ انسانیت اتار اتار کر دفعتہً و بغتتہً بدترین بہائم اور درندوں کی ایک بھیڑ میں منتقل ہو جائیں گے اور وہ کام کریں گے جن سے چنگیز و ہلاکو کی روح بھی کانپ اُٹھے گی آخر عقلا کا مستقبل کے متعلق کوئی اندازہ لگانا ایک اندازہ ہی تو ہے پردہ غیب میں واقعات کی جو کیفیت و کمیت مقدر ہے اس کا صحیح تخمینہ کوئی انسان نہیں کر سکتا۔ جس کے پاس نہ علم محیط ہے نہ قدرت شاملہ۔ دیکھئے ریلوے کا نظام سارے ملک میں کس طرح پھیلا ہوا ہے۔ بڑے بڑے ماہرین اس کا ٹائم ٹیبل پوری احتیاط سے مرتب کرتے ہیں مگر انہیں کیا معلوم کہ کسی حادثہ سے پل ٹوٹ جائیگا یا لائن اکھڑ جائے گی یا ریلوں میں تصادم ہو جائے گا اس لئے وہ ٹائم ٹیبل بسا اوقات غلط بھی ہو جاتا ہے۔

حضرت سید احمد صاحب بریلوی اور حضرت مولانا اسمٰعیل شہید کے حسن نیت اخلاص اور مجاہدانہ عزیمت سے کسے انکار ہو سکتا ہے مگر عظیم الشان کامیابیوں کے بعد انہیں ایسے غیر متوقع اندوہناک حالات سے دوچار ہونا پڑا جس کا اندازہ انہیں پہلے سے نہ ہو سکا اور اس طرح ان کا مشن دنیوی فتوحات کے لحاظ سے آخر ناکام ہو کر رہ گیا۔ بہرکیف میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کے بنتے ہی جو عظیم زلزلہ آیا اس کا اندازہ اس پیمانہ پر پہلے سے کسی کو نہ تھا اور اگر فرض کیجئے ہوتا بھی تو اس کے سوا وہ کر ہی کیا سکتا تھا اس کے سامنے دو ہی راہیں کھلی ہوئی تھیں یا دس کروڑ مسلمان ہندو کی غلامی کا پٹہ ہمیشہ کے لیے گلے میں ڈال کر اپنی قومی موت کے وارنٹ پر دستخط کر دیں اور یا پھر جتنے مسلمانوں کو اس تباہی سے بچا سکیں بچا لیں اور آئندہ قدرت حاصل ہونے پر دوسرے گرفتاران بلا کی رستگاری کے لئے امکانی جد و جہد عمل میں لائیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ کوئی غیرتمند مسلمان پہلی شق کو اختیار کرنے کی رائے نہ دیگا چنانچہ یہی سمجھ کر

"ہرچہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم"

کہتے ہوئے مسلمان شدائد و حوادث کے اس خوفناک طوفانی سمندر میں کود پڑے اللہ تعالیٰ نے انکی کشتی پار لگا دی۔ پاکستان قائم ہو گیا۔

قیام پاکستان کا اصل مقصد اور اسکی دو قسطیں:۔

بحمد للہ اب ایک ایسا خطہ ارضی ہاتھ آ گیا جہاں مسلم کو یہ قدرت و تمکنت حاصل ہے کہ وہ اگر وہاں تمام تر اسلامی آئین و قانون نافذ کرنا چاہیں تو دنیا کی کوئی طاقت انہیں روک نہیں سکتی۔ یہی مکمل آزادی کی وہ قسط اول یا پہلی منزل اور بنیادی حقیقت ہے جس کا حصول اکھنڈ ہندوستان میں کسی طرح ممکن نہ تھا اور جسکی حفاظت ہر قیمت پر اہل پاکستان کے ذمہ واجب ہے آگے قسط ثانی اور دوسری منزل یہ ہے کہ ہم سب ملکر اس مملکت میں اللہ تعالیٰ کی تشریعی حکومت قائم کرنے کی سعی کریں جس طرح اسکی تکوینی حکومت سارے عالم پر قائم ہے۔ ہماری حکمرانی اور فرمانروائی کے وہی طور طریق ہوں جن کی نصیحت گاندھی نے اپنے کانگریسی وزراء کو ۳۷ء میں کی تھی یعنی ابوبکر و عمر کے نہج کی حکومت۔

اگر اپنی غفلت و لاپروائی سے ہم ایسا نہ کر سکے اور پہلی ہی منزل پر اٹک کر رہ گئے تو یہ ہماری بدبختی حرماں نصیبی اور حاصل شدہ آزادی کی نعمت عظمیٰ کا انتہائی کفران ہو گا اور اگر دوسری قسط کے وصول کرنے سے پہلے خدانخواستہ وہ پہلی قسط بھی ہاتھ سے کھو بیٹھے تو یہ اس سے بھی بڑی حماقت اور بدنصیبی ہو گی جس کے لئے ہم ہمیشہ آنے والی تاریخ کے سامنے مسئول رہیں گے۔

سب جانتے ہیں کہ محولہ بالا بحر حوادث کی طوفانی لہروں کو ہم نے محض خدا کا قرآن کا اور اسلام کا نام لے کر عبور کیا تھا اب سمجھنا چاہیئے کہ جس چیز کا محض نام لینے سے ہم کو اتنی عظیم کامیابی حاصل ہوئی اگر واقعی ہم اسکے تقاضوں پر عمل پیرا بھی ہو جائیں تو کیا کچھ فتح و نصرت ہمیں خداوند قدوس کی طرف سے حاصل نہ ہو گی۔ وقت آ گیا ہے کہ ذمہ دار حضرات اپنے مقدس وعدے پورے کریں اور مصائب کے طوفانوں سے نکلنے کے بعد اس نکالنے والے خدا کو نہ بھول جائیں اور ان مغضوب اور گمراہ لوگوں میں سے نہ ہوں جن کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہوا تھا۔

واذا رکبوا فی الفلک دعوا اللہ مخلصین لہ الدین فلما نجاھم الی البر اذا ھم یشرکون۔

آخر قرآن سے منہ موڑ کر ہم کونسا "نظام حیات" اور "آئینی حکومت" اختیار کریں گے۔ حالانکہ قرآن ہی

وہ مکمل لازوال ابدی اور عالمگیر نظامنامہ صداقت ہے جس سے اپنے ہر شعبہ زندگی میں ہم نور اور قوت کا اکتساب کر سکتے ہیں۔ افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السمٰوٰت والارض طوعاً وکرھاً والیہ یرجعون ۔ یعنی کیا اللہ کے دین کے سوا تمہیں کسی اور چیز کی تلاش ہے حالانکہ جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے (تکوینی طور پر) اس کا حکمبردار ہے خوشی سے یا ناخوشی سے اور سب کو اس طرف رجوع ہونا ہے۔

مسلمانوں پر عالمگیر مصائب اور ان کا علاج

آج ہم مسلمان ہر جگہ طاغوتی قوتوں سے گھرے ہوئے ہیں فلسطین میں صیہونیوں کی فتنہ سامانیاں حشر برپا کر رہی ہیں۔ وہ مقدس سرزمین آج دنیا کی سب سے بڑی سرمایہ پرست اور سرمایہ داری کی سب سے بڑی مخالف سلطنتوں کے نرغہ میں ہے اس گھمسان میں عرب اپنی قسمتوں کو تول رہے ہیں۔ کشمیر میں شیخ عبداللہ کی غداری کی بدولت انڈین یونین کی غاصبانہ چیرہ دستیاں پاکستان کے گرد فوجی حصار قائم کرنے کی فکر میں ہیں۔ حیدر آباد کی قدیم مملکت کا بڑی بے رحمی سے گلا گھونٹ دیا گیا ہے۔ انڈین یونین کے مسلمان باشندے ہر وقت خوف و ہراس کے سکرات میں مبتلا ہیں۔ پاکستانی مسلمان صلح و جنگ کے امکانات کے پیش نظر بیم و رجا کی کشمکش سے دوچار ہیں۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ فلسطین ہمارا جزو ایمان کشمیر ہماری رگ جان اور حیدر آباد ہمارے قدیم عزو وقار کا نشان ہے۔

مگر آہ کہ وہ نشان انڈین یونین کی بظاہر فوجی نمائشوں اور بباطن عیارانہ سازشوں کی بدولت آج سرنگوں ہو چکا ہے۔ اس بیسویں صدی میں ابن العلقمی اور جعفر و صادق کے جانشینوں نے پھر ایک دفعہ اپنی تاریخ دہرائی۔ سینکڑوں برس کی اسلامی مملکت کو بدون لڑے بھڑے چار دن میں کفار کے حوالے کر دیا اور اس طرح ملت دین اور وطن کے سامنے ایک نئی مصیبت کا پہاڑ کھڑا ہو گیا۔

یہ سب کچھ ہے تاہم ان میں سے کسی مسئلہ کی اہمیت کو اب بھی ہم نظرانداز نہیں کر سکتے نہ ان لاکھوں مردوں عورتوں اور بچوں کو کبھی اپنے دل سے بھلا سکتے ہیں جنہوں نے اپنی جانب اپنے اموال اپنی آبروئیں اسلام اور پاکستان پر نچھاور کی ہیں۔ ادھر ہمارے ملک میں ہنوز ففتھ کالم کی بھی کمی نہیں جنکی دجالانہ فریب کاریاں بہت سے مخلصین کو بھی مغالطوں میں پھنسا دیتی ہیں۔

ان تمام مشکلات سے نمٹنے کے لئے ہم اور سارا عالم اسلامی مختلف قسم کی تدابیر پر غور کر رہا ہے ہر ذی رائے مسلمان اپنی اپنی جگہ الگ الگ نقطۂ نظر سے سوچتا ہے اور تجویزیں تیار کرتا ہے لیکن صد افسوس کہ مسلم ہونے کی حیثیت سے یہ توفیق بہت ہی کم ہوتی ہے کہ قرآن کریم سے اپنی مشکلات کا کوئی حل معلوم کریں۔ ہماری نگاہیں کبھی برطانیہ کبھی امریکہ اور کبھی روس کی طرف اٹھتی ہیں اگر نہیں اٹھتی تو اس قرآن مبین

کی طرف جو ہماری دائمی رہنمائی کے لئے "رب العرش العظیم" کی طرف سے مرحمت ہوا تھا۔

اس موقع پر میں اپنی اس تقریر کا تھوڑا سا اقتباس پیش کرنا چاہتا ہوں جو قائداعظم کے چہلم کے موقع پر کی گئی تھی یعنی

مسلمانوں کی فتح و شکست کا اصلی معیار قرآنی تصریحات سے

بلاشبہ میں مانتا ہوں کہ ہم کو اپنی استطاعت و امکان کی آخری حد تک ان مادی ذرائع و وسائل کی فراہمی میں کمی اور سستی نہیں کرنی چاہئے جن سے ہم اپنے دشمنوں کے حوصلے پست کر سکیں اور ان پر اپنی دھاک بٹھا سکیں کیونکہ یہ چیز خود قرآن کریم کے صریح حکم "وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ" کے ذیل میں شامل ہے لیکن یہ صرف اتنی ہی تیاری ہمارے لئے کافی نہیں۔

۱۹۱۴ء کی جنگ کے بعد جو کمیشن فتح و شکست کے اسباب کی تحقیقات کرنے کے لئے بیٹھا تھا اس نے اپنی تحقیق و تدقیق کے نتیجہ کے طور پر اس مادیت میں ڈوبی ہوئی دنیا کے سامنے یہ اعلان کیا کہ "آج بھی کوئی جنگ بڑے بڑے مہیب اور ہلاکت بار اسلحہ سے نہیں جیتی جا سکتی۔ فتح و کامیابی کا اصل مدار فوجوں کے بلند حوصلہ مضبوط کیریکٹر اور بہترین ڈسپلن پر ہے۔"

اب ذرا دوسری طرف غور کیجئے کہ عہد رسالت کی پوری تاریخ جہاد میں صرف دو موقع ایسے پیش آئے جنہیں ہزیمت تو نہیں کہا جا سکتا ہاں ایک قسم کی وقتی ابتری اور اختلال کہہ سکتے ہیں۔

ایک "غزوہ احد" دوسرا "غزوہ حنین" ان دونوں واقعات کا ذکر قرآن کریم میں ہے لیکن کہیں ایک جگہ بھی اللہ تعالیٰ نے اس ہنگامی پسپائی یا ابتری کا سبب نہ تو مجاہدین کی قلت تعداد کو قرار دیا نہ میگزین یا رسد یا دوسرے سامان کی کمی کو۔ ہاں احد کے قصے میں تو یہ فرمایا حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ (یعنی تم نے بزدلی دکھائی اور جو حکم ملا تھا اس کے متعلق آپس میں جھگڑ پڑے (یعنی نا اتفاقی ہوئی) اور جو چیز تم پسند کرتے تھے جب خدا نے وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے کر دی تو نافرمانی کرنے لگے۔ اس وقت کوئی تم میں سے دنیا کا طالب تھا اور کوئی آخرت کا)

اور حنین کے بارے میں یوں ارشاد ہوا۔ ويوم حُنَيْنٍ اذا اعجبتكم كثرتكم فلم تغن عنكم شيئاً وضاقت عليكم الارض بما رحبت ثم وليتم مدبرين (یعنی حنین کا قصہ یاد کرو جبکہ تم اپنی کثرت تعداد پر اترا گئے پھر وہ کثرت تمہارا کچھ بھی کام نہ بنا سکی اور زمین باوجود فراخی کے تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے)

ان آیات میں بار بار غور کیجئے کیا یہ اس حقیقت کی طرف صاف رہنمائی نہیں جسے ہم کیریکٹر کی

درستی اور ڈسپلن کی مضبوطی کے ناتمام الفاظ سے ادا کر رہے ہو۔ یاد رکھئے کیرکیٹر اور ڈسپلن کی کامل ترین مضبوطی اور پختگی جس راستہ سے حاصل ہوتی ہے اس پر قرآن کریم نے بکرات و مرات نہایت شدو مد کے ساتھ متنبہ کیا ہے اور وہ راستہ صبر و تقویٰ کا ہے۔

مگر افسوس ہم نے اس قدر ٹھوکریں کھانے کے بعد بھی ادھر التفات نہ کیا اور اللہ کی تعلیم کو ملا کی تعلیم کہہ کر سرکشی کرتے رہے۔

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ کثرت تعداد اور فراوانی وسائل کے لحاظ سے ہمارے اعداہم پر فائق ہیں اور سردست ہم اس قدر استطاعت بھی نہیں رکھتے کہ اپنی مدافعانہ طاقت کو اپنے دشمن کے لیول تک پہنچادیں اب اگر قلت تعداد اور اسباب کے باوجود ہمارے لئے فتح و کامرانی کی صورت ہے اور انشاءاللہ یقیناً ہے تو اس کا مدار صرف قادر مطلق کی نصرت پر ہے اور یہ نصرت و امداد مسلمانوں کو صبر و تقویٰ کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہے۔

وان تصبروا وتتقوا لایضرکم کیدھم شیئاً ط (اگر تم صبر و تقویٰ اختیار کروگے تو ان کا فریب تمہیں کچھ بھی نقصان نہ پہنچاسکے گا)

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

لَتُبْلَوُنَّ فِیۡۤ اَمۡوَالِکُمۡ وَ اَنۡفُسِکُمۡ وَلَتَسۡمَعُنَّ مِنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وَ مِنَ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡۤا اَذًی کَثِیۡرًا ؕ وَ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَ تَتَّقُوۡا فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ

یقیناً تمہاری آزمائش ہوگی مالوں اور جانوں میں اور البتہ تم سنوگے اگلی کتاب والوں سے اور مشرکوں سے بہت بدگوئی اور تکلیف دہ باتیں اور اگر تم صبر و تقویٰ اختیار کرلو تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔

صبر و تقویٰ ہی وہ چیز ہے جس کے اختیار کرنے پر آسمان سے فرشتوں کی مدد پہنچتی ہے۔

بلیٰ ان تصبروا وتتقوا ویاتوکم من فورھم ھٰذا یمددکم ربکم بخمسة الاف من الملائکة مسومین۔ ط

بیشک اگر تم صبر و تقویٰ اختیار کرو اور دشمن کو فوراً کمک پہنچ جائے تو اللہ پانچ ہزار فرشتوں سے تمہیں کمک پہنچائے گا۔

قید و بند کے سارے شدائد برداشت کرنے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام خزائن ارض پر قابض و متصرف ہوتے ہیں تو اس کا سبب حضرت یوسف علیہ السلام ہی کے الفاظ میں یہ بتایا جاتا ہے۔

قَدۡ مَنَّ اللّٰہُ عَلَیۡنَا ؕ اِنَّہٗ مَنۡ یَّتَّقِ وَ یَصۡبِرۡ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ۔

اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا بلاشبہ جو شخص تقویٰ اور صبر اختیار کرے تو اللہ بھلائی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی ساری دھمکیوں کے جواب میں اپنی قوم سے فرمایا۔

اسۡتَعِیۡنُوۡا بِاللّٰہِ وَ اصۡبِرُوۡا ۚ اِنَّ الۡاَرۡضَ لِلّٰہِ ۟ۙ یُوۡرِثُہَا مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖ ؕ وَ الۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ۔

اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو بیشک زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اسکا وارث بنائے اور بہتر انجام تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لئے ہے۔

غرضیکہ جس چیز کا قرآن پاک نے صاف صاف اور بار بار اعلان کیا اور تاریخ اسلام صدیوں سے اسکا مشاہدہ کراتی رہی اس پر عمل پیرا ہونے میں تغافل و تساہل برتنا ہمارے لئے سخت مجرمانہ فعل ہوگا۔ اسے اختیار کئے بغیر ہمارے لئے فوز و فلاح کی راہ کھلنی محال ہے۔ اس حقیقت کو ہم جس قدر جلد سمجھ لیں اتنا ہی بہتر ہے۔

آج فلسطین کشمیر حیدرآباد انڈیا، انڈونیشیا اور دیگر ممالک کے مسلمانوں کی جان جس عذاب میں ہے اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے ہمارے پاس بجز اس کے کوئی راستہ نہیں کہ ہم اس مالک الملک کے بتلائے ہوئے طریقے پر گامزن ہو جائیں جسکی شان یہ ہے۔

" تُؤۡتِی الۡمُلۡکَ مَنۡ تَشَآءُ وَ تَنۡزِعُ الۡمُلۡکَ مِمَّنۡ تَشَآءُ ۫ وَ تُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنۡ تَشَآءُ "

نہ بین الاقوامی انجمنوں کے کمیشن ہماری مسیحائی کرسکتے ہیں نہ محض ان قوموں کے معاہدات موجب اطمینان ہوسکتے ہیں جنہیں معاہدہ کی سیاہی خشک ہونے سے پہلے ہی پارہ پارہ کرنے میں باک نہیں ہوتا۔

مسلمانوں کے فوز و فلاح کا راز چار لفظوں میں!

میرے نزدیک تو ہمارے سارے فوز و فلاح کا راز ان چار لفظوں میں مضمر ہے:۔

۱۔ صبر و استقامت ۲۔ تقویٰ و طہارت ۳۔ اتحاد ملت ۴۔ اعداد قوت حسب استطاعت

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انفرادی و اجتماعی زندگی میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے اپنا تعلق صحیح رکھا جائے تاکہ اسکی امداد و نصرت کے مستحق ہوسکیں۔ اس راہ میں بڑی سے بڑی سختیوں کو صبر و استقلال کے ساتھ کوہ استقامت بن کر برداشت کیا جائے اور ساری ملت اسلامیہ متحد و یکجان ہو کر اپنی قدرت کی آخری حد تک وہ قوت فراہم کرے جس سے ابلیسی لشکروں کے حوصلے پست ہو جائیں۔ یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ حَسۡبُکَ اللّٰہُ وَ مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اور فرمایا وَ اعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوۡا

حکومت پاکستان کے بنیادی اصول

ظاہر ہے کہ اس چیز کی تکمیل و انصرام موقوف ہے اس پر کہ ہماری سب سے بڑی اسلامی مملکت پاکستان پہلے اپنے قیام کی اصلی غرض و غایت اور بنیادی اصول کو سمجھے جو ہمارے نزدیک حسب ذیل ہونے چاہئیں۔

الف: بلاتفریق مذہب و ملت و نسل وغیرہ تمام باشندگان پاکستان کے لئے امن و انصاف قائم کرنا اور دوسری اقوام کو بھی اس مقصد کی طرف دعوت دینا۔

ب۔ جملہ معاہدات کا احترام کرنا جو کسی دوسری قوم یا مملکت سے کئے گئے ہوں۔

ج۔ اللہ تعالیٰ کو سارے ملک کا مالک اصلی اور حاکم حقیقی مانتے ہوئے اس کے نائب امین کی حیثیت سے اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر پوری مسئولیت کے خیال کے ساتھ حکومت کا سب کاروبار چلانا۔

د۔ غیر مسلم باشندگان پاکستان کے لئے جان و مال اور مذہب کی آزادی اور شہری حقوق کے تحفظ کے ساتھ مذہب اسلام کی حفاظت اور تقویت کا بندوبست کرتے ہوئے مسلم قوم کو ان قوانین الٰہیہ کا انتہائی پابند بنانے کی سعی کرنا جو مالک الملک نے ان کے فلاح دارین کے لئے نازل فرمائے ہیں۔

ھ۔ تمام باشندگان پاکستان کی انفرادی صلاحیتوں کی مالی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے انکے معاشی حالات میں مناسب اور معتدل توازن قائم کرنا اور تا بحد امکان کسی فرد کو بھی ضروریات زندگی سے محروم نہ ہونے دینا۔ وخصوصیت کے ساتھ ربا (سود) مسکرات (نشہ آور اشیاء) قمار (جوا) اور ہر قسم کے معاشرتی فواحش کے سدباب کی امکانی کوشش کرنا۔

ز۔ قومی معاشرہ کو بلند خیالی کے ساتھ ساتھ سادہ اور ستھرا بنانے کی ہر جائز کوشش کرنا۔

ح۔ مغربی طرز کی پیچ در پیچ عدالتی بھول بھلیاں سے نکال کر عوام کے لئے امکانی حد تک سستا اور تیز رفتار انصاف حاصل کرنا۔

ط۔ ان پاک اور بلند مقاصد کے لئے ایک ایک مسلمان کو بقدر ضرورت دینی و عسکری تربیت دے کر اسلام کا مجاہد اور پاکستان کا سپاہی بنا دینا۔

پوری دنیا کی نجات و امن کا واحد راستہ

جو مملکت اپنے آئینی دائرہ میں ان پاک اور اہم ترین مقاصد کی بنیادوں پر قائم ہوگی وہ اللہ کی مدد اور ملت اسلامیہ کی تمام مخالفات سے ہر باطل کی سرکوبی کر سکے گی اور انشاء اللہ اس دنیا میں عام امن و انصاف اور خوشحالی و فارغ البالی کا علم بلند کر دے گی۔

اگر مملکت پاکستان اس نہج اور ان بنیادوں پر حکمرانی کرے تو وہ دنیا کی بہترین قابل تقلید حکومت ہوگی اور ایسی ہی حکومت حقیقی معنوں میں اسلامی حکومت کے لقب کی مستحق ٹھہرے گی۔ گو اس کے بعد بھی جاہ و اقتدار کی ہوسناکیاں اور شدید ترین عداوت و عناد کے جذبات جو اسلام کی طرف منسوب ہونے والی ہر چیز کے متعلق غیر مسلم اقوام کے دلوں میں صدیوں سے پرورش پاتے چلے آ رہے ہیں دنیا کو چین سے نہ بیٹھنے دیں گے اور تمام کافرانہ طاقتیں ملت واحدہ بن کر بہت جلد ایسی صالح سلطنت کے مقابلہ میں بھی محاذ جنگ قائم کر لیں گی تاہم میں یقین رکھتا ہوں کہ بہت ہی سخت جھٹکوں اور زلزلوں کے بعد جن سے ابھی دنیا کو ایک ناقابل تصور اندازہ تک دوچار ہونا باقی ہے ایک وقت ضرور آئے گا کہ ساری دنیا ایک ہی نظام حکومت میں منسلک ہو کر رہے گی اور یہ اس وقت ہوگا جب دنیا سکون و امن کی تلاش میں ہر طرح کی ٹھوکریں کھا کر

اور ہر طرف سے تھک کر اس ملک کے مالک اصلی اور حاکم حقیقی کی طرف رجوع ہوگی اس وقت وہ اپنے اگلے پچھلے افکار و خیالات کا از سر نو جائزہ لینے پر مجبور ہو جائے گی۔

وہ جن چیزوں کو دقیانوسی سمجھ کر ہمیشہ کے لئے چھوڑ چکی تھی پھر اپنی تازہ ترین ترقیات اور نئے نئے سامانوں کی روشنی میں انہیں پر باسلوب جدید غور کرنے کے لئے تیار ہو بیٹھے گی۔ فاطر حقیقی کی غیبی تائید اور شاید کسی فوق العادہ روحانی ذریعہ سے دنیا کے بڑے بڑے سمجھدار اور ذی اثر لیڈروں کے سامنے فطرت انسانی کے صحیح اصول اور عقل سلیم کے سچے تقاضے بے نقاب ہو جائیں گے وہ انہیں علی وجہ البصیرت سمجھ کر قبول کریں گے اور بہت سے لوگ عام حالات کے دباؤ اور قوی التاثیر ماحول کے اثرات سے انکے ماننے پر مجبور ہو جائیں گے۔

اس وقت دنیا میں ایک ہی دین (دین فطرت) رہے گا جس کی ذرا سی جھلک برنارڈ شاہ کو مستقبل میں نظر آ رہی ہے۔ ساری دنیا ایک ملت بن جائیگی۔ زمین کے سب باشندے ایک عادلانہ نظام حکومت میں شریک ہونگے۔ افلاس و بدحالی کا نشان باقی نہیں رہے گا۔ خیرات کرنے والے مال لے کر باہر نکلیں گے مگر کوئی نہیں ملے گا جو اسے قبول کرے۔ دنیا خوشی نیکی اور انصاف سے بھر جائیگی یکہ یوں کہئے کہ ایک طرح کی جنت میں تبدیل ہو جائے گی۔ اس وقت آفرینش عالم کی اصلی غرض و غایت بر وجہ اتم پوری ہوگی اور لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آ جائے گا۔

یہ محض کوئی خیالی ہرائی اور شاعرانہ تخیلات نہیں بلکہ یہ دنیا کا اٹل مستقبل ہے جسے کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ مبارک ہیں وہ خوش نصیب بندے جو ایسے پاک و درخشاں مستقبل کے لانے میں آج کم و بیش اپنا کوئی حصہ لگا لیں اور بدبخت ہیں وہ لوگ جنہوں نے اس کے مقابلہ کے لئے ابھی سے کمر باندھ رکھی ہے۔

خوب سمجھ لیجئے آج کا مسئلہ ملا اور مسٹر کا مسئلہ نہیں۔ نہ یہ جدت اور قدامت کی کشتی ہے نہ دیوبند اور علی گڑھ کا اکھاڑہ ہے۔ یہ تو خدا کے بندوں کے لئے سخت ترین آزمائش کی گھڑی ہے کہ وہ اللہ کے دیئے ہوئے اس نادر موقع سے کیا فائدہ اٹھاتے ہیں اور تیرہ سو برس کے بعد کس عزم و ہمت سے دنیا میں قرآنی آئین اور اسلام کے فطری اصولوں کے دوبارہ زندہ اور نافذ کرنے کے لئے کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ

قرآنی نظام اور اسلامی حکومت پر اعتراضات اور اس کے جوابات۔

بہت سے مغرب زدہ لوگ جو اپنی اسلامی بصیرت کھو چکے ہیں اور جو خفاش کی طرح ظلمت سے نکل کر روشنی میں آنے کا ارادہ بھی نہیں رکھتے بلکہ اوروں کا راستہ بھی روکنا چاہتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ چودہ سو برس کا معاذ اللہ فرسودہ نظام اس نئی روشنی کی دنیا میں کہاں چل سکتا ہے۔ لیکن جو نئی دنیا طرح طرح کی نئی روشنیوں کے باوجود کروڑوں برس کے فرسودہ شمس و قمر سے ہنوز بے نیاز نہیں ہو سکی

تو چودہ برس کے قرآنی نظام سے اس کا آنکھیں چرانا کہاں تک حق بجانب ہو سکتا ہے۔

اسلامی ماحول تیار نہ ہونے کا عذر لنگ

کہا جاتا ہے کہ قرآنی نظام چلانے کے لئے ابھی ماحول تیار نہیں لیکن قرآن جس وقت دنیا میں آیا اگر ماحول کی تیاری اور فضا کی سازگاری کا انتظار کرتا تو شاید قیامت تک بھی یہ انتظار ختم نہ ہوتا۔ قرآن تو اپنے لئے خود ماحول بناتا ہے اور قرآنی نظام کے نافذ ہونے سے بڑی حد تک فضا بدلنے لگتی ہے آپ سعودی حکومت کو ہی دیکھ لیجئے صرف دو تین چوروں کا ہاتھ کٹنے کے بعد حجاز جیسے ملک میں چوری کا نام بھی باقی نہیں رہا اور ان متنوریں کو یہ سن کر تعجب ہوگا اور شاید کچھ افسوس بھی ہو کہ حجاز میں غنڈوں اور لنڈوں کا کوئی بڑا شہر تو کجا کوئی چھوٹا سا گاؤں بھی کہیں نظر نہیں آتا۔ آسمانی قانون کے اجراء کی یہ بھی تو برکت ہے کہ اس میں جرم کی سزا جرم کو روکتی ہے مجرم کو جیل بھیجکر پکا اور ڈگری یافتہ مجرم نہیں بنایا جاتا۔

لوگ کہتے ہیں کہ قطع ید وحشیانہ سزا ہے جو اس دور تہذیب کے شایان نہیں۔ مگر جس جرم کی سزا ہے وہ کونسا مہذب فعل ہے۔ پس اگر ایک، دو وحشیوں کے ارتکاب سے ہزاروں وحشتوں کا خاتمہ ہوتا ہو تو مہذب دسائٹی کو خوش ہونا چاہیئے کہ انکے تہذیبی مشن کے کامیاب ہونے میں اس سے بڑی مدد ملی۔

اچھا اگر ان حضرات کو یہی اصرار ہے کہ مریض کے تندرست ہونے کے بعد دوا کا بندوبست کیا جائے یعنی پہلے ماحول ٹھیک کر لو پھر قانون اسلامی جاری کر لیں گے تو اس کی بھی آسان اور موثر صورت یہ ہے کہ یہ سب سے پہلے اس ملک کے ارباب بست وکشاد بدون کسی قانونی دباؤ کے خوشدلی کے ساتھ اپنی زندگی اسلامی سانچے میں ڈھال ڈالیں۔ دیکھئے اس کے بعد فضا کا بدلنا کیسا آسان ہو جاتا ہے۔ ورنہ یہ بات حیلہ بازی کے سوا کچھ نہیں کہ بیچارہ ملا تو فضا بدلنے میں لگا ہے اور ہمارے لیڈر اسے اور زیادہ خراب کرنے میں منہمک رہیں اور اگر فضا کے ناسازگار ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ حلقہ اقتدار وحکومت کی فضا اس کے لئے سازگار نہیں تو پھر ملت اسلامیہ کو غور کرنا پڑے گا کہ ملک کی زمام اقتدار آئندہ کن ہاتھوں میں رہنی چاہئے اور اس مقصد کے حصول کے لئے کیا ذرائع اور وسائل استعمال کئے جائیں۔

کہا جا رہا ہے کہ ملا حکومت واقتدار چاہتا ہے لیکن جب دوسرے لوگ دنیا کی نفع اندوزیوں کے لئے اقتدار چاہتے ہیں تو دینی اقتدار کے لئے ملا کا حکومت میں حصہ حاصل کرنا کیوں گناہ ہوگا۔ دراں حالیکہ اس حکومت کے قائم ہونے میں اس کا بھی کافی حصہ ہے۔ آخر حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر سے خود کہا تھا کہ اِجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ اور صحیح تر بات یہ ہے کہ ملا

حاکم بننے کا طلبگار نہیں، ہاں اپنے حاکموں کو تھوڑا سا ملا بنانے کا ضرور خواہاں ہے۔

خلیفۃ المسلمین اور اولوالامر میں فرق — ہم دیکھ رہے ہیں کہ کچھ دنوں سے اس سلسلہ میں عجیب بد حواسی اور جہالت کی باتیں کی جا رہی ہیں۔ مثلاً کہا گیا ہے کہ اگر "اسلامی نظام" جاری ہو تو "اولوالامر منکم" کا مصداق کون ہوگا، سلطان ابن سعود یا شاہ فاروق یا شرق اردن والے شاہ عبداللہ یا عصمت انونو یا عراق کے امیر فیصل یا اعلیٰ حضرت ظاہر شاہ یا بادشاہ ایران یا پاکستان کے گورنر جنرل۔

واقعی اعتراض کرنے کو بھی تھوڑے سے علم کی ضرورت ہے۔ ان فریب خوردہ جاہلوں کو کون بتائے کہ اولوالامر جمع کا صیغہ ہے اور اس کے تحت میں اپنی اپنی جگہ یہ سب داخل ہیں بلکہ آپکے ضلع کا مسلمان کلکٹر بھی اس میں شامل ہے۔ شاید اپنے جہل سے ان لوگوں نے "اولوالامر" کو خلیفۃ المسلمین کا مترادف سمجھ لیا ہے حالانکہ "اولوالامر" "خلیفہ" سے بہت زیادہ عام لفظ ہے۔

اگر ساری دنیا میں خلافت عامہ قائم کرنے پر قدرت نہ ہو تو جس خطہ ارضی میں نظام اسلامی قائم کیا جا سکے اس کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔

ہاں آیت مذکورہ سے الگ ہو کر اگر اس پر بحث ہو کہ تمام عالم اسلامی کا ایک خلیفہ ہونا چاہیئے تو بے شک اصل مسئلہ وہ یہی ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر یہ چیز سردست ہماری استطاعت سے خارج ہے تو جس دستور و قانون سازی کا جاری کرنا ہماری استطاعت میں ہے اسے بھی چھوڑ بیٹھیں۔ گویا یا تو ہم گاماں پہلوان بن کر رہیں اور یا پھر تپدق کے مریض ہو کر زندگی بسر کریں۔ درمیان میں کوئی درجہ ہی نہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا تھا "اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ" اور حق تعالیٰ نے اس امت کو خطاب کر کے فرمایا "فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ" دیکھئے دونوں جگہ استطاعت کی قید لگی ہوئی ہے۔

پس ہم کسی چیز کے اس حد تک مکلف ہیں جہاں تک ہماری قدرت و استطاعت کی پرواز ہے علاوہ ازیں یہ مطلب کسی کا نہیں کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا ایک امیر یا ایک نظام حکومت نہ ہو۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اس مقصد تک پہنچنے کے لئے ایک ہوشیار اقدام اپنے گھر سے شروع کیا جائے اور پاکستان کی جدید مملکت میں اسلامی نظام کی بنیاد رکھی جائے جو وحدت اسلامی کی آخری منزل تک رفتہ رفتہ پہنچنے کے لئے ایک نمونہ اور زینہ کا کام دے سکے۔ ایک طرف ہم محدود علاقے میں اسلامی آئین و قوانین کا نفاذ کریں اور دوسری جانب اس کو وسعت دیکر سارے عالم اسلامی تک لے جائیں۔

بعض ناعاقبت اندیشوں نے اس سلسلہ میں علماء کو دھمکیاں دینا شروع کر دیں اور وہ انہیں مصطفےٰ کمال کا کارنامہ یاد دلاتے ہیں حالانکہ آخری دور میں مصطفےٰ کمال کی طرح امان اللہ خاں کی مثال بھی ان کے سامنے ہے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ کوئی دانشمند آدمی ان میں سے کسی ایک مثال کا بھی پاکستان میں پڑنے کا

آنا پسند کرے گا۔

اسلامی آئین کا مسودہ: علماء سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ آخر وہ آئین اسلامی ہے کیا جس کا تم مطالبہ کرتے ہو اسے پیش بھی تو کرو۔ شاید یہ جاننا ہو کہ وہ کہاں تک ہماری اہواء و آراء کے سانچے میں ڈھالا جا سکتا ہے یا کس طرح اس اہم مسئلہ کو جاہلانہ بحثوں میں الجھا کر گم کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ تو فرمایئے وہ آئین پیش کس کے سامنے کیا جائے۔ اور کون کرے۔ اس لئے تو ہم نے "دستور ساز اسمبلی" کو نوٹس دیا تھا کہ وہ ایک کمیٹی جید علماء و مفکرین کی بنائے جو اس آئین کا مسودہ تیار کر کے اسمبلی کے سامنے پیش کر دے جس کا موقع آج تک نہیں آسکا۔

علماء اور فرق اسلامیہ کے باہمی اختلاف کا عذر

کہتے ہیں کہ علماء میں باہم اختلاف ہے اور اسلام بہت سے فرقے ہیں۔ ان اختلافات کو کیسے طے کیا جائے گا میں کہتا ہوں کہ کیا لیڈروں میں اختلاف نہیں۔ کیا سیاست میں مختلف پارٹیاں موجود نہیں آخر متعدد قوموں فرقوں اور پارٹیوں کے اختلافات کس اصول پر طے کئے گئے اور اب بھی طے کئے جاتے ہیں۔ اس اصول پر اسلامی آئین حکومت کے متعلق علماء کا اختلاف بھی (بشرطیکہ وہ موجود ہو) طے کر لیا جائیگا پھر مختلف اسلامی فرقوں کے علماء تو آج پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ اس معاملہ میں ہمارا کوئی اختلاف نہیں لیکن آپ ہیں کہ خواہ مخواہ ان ہوئی چیز کو ہوئی ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ شاید ان حضرات کو ابھی تک یہ احساس نہیں ہو سکا کہ مختلف خیال اور مسلک رکھنے والے علماء آپ کے ان حربوں کو خوب سمجھ چکے ہیں اور یہ کہ اب آپکے ایسے بے لوچ حیلے بہانے یا مذہبی تفرقوں کو ہوا دینے کی کوشش سے عامۃ المسلمین کا وہ بے پناہ سیلاب انشاء اللہ رک نہیں سکتا جو قدیم اسلامی دور کی برکات کو واپس لانے کے لئے انکے سینوں میں بڑے زور سے موجیں مار رہا ہے۔

انگریزی عہد کی بدبودار سیاست کا ممکن ہے یہ لوگ کچھ تجربہ رکھتے ہوں مگر پاکستان بننے کے بعد مسلمان جس پوتر سیاست کا نیا ایڈیشن بروئے کار دیکھنا چاہتا ہے اس سے انہیں دور کا بھی واسطہ نہیں بلکہ طول امل کی وجہ سے خوف ہے کہ اس کے سمجھنے کی اہلیت بھی ان سے سلب ہو چکی ہو۔

عمریست کہ افسانۂ منصور کہن شد   من از سر نو جلوہ دہم دار و رسن را

بہر حال میں پھر وہی کہوں گا جو شروع میں کہہ چکا ہوں کہ ہماری مشکلات کا واحد حل اور ہماری بیماریوں کا واحد علاج یہی ہے کہ ہم اللہ کا کلمہ بلند کریں۔ اور اس کے آئین کی برتری عملاً ساری دنیا پر واضح کر دیں جس کے فوائد و ثمرات دیکھ کر غیر مسلم بھی پکار اٹھیں کہ ایسی خوشحالی اور ایسا امن و اطمینان تو ہمیں اپنی قوم کی حکومت میں بھی حاصل نہیں۔ بہت سے لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ دنیا میں آج کسی جگہ بھی کوئی حکومت مذہبی بنیادوں پر قائم نہیں۔ مگر یہ دعویٰ غلط ہے کیونکہ متعدد اسلامی سلطنتوں کا دستور اساسی آج بھی اس بنیاد

پر قائم ہے۔

موجودہ ممالک اسلامیہ کے اسلامی و شرعی دستور و آئین

چنانچہ افغانستان کا دستور جو بسم اللہ سے شروع ہوتا ہے اس کی پہلی دفعہ اس امر کا اظہار کرتی ہے کہ ملک کا دین اسلام ہے اور اس کے باشندے بالعموم حنفی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ بادشاہ ملک کے لیے حنفی مذہب کا ہونا ضروری ہے۔ حکومت شریعت اسلامیہ کے مطابق ہوگی۔

۲۔ شاہ افغانستان تخت نشینی کے وقت قومی کونسل کے سامنے مندرجہ ذیل حلف اٹھاتا ہے: "میں اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر اسکی اور قرآن پاک کی قسم کھاتا ہوں کہ حکومت کا انتظام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور ملک کے بنیادی آئین کے مطابق کروں گا میں دین اسلام افغانستان کی آزادی اور قوم کے حقوق کی پوری حفاظت کروں گا۔

۳۔ شاہ کو جو حقوق حاصل ہیں ان میں سے ایک یہ ہے قانون شریعت کے مطابق سزاؤں کو کم یا معاف کرنا۔

۴۔ محکمہ عدالت ایک آزاد محکمہ ہے اور اس میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا۔ معاملات کا فیصلہ شریعت کے مطابق ہوتا ہے۔ ملک میں فقہ حنفی رائج ہے۔

۵۔ قانون شریعت اور قانون ملک کی رو سے سب کے فرائض و حقوق برابر ہیں۔ افغان رعایا پر ملک کے سیاسی اور مذہبی اور امر و نواہی کی پابندی لازم ہے۔

۶۔ ایسے ملکی اور غیر ملکی اخبارات پر کوئی پابندی نہیں جن میں اسلام اور افغانستان کے خلاف کوئی تحریر شائع نہیں۔ اسکول حکومت کی نگرانی میں کام کرتے ہیں تاکہ تعلیم اسلامی اسپرٹ کے مطابق ہو۔ البتہ اہل کتاب باشندوں کو اپنے الگ سکول جاری کرنے کا حق ہے۔

ایران ــــ ۱۔ اسلام ایران کا سرکاری مذہب ہے۔ ایران کے .... باشندے امام جعفر صادق رض کی تعلیمات کے قائل ہیں۔ شاہ ایران کے لئے اس عقیدہ کا حامل اور حامی ہونا ضروری ہے۔

۲۔ ایران کی قومی اسمبلی ایسا کوئی قانون پاس نہیں کر سکتی جو دین اسلام اور شریعت محمدیہ کے منافی ہو۔ اس امر کا فیصلہ کرنے کے لئے کہ آیا کوئی مجوزہ قانون شریعت کے مطابق ہے یا مخالف۔ پانچ علما مجتہدین پر مشتمل ایک کمیٹی موجود ہے اس کے انتخاب کا طریقہ یہ ہے کہ ملک بھر کے مستند علماء اور حجۃ الاسلام حضرات بیس کے قریب مجتہدین اور جید علماء کے نام قومی اسمبلی کو بھیج دیتے ہیں۔ اسمبلی ان میں سے پانچ کو اتفاق رائے یا رائے شماری کے ذریعے منتخب کرتی ہے۔ یہ علماء قومی اسمبلی کے باقاعدہ ممبر ہوتے ہیں اور اس میں پیش ہونے والی ہر تجویز کے متعلق ان کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ خلاف

اسلام ہونے کی صورت میں تجویز خود بخود گر جاتی ہے۔ اسمبلی پر کمیٹی کے فیصلہ کی پابندی لازمی ہے۔

۳۔ شاہ ایران حلف اٹھاتے وقت یہ بھی کہتا ہے کہ میں امام جعفر صادق کی تعلیمات کو پھیلانے کی سعی کروں گا اور اپنے ہر عمل اور ارادے میں اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جانوں گا۔

۴۔ پریس پر کوئی پابندی نہیں اور سوائے ان کتابوں رسالوں اور اخباروں کے جن میں اسلام اور ایران کے خلاف کچھ درج ہو باقی ہر طرح کی اشاعت و طباعت آزادانہ طور پر ہوتی ہے۔

۵۔ سائنس آرٹ اور صنعت کی ہر قسم کی تعلیم حاصل کرنے کی عام اجازت ہے۔ البتہ ایسی تعلیم جو مذہبی اصولوں کے منافی ہو ممنوع ہے۔

۶۔ ایران میں دو قسم کی عدالتیں ہیں۔ جن میں قاضی حضرات اور مجتہدین شریعت کے مطابق فیصلے دیتے ہیں ہر وہ معاملہ جسے شریعت احاطہ کرتی ہے شریعت کے مطابق طے ہوتا ہے۔ دوسری قسم کی عدالتیں دیوانی ہیں جن میں جج صاحبان ملکی قانون اور ایرانی رواج کے مطابق معاملات طے کرتے ہیں۔

عراق:- ۱۔ اسلام عراق کا سرکاری مذہب ہے۔

۲۔ عراق میں تین قسم کی عدالتیں ہیں۔ دیوانی عدالتیں شرعی عدالتیں اور خاص عدالتیں۔ اوقاف اور مسلمانوں کے ذاتی معاملات کا فیصلہ شرعی عدالتیں کرتی ہیں۔ شادی جہیز مہر طلاق وصیت وغیرہ کے تمام معاملات شرعی عدالتوں کے متعلق ہیں۔

ان سلطنتوں کے علاوہ سعودی عرب کا غالباً کوئی دستور مدون نہیں۔ انکا دستور اور قانون صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہے۔

پاکستان اور دوسرے ممالک اسلامیہ میں فرق پاکستان کی بنیاد ہی مذہبی تفریق پر قائم ہے!

اور اگر ان حقائق کی موجودگی میں یہ ہی دعویٰ صحیح مان لیا جائے کہ کوئی دوسری حکومت اس زمانہ میں مذہبی بنیاد پر قائم نہیں۔ تب بھی یہ تو فرمایئے کہ پاکستان کے سوا آج وہ کونسی مملکت ہے جسکی تاسیس ہی مذہبی تفریق کی بناء پر عمل میں آئی ہو۔ پھر ڈاکٹر اقبال مرحوم کا وہ مصرعہ تو آپ نے سُن ہی رکھا ہوگا کہ "زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ ستیز"

اکبر مرحوم نے بھی مشرق و مغرب کا فرق بیان کرتے ہوئے کہا تھا۔

مشرقی تو سر دشمن کو کچل دیتے ہیں ؎ مغربی اس کی طبیعت کو بدل دیتے ہیں

ناز کیا اس پہ کہ بدلا ہے زمانہ تم نے ؎ مرد وہ ہیں جو زمانہ کو بدل دیتے ہیں

پاکستان میں اسلامی نظام کا اثر انڈین یونین کے مسلمانوں پر

پاکستان کے بعض مدبرین یہ خطرہ ظاہر کرتے ہیں کہ اگر پاکستان میں اسلامی آئین اور اسلامی نظام حکومت

کے نفاذ کا اعلان کیا جائے تو انڈین یونین کے کروڑوں مسلمانوں پر ہندوؤں کی طرف سے قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ میں نہیں سمجھتا کہ جب پاکستان کی اسلامی حکومت غیر مسلموں کے پرسنل لاء شہری حقوق اور مذہبی آزادی کی اس قدر حفاظت کرے گی جو مسلم اقلیتوں کو انڈیا کی لادینی اسٹیٹ میں حاصل نہیں تو انہیں اسلام کے نام پر اسقدر بگڑنے کی کونسی وجہ ہے۔ ہاں اگر اقلیتوں پر ظلم و ستم ڈھانے کے لئے محض کوئی بہانہ ہی تلاش کرنا ہے تو بہانے بہت سے ہو سکتے ہیں۔ خود پاکستان کا وجود ہی ان کے نزدیک ایسا گناہ عظیم ہے جس سے بڑا کوئی گناہ نہیں ہو سکتا۔ آخر اب تک جو کچھ روح فرسا مظالم مسلمانوں پر ہوئے کیا وہ اسلامی نظام اور اسلامی آئین کا اعلان کرنے پر کئے گئے ہیں۔ پھر جب پاکستان کی تحریک شروع کی گئی تھی یہ سوال تو بار بار اس وقت اٹھایا جاتا تھا کہ اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کا کیا رہے گا۔ جو جواب آپ اس وقت دیتے تھے وہ ہی جواب آج بھی ہے۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی فراموش نہ کیجئے کہ پاکستان کے بانی اور ان کے بڑے بڑے رفقائے کار شروع سے کس قسم کے پاکستان کا مطالبہ کرتے رہے ہیں اور اس مطالبہ کی بنیاد دو قوموں کے جس نظریہ پر تھی اس کی تشریح ابتداء سے کس طرح کی جاتی رہی ہے۔ یہ چیز تو اس وقت سمجھ لی گئی تھی کہ ہمارے ان نظریات و تشریحات کے نتیجہ میں جو حکومت بنے گی اس کی بنیاد قومیت پر تو ہو سکتی ہے۔ مگر وطنیت پر نہیں ہو سکتی۔

نظام پاکستان کے متعلق زعماء پاکستان کے اعلانات اور وعدے

اس موقع پر مناسب ہوگا کہ میں قائد اعظم مرحوم اور بعض دوسرے ذمہ داران لیگ کے اعلانات و بیانات کے چند اقتباسات پیش کر دوں جن سے اندازہ ہوگا کہ انکے دماغوں میں پاکستان کا کیا نقشہ تھا جسے بروئے کار لانے کے لئے وہ مسلمانوں کو دعوت دے رہے تھے۔

۱۔ قائد اعظم نومبر ۱۹۳۹ء عید الفطر بمبئی۔

"مسلمانو ہمارا پروگرام قرآن پاک میں موجود ہے ہم مسلمانوں کو لازم ہے کہ قرآن پاک کو غور سے پڑھیں اور قرآنی پروگرام کے ہوتے ہوئے مسلم لیگ مسلمانوں کے سامنے کوئی دوسرا پروگرام پیش نہیں کر سکتی۔"

۲۔ قائد اعظم بنام گاندھی جی۔ اگست ۱۹۴۴ء

"قرآن مسلمانوں کا ضابطۂ حیات ہے اسمیں مذہبی اور مجلسی دیوانی اور فوجداری عسکری اور تعزیری معاشی اور معاشرتی غرضکہ سب شعبوں کے احکام موجود ہیں۔ مذہبی رسوم سے لیکر روزانہ امور حیات تک روح کی نجات سے لیکر جسم کی صحت تک جماعت کے حقوق سے لیکر فرد کے حقوق و فرائض تک اخلاق

سے لیکر انسداد جرائم تک زندگی میں جزا اور سزا سے لیکر عقبیٰ کی جزاء و سزا تک ہر ایک فعل قول اور حرکت پر مکمل احکام کا مجموعہ ہے۔ لہٰذا جب میں یہ کہتا ہوں کہ مسلمان ایک قوم ہے تو حیات اور مابعد حیات کے ہر معیار اور ہر مقدار کے مطابق کہتا ہوں۔"

۳۔ قائد اعظم کا پیغام عید ستمبر ۱۹۴۵ء

"میرے پچھلے عید کے پیغام کے بعد سے مسلمانوں میں اپنی ذمہ داریوں کا احساس زیادہ سے زیادہ بڑھ رہا ہے۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ قرآنی تعلیمات محض عبادت اور اخلاقیات تک ہی محدود نہیں بلکہ قرآن کریم سب مسلمانوں کا دین و ایمان اور قانون حیات ہے یعنی مذہبی اور معاشرتی تمدنی تجارتی عسکری عدالتیں اور تعزیری احکام کا مجموعہ ہے۔ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم کو یہ حکم ہے کہ ہر مسلمان کے پاس اللہ کے کلام پاک کا ایک نسخہ ضرور ہو اور وہ اسکو بغور و خوض مطالعہ کرے تاکہ یہ اسکی انفرادی و اجتماعی ہدایت کا باعث بھی ہو۔"

۴۔ قائد اعظم کی علی گڑھ میں تقریر ۱۹۴۴ء

"رہنمائی کے لئے ہمارے اسلام کی عظیم الشان شریعت موجود ہے۔ درخشاں کارنامے تاریخی کامیابیاں اور روایتیں موجود ہیں۔ اسلام ہر شخص سے امید رکھتا ہے کہ وہ اپنا فرض بجالائے۔

۵۔ قائد اعظم کی صدارتی تقریر۔ جالندھر بموقع آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن ۴۳ء

"مجھ سے اکثر پوچھا جاتا ہے کہ پاکستان کا طرز حکومت کیا ہوگا۔ پاکستان کا طرز حکومت تعین کرنے والا میں کون۔ یہ کام پاکستان کے رہنے والوں کا ہے اور میرے خیال میں مسلمانوں کا طرز حکومت آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل قرآن حکیم نے فیصل کر دیا تھا۔

۶۔ قائد اعظم کا خط بنام پیر مانکی شریف نومبر ۴۵ء۔

"آپ کی پانچ شرائط کے متعلق عرض ہے کہ جب پاکستان کے ابتدائی مراحل طے ہو جائیں گے تو مسلم لیگ قانون نہیں بنائے گی بلکہ وہاں کی پبلک قانون بنائے گی جس میں پچھتر فیصدی مسلمان ہونگے اور وہ ایک اسلامی حکومت ہوگی اور پاکستانی لوگ ہی قانون بنانے کے مجاز ہونگے جن پر حکومت چلے گی۔ اس لئے اس بات کے کہنے کی ضرورت نہیں کہ قانون بنانے والی جماعت جس میں بہت زیادہ اکثریت مسلمانوں کی ہوگی پاکستان کے لئے ایسے قانون بنا سکے گی جو اسلامی قانون کے خلاف ہو اور نہ ہی پاکستانی غیر اسلامی قانون پر عمل کر سکیں گے۔

پاکستان کے اعلان کے بعد سرحد کے ریفرنڈم کے موقع پر جولائی ۴۷ء میں قائد اعظم نے مسلمانان

سرحد کو پیغام دیتے ہوئے فرمایا:

"خان برادران نے اب یہ نیا زہریلا پروپیگنڈہ شروع کیا ہے کہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی شریعت اسلامی کے بنیادی اصولوں کو نظر انداز کر دے گی۔ آپ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ یہ سراسر جھوٹ اور فریب ہے۔"

۹ نومبر ۴۵ء کو قائد اعظم نے ایسوسی ایٹیڈ پریس آف امریکہ کو بیان دیتے ہوئے کہا۔

"پاکستان مسلم ریاست ہوگی جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے انہیں ہندوؤں یا کسی اور قوم سے کوئی بغض نہیں۔"

قائد اعظم نے ۲۱ نومبر ۱۹۴۵ء کو پشاور میں ایک عظیم الشان جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا "مسلمان پاکستان چاہتے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ مسلم اکثریت والے صوبوں میں مسلم اکثریت کی حکومت ہو اور اقلیتوں کو مناسب اور مؤثر تحفظات دیئے جائیں۔ ہمارا دین ہماری تاریخ اور ہماری روایات اس کی سب سے زیادہ مؤثر ضمانت ہے کہ غیر مسلموں کے سیاسی، دینی اور تمدنی حقوق کی خاطر خواہ حفاظت ہو سکے گی ان کے ساتھ انصاف سے زیادہ مراعات برتی جائیں گی۔"

ستمبر ۴۴ء میں قائد اعظم نے گاندھی جی کے مکتوب کے جواب میں لکھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ "خود اختیاری" کے معنوں کے متعلق آپ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ ہم کسی علاقہ جاتی وحدت کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک قوم کی حیثیت سے حق خود اختیاری کا مطالبہ کر رہے ہیں اور ہمیں اختیار ہے کہ ہم اپنے پیدائشی حق خود اختیاری کو مسلم قوم کی حیثیت سے استعمال کریں لیکن آپ اس غلط فہمی میں ہیں کہ خود اختیاری کے معنی ہیں صرف علاقہ جاتی وحدت کی خود اختیاری۔ لیکن ان علاقوں کی بھی نہ تو حد بندی ہوئی ہے اور نہ ابھی تک وضاحت کی گئی ہے۔

ہمارا مسئلہ کسی یونین سے جس کا ہندوستان میں وجود نہیں ہے علیحدگی کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ دو بڑی قوموں ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی معاہدہ (یا سمجھوتہ) سے دو آزاد اور خود مختار ریاستوں کی تشکیل کی جائے۔ حق خود اختیاری میں جس کا ہم مطالبہ کر رہے ہیں یہ اصول موضوعہ مضمر ہے کہ ہم ایک قوم ہیں اور اس حیثیت سے یہ صرف مسلمانوں کی خود اختیاری ہوگی اور صرف ان ہی کو یہ حق برتنے کا اختیار ہوگا۔"

۷۔ نواب زادہ لیاقت علی خاں جنرل سیکرٹری مسلم لیگ بموقع پشاور بموجودگی ارکان مجلس عمل اعلان کیا کہ "پاکستانی علاقوں میں تمام نظام و انتظام حکومت قرآن پاک کے احکام اور اصولوں کے بموجب ہوگا۔"

۸۔ لیاقت علی خاں صاحب کی تقریر بموقع جلسہ تقسیم اسناد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

"اس وقت ہماری قوم کے سامنے جو سب سے زیادہ اہم سوال درپیش ہے وہ یہ ہے کہ انگریزوں کے جانے

کے بعد یہاں کیا صورت حال ہوگی۔ آیا ہم کو ایک آزاد اور خود مختار قوم کی حیثیت سے اسلامی نظام آئین وقوانین کے بموجب اپنی زندگی بسر کرنا ہے یا ہم کو غیر مسلموں کا محکوم وغلام رہنا ہے۔ ہمارے سامنے ایک نہایت اہم سوال درپیش ہے اور وہ یہ کہ تم کس نظام کے تحت زندگی بسر کرنا چاہتے ہو۔ ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اپنی آئندہ زندگی اسلامی طور طریق اور آئین وقوانین کے بموجب بسر کرنا چاہتے ہیں اور اس مقصد کے حصول کے لئے ہم کو ایک آزاد اور خود مختار سلطنت کی ضرورت ہے۔ اس سوال کا جواب مسلمان کے پاس سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ مسلمان کے پیش نظر اس مقصد حیات کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے تیرہ سو برس قبل دنیا کے سامنے پیش کیا تھا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو پیغام الٰہی لیکر تشریف لائے تھے اب وہ ہمارے پاس ہے اور وہ دنیا کی عظیم المرتبت کتاب قرآن شریف میں اب بھی بنی نوع انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے موجود ہے ہر مسلمان کا دین وایمان ہے کہ اس کی موت وحیات سب اللہ ہی کے لئے وقف ہے۔ اللہ ہی ہمارا بادشاہ ہے اور وہ ہی ہمارا حکمران ہے۔

اسلامی تعلیم یہ ہے کہ جو کوئی بھی حکومت کرتا ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے حکومت کرتا ہے کیونکہ تمام حاکمیت اور طاقت اللہ ہی کو زیبا ہے۔ اسلامی نظام زندگی انسان کا ساختہ پرداختہ نہیں ہے بلکہ واقعی طور پر وہ اس دنیا میں عمل پذیر رہ چکا ہے اور اب بھی ہمارے پاس بدستور موجود ہے۔ یہ صحیح ہے کہ جس اسلامی حکومت کا قیام ہمارے پیش نظر ہے اس کی تشکیل کا نقشہ مرتب کرنا ابھی باقی ہے۔ مگر جیسا کہ میں اوپر کہہ چکا ہوں کہ اگر ہم کو اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کرنا ہے تو ہم کو کن کن اصولوں پر عمل کرنا ہوگا۔ اس کے لئے ہماری جد وجہد اور ہماری تربیت کیا ہوگی۔ ہمارے تعلیمی اداروں اور درسگاہوں کو از سر نو تربیت دینے کی ضرورت ہے۔

۹۔ منشور ۱۱ نومبر ۴۵ء میں محمد اسماعیل خاں صاحب صدر مجلس عمل انڈیا مسلم لیگ نے علماء سے لیگ کی حمایت کے لئے اپیل کرتے ہوئے فرمایا۔

"لیگ کا نصب العین پاکستان ہے اور لیگ اس پر تلی ہوئی ہے کہ اس سرزمین میں اسلام کی اساسی بنیادوں پر شریعت مطہرہ کی حکومت قائم کرے"

مذکورہ بالا اقتباسات پڑھنے کے بعد کسی مسلم یا غیر مسلم کو ہمارے مقصد اور مطمع نظر کو سمجھنے میں کوئی ابہام واشتباہ نہیں رہ سکتا اور جس قدر باتیں آئین ونظام اسلامی کے متعلق بطور اعتراض آج کہی جارہی ہیں۔ ان سب کے سوچنے کا وقت وہ تھا جب بہت دھڑلے سے یہ اعلانات کئے جارہے تھے جب

یہ سب کچھ جان کر اور سمجھ کر دوسری قوم نے تقسیم ہند کے فیصلہ پر دستخط کئے اور پاکستان کی ہندو اقلیت نے ان مقاصد کو مانتے ہوئے ہمارے ساتھ اشتراک عمل کیا۔ اب پاکستان قائم ہونے کے بعد اس نقطۂ نظر سے انحراف کی کوئی وجہ جواز انکے پاس موجود نہیں۔ انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ انڈین یونین کا قیام تو ہندو اور نیشلسٹ مسلمانوں کی مخلوط مساعی سے عمل میں آیا ہے لیکن پاکستان کا حصول خالص مسلم قوم کی مساعی اور قربانیوں کا رہین منت ہے اور انکی قومی خصائص ومیزات کے تحفظ کا داعیہ اس کا محرک ہوا ہے اب اگر ایسی سیدھی اور صاف بات کو بھی بھلا دیا جائے اور خواہ مخواہ ظلم وستم کی ٹھان لی جائے تو اسکی حقیقت "خوئے بد را بہانہ بسیار" سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔

پاکستان میں اسلامی نظام کی مخالفت ہندو کی ایک گہری چال ہے

اس جگہ پاکستانی حکومت کو یہ نکتہ بھی نظر انداز نہ کرنا چاہئے کہ اسلامی نظام حکومت کے خلاف پروپیگنڈا کرنے سے ہندو کا ایک گہرا مقصد یہ ہوسکتا ہے کہ اس طرح ارباب اقتدار کے دماغوں کو متاثر کرکے اور آئین کی تجویز کو مسترد کرکے پاکستان کے مسلمانوں کو یہاں کی حکومت سے منقطع اور بیزار کرا دے۔ ادھر دفاع پاکستان کے سلسلے میں مذہبیت کے اس بے پناہ جذبہ کو ٹھنڈا کردے جو مسلمانوں کے مزاج عمومی کے لحاظ سے پاکستان کی سب سے بڑی طاقت ہے گویا اس طرح ہندو پاکستان کو ضعیف وکمزور بنانے کیلئے دوسری طرف سے حملہ کرنا چاہتا ہے۔

ہمارے بعض حلقوں کو یہ بھی اندیشہ ہے کہ مذہبی حکومت بننے کی صورت میں اقوام متحدہ کے ہاں پاکستان کا وقار باقی نہ رہے گا۔ حالانکہ جن دوسرے اسلامی ملکوں کے دساتیر کا میں اوپر حوالہ دے چکا ہوں انہیں اب تک نہ اقوام متحدہ سے علیحدہ کیا گیا نہ انکے وقار کو مذہبی دستور کی بناء پر کوئی صدمہ پہنچا نہ وہاں آج تک اقلیتوں نے شور وشغب مچایا اور نہ شیعہ سنی یا حنفی کا سوال اٹھا پھر پاکستان ہی ان خطرات سے اسقدر خائف کیوں ہے خصوصاً جبکہ ساری دنیا کو معلوم ہے کہ پاکستان کی بنا ہی دو قوموں کے نظریہ پر رکھی گئی تھی اور دو قوموں کے نظریہ کا اثر استوان یہی مسلم اور غیر مسلم کا مذہبی اختلاف تھا۔ الحاصل اگر کسی زمانہ میں دوسرے لوگ مادیت نفسانی جذبات اور ابلیسی وساوس کے پیچھے چل کر ایک اچھی چیز کی طرف سے منہ پھیرلیں یا چڑانے لگیں تو کیا ضروری ہے کہ آپ بھی انکی کورانہ تقلید کرنے لگیں بلکہ سچ پوچھئے تو وہ ہی وقت ہوتا ہے جب حق وصداقت کے علمبرداروں کو متوکلاً علی اللہ باطل کے مقابلہ پر پوری ہمت واستقامت کے ساتھ بلا خوف لومۃ لائم سینہ سپر ہو جانا چاہئے اور دکھا دینا چاہئے کہ ایسے نخرے۔ مخالف حالات میں بھی خدا کے فضل سے ہم نیکی کی قوتوں کو ابھارنے کی صلاحیت

رکھتے ہیں۔

کمیونزم کے سیلاب کو صرف اسلامی نظام حکومت ہی روک سکتا ہے

اس موقع پر یہ بات بھی فراموش نہ کیجئے کہ آج دنیا میں معاشی اختلال اور اقتصادی عدم توازن کی وجہ سے ملحدانہ اشتراکیت (کمیونزم) کا سیلاب ہر طرف سے بڑھتا چلا آرہا ہے اس کا صحیح اور اصولی مقابلہ اگر دنیا میں کوئی نظام کر سکتا ہے تو وہ صرف اسلام کا اقتصادی نظام ہے۔ اگر ہم پاکستان یا عالم اسلامی کو اس بھیانک خطرہ سے بچانا چاہتے ہیں تو اس کی واحد صورت یہ ہی ہے کہ پاکستان میں صحیح اسلامی نظام کا اعلان و آغاز کریں اور تمام اسلامی ممالک کو اسلام کے نام پر اس کی دعوت دیں۔ اگر اس طرح تمام اسلامی ممالک آئینی طور پر متحد ہو گئے تو قدرتی طور پر وہ وحدت اسلامی قائم ہو جائے گی جس کی ہم سب مدت سے آرزو رکھتے ہیں اور جو اشتراکیت و سرمایہ پرستی دونوں کی روک تھام کے لئے مضبوط آہنی دیوار کا کام دیگی۔

مسئلہ کشمیر میں پاکستان کی کامیابی بھی صرف اسلامی نظام کے اعلان سے وابستہ ہے

ایک اور اہم ترین ہنگامی مسئلہ ہمارے سامنے کشمیر میں استصواب رائے عامہ کا ہے اس میں کامیابی بھی بڑی حد تک میرے نزدیک اس اعلان سے وابستہ ہے ورنہ ہندو علما ہند اور شیخ عبداللہ کی حکومت کی جانب سے جو زبردست پروپیگنڈا ہوگا اس کے جواب میں پاکستان کا پہلو بہت کمزور رہے گا اور اگر فرض کیجئے وہاں دوبارہ جنگ کی نوبت آگئی جو اغلباً کشمیر تک محدود نہ رہے گی تب بھی ہمارے دفاع کے لئے وہ ہی مذہبی اسپرٹ بہت زیادہ کام دیگی جو خدائی آئین اور اسلامی نظام حکومت کے اعلان سے مسلمانوں میں پیدا ہو سکتی ہے۔ بہر کیف جس پہلو سے نظر کیجئے یہ ہی ثابت ہوتا ہے کہ ہماری مملکت کی خوبی و برکت اور تحفظ و استحکام کا راز اسلامی نظام کے نفاذ میں پوشیدہ ہے اور یہ کہ جس نام سے پاکستان حاصل ہوا اس نام پر یہ مضبوطی کے ساتھ باقی بھی رہے گا۔

نظام اسلامی کی تنفیذ میں تدریجی رفتار سب مشکلات کا حل اور شبہات کا جواب ہے،

سب لوگوں کو یہ خیال گزرتا ہے کہ ابھی تک ہمارا کاروبار جس ڈگر پر چل رہا ہے اسلامی نظام اور اسلامی آئین کا اعلان کر کے ہم اسے ایک دم کیسے بدل سکتے ہیں۔ یہ تو ہمارے اجتماعی حالات میں ایسا انقلاب عظیم ہو گا جو ہماری قومی زندگی کی کایا پلٹ کر دے گا اور جس کے لئے نہیں جدید کانسٹی ٹیوشن کے چلانے کے لئے کثیر تعداد میں مناسب رجال کار تیار کرنے پڑیں گے اور بہت طویل عرصہ درکار ہو گا۔

میں کہتا ہوں کہ ان حضرات کا یہ خیال ایک حد تک صحیح ہے لیکن اسلامی نظام حکومت کا مطالبہ کرنے والے بھی اسے بخوبی محسوس کرتے ہیں۔ اسلامی آئین و نظام کے اعلان سے غرض یہ ہے کہ مملکت کا اصلی نصب العین اور اسکی انتہائی منزل مقصود واضح اور مستحضر ہو جائے تاکہ اس کی روشنی میں ہمارا جو قدم اُٹھے وہ ہم کو آخری منزل سے قریب تر کرنے والا ہو۔ یہ کام ظاہر ہے کہ بتدریج ہو گا اور بتدریج ہی ہو سکتا ہے۔ جو کام فی الحال کئے جا سکتے ہیں وہ فوراً کرنے ہونگے اور جن کاموں کے لئے سردست حالات سازگار نہیں وہ فوراً نفاذ پذیر نہ ہونگے بلکہ حکیمانہ اسلوب پر حالات کو سازگار بنانے کی ہر کوشش عمل میں لائی جائے گی۔ بہر حال انسان اس چیز کا مکلف ہے جس کی وہ استطاعت رکھتا ہے۔ یہ ہی وہ بات ہے جو میں تقسیم سے قبل اپنے مختلف بیانات و خطبات میں کھول کر کہہ چکا ہوں چنانچہ لاہور کے خطبہ میں میں نے عرض کیا تھا "کہ اگر یہ پاکستان بن گیا تو وہاں نظام حکومت کس قسم کا ہو گا۔ اس کے متعلق ہم سردست بدون تفصیلات میں جائے ان ہی اعلانات پر اکتفا کرتے ہیں جو آل انڈیا مسلم لیگ کے قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح اسکے جنرل سیکرٹری نواب زادہ لیاقت علی خاں اور اس کی مجلس عمل کے صدر نواب محمد اسماعیل خاں صاحب وقتاً فوقتاً کرتے رہے ہیں کہ

"سرزمین پاکستان میں قرآن کریم کے سیاسی اصول کی بنیادوں پر اسلام کی حکومت عادلہ قائم ہوگی جس میں تمام اقلیتوں کے ساتھ منصفانہ بلکہ فیاضانہ برتاؤ کیا جائے گا"

ذمہ داران لیگ کے اعلانات پر اعتبار کرتے ہوئے مجھے اس قدر وضاحت کرنے کی اجازت دی جائے کہ یہ اعلیٰ اور پاک نصب العین ممکن ہے بتدریج حاصل ہوتا ہم ہر دوسرا قدم جو اٹھایا جائے گا انشاء اللہ پہلے قدم سے زیادہ مسلم قوم کو اس محبوب نصب العین سے قریب تر کرے گا۔"

جس طرح رات کی تاریکی آہستہ آہستہ کم ہوتی اور دن کی روشنی بتدریج پھیلتی ہے یا جس طرح ایک پرانا مریض دھیرے دھیرے صحت کی طرف قدم اٹھاتا ہے دفعتہً و بغتتہً بیماری سے چنگا نہیں ہو جاتا اسی طرح پاکستان ہماری قومی صحت اور ہماری مکمل ترین آزادی کے نصف النہار کی طرف تدریجی قدم اٹھائیگا۔"

جمعیۃ علماء اسلام کانفرنس منعقدہ کلکتہ کو جو پیغام میں نے دیا تھا اس کا ایک حصہ یہ ہے۔

"بہر حال ہندوستان میں دس کروڑ مسلمان ایک مستقل قوم ہیں اس قوم کی وحدت اور شیرازہ بندی کے لئے ضرورت ہے کہ اس کا کوئی مستقل مرکز ہو جہاں سے اسکے قومی محرکات اور عزائم فروغ پا سکیں اور جہاں سے وہ مکمل آزادی اور مادی اقتدار کے ساتھ اپنے خدائی قانون کو بے روک ٹوک نافذ کر سکے بلکہ اس بے مثال قانون عدل و حکمت کا کوئی عملی نمونہ قائم کر کے دنیا کو وہ مشعل ہدایت دکھا سکے

جس کی آج ہمیشہ سے زیادہ دنیا کو ضرورت ہے اس نصب العین کا جتنا حصہ جس حد تک ہماری قدرت میں آسکے اور آتا جائے اس سے تغافل برتنا نہیں چاہئے۔

میرا ایک بیان جو "عصر جدید" کلکتہ مورخہ ۱۲ نومبر ۴۵ء میں شائع ہوا ہے اس میں پوری توضیح و تصریح کے ساتھ لکھا تھا کہ "پاکستان ایک اصطلاحی نام ہے۔ یہ نام سن کر کسی کو بھی یہ غلط فہمی یا خوش فہمی نہیں پیدا ہونی چاہئے کہ اس خطہ میں فوراً بلاتاخیر خلافت راشدہ یا خالص قرآنی و اسلامی حکومت قائم ہو جانے کی ضرورت سے زیادہ امیدیں دلانا یا توقعات باندھنا کسی عاقبت اندیش حقیقت پسند کے لئے زیبا نہیں۔ ہاں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان ایک ایسا ابتدائی قدم ہے جو انجام کار قرآنی اصول کے مطابق احکم الحاکمین کی حکومت عادلہ قائم ہونے پر کسی وقت منتہی ہو سکتا ہے جس کے قیام کا نام نہاد قومیت متحدہ کی حکومت کے ذریعہ بظاہر کوئی امکان نہیں۔

علماء سے خطاب: اے حضرات علماء کرام یہ آپ کا کام ہے کہ اسلام کی خاطر اپنے چھوٹے چھوٹے اختلافات اور فروعی نظریات سے کنارہ کش ہو کر مسلم قوم کو سنبھالنے اور سنوارنے کے لئے اتحاد و یک جہتی کے ساتھ کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہو جاؤ اور قوم کو اس قابل بناؤ کہ وہ نظام شریعت کو اپنا نظام زندگی بنائے تعطل جمود اور کسل و بطالت کو چھوڑ دو عمل صالح کے ہر میدان میں نکلو خدا تمہاری مدد کرے گا۔ قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُم بِوَاحِدَةٍ أَن تَقُومُوا لِلَّهِ مَثْنَىٰ وَفُرَادَىٰ"

قومی نوجوانوں سے خطاب: میرے نوجوانو وقت ہے کہ تم ہمت اور اولو العزمی دکھاؤ اور دریائے الحاد کے دھارے کے خلاف اگر تیرنا پڑے تو شیر ببر کی طرح سینہ سپر ہو جاؤ اور ان مسوخ زائغین کے فریب میں مت آؤ جو تم کو پھر اس غار کے اندر دھکیلنا چاہتے ہیں جس سے نکلنے کے لئے تم تحریک پاکستان کے وقت سے ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ لامذہبوں اور نفس پرستوں کی اندھی تقلید کچھ قابل فخر نہیں۔ خدائی نظام کا احیاء تاریخ میں تمہارا نام روشن کرے گا اور اللہ و رسول کے سامنے سرخرو بنائے گا۔ یاد رکھو کہ خدا کا دیا ہوا یہ موقع بھی اگر ہاتھ سے کھو دیا تو دنیا و آخرت دونوں کی تباہی سے کوئی چیز نہیں بچا سکتی۔

من آنچہ شرط بلاغ است با تو می گویم — تو خواہ از سخنم پند گیر یا کہ ملال

فَسَتَذْكُرُونَ مَا أَقُولُ لَكُمْ وَأُفَوِّضُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ ہمارے دلوں کو سیدھا کرنے کے بعد کج نہ ہونے دے اور پاکستان کے نظام حکومت کو اس طریقے پر چلانے کی توفیق بخشے جس سے اللہ و رسول راضی ہوں اور ان لاکھوں مردوں

اور عورتوں کی روحیں مسرت و سکون سرمدی حاصل کریں جو اس راستے میں کام آچکے یا جو ابھی اس پاکستان یا اسلام کا نام لینے پر ہدف ظلم و ستم بنے ہوئے ہیں۔ وہ سمجھ لیں گے کہ انہیں اپنی کھوئی ہوئی جانوں مالوں اور لٹی ہوئی آبروؤں کا پورا معاوضہ مل گیا۔ فکل امر بعد ذلک ذلل

اے اللہ تو عالم اسلام کو توفیق مرحمت فرما کہ وہ سب اس طرح یک دل و یک جان ہو کر تیرے کلمہ کو بلند کریں کہ انہیں سے ایک کی جنگ دوسرے کی جنگ اور ایک کی صلح دوسرے کی صلح ہو۔ اے اللہ پاکستان کو قوت و استحکام عطا فرما اور اسے ابھارنے سنوارنے اور نکھارنے کے کام میں ہماری مدد کر۔

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ہدیتنا وہب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوہاب ط

شبیر احمد عثمانی مقیم کراچی
ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ۔ فروری ۱۹۴۹ء

ایک خوشخبری

خطبہ پریس میں دیا جا رہا تھا کہ یہ امید افزا خبر شائع ہوئی کہ پاکستان دستور ساز اسمبلی کی لیگ پارٹی کے لیڈر مسٹر لیاقت علی خاں صاحب نے دستور پاکستان کا مطمح نظر بحمد اللہ اسلامی اصول کی روشنی میں بالفاظ ذیل مرتب کیا گیا ہے اور ہمیں قوی امید ہے کہ انشاء اللہ اسمبلی میں یہ اسی طرح پاس ہوگا تجویز کے چند الفاظ متعلقہ نظام اسلامی یہ ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چونکہ اللہ تبارک تعالیٰ ہی کل کائنات کا بلا شرکت غیرے حاکم مطلق ہے اور اس نے جمہور کی وساطت سے مملکت پاکستان کو اختیار حکمرانی اپنی مقرر کردہ حدود کے اندر بطور نیابت استعمال کے لئے مفوض فرمایا اور چونکہ یہ اختیار ایک مقدس امانت ہے لہٰذا جمہور پاکستان کی نمائندہ یہ مجلس دستور ساز فیصلہ کرتی ہے کہ آزاد و خود مختار مملکت پاکستان کے لئے ایک دستور مرتب کیا جائے۔

جس کی رو سے مملکت جملہ حقوق و اختیارات حکمرانی جمہور کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعہ استعمال کرے۔

جس میں جمہوریت حریت مساوات رواداری اور عدل عمرانی کے اصولوں کو جس طرح اسلام نے انکی تشریح کی ہے پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے جس کی رو سے مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق جو قرآن مجید اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں متعین ہیں ترتیب دے سکیں۔

جسکی رو سے اس امر کا واقعی انتظام کیا جائے کہ اقلیتیں آزادی کیساتھ اپنے مذہب پر عقیدہ رکھ سکیں اور اس پر عمل کر سکیں اور اپنی ثقافت کو ترقی دے سکیں۔

۴ مارچ ۱۹۴۹ء

خطبۂ ڈھاکہ پر تبصرہ

ڈھاکے کا یہ خطبہ آپ کے سامنے ہے اس میں وہ سب کچھ ہے جو پاکستان کے بننے پر قتل و غارت سے متعلق اعتراضات متحدہ ہندوستان کے حامیوں کے خدشات اور انکے جوابات، پاکستان کی تخلیق اور اس کے نظریئے کی تائید، آئین اسلام کے نفاذ کی پُرجوش تجویز، آئین اسلام کو دشوار اور ناممکن العمل بتانے والوں کے جوابات، آئین اسلام کی اصولی اور بنیادی دفعات جن پر آئین اسلام کی عمارت کو بلند کیا جائے غرضکہ تمام امور پر علامہ عثمانی نے نہایت عالمانہ، متفننانہ، محققانہ، مدبرانہ اور مبصرانہ بحث کی ہے۔

علامہ نے خطبے کے آخر میں ایک خوشخبری بھی درج کی ہے یعنی یہ کہ آئین اسلام کے نفاذ کے لئے اسمبلی میں خان لیاقت علی صاحب مرحوم وزیر اعظم کی طرف سے دستور ساز اسمبلی میں **قرارداد مقاصد** کے نام سے ایک ایسی تجویز پیش کی جائے گی جس کی رو سے اس بات کی ضمانت دی جائے گی کہ پاکستان کا آئین نظریۂ پاکستان کے ماتحت آئندہ اسلامی آئین ہوگا جس میں اللہ احکم الحاکمین کی حاکمیت کے ماتحت پاکستان میں حکومت عادلہ قائم کی جائے گی اور جس میں ہر مسلم اور غیر مسلم کے حقوق کی نگہداشت اور باشندگان پاکستان کے لئے قرآن و سنت کے قوانین اور احکام کے موجب زندگی گذارنے کا موقع نصیب ہوگا۔

یہ قرارداد مقاصد پاس کرانا در اصل علامہ عثمانی کا ہی کارنامہ ہے اور اگر آپ غور کریںگے تو اس کی طرز تحریر سے پتہ چلا سکیں گے کہ خان لیاقت علی کی اس تحریر کے پیچھے علامہ عثمانی کا قلم اور ذہن کام کر رہا ہے اور یہ انہی کی لکھی ہوئی ہے اور یہ نتیجہ ہے علامہ کی مسلسل جد و جہد کا اور ڈھاکہ کانفرنس کے پیچ و خم کا اور علامہ کی دستور ساز اسمبلی کے ایجنڈے میں آئین اسلامی کے لئے تجویز کے درج کرانے کا جو انہوں نے دسمبر ۱۹۴۸ء سے پہلے سے درج کرنے کے لئے دے رکھی تھی۔ اب ہم آپ کی خدمت میں یہ تاریخی تجویز جو خان لیاقت علی خان صاحب مرحوم نے پیش کی اور علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کی تقریر جو تائید میں انہوں نے لکھ کر پیش کی، ہدیہ نظر کر تے ہیں۔

پاکستان کا منشور آزادی

یعنی

مجلس دستور ساز پاکستان کی

قرارداد اغراض و مقاصد

اور "روشنی کا مینار" کے عنوان سے مشہور

علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کی تائیدی تقریر

اور

خان لیاقت علی وزیر اعظم پاکستان کی تجویز

شائع کردہ مینجر گورنر جنرل پریس و مطبوعات حکومت پاکستان

طابع:- مینجر مشہور اوفسٹ لیتھو پریس "میکلوڈ روڈ" کراچی

محمد انوار الحسن مرتب

الہامی مضمون

روشنی کا مینار

شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کی تقریر کی چند جھلکیاں

۱۔ قرارداد مقاصد کے اعتبار سے جو مقدس اور محتاط تجویز آنریبل مسٹر لیاقت علی خاں نے پیش کی ہے میں نہ صرف اس کی تائید کرتا ہوں بلکہ موصوف کے عزم و ہمت اور جرأت ایمانی کو مبارک باد دیتا ہوں۔ یہ مبارک باد فی الحقیقت میری طرف سے نہیں بلکہ اس پسی ہوئی اور کچلی ہوئی روح انسانیت کی جانب سے ہے جو خالص مادہ پرست طاقتوں کی حریفانہ حرص و آز اور رقیبانہ ہوسناکیوں کے میدان کارزار میں مدتوں سے پڑی کراہ رہی ہے۔

۲۔ یاد رکھئے دنیا اپنے خود ساختہ اصولوں کے جس جال میں پھنس چکی ہے اس سے نکلنے کے لئے جس قدر پھڑ پھڑائے گی اسی قدر جال کے حلقوں کی گرفت اور سخت ہوتی چلی جائیگی۔

۳۔ ہمیں اپنے نظام حیات کو درست اور کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہے کہ ہمارا انجن جس لائن پر اندھا دھند چلا جا رہا ہے اسے تبدیل کریں اور جس طرح بعض دفعہ لائن تبدیل کرتے وقت گاڑی کو کچھ پیچھے ہٹانا پڑتا ہے ایسے ہی صحیح لائن پر آگے بڑھنے کی غرض سے ہم کو پیچھے ہٹنا پڑے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

۴۔ قدامت پرستی اور رجعت پسندی کے طعنوں سے نہ گھبرایئے بلکہ کشادہ دل و دماغ کے ساتھ ایک متجسس حق کی طرح الجھی ہوئی ڈور کا سرا پکڑنے کی کوشش کیجئے۔

۵۔ پاکستان مادیت کے بھنور میں پھنسی ہوئی اور دہریت و الحاد کی اندھیریوں میں بھٹکی ہوئی دنیا کو روشنی کا مینار دکھانا چاہتا ہے۔

۶۔ اسلام میں دینی حکومت کے معنی "پاپائیت" یا "کلیسائی حکومت" کے نہیں ...... اسلامی حکومت سے مراد وہ حکومت ہے جو اسلام کے بتائے ہوئے اعلیٰ اور پاکیزہ اصول پر بنائی جائے ...... اسلامی حکومت اصل سے انسانی حکومت نہیں بلکہ نیابتی حکومت ہے اصل حاکم خدا ہے۔ انسان زمین پر اس کا خلیفہ ہے جو نیابت کی ذمہ داریوں کو خدا کی مقرر کردہ حدود کے اندر پورا کرتا ہے ...... مکمل اسلامی حکومت، حکومت راشدہ ہوتی ہے جو انسانوں کو نیکیوں کا حکم دے۔

۷۔ اسلام آجکل کی سرمایہ پرستی کے خلاف ہے۔ اسلامی حکومت اپنے خاص طریقوں سے جو اشتراکی طریقوں سے الگ ہیں جمع شدہ سرمائے کی مناسب تقسیم کا حکم دیتی ہے۔ اسلامی حکومت شخصی ملکیت کی نفی نہیں کرتی۔ مناسب حد تک راس المال رکھنے کی اجازت دیتی ہے۔ زائد سرمایہ کے لئے وہ بیت المال قائم کرتی ہے جس میں سب کے حقوق مشترک ہیں اور اس سرمایہ کی تقسیم سے سرمایہ اور افلاس کے درمیان توازن اور اعتدال کو بحال کرتی ہے۔

۸۔ شوریٰ اسلامی حکومت کی اصل ہے ...... جسے شہنشاہیت کو ختم کر کے استصواب رائے عامہ کا اصول جاری کیا اور بادشاہ کی جگہ عوام کے انتخاب کردہ امام (قائد حکومت) کو عطا کی۔

۹۔ اسلامی سلطنت کا بلند ترین فقہائے خیال یہ ہے کہ سلطنت کی بنا، جغرافیائی، نسلی، قومی، حرفتی اور طبقاتی قیود سے بالاتر ہو ...... اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ اپنے قلمرو میں بسنے والے تمام غیر مسلموں کی (جو معاہد یعنی وفادار ہوں) جان مال، آبرو، مذہبی آزادی اور عام شہری حقوق کی پوری حفاظت کرے۔

۱۰۔ آج دنیا میں معاشی اختلال اور اقتصادی عدم توازن کی وجہ سے ملحدانہ اشتراکیت (کمیونزم) کا سیلاب ہر طرف سے بڑھتا چلا آرہا ہے اس کا صحیح اور اصولی مقابلہ دنیا میں اگر کوئی نظام کر سکتا ہے تو وہ صرف اسلام کا اقتصادی نظام ہے۔

(مرتب)

تجویز قرارداد مقاصد

آنریبل جناب لیاقت علی خاں* نے قرارداد مقاصد پیش کرتے ہوئے
۷ / مارچ ۱۹۴۹ء کو مندرجہ ذیل تقریر فرمائی

صدر محترم۔ جناب والا میں حسب ذیل قرارداد مقاصد پیش کرتا ہوں۔ یہ قرارداد مقاصد ان خاص اصولوں پر مشتمل ہے جن پر پاکستان کا دستور اساسی مبنی ہوگا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کل کائنات کا بلا شرکت غیرے حاکم مطلق ہے اور اسی نے جمہور کی وساطت سے مملکت پاکستان کو اختیار حکمرانی اپنی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کے لئے نیابتاً عطا فرمایا ہے اور چونکہ یہ اختیار حکمرانی ایک مقدس امانت ہے۔

لہٰذا جمہور پاکستان کی نمائندہ مجلس دستور ساز فیصلہ کرتی ہے کہ آزاد و خود مختار مملکت پاکستان کے لئے ایک دستور مرتب کیا جائے۔

جس کی رو سے مملکت جملہ حقوق و اختیارات حکمرانی جمہور کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعہ سے استعمال کرے۔

جس میں اصول جمہوریت و حریت و مساوات و رواداری اور عدل عمرانی کو جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے۔ پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے۔

جس کی رو سے انسان کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق جو قرآن مجید اور سنت رسول میں متعین ہیں۔ ترتیب دے سکیں۔

جس کی رو سے اس امر کا قرار واقعی انتظام کیا جائے کہ اقلیتیں آزادی کے ساتھ اپنے مذہبوں پر عقیدہ رکھ سکیں اور ان پر عمل کر سکیں اور اپنی ثقافتوں کو ترقی دے سکیں۔

جس کی رو سے وہ علاقے جو اب پاکستان میں داخل ہیں یا شامل ہو گئے ہیں اور ایسے دیگر علاقے جو آئندہ پاکستان میں داخل یا شامل ہو جائیں ایک وفاقیہ بنائیں جس کے ارکان مقرر کردہ حدود اربعہ و متعینہ اختیارات کے ماتحت خود مختار ہوں۔

* آنریبل جناب لیاقت علی خاں وزیر اعظم پاکستان مشرقی بنگال کے مسلم حلقہ انتخاب سے منتخب ہوئے تھے۔

جس کی رو سے بنیادی حقوق کی ضمانت کی جائے اور ان حقوق میں قانون و اخلاق عامہ کے ماتحت مساواتِ حیثیت و مواقع۔ قانون کی نظر میں برابری۔ عمرانی، اقتصادی اور سیاسی۔ عدل، خیال اظہار، عقیدہ دین۔ عبادت اور ارتباط کی آزادی شامل ہوں۔

جس کی رو سے اقلیتوں اور پس ماندہ و پست طبقوں کے جائز حقوق کے تحفظ کا قرار واقعی انتظام کیا جائے۔

جس کی رو سے نظام عدل کی آزادی کامل طور پر محفوظ ہو۔

جس کی رو سے وفاقیہ کے علاقوں کی صیانت اس کی آزادی اور اس کے جملہ حقوق کا جن میں اس بر و بحر اور فضا پر سیادت کے حقوق شامل ہیں، تحفظ کیا جائے۔

تاکہ اہل پاکستان فلاح و خوشحالی کی زندگی بسر کر سکیں۔ اقوام عالم کی صف میں اپنا جائز اور ممتاز مقام حاصل کر سکیں اور امن عالم کے قیام اور بنی نوع انسان کی ترقی و بہبود میں کما حقہٗ اضافہ کر سکیں۔"

جناب والا۔ میں اس موقعہ کو ملک کی زندگی میں بہت اہم سمجھتا ہوں۔ باعتبار اہمیت صرف حصول آزادی ہی اس سے بلند تر ہے کیونکہ حصول آزادی سے ہی ہمیں اس بات کا موقع ملا کہ ہم ایک مملکت کی تعمیر اور اس کے نظام سیاست کی تشکیل اپنے نصب العین کے مطابق کر سکیں۔ میں ایوان کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ بانئے ملت قائد اعظم نے اس مسئلہ کے متعلق اپنے جذبات کا متعدد موقعوں پر اظہار کیا تھا اور قوم نے ان کے خیالات کی تائید غیر مبہم الفاظ میں کی تھی۔ پاکستان اس لئے قائم کیا گیا کہ اس برصغیر کے مسلمان اپنی زندگی کی تعمیر اسلامی تعلیمات و روایات کے مطابق کرنی چاہتے تھے۔ اس لئے کہ وہ دنیا پر عملاً واضح کر دینا چاہتے تھے کہ آج حیات انسانی کو جو طرح طرح کی بیماریاں لگ گئی ہیں ان سب کے لئے اسلام اکسیر اعظم کا حکم رکھتا ہے۔ ساری دنیا تسلیم کرتی ہے کہ ان برائیوں کا اصلی سبب یہ ہے کہ انسان اپنی مادی ترقی کے ساتھ قدم نہ بڑھا سکا اور انسانی دماغ نے سائنسی ایجادات کی شکل میں جو جن اپنے اوپر مستولی کر لیا ہے۔ اب اس سے نہ صرف انسانی معاشرہ کے سارے نظام اور اس کے مادی ماحول کی تباہی کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے بلکہ اس مسکن خاکی کے بھی تباہ ہونے کا اندیشہ ہے جس پر انسان آباد ہے۔ یہ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ اگر انسان نے زندگی کی روحانی قدروں کو نظر انداز نہ کیا ہوتا اور اگر خدا کی نسبت اس کا اعتقاد کمزور نہ ہو گیا ہوتا تو اس سائنسی ترقی سے خود اس کی ہستی ہرگز خطرہ میں نہ پڑتی۔ محض وجود باری کا احساس انسانیت کو تباہی سے بچا سکتا ہے۔ جس کا منشا یہ ہے کہ انسان کو جو قوتیں حاصل ہیں۔ ان

سب کو ایسے اخلاقی معیاروں کے مطابق استعمال کرنا لازمی ہے جو وحی سے فیضیاب ہونے والے ان معلموں نے معین کر دیئے ہیں جنہیں ہم مختلف مذاہب کے جلیل القدر پیغمبر سمجھتے ہیں۔ ہم پاکستانی ہوتے ہوئے اس بات پر شرمندہ نہیں ہیں کہ ہماری غالب اکثریت مسلمان ہے اور ہمارا اعتقاد ہے کہ ہم اپنے ایمان اور نصب العین پر قائم رہ کر ہی دنیا کے فوز و فلاح میں حقیقی اضافہ کر سکتے ہیں۔ لہذا جناب والا۔ آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ اس قرارداد کی تمہید میں صاف اور صریح الفاظ میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ تمام اختیار و اقتدار کا ذات الٰہی کے تابع ہونا لازم ہے۔ یہ بالکل درست ہے کہ یہ نظریہ مغربی حکیم میکیاولی کے خیالات کے بالکل برعکس ہے۔ جس کا تصور مملکت یہ ہے کہ اس کے نظام حکومت میں روحانی اور اخلاقی قدروں کو مطلق دخل نہیں ہونا چاہئے اس لئے شاید اس بات کا خیال بھی رواج کے کسی قدر خلاف ہی سمجھا جاتا ہے کہ مملکت کو خیر کا آلہ ہونا چاہئے نہ کہ شر کا۔ لیکن ہم پاکستانیوں میں اتنی جرأت ایمان ہے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ تمام اقتدار اسلام کے قائم کردہ معیاروں کے مطابق استعمال کیا جائے تاکہ اس کا غلط استعمال نہ ہو سکے۔ اقتدار تمام تر ایک مقدس امانت ہے جو خداوند تعالےٰ کی طرف سے ہمیں اس لئے تفویض ہوا ہے کہ ہم اسے نوع انسان کی خدمت کے لئے استعمال کریں اور یہ امانت ظلم و تشدد اور خود غرضی کا آلہ نہ بن جائے۔ بہر صورت میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس سے ہرگز ہماری مراد یہ نہیں ہے کہ ہم حکمرانوں اور بادشاہوں کے ظل الٰہی ہونے کے فرسودہ نظریہ کو پھر سے زندہ کریں۔ کیونکہ جذبہ اسلامی کے تحت تمہید قرارداد میں اس حقیقت کو کلی طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ خدا نے اختیارات سوائے جمہور کے کسی اور کو تفویض نہیں کئے اور اس کا فیصلہ خود جمہور ہی کو کرنا ہوگا کہ یہ اقتدار کن لوگوں کے ذریعہ استعمال کیا جائے گا۔

اسی لئے قرارداد میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ مملکت تمام حقوق و اختیارات کو عوام کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعہ کام میں لائیگی۔

یہی جمہوریت کا نچوڑ ہے کیونکہ جمہور ہی کو اختیارات کی امانت کا حامل تسلیم کیا گیا ہے اور جمہور ہی کو ان اختیارات کے استعمال کا مجاز ٹھہرایا گیا ہے۔

جناب والا۔ میں نے ابھی یہ عرض کیا تھا کہ اختیارات کے حقیقی حامل جمہور ہیں۔ چنانچہ قدرتی طور پر "تھیوکریسی" کے لغوی معنی "خدا کی حکومت" ہیں اور اس اعتبار سے تو کل کائنات ہی "تھیوکریسی" ہوئی۔ کیونکہ کائنات کا کون سا گوشہ ایسا ہے جہاں اسے قدرت حاصل نہیں۔ لیکن اصطلاح میں "تھیوکریسی" "کلیسائی حکومت" کو کہتے ہیں۔ یعنی برگزیدہ پادریوں کی حکومت جو محض اس بناء پر اختیار

رکھتے ہوں کہ وہ ایسے اہل تقدس کی طرف سے خاص طور پر مقرر کئے گئے ہیں جو اپنے مقام تقدس کے اعتبار سے ان حقوق کے دعویدار ہیں اور میں اس امر پر جتنا بھی زور دوں کم ہوگا کہ یہ تصور اسلام سے قطعاً بعید ہے۔ اسلام ملائیت یا کسی حکومت مشائخ کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس لئے اسلام میں "تھیوکریسی" کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اگر کوئی شخص اب بھی پاکستان کے نظام حکومت کے ضمن میں "تھیوکریسی" کا ذکر کرتا ہے تو وہ یا تو کسی شدید غلط فہمی کا شکار ہے یا شرارت سے ہمیں بدنام کرنا چاہتا ہے۔

جناب والا۔ اب میں آپ کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کراتا ہوں کہ قرارداد مقاصد میں جمہوریت، حریت، مساوات، رواداری اور عدل عمرانی کے اصولوں پر زور دیا گیا ہے اور اس کی مزید صراحت یہ کہہ کر کردی گئی ہے کہ دستور مملکت میں ان اصولوں کو اس تشریح کے مطابق ملحوظ رکھا جائے جو ان الفاظ کی اسلام نے کی ہے۔ ان الفاظ کی صراحت کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ یہ بالعموم مبہم طور پر استعمال کئے جاتے ہیں۔ مثلاً مغربی حکومتیں اور اشتراکی روس دونوں اس امر کا دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے نظام حکومت جمہوریت پر مبنی ہیں لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ کس قدر مختلف ہیں۔ اس لئے یہ ضروری سمجھا گیا کہ ان الفاظ کے مفہوم کا تعین کردیا جائے تاکہ ہر شخص کے ذہن میں ان کا مفہوم آجائے جس وقت ہم جمہوریت کا لفظ اس کے اسلامی مفہوم میں استعمال کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جمہوریت ہماری زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے اور اس کا اطلاق جتنا ہمارے نظام حکومت پر ہے اتنا ہی ہمارے معاشرے پر بھی ہے کیونکہ اسلام نے دنیا کو جن عظیم الشان صفتوں سے مالا مال کیا ہے ان میں سے ایک عام انسانوں کی مساوات ہے۔ اسلام نسل، رنگ اور نسب کے امتیازات کو تسلیم نہیں کرتا۔ انحطاط کے دور میں بھی اسلامی معاشرہ ان تعصبات سے نمایاں طور پر پاک رہا جنہوں نے دنیا کے دوسرے انسانوں کے باہمی تعلقات کو زہر آلود کردیا تھا اسی طرح ہماری رواداری کی روایات بھی عظیم الشان ہیں کیونکہ قرون وسطیٰ میں اقلیتوں کو کسی نظام حکومت کے تحت وہ مراعات حاصل نہیں ہوئیں جو مسلمان ملکوں میں انہیں حاصل تھیں۔ جس زمانہ میں کلیسا سے اختلاف رکھنے والے مسیحیوں اور مسلمانوں کو اذیتیں دی جاتی تھیں اور انہیں گھروں سے نکالا جاتا تھا۔ اسلام ان سب کا مامن و ملجا ثابت ہوا جنہیں مظالم کا نشانہ بنایا جارہا تھا اور جو تنگ آکر بھاگ نکلنے پر مجبور ہوتے تھے۔ زندہ جلانے کا تو تصور بھی اسلام میں کبھی نہیں آیا۔ تاریخ کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ جب سامیوں سے نفرت کے تحت بہت سے یہودیوں کو یورپ کے ممالک سے نکال دیا گیا تو سلطنت عثمانیہ

نے انہیں اپنے یہاں پناہ دی مسلمانوں کی رواداری کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ دنیا میں کوئی اسلامی ملک ایسا نہیں ہے جہاں اقلیتیں کافی تعداد میں موجود نہ ہوں اور جہاں وہ اپنے مذہب اور ثقافت کو برقرار نہ رکھ سکی ہوں۔ ہندوستان کے اس برصغیر میں جہاں کبھی مسلمانوں کو لامحدود اختیارات حاصل تھے غیر مسلموں کے حقوق کا پاس و لحاظ رکھا گیا اور ان کا ہمیشہ تحفظ کیا گیا۔ جناب والا میں آپ کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں ہی کی سرپرستی میں ہندوستان کی بہت سی زبانوں کو فروغ حاصل ہوا میرے بنگال سے آنے والے دوستوں کو یاد ہوگا کہ یہ صرف مسلمان حکمرانوں کی حوصلہ افزائی ہی کا نتیجہ تھا کہ سب سے پہلے ہندوؤں کی مقدس کتابوں کا ترجمہ سنسکرت سے بنگالی میں کیا گیا۔ یہی وہ رواداری ہے جس کا تصور ہمیشہ اسلام نے پیش کیا ہے جس میں اقلیتیں ذلت و رسوائی کی حالت میں نہیں رہتیں بلکہ باعزت طریقہ پر زندگی بسر کرتی ہیں اور انہیں اپنے نظریات اور اپنی ثقافت کو فروغ دینے کے مواقع دیئے جاتے ہیں۔ تاکہ وہ پوری قوم کی عظمت میں اضافہ کرسکیں۔ جناب والا۔ جہاں تک عدل عمرانی کا تعلق ہے میں کہوں گا کہ اسلام اس میں امتیاز کا اضافہ کرتا ہے۔ اسلام ایک ایسے معاشرہ کے قیام کا حامی ہے جس میں عدل عمرانی کا تصور نہ خیرات پر مبنی ہے نہ تشدد پر۔ اسلام جو عمرانی عدل قائم کرنا چاہتا ہے وہ ان بنیادی ضابطوں اور تصورات پر مبنی ہے جو انسان کی زندگی کو احتیاج سے پاک رکھنے کے ضامن ہیں اور جو دولت آزادی سے مالا مال کردینے والے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور عدل عمرانی کی ایسی تعریف کی گئی ہے جس کی وجہ سے ہمارے خیال کے مطابق ان الفاظ کے عام معانی کی بہ نسبت زیادہ گہرے اور وسیع معانی پیدا ہوگئے ہیں۔

قرارداد کی اس دفعہ کے بعد یہ دفعہ درج ہے کہ مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق جو قرآن مجید اور سنت رسولؐ میں متعین ہیں ترتیب دے سکیں یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ اگر مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ اپنی زندگی اپنے مذہب کی تعلیمات کے مطابق بنالیں تو اس پر کسی غیر مسلم کو اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ جناب والا۔ آپ اس امر کو بھی مدنظر رکھیں کہ حکومت ایک غیر جانبدار تماشائی کی حیثیت سے اس امر پر اکتفا نہیں کرے گی کہ مسلمانوں کو اس مملکت میں صرف اپنے مذہب کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کی آزادی حاصل ہو کیونکہ حکومت کے اس طریق عمل کا مطلب یہ ہوگا کہ جو مقاصد پاکستان کے مطالبہ کے محرک تھے انہی کی خلاف ورزی ہو۔ حالانکہ یہ مقاصد اس مملکت کا سنگ بنیاد ہونے چاہئیں۔ جسے ہم تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ یہ مملکت

ایک ایسا ماحول پیدا کرے گی جو ایک حقیقی اسلامی معاشرہ کی تعمیر میں ممد و معاون ہو جس کا مطلب یہ ہے کہ مملکت کو اپنی مساعی میں مثبت پہلو اختیار کرنا ہوگا۔ جناب والا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ قائد اعظم اور مسلم لیگ کے دوسرے رہنماؤں نے ہمیشہ یہ واضح اور غیر مبہم اعلانات کئے کہ پاکستان کے قیام کے لئے مسلمانوں کے ہاں اپنا طریق زندگی اور ضابطہ اخلاق موجود ہے انہوں نے بارہا اس امر پر بھی زور دیا کہ اسلام کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ خدا اور بندے کے درمیان ایک ایسا تعلق قائم ہو جسے مملکت کے کاروبار میں کسی قسم کا دخل نہ ہو بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں عمرانی اخلاق کے متعلق مخصوص ہدایات ہیں اور اسلام روزمرہ پیش آنے والے مسائل سے متعلق معاشرہ کے طرز عمل کی رہنمائی کرتا ہے اسلام ذاتی عقائد اور اخلاق کا نام نہیں ہے بلکہ اپنے پیرووں سے توقع کرتا ہے کہ وہ ایک ایسے معاشرہ کی تعمیر کریں جس کا مقصد حیات صالح ہو۔ یونانیوں کے برخلاف اسلام نے صالح زندگی کا جو تصور پیش کیا ہے اس کی اساس لازماً روحانی قدروں پر قائم ہے۔ ان اقدار کو اہمیت دینے اور انہیں نافذ کرنے کے لئے مملکت پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی سرگرمیوں کی اس طریقہ پر ہم نوائی کرے کہ ایسا نیا عمرانی نظام قائم ہو جائے جو اسلام کے بنیادی اصولوں پر مبنی ہو جن میں جمہوریت۔ حریت، رواداری اور عمرانی عدل شامل ہیں۔ ان کا ذکر تو میں نے محض تمثیلاً کیا ہے کیونکہ وہ اسلامی تعلیمات جو قرآن مجید اور سنت نبوی پر مشتمل ہیں محض ایک پر ختم نہیں ہو جاتیں۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں ہو سکتا جس کا اس پر ایمان نہ ہو کہ کلام اللہ اور اسوۂ رسول ہی اس کے روحانی فیضان کے بنیادی سرچشمے ہیں۔ ان کے متعلق مسلمانوں کے مابین کوئی اختلاف رائے نہیں ہے اور اسلام کا کوئی فرقہ نہیں ہے جو ان کے وجود کو تسلیم نہ کرتا ہو۔ لہٰذا کسی ایسے فرقہ کو جو پاکستان میں اقلیت میں ہو اس مملکت کی نیت کی طرف سے اپنے دل میں غلط فہمی نہیں رکھنی چاہئے یہ مملکت ایک ایسا اسلامی معاشرہ پیدا کرنے کی سعی کرے گی جو باہمی تنازعات سے مبرا ہو لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اعتقادات کے معاملے میں وہ مسلمانوں کے کسی طبقے کی آزادی کو سلب کرے گی کسی فرقہ کو خواہ وہ اکثریت میں ہو یا اقلیت میں یہ اجازت نہیں ہوگی کہ دوسروں کو اپنا تحکم قبول کرنے پر مجبور کرے اور اپنے اندرونی معاملات اور فرقہ دارانہ اعتقادات میں تمام فرقوں کو کامل آزادی اور وسعت خیال و مشرب حاصل ہوگی۔ درحقیقت ہمیں یہ امید ہے کہ مختلف فرقے اس منشاء کے مطابق عمل کریں گے جو اس حدیث نبوی میں مذکور ہے کہ میری اُمت کے لوگوں میں اختلافات رائے ایک نعمت ہیں۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ اپنے اختلافات کو اسلام اور پاکستان کے لئے باعث استحکام بنائیں اور چھوٹے موٹے مفادات کے لئے ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں۔ کیونکہ اس طرح پاکستان اور اسلام دونوں کمزور ہو جائیں گے۔

بسا اوقات اختلافات رائے ہم آہنگی اور ترقی کا ذریعہ بن جاتے ہیں لیکن یہ صرف اسی طرح ہو سکتا ہے کہ رائے کے اختلافات میں اس امر کی اجازت نہ دی جائے کہ وہ ہمارے حقیقی نصب العین کو جو اسلام کی خدمت اور اس کے مقاصد کو ترقی دینا ہے نظروں سے اوجھل کر دیں۔ پس ظاہر ہے کہ اس فقرہ کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایک ایسا نظام سیاست قائم کرنے کی سہولت حاصل ہو جائے جس کے ذریعہ دنیا پر یہ واضح ہو سکے کہ اسلام دنیا میں نہ صرف ایک "ترقی پسند طاقت" ہے بلکہ وہ ان گوناگوں خرابیوں کا علاج بھی مہیا کرتا ہے۔ جن میں بنی نوع انسان مبتلا ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کو اپنی پستی اور محکومی کے طویل دور میں ہمیشہ اس قسم کے موقعہ کی تلاش رہی ہے۔

ایک اسلامی معاشرہ تعمیر کرنے کے مقصد میں ہم نے غیر مسلموں کے حقوق کو نظر انداز نہیں کیا اگر ہم اقلیتوں کی آزادی میں مداخلت کرنے کی کوشش کرتے تو یہ ایک غیر اسلامی فعل ہوتا اور ہم یقیناً اپنے مذہبی احکام کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے۔ اقلیتوں کو اپنے مذہب پر چلنے۔ اس کی حفاظت کرنے یا اپنی ثقافت کو فروغ دینے سے کسی طرح بھی روکا نہیں جائے گا۔ اسلامی ثقافت کے نشوونما کی تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمان حکومتوں اور سلطنتوں کے تحت زندگی بسر کرنے والی اقلیتوں کی ثقافتیں میراث کی اس دولت میں اضافہ کرنے کا موجب ہوئیں جو مسلمانوں نے اپنے لئے مہیا کی تھی۔ میں اقلیتوں کو یقین دلاتا ہوں کہ ہمیں اس امر کا پورا پورا احساس ہے کہ اگر اقلیتیں انسانی علم و فکر کی دولت میں اضافہ کر سکیں تو یہ امر پاکستان کی نیک نامی میں اضافہ کا موجب ہوگا اور ہماری قومی زندگی کو چار چاند لگا دے گا اس لئے اقلیتوں کو نہ صرف کامل آزادی کی توقع کرنی چاہئے بلکہ یہ امید بھی رکھنی چاہئے کہ اکثریت ان کے ساتھ قدر دانی اور احترام کا وہی برتاؤ کرے گی جو تاریخ میں ہمیشہ مسلمانوں کا طرہ امتیاز رہا ہے۔

جناب والا قرارداد میں وفاقی طرز حکومت کا ذکر کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جغرافیائی حالات اس طرز حکومت کے ہی مقتضی ہیں۔ اس صورت میں جب کہ ہمارے ملک کے دو حصوں کے درمیان ایک ہزار میل سے بھی زیادہ فاصلہ ہے۔ وحدانی مرکزی حکومت کے قیام کا خیال بیکار ہے لیکن میں امید کرتا ہوں کہ مجلس دستور ساز ان واحدوں کو ایک دوسرے سے قریب تر لانے اور ایسے رابطے پیدا کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرے گی جن سے ہماری قوم خوب منظم ہو جائے میں نے ہمیشہ صوبہ پرستی کے جذبات کو دبانے کی حمایت کی ہے۔ مگر میں اس امر کو واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ کسی ایسی بات کی اجازت نہ دینی چاہئے جو کسی طرح قومی اتحاد کو کمزور کرنے کا

موجب بنے۔ نیز آبادی کے مختلف فرقوں کے موجودہ باہمی تعلقات کو بہتر بنانے کا بندوبست کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے مجلس دستور ساز کو اس مسئلہ پر از سر نو غور کرنا پڑے گا کہ کون سے امور مرکز کے تحت ہونے چاہئیں اور کون سے واحدوں کے پاس رہیں اور یہ کہ ہمارے نظام میں واحدوں کا تعین کس طرح کیا جائے

صاحب صدر۔ بعض بنیادی حقوق کے تحفظ کا یقین دلانا بھی ایک رسم سی ہو گئی ہے۔ لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہمارا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ ہم ایک ہاتھ سے حقوق دیں اور دوسرے ہاتھ سے انہیں واپس لے لیں۔ میں اس بات کے ثبوت میں بہت کچھ کہہ چکا ہوں کہ ہم ایک حقیقی وسیع الخیال حکومت بنانا چاہتے ہیں جس کے تمام ارکان کو زیادہ سے زیادہ آزادی حاصل ہو گی قانون کی نظر میں سب برابر ہوں گے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کے پرسنل لا کا تحفظ نہیں کیا جائے گا حیثیت اور عدل کے معاملہ میں مساوات ہمارا عقیدہ ہے۔ یہ ہمارا پختہ یقین ہے اور ہم نے اکثر جگہ اس کا اعلان کیا ہے کہ پاکستان مفاد پرستوں اور مالدار طبقوں کے لئے نہیں بنا ہے ہمارا مقصد اقتصادی نظام کو اسلام کے بنیادی اصولوں پر تعمیر کرنا ہے۔ کیونکہ یہ دولت کی بہتر تقسیم میں اور ناداری کو رفع کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ اپنے پورے عروج پر پہنچنے میں جو وجود انسان کے لئے مانع رہیں وہ افلاس اور پسماندگی ہیں اور پاکستان سے ہم ان کو مٹا کر چھوڑیں گے۔ ہمارے عوام اس وقت غریب اور جاہل ہیں لیکن ہمیں ان کا معیار زندگی ضرور بلند اور انہیں افلاس اور جہالت کی زنجیروں سے آزاد کرانا چاہئے۔ جہاں تک سیاسی حقوق کا تعلق ہے حکومت کے پیش نظر حکمت عملی کے تعین اور حکومت چلانے کے لئے ان ارکان کو انتخاب کرنے میں ہر شخص کو دخل حاصل ہو گا تاکہ وہ اپنا کام عوام کے مفاد کا خیال رکھ کر کریں۔ چونکہ ہمیں یقین ہے کہ خیالات پر کوئی پابندی نہیں عائد کی جا سکتی۔ اس لئے ہم نہیں چاہتے کہ کسی شخص کو اس کے خیالات کے اظہار سے باز رکھیں اور نہ ہم کسی کو جائز اور اخلاقی مقاصد کے پیش نظر ربط و انتساب سے روکنا چاہتے ہیں مختصر یہ کہ ہم اپنے نظام حکومت کی بنیاد آزادی، ترقی اور عدل عمرانی پر رکھنا چاہتے ہیں۔ ہم سماجی تفاوت کو اس طریقہ سے ختم کرنا چاہتے ہیں کہ کسی کو نقصان نہ پہنچے اور انسانی خیالات اور جائز رجحانات پر بھی پابندیاں عائد نہ ہوں۔

جناب والا۔ اقلیتوں کے بہت سے مفاد ایسے ہیں جن کا وہ بجا طور پر تحفظ چاہتی ہیں۔ یہ قرارداد اس تحفظ کی ضامن ہے۔ ہماری خاص ذمہ داری پست اور پسماندہ لوگوں کی نسبت سے ہے۔ ہم ان کی اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ ہیں کہ وہ اپنی موجودہ حالت میں بغیر کسی قصور کے مبتلا ہیں۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ہم ان کے اس حالت تک پہنچنے کے کسی طرح بھی ذمہ دار نہیں ہیں۔ لیکن اب چونکہ وہ

ہمارے شہری ہیں۔ اس لئے ہماری خاص کوشش یہ ہو گی کہ ہم انہیں دیگر شہریوں کے دوش بدوش لے آئیں تاکہ وہ ان ذمہ داریوں کو سنبھال سکیں جو ایک آزاد اور ترقی پسند مملکت کے شہری ہونے کی حیثیت سے ان پر عائد ہوتی ہیں ہمیں معلوم ہے کہ جب تک ہمارے عوام میں پسماندہ طبقے موجود ہیں ہمارے معاشرہ کی ترقی کی رفتار سست رہے گی۔ لہٰذا مملکت کی تعمیر کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم ان طبقوں کے مفادات کو ملحوظ رکھیں۔

میں آخر میں صاحب صدر یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہمیں پختہ یقین ہے کہ ہم پاکستان کو ان اصولوں پر ڈھال کے جن کی توضیح کر دی گئی ہے۔ اس مملکت کو ترقی کی راہ پر ڈال دیں گے۔ وہ دن دور نہیں جب پاکستان ایک ایسا ملک بن جائے گا جس کے باشندے بلا تمیز عقائد و حیثیت اس پر فخر کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارے عوام بڑی صلاحیتوں کے حامل ہیں۔ انہوں نے اپنی بے بہا قربانیوں اور اس قابل تعریف ضبط و تنظیم کی بدولت جس کا مظاہرہ انہوں نے ایک ابتلائی اور نازک دور میں کیا تمام دنیا سے خراج تحسین حاصل کر لیا ہے مجھے یقین ہے کہ ایسی قوم نہ صرف زندہ رہنے کی مستحق ہے بلکہ وہ انسانیت کی فلاح و ترقی میں بھی لازمی طور پر اضافہ کرے گی۔ یہ ضروری ہے کہ ہماری قوم اپنے جذبۂ قربانی کو زندہ رکھے اور اپنے اعلیٰ نصب العین پر قائم رہے۔ پھر قدرت اسے امور عالم میں ایک عظیم الشان مرتبہ عطا کرے گی۔ اور اسے انسانیت کی تاریخ میں زندہ جاوید بنا دیگی جناب والا۔ یہ قوم زبردست کامیابیوں کی روایات رکھتی ہے اس کی تاریخ شاندار کارناموں سے بھرپور ہے۔ اس نے زندگی کے ہر شعبے میں کامیابی کے ساتھ پورا پورا حصہ لیا ہے۔ ہماری قوم کی بہادری کے کارنامے قومی تاریخ کی زینت ہیں۔ یہ وہ قوم ہے جس کے ارباب نظم و نسق نے ایسی روایات قائم کی ہیں جو زمانہ کی دست برد سے اب تک محفوظ ہیں۔ اس کے تخلیقی فنون میں شعر و شاعری۔ فن تعمیر اور جمالیاتی ذوق کے لئے اسے خراج تحسین ادا کیا گیا ہے۔ روحانی عظمت کے لحاظ سے یہ قوم عدیم المثال ہے۔ اب پھر یہی قوم راہ عمل میں گامزن ہے اور اگر اسے ضروری مواقع میسر آ جائیں تو وہ اپنی شاندار کامیابیوں کی سابقہ عظیم الشان روایات کو ماند کر کے ان سے بھی بہتر کام کر دکھائے گی یہ قرارداد مقاصد اس ماحول کے پیدا کرنے کی طرف پہلا قدم ہے جس میں قوم کی روح پھر بیدار ہو جائیگی ہم لوگوں کو قدرت نے قوم کی اس نشاۃ ثانیہ کے زبردست ڈرامہ میں حصہ لینے کے لئے خواہ وہ حصہ کتنا ہی حقیر اور غیر اہم ہو منتخب کیا ہے اور ہم ان زبردست گوناگوں مواقع سے جو ہمیں حاصل ہیں محو حیرت ہیں ہمیں چاہئے کہ ہم ان مواقع سے خردمندی اور دوراندیشی کے ساتھ فائدہ اٹھائیں اور مجھے

اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اس اللہ کے فضل و کرم سے جس کی رحمت سے پاکستان قائم ہوا ہے۔ ہماری یہ کوششیں ہماری بڑی سے بڑی توقعات سے بڑھ چڑھ کر بار آور ہونگی۔ بڑی قوموں میں اپنی میراث روز روز نہیں ملتی۔ قوموں کی نشاۃ ثانیہ کا باب ہر روز نہیں کھلتا اور ہر روز قدرت مظلوموں اور محکوموں کو نہیں اُبھارتی اور انہیں شاندار مستقبل کی طرف بڑھنے کی بار بار دعوت نہیں دیتی۔ روشنی کی کرنیں اُفق پر ظاہر ہو کر طلوع ہونے والے روز روشن کا پیش خیمہ بن رہی ہیں اور ہم اس تحریر کا اس قرار داد کی شکل میں خیر مقدم کرتے ہیں۔

تقریر علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

ممبر مجلس دستور ساز حکومت پاکستان

روشنی کا مینار

قرار داد مقاصد کی تائید میں مولانا شبیر احمد عثمانی* نے ۹ مارچ ۱۹۴۹ء کو مندرجہ ذیل تقریر فرمائی

جناب صدر محترم قرار داد مقاصد کے اعتبار سے جو مقدس اور محتاط تجویز آنریبل مسٹر لیاقت علی خاں صاحب نے ایوان ہذا کے سامنے پیش کی ہے میں نہ صرف اس کی تائید کرتا ہوں بلکہ آج اس بیسویں صدی میں (جب کہ ملحدانہ نظریات حیات کی شدید کشمکش اپنے انتہائی عروج پر پہونچ چکی ہے) ایسی چیز کے پیش کرنے پر موصوف کی عزم و ہمت اور جرأت ایمانی کو مبارک باد دیتا ہوں۔

اگر غور کیا جائے تو یہ مبارکباد فی الحقیقت میری ذات کی طرف سے نہیں بلکہ اس لپسی ہوئی اور کچلی ہوئی روح انسانیت کی جانب سے ہے جو خالص مادہ پرست طاقتوں کی حریفانہ حرص و آز اور رقیبانہ ہوسناکیوں کے میدان کارزار میں مدتوں سے پڑی کراہ رہی ہے۔ اس کے کراہنے کی آوازیں اس قدر درد انگیز ہیں کہ بعض اوقات اس کے سنگدل قاتل بھی گھبرا اُٹھتے ہیں اور اپنی جارحانہ حرکات پر نادم ہو کر تھوڑی دیر کے لئے مداوا و تلاش کرنے لگتے ہیں۔ مگر صحیح علاج و دوا کی جستجو میں وہ اس لئے ناکام رہتے ہیں

---

* شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی مشرقی بنگال کے ایک مسلم حلقہ انتخاب کے نمائندے تھے۔ پاکستانی مسلمانوں کے مسلمہ دینی رہنما ہیں اور اسلام کے ایک مستند عالم۔

کہ جو مرض کا اصل سبب ہے اسی کو دوا اور اکسیر سے سوا سمجھ لیا جاتا ہے۔

یاد رکھئے دنیا اپنے خود ساختہ اصولوں کے جس جال میں پھنس چکی ہے اس سے نکلنے کے لئے جس قدر پھڑ پھڑائیگی اسی قدر جال کے حلقوں کی گرفت اور زیادہ سخت ہوتی جائیگی۔ وہ صحیح راستہ گم کر چکی ہے جو راستہ اب اختیار کر رکھا ہے اس پر جتنے زور سے بھاگے گی وہ حقیقی فوز و فلاح کی منزل سے دور ہی ہوتی چلی جائے گی۔

ہمیں اپنے نظام حیات کو درست اور کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہے کہ ہمارا انجن جس لائن پر اندھا دھند چلا جا رہا ہے اسے تبدیل کریں اور جس طرح بعض دفعہ لائن تبدیل کرتے وقت گاڑی کو کچھ پیچھے ہٹانا پڑتا ہے۔ ایسے ہی صحیح لائن پر آگے بڑھنے کی غرض سے ہم کو پیچھے ہٹنا پڑے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اگر ایک شخص کسی راستہ پر بے تحاشہ دوڑ رہا ہے اور ہم دیکھیں کہ چند قدم آگے بڑھنے پر وہ کسی ہلاکت کے غار میں جا پڑیگا تو ہم خاموش نہیں رہ سکتے۔ اُسے اُدھر سے پیچھے ہٹا کر صاف اور سیدھی شاہراہ پر ڈالنے کی کوشش کرینگے۔ یہی حال آج دنیا کا ہے۔ اگر ہماری اس نئی اور بے چین دنیا کو اپنے تباہ کن مصائب سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے تو اسے حالات کا بالکل جڑ بنیاد سے از سر نو جائزہ لینا ہوگا۔ کسی درخت کی شاخوں اور پتوں پر پانی چھڑکتے رہنا بیکار ہے۔ اگر اس کی جڑ جو سینکڑوں من مٹی کے نیچے دبی ہوئی ہے مضبوط نہ ہو۔ آج کے بہت سے بکھرے ہوئے مسائل خواہ اُن سے آپ کو کتنی ہی دلچسپی اور شغف کیوں نہ ہو کبھی ٹھیک طور پر سنور اور سلجھ نہیں سکتے جب تک ان کے اصول بلکہ اصل الاصول درست نہ ہو جائے۔ قدامت پرستی اور رجعت پسندی کے طعنوں سے نہ گھبرائیے بلکہ کشادہ دل و دماغ کے ساتھ ایک متجسس حق کی طرح اُلجھی ہوئی ڈور کا سرا پکڑنے کی کوشش کیجئے جو باتیں طاقتور اور ذی اقتدار قوموں کے زبردست پروپیگنڈا یا غیر شعوری طور پر اُن کے حاکمانہ اقتدار اور مسحور کن مادی ترقیات کے زور و اثر سے بطور مسلمات عامہ، اصول موضوعہ اور مفروغ عنہا صداقتوں کے تسلیم کر لی گئی ہیں، اُن ہی پر تجدید فکر و نظر کی ضرورت ہے۔ اس پکے ارادے کے ساتھ کہ جس چیز پر ہم صدیوں کی کاوشوں کے نتیجہ میں اعتقاد جمائے بیٹھے تھے، وضوح حق کے بعد ایک لمحہ کے لئے اس پر قائم رہنا ہم جرم عظیم سمجھیں گے۔ اگر دنیا کو انسانیت کی حقیقی فلاح کے لئے کسی نتیجہ پر پہونچنا ہے تو اُسے اُن قدیم اور اٹل نظریات پر ضرور غور کرنا ہوگا جنہیں مادی و معاشی مسابقت کی بے تحاشا دوڑ میں بہت سی قومیں پیچھے چھوڑ آئی ہیں۔ اسے یوں خیال کیجئے کہ کتنی صدیوں تک سکون ارض کے متعلق بطلیموس کا نظریہ دنیا پر مستولی رہا۔ فیثا غورس کی آواز پر کسی نے توجہ نہ کی۔ پھر ایک وقت آیا کہ ہزاروں من مٹی کے نیچے دبا ہوا بیج جو فیثا غورس دیا گیا تھا زمین کے سینے کو چاک

کرکے باہر نکلا اور برگ و بار لاکر رہا۔ سچائی کا پرستار کبھی اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ کسی زمانہ میں یا طویل عرصہ تک لوگ اس کے ماننے سے آنکھیں چرائیں گے یا ناک بھوں چڑھائیں گے حق اکیلا رہ کر بھی حق ہی رہتا ہے اسے یقین ہے کہ ایک دن ضرور آئیگا کہ جب اس کے جھٹلانے والے زمانہ کے دھکے کھا کر اسی کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہونگے آج وہ دن قریب آرہا ہے اور جیسا کہ آنریبل جناب لیاقت علی خاں نے فرمایا روشنی کی تحریر افق پر ظاہر ہو کر طلوع ہونے والے روز روشن کا پیش خیمہ بن رہی ہے"۔

ضرورت ہے کہ ہم اپنے کو خفاش صفت ثابت نہ کریں جو دن کی روشنی کو دیکھنے کی تاب نہیں لاسکتی۔ پاکستان مادیت کے بھنور میں پھنسی ہوئی اور دہریت و الحاد کی اندھیریوں میں بھٹکتی ہوئی دنیا کو روشنی کا ایک مینار دکھانا چاہتا ہے۔ یہ دنیا کے لئے کوئی چیلنج نہیں بلکہ انسانیت کے لئے پر امن پیغام حیات و نجات ہے۔...

...... اور اطمینان اور خوش حالی کی راہ تلاش کرنے والوں کے لئے سہولت مہیا کرتا ہے۔ ہمارا غیر متزلزل عقیدہ ہے کہ دنیا کے لئے عموماً اور پاکستان کے لئے خصوصاً کسی قسم کا نظام تجویز کرنے سے پہلے پوری قطعیت کے ساتھ یہ جان لینا ضروری ہے کہ اس تمام کائنات کا جس میں ہم سب اور ہماری یہ مملکت بھی شامل ہے۔ مالک اصلی اور حاکم حقیقی کون ہے؟ اور ہے یا نہیں؟ اب اگر ہم اس کا مالک کسی خالق الکل اور مقتدر اعلیٰ ہستی کو مانتے ہیں (جیسا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ اس ایوان کے تمام ارکان و اعضاء کا یہ عقیدہ ہوگا) تو ہمارے لئے یہ تسلیم کرنا ناگزیر ہوگا کہ کسی مالک کی خصوصاً اس مالک علی الاطلاق کی ملک میں ہم اسی حد تک تصرف کرنے کے مجاز ہیں جہاں تک کہ وہ اپنی مرضی سے ہمیں اجازت دیدے۔ ملک غیر میں کوئی غاصبانہ تصرف ہمارے لئے جائز نہیں ہو سکتا۔ پھر ظاہر ہے کہ کسی مالک کی اجازت و مرضی کا علم اس کے بتلانے ہی سے ہو سکتا ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسی لئے بھیجے اور وحی ربانی کا سلسلہ اسی لئے قائم کیا کہ انسانوں کو اس کی مرضی اور اجازت کے صحیح حدود معلوم کرا دیئے جائیں اسی نقطۂ خیال کے پیش نظر ریزولیوشن میں "اسی کے مقرر کردہ حدود کے اندر" کے الفاظ رکھے گئے ہیں اور یہی وہ بنیادی نقطہ ہے جہاں سے دینی اور خالص مادی حکومتوں کی لائنیں ایک دوسرے سے الگ ہو جاتی ہیں۔

یہ نظریہ کہ دین و مذہب کا تعلق انسان اور اس کے مالک سے ہے بندوں کے باہمی معاملات سے اُسے کچھ سروکار نہیں نہ سیاست میں اس کا کوئی دخل ہے۔ اسلام نے کبھی تسلیم نہیں کیا ممکن ہے دوسرے مذاہب جو آج کل دنیا میں موجود ہیں اُن کے نزدیک یہ نظریہ درست ہو اور وہ خود کسی جامع و حاوی نظام حیات سے تہی دامن ہوں۔ مگر جہاں تک اسلام کا تعلق ہے ایسے تصور کی اس میں کوئی گنجائش نہیں بلکہ اسکی تمام تر تعلیمات

اس باطل تصور کی دشمن ہیں۔

قائد اعظم مرحوم نے اگست ۱۹۴۴ء میں گاندھی جی کے نام جو خط لکھا تھا اُس میں لکھتے ہیں:۔

"قرآن مسلمانوں کا ضابطۂ حیات ہے۔ اس میں مذہبی اور مجلسی، دیوانی اور فوجداری، عسکری اور تعزیری، معاشی اور معاشرتی غرض کہ سب شعبوں کے احکام موجود ہیں۔ مذہبی رسوم سے لیکر روزانہ کے امور حیات تک، روح کی نجات سے لیکر جسم کی صحت تک، جماعت کے حقوق سے لیکر فرد کے حقوق و فرائض تک دنیوی زندگی میں جزا و سزا سے لیکر عقبیٰ کی جزا و سزا تک، ہر فعل، قول اور حرکت پر مکمل احکام کا مجموعہ ہے۔ لہٰذا جب میں یہ کہتا ہوں کہ مسلمان ایک قوم ہے تو حیات و ما بعد حیات کے ہر معیار اور ہر مقدار کے مطابق کہتا ہوں"۔

"ہر مسلمان جانتا ہے کہ قرآنی تعلیمات محض عبادات و اخلاقیات تک محدود نہیں بلکہ قرآن کریم مسلمانوں کا دین و ایمان اور قانون حیات ہے یعنی مذہبی، معاشرتی، تجارتی، تمدنی، عسکری، عدالتی اور تعزیری احکام کا مجموعہ ہے۔ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم کو یہ حکم ہے کہ ہر مسلمان کے پاس اللہ کے کلام پاک کا ایک نسخہ ضرور ہو اور وہ اسکو بغور و خوض مطالعہ کرے تاکہ یہ اس کی انفرادی و اجتماعی ہدایات کا باعث ہو"۔

قائد اعظم نے ان خیالات و عزائم کا بار بار اظہار کیا ہے۔ کیا ایسی واضح اور مکرر تصریحات کے بعد کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ سیاست و حکومت، مذہب سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی یا یہ کہ اگر آج قائد اعظم زندہ ہوتے تو یہ تجویز مقاصد پیش نہیں ہو سکتی تھی۔

قرآن حکیم میں صاف صاف ارشاد ہے "فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا" اور "وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ .... الظَّالِمُونَ .... الْفَاسِقُونَ"۔

اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام میں دینی حکومت کے معنی "پاپائیت" یا "کلیسائی حکومت" کے نہیں۔ بھلا جس بت کو قرآن نے "اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ" کہکر توڑا ہے کیا وہ اسی کی پرستش کو جائز رکھ سکتا ہے؟

اسلامی حکومت سے مراد وہ حکومت ہے جو اسلام کے بتائے ہوئے اعلیٰ اور پاکیزہ اصول پر چلائی جائے۔ اس لحاظ سے وہ ایک خاص قسم کی اصولی حکومت ہوگی۔ ظاہر ہے کہ کسی اصولی حکومت کو چلانا خواہ مذہبی ہو یا غیر مذہبی (جیسے روس کی اشتراکی حکومت) در اصل ان ہی لوگوں کا کام ہو سکتا ہے جو

ان اصولوں کو مانتے ہوں۔ جو لوگ ان اصولوں کو نہیں مانتے ایسی حکومت انتظام مملکت میں ان کی خدمات تو ضرور حاصل کر سکتی ہے مگر مملکت کی جنرل پالیسی یا کلیدی انتظام کی باگ ان کے ہاتھ میں نہیں چھوڑ سکتی۔

اسلامی حکومت اصل سے انسانی حکومت نہیں بلکہ نیابتی حکومت ہے اصل حاکم خدا ہے انسان زمین پر اس کا خلیفہ (نائب) ہے جو حکومت در حکومت کے اصول پر دوسرے مذہبی فرائض کی طرح نیابت کی ذمہ داریوں کو بھی خدا کی مقرر کردہ حدود کے اندر پورا کرتا ہے۔

مکمل اسلامی حکومت، حکومت راشدہ ہوتی ہے۔ لفظ "رشد" حکومت کے انتہائی اعلےٰ معیار حسن و خوبی کو ظاہر کرتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ حکومت، حکومت کے کارکن، اور مملکت کے عوام کو نیکو کار ہونا چاہئے۔ قرآن نے حکومت اسلامی کی یہ ہی غرض و غایت قرار دی ہے کہ وہ انسانوں کو اپنے دائرۂ اقتدار میں نیکیوں کا حکم دے اور برائیوں سے روکے۔ اسلام آجکل کی سرمایہ پرستی کے خلاف ہے اسلامی حکومت اپنے خاص طریقوں سے جو اشتراکی طریقوں سے الگ ہیں۔ جمع شدہ سرمایہ کی مناسب تقسیم کا حکم دیتی ہے اس کو دائر و سائر رکھنا چاہتی ہے۔ مگر اس کام کو اخلاقی و نیز قانونی طریقہ پر عام خوشدلی عدل اور اعتدال کے ساتھ کرتی ہے۔ اسلامی حکومت شخصی ملکیت کی نفی نہیں کرتی۔ مناسب حد تک راس المال رکھنے کی اجازت دیتی ہے زائد سرمایہ کے لئے ملی بیت المال قائم کرتی ہے جس میں سب کے حقوق مشترک ہیں اور اس سرمایہ کی تقسیم سے سرمایہ اور افلاس کے درمیان توازن اور اعتدال کو بحال رکھتی ہے۔

شوریٰ اسلامی حکومت کی اصل ہے (وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ) اسلامی حکومت دنیا میں پہلا ادارہ ہے جس نے شہنشاہیت کو ختم کر کے استصواب رائے عامہ کا اصول جاری کیا اور بادشاہ کی جگہ عوام کے انتخاب کردہ امام (قائد حکومت) کو عطا کی محض توریت یا جبر و استبداد کے راستوں سے بادشاہ بن بیٹھنا اسلام کے منشاء کے سراسر خلاف ہے۔ وہ جمہور کی مرضی اور ان ہی کے ہاتھوں سے اسٹیٹ کو اختیار دلاتا ہے، ہاں انہیں یہ حق نہیں دیتا کہ وہ امارت کی کوئی تنظیم نہ کریں اور اقتدار اپنے ہی پاس روک کر انتشار، ابتری اور طوائف الملوکی پھیلا دیں۔ یہ اوّلیت کا ایسا شرف ہے جو اسلامی حکومت کو دنیا کی تمام جمہوریتوں پر حاصل ہے۔

اسلامی سلطنت کا بلند ترین منتہائے خیال یہ ہے کہ سلطنت کی بنا جغرافیائی، نسلی، قومی، حرفتی اور طبقاتی قیود سے بالاتر ہو کر انسانیت اور اُن اعلیٰ اصولوں پر ہو جن کی تشئید و ترویج کے لئے وہ قائم کی جاتی ہے۔

اسلامی حکومت پہلی حکومت ہے جس نے اس منتہائے خیال کو پورا کرنے کے لئے اپنی خلافت راشدہ کی بنیاد انسانیت پر رکھی۔ یہ حکومت اپنے کاموں میں رائے عامہ، مساوات حقوق، آزادی ضمیر اور سادگی کا امکانی حد تک خیال رکھتی ہے۔

اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ اپنے قلمرو میں لینے والے تمام غیر مسلموں سے جو شرائط طے ہوئے ہوں) جان، مال، آبرو، مذہبی آزادی اور عام شہری حقوق کی پوری حفاظت کرے۔ اگر کوئی طاقت ان کے جان و مال وغیرہ پر دست اندازی کرے تو حکومت اس سے جنگ کرے اور اُن پر کوئی ایسا بار نہ ڈالے جو ان کے لئے ناقابل تحمل ہو۔ جو ملک صلحاً حاصل ہوا ہو وہاں کے غیر مسلموں سے جو شرائط طے ہوں اُن کی پوری پوری پابندی کی جائے۔ پھر غیر مسلموں کے یہ حقوق محض اکثریت کے رحم و کرم پر نہیں بلکہ خدا کا عائد کیا ہوا ایک فرض ہے جس سے کسی وقت انحراف جائز نہیں۔

اس کے بعد دینی حکومت کی مزعومہ خرابیوں کا جہاں تک تعلق ہے۔ جواب میں اتنا کہنا کافی ہوگا کہ علم و تحقیق کی روشنی میں موجودہ ترقی یافتہ حکومتوں کے طور طریقوں کو خلفائے اربعہ کے بے داغ عہد حکومت کے مقابلہ میں رکھ کر مفاد عامہ کے لحاظ سے وزن کر لیا جائے۔ آج ظلم و جبر، عہد شکنی، مالی دست بُرد، کشت و خون، بربادی و ہلاکت، انسانی جماعتوں کی باہمی دشمنی، افراد کی عدم مساوات اور جمہور کے حقوق کی پامالی کی جو مثالیں دُوربین سے دیکھے بغیر نظر آرہی ہیں۔ خلفاء کے ترقی یافتہ عہد میں اس کا خفیف سا نشان بھی نہ ملے گا غرضیکہ بیان کردہ خرابیاں مذہبی طرز حکومت کی خرابیاں نہیں ہیں بلکہ اُن انسانی گمراہیوں سے اخذ کی گئی ہیں جنہوں نے خالص مادی طرز حکومت کی داغ بیل ڈالی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ گاندھی جی نے اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ جب ۱۹۳۷ء میں آپ نے کانگریسی وزراء کو یہ ہدایات دیں کہ تم ابوبکرؓ اور عمرؓ کی سی حکومت قائم کرو۔ نیز قائد اعظم مرحوم نے دستور کی اسی اساس کی طرف اشارہ کیا تھا۔ جب ۱۹۴۳ء میں بمقام جالندھر آل انڈیا اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی صدارت کرتے ہوئے فرمایا کہ "میرے خیال میں مسلمانوں کا طرز حکومت آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل قرآن حکیم نے فیصل کر دیا تھا" انہوں نے نومبر ۱۹۴۵ء میں پیر صاحب مانکی شریف کے نام جو خط لکھا اس میں صاف صاف لکھ دیا تھا کہ "اس بات کے کہنے کی ضرورت ہی نہیں کہ قانون بنانے والی جماعت جس میں بہت زیادہ اکثریت مسلمانوں کی ہوگی، پاکستان کے لئے ایسے قانون بنا سکے گی جو اسلامی قانون کے خلاف ہو اور نہ ہی پاکستانی غیر اسلامی قانون پر عمل کر سکیں گے" اس قسم کے اعلانات قیام پاکستان سے پہلے قائد اعظم اور دوسرے زعماء لیگ کی طرف سے برابر ہوتے رہے جن کا بخوف طوالت ہم استیعاب نہیں

کر سکتے۔ بہر حال ان بیانات کے پڑھنے کے بعد کسی مسلم یا غیر مسلم کو ہمارے مقصد اور مطمحِ نظر کو سمجھنے میں کوئی ابہام و اشتباہ نہیں رہ سکتا اور جس قدر باتیں آئین و نظام اسلامی کے متعلق بطور اعتراض آج کی جا رہی ہیں اُن سب کے سوچنے کا وقت وہ تھا جب پوری صراحت کے ساتھ یہ اعلانات کئے جا رہے تھے۔ جب یہ سب کچھ جان کر اور سمجھ کر دوسری قوم نے تقسیم ہند کے فیصلہ پر دستخط کئے اور پاکستان کی اقلیت نے ان مقاصد کو مانتے ہوئے ہمارے ساتھ اشتراکِ عمل کیا، اب پاکستان قائم ہونے کے بعد اس نقطۂ نظر سے انحراف کی کوئی وجہ جواز ان کے پاس موجود نہیں رہ گئی۔ یہ بھی معلوم ہے کہ انڈین یونین کا قیام تو ہندو اور نیشنلسٹ مسلمانوں کی مخلوط مساعی سے عمل میں آیا ہے لیکن پاکستان کا حصول خالص مسلم قوم کی مساعی اور قربانیوں کا رہینِ منت ہے اور ان کی قومی خصائص و میزات کے تحفظ کا داعیہ اس کا محرک ہوا ہے۔ اب اگر ایسی سیدھی اور صاف بات کو بھی بھلا دیا جائے تو اس کا کچھ علاج ہمارے پاس نہیں۔

اس موقع پر یہ بات بھی فراموش نہ کیجئے کہ آج دنیا میں معاشی اختلال اور اقتصادی عدم توازن کی وجہ سے ملحدانہ اشتراکیت (کمیونزم) کا سیلاب ہر طرف سے بڑھتا چلا آ رہا ہے اس کا صحیح اور اصولی مقابلہ اگر دنیا میں کوئی نظام کر سکتا ہے تو وُہ صرف اسلام کا اقتصادی نظام ہے۔ اگر ہم پاکستان یا عالم اسلامی کو اس بھیانک خطرہ سے بچانا چاہتے ہیں تو اس کی واحد صورت یہی ہے کہ پاکستان میں صحیح اسلامی نظام کا اعلان و آغاز کریں اور تمام اسلامی ممالک کو اسلام کے نام پر اسی کی دعوت دیں۔ اگر اس طرح تمام اسلامی ممالک آئینی طور پر متحد ہو گئے تو قدرتی طور پر وُہ وحدتِ اسلامی قائم ہو جائے گی جس کی ہم سب مدت سے آرزو رکھتے ہیں اور جو اشتراکیت اور سرمایہ پرستی دونوں کی روک تھام کے لئے مضبوط آہنی دیوار کا کام دے گی۔

بہت سے لوگوں کو یہ خیال گذرتا ہے کہ ابھی تک ہمارا کاروبار جس ڈگر پر چل رہا ہے اسلامی اور اسلامی آئین کا اعلان کر کے ہم اسے ایک دم کیسے بدل سکتے ہیں یہ تو ہمارے اجتماعی حالات میں ایسا انقلابِ عظیم ہوگا جو ہماری قومی زندگی کی کایا پلٹ کر دیگا اور جس کے لئے ہمیں جدید کانسٹی ٹیوشن کے چلانے کے لئے کثیر تعداد میں مناسب رجال کار تیار کرنے پڑیں گے اور بہت طویل عرصہ درکار ہوگا میں کہتا ہوں کہ ان حضرات کا یہ خیال ایک حد تک صحیح ہے لیکن اسلامی نظام کا مطالبہ کرنے والے بھی اسے بخوبی محسوس کرتے ہیں۔ اسلامی آئین و نظام کے اعلان سے غرض یہ ہے کہ مملکت کا اصلی نصب العین اور اس کی انتہائی منزلِ مقصود واضح اور متحضر ہو جائے تاکہ اس کی روشنی میں ہمارا جو

قدم اُٹھے وہ ہم کو آخری منزل سے قریب تر کرنے والا ہو یہ کام ظاہر ہے کہ بتدریج ہوگا اور بتدریج ہی ہو سکتا ہے۔ جو کام فی الحال کئے جا سکتے ہیں وہ فوراً کرنے ہوں گے اور جن کاموں کے لئے سر دست حالات ساز گار نہیں وہ فوراً نفاذ پذیر ہونگے بلکہ حکیمانہ اسلوب پر حالات کو ساز گار بنانے کی ہر امکانی کوشش عمل میں لائی جائے گی۔ بہر حال انسان اسی چیز کا مکلف ہے جس کی وہ استطاعت رکھتا ہے یہی وہ بات ہے جو میں تقسیم سے قبل اپنے مختلف بیانات و خطبات میں کھول کر کہہ چکا ہوں۔ چنانچہ خطبہ لاہور میں میں نے عرض کیا تھا کہ یہ اعلیٰ اور پاک نصب العین سے قریب تر کرے گا۔ جس طرح رات کی تاریکی آہستہ آہستہ کم ہوتی اور دن کی روشنی بتدریج پھیلتی ہے یا جس طرح ایک پُرانا مریض دھیرے دھیرے صحت کی طرف قدم اٹھاتا ہے دفعتہً و بغتۃً بیماری سے چنگا نہیں ہو جاتا اسی طرح پاکستان ہماری قومی صحت اور ہماری مکمل ترین آزادی کے نصف النہار کی طرف تدریجی قدم اُٹھائے گا۔

جناب صدر محترم۔ آخر میں ایوان ہذا کے معزز ممبران کی خدمت میں میں عرض کروں گا کہ اس پیش کئے ہوئے ریزولیوشن سے گھبرانے اور وحشت کھانے کی کوئی وجہ نہیں۔ اسلامی فرقوں کے اختلافات تحریک پاکستان کی برکت سے بہت کم ہو چکے ہیں اور اگر کچھ باقی ہیں تو انشاء اللہ برادرانہ مفاہمت سے صاف ہو جائیں گے کیونکہ تمام اسلامی فرقے اور ملک آج اسلامی نظام کی ضرورت کو بہت شدت کے ساتھ محسوس کر رہے ہیں اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارے غیر مسلم دوست بھی اگر ایک مرتبہ تھوڑا سا تجربہ کر کے دیکھ لیں گے تو اگلی اور پچھلی سب تلخیاں بھول جائیں گے اور بہت مطمئن رہیں گے بلکہ فخر کریں گے کہ ہم سب پاکستانیوں نے مل کر عام ہیجان اور اضطراب کے زمانہ میں انسانیت عامہ کی ایک عظیم الشان خدمت انجام دی وَمَا ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

اب بڑا اہم کام ہمارے سامنے یہ ہے کہ دستور سازی کی مہم ایسے قابل، فہیم، مضبوط اور محتاط ہاتھوں کے سپرد ہو جو اس ریزولیوشن کے خاص خاص نکتوں کی حفاظت کر سکیں، اس کے مُدعا کو بخوبی سمجھ سکیں اور جو دستور تیار کیا جائے وہ صحیح لائن سے ہٹنے نہ پائے۔ یہ بہت کٹھن مرحلہ ہے جو اللہ ہی کی توفیق سے آسان ہوگا۔ بہر حال ہم آیندہ کام کرنے میں ہر قدم پر اس چیز کے منتظر رہیں گے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ۔

دستور ساز اسمبلی میں قرارداد مقاصد پر بحث و تمحیص

شہید ملت لیاقت علی وزیر اعظم کی تجویز قرارداد مقاصد اور شیخ الاسلام کی تائیدی تقریر آپ نے پڑھیں ان کو پڑھ کر آپ باسانی اندازہ لگا سکتے ہیں اور جیسا کہ مجھے علامہ عثمانی کے خصوصی اصحاب سے ذاتی طور پر معلوم ہوا کہ وزیر اعظم کی تجویزی تحریر بھی علامہ کی لکھی ہوئی تھی۔ دونوں کی تحریریں ایک دوسرے سے ملتی ہیں اور دونوں کے مضامین ہم آہنگ ہیں۔

کسی اسمبلی میں کوئی شخص تجویز پیش کرتا ہے تو دو شخصوں کی ارکان اسمبلی میں تائید اور تائید مزید کی ضرورت ہوتی ہے اور پھر تمام اسمبلی کے ارکان کو موافقت یا مخالفت میں اپنے خیالات کے اظہار کی آزادی ہوتی ہے۔ چنانچہ ۷ر مارچ ۱۹۴۹ء کو خان لیاقت علی خان نے جب تجویز پیش کی تو اس اجلاس کی کارروائی جاری رہی اور ۹ر مارچ ۱۹۴۹ء کو علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ "روشنی کا مینار" والی تقریر کے ساتھ پرجوش تائید کی۔ علامہ کی یہ تقریر کراچی اور لاہور کے اخبارات نے نمایاں سرخیوں کے ساتھ شائع کی۔ تقریر کیا ہے ایمانی جوش، اسلامی ولولہ، دینی حمیت و حمایت اور سیاسی بصیرت و بصارت کا ایک سمندر ہے جو ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔

اسکی تائید سر ظفر اللہ وزیر خارجہ نے کی جو کئی صفحات تک پھیلتی ہوئی ہے اور جس کو آپ "منشور آزادی" مطبوعہ اوفسٹ لیتھو پریس میکلوڈ روڈ کراچی میں دیکھ سکتے ہیں۔

قرارداد مقاصد کی تائید اور تردید میں ارکان اسمبلی کی تقریریں

آپ نے شیخ الاسلام کی تائیدی تقریر تو پڑھ ہی لی۔ آپ کے علاوہ ظفر اللہ خاں نے جو کچھ کہا اس کا خلاصہ یہ ہے:۔

"یہ خیال کہ مذہب و سیاست جدا جدا چیزیں ہیں۔ مذہب کے غلط تصور سے پیدا ہوتا ہے، اسلام انسان اور انسان کے تمام تعلقات کے قواعد وضع کرتا ہے۔ اسلام میں عبادت کے معنی صرف بندگی اور پرستش کے ہی نہیں ہیں بلکہ ان اعمال کو بھی عبادت کہا گیا ہے جو انفرادی اور اجتماعی، قومی اور بین الاقوامی مفاد کے لئے کئے جاتے ہیں۔ اسلام میں نہ شہنشاہیت نہ ملوکیت۔ اسلامی دستور میں فرد کے ووٹ (رائے) کو غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے اور اختیارات کے وارث عوام ہوتے ہیں نہ چند افراد یہ قرارداد ان تمام مضرات کی حامل ہے"

ڈاکٹر عمر حیات ملک نے کہا:۔

"دنیا میں صرف دو نظریے ہی کارفرما نہیں ہیں یعنی سرمایہ داری اور کمیونزم بلکہ ایک تیسرا نظریۂ حیات بھی ہے اور وہ ہے اسلام جو اس قرارداد کی روح ہے۔

ڈاکٹر محمود حسین نائب وزیر خارجہ نے اپنی تقریر کے دوران فرمایا:۔

"یہ تجویز (یعنی قرارداد مقاصد) سیاسی ارتقا کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے"۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے دوران تقریر میں کہا:۔

"پاکستان میں لادینی حکومت کا تصور کبھی کامیاب ثابت نہیں ہوگا"

بیگم شائستہ اکرام اللہ نے کہا:۔

"قرارداد مقاصد کے بعد اسلامی حکومت کا قیام ناگزیر ہے لیکن ہمارا فرض ہے کہ ہم نے جو کچھ کہا ہے اس پر عمل بھی کر کے دکھائیں"۔ (اخبار زمیندار ۱۲ر مارچ ۱۹۵۰ء)

یہ سب اقتباسات ہم نے زمیندار اخبار لاہور مورخہ ۱۲ر مارچ ۱۹۵۰ء سے لئے ہیں۔

اس قرارداد کی ہندو ممبروں نے سخت مخالفت کی۔ وہ اسلامی قانون کے نفاذ کو کب گوارا کر سکتے تھے اور وہی کیا کوئی بھی یورپین عیسائی ملک یا اشتراکی پاکستان میں اسلامی آئین کی تجویز و ترویج کو گوارا نہ کر سکا نہ کر سکتا ہے اور نہ کرے گا۔

۱۹۴۹ء میں ہندوستان کے ہندو اخباروں نے پاکستان میں آئین اسلامی کی سخت مخالفت کی اور پاکستان کو لادینی اسٹیٹ بنانے کے مطالبہ ہائے پے در پے کئے۔ چنانچہ اخبار "ہند" روزنامہ بھارت نے لکھا:۔

"پاکستان کے ذمہ داروں کو چاہئے کہ وہ کیبنٹ کے منسٹر ہوں چاہے لیگ کے لیڈر یا کوئی اور انہیں پاکستان کے اسلامی اسٹیٹ ہونے کا وعدہ چھوڑ دینا چاہئے"۔

باریسال (مشرقی پاکستان) ڈسٹرکٹ کانگریس کمیٹی نے اپنے سواگت سپاسنامہ) میں خواجہ ناظم الدین سے (جو پاکستان کے اس وقت گورنر جنرل تھے) مطالبہ کیا کہ وہ پاکستان کے غیر مذہبی (سیکولر) اسٹیٹ ہونے کا اعلان کر دیں ...... آج کے زمانے میں مذہبی اسٹیٹ بنانا اور اسے مذہب کے نام پر چلانا ممکن نہیں"۔ (روزنامہ ہند ۱ر فروری ۱۹۴۹ء بوساطت امروز اخبار لاہور)

ان حالات میں جبکہ بھارت اور پاکستان کا ہندو طبقہ اور پریس پاکستان میں اسلامی آئین کو ایک آنکھ بھی دیکھنا گوارا نہ کر سکتا ہو وہاں پاکستانی دستور ساز اسمبلی کے ممبر منڈل وغیرہ کب گوارا کر سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے قرارداد کی پر زور مخالفت کی۔

اخبار زمیندار مورخہ ۱۳ر مارچ ۱۹۴۹ء میں ہے:۔

قرارداد کی منظوری | ۱۲ر مارچ ۱۹۴۹ء کو طویل بحث و مباحثہ کے بعد جس میں حزب مخالف کے

ہندو ممبران نے قدم قدم پر رکاوٹ ڈالی مجلس دستور ساز پاکستان نے وزیر اعظم پاکستان کی پیش کردہ تجویز قرارداد مقاصد منظور کر لی۔ وزیر اعظم (لیاقت علی خاں) نے حزب مخالف کے بیانات کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ

"دنیا مادیت کا شکار ہے اور ہم پاکستان میں ایک ایسے معاشرے کو جنم دینا چاہتے ہیں جو انسانیت کے لئے مشعل راہ ہو اور ہم انشاء اللہ قرارداد مقاصد کے مضمرات کو عملی صورت دینے کی پوری کوشش کریں گے۔"

(اخبار زمیندار ۱۳ مارچ ۱۹۴۹ء)

الغرض علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی اور ملک کے دیندار اور بیدار مغز طبقے کی کوششوں اور خواہشات سے قرارداد مقاصد کے ذریعہ طے پا گیا کہ پاکستان ایک اسلامی اسٹیٹ ہوگی جس میں خدائے احکم الحاکمین کا قانون اور حکم جاری ہوگا جس کے لئے چھ لاکھ مسلمان ۱۹۴۷ء کے ہنگامۂ قیامت خیز میں شہید ہوئے تھے اور ساٹھ ہزار مسلمان عورتوں کی عصمت دری ہوئی تھی اور کتنی ہی مسلمان عورتیں ہندوؤں اور سکھوں کے پنجۂ استبداد میں پھنس کر مرتد ہو گئی تھیں۔ الاماں، الحفیظ۔ استغفر اللہ۔

اسی قرارداد مقاصد کے بارے میں جو حضرت شیخ الاسلام کا زبردست شاہکار ہے مولانا محمد متین خطیب کراچی اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:۔

"حضرت شیخ الاسلام کی مسلسل جد و جہد اور گفت و شنید کے نتیجے میں بالآخر وہ قرارداد مقاصد پاس ہو گئی جو دستور کی بنیاد ہے۔ اس کے بعد دستور ساز اسمبلی نے چند ذیلی کمیٹیاں بنا کر کام شروع کیا تو پھر شیخ الاسلام نے یہ سوال اٹھایا کہ دستور سازی میں اسلامی حیثیت اور اسلامی و غیر اسلامی کے فرق کو بتلانے کے لئے کچھ ماہر شریعت علماء کا تعاون بھی حاصل کرنا چاہئے جس کے نتیجے میں مجلس دستور ساز اسمبلی کو مشورہ دینے کیلئے ایک بورڈ پانچ علماء پر مشتمل بنایا گیا جس کا نام "بورڈ آف اسلام" رکھا گیا۔۔۔۔۔ دستوریہ کے ممبر کی حیثیت سے شیخ الاسلام مرحوم نے اسمبلی کے اندر بیٹھ کر جو کچھ کام کیا اس کے نتیجے میں قرارداد مقاصد سامنے آئی۔"

(اخبار انقلاب کراچی اسلامیہ جمہوریہ نمبر اشاعت ۲۴ مارچ ۱۹۵۶ء صفحہ (ب) کالم ۵)

الغرض دستور ساز اسمبلی میں اور اس کے باہر جمعیۃ العلماء کے صدر کی حیثیت سے مسلسل دستور سازی کا کام کرتے رہے۔ اخبار زمیندار لاہور ۸ نومبر کے بعد کی ایک اشاعت میں جمعیۃ العلماء اسلام پاکستان کراچی کی ایک میٹنگ کی کارروائی بایں الفاظ پیش کرتا ہے:۔

"کراچی (ڈاک سے) جمعیۃ العلماء اسلام کی مجلس عمل کے مشاورتی اجلاس منعقدہ ۶-۷ نومبر ۱۹۴۹ء میں شرکت کی غرض سے بنگال، پنجاب، سندھ وغیرہ سے ارکان مجلس عمل تشریف لائے اور ناظم مرکزی کی قیامگاہ پر مسلسل دو روز تک حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی مدظلہ العالی کی صدارت میں اجلاس

منعقد ہوئے۔۔۔۔۔ بحث و تمحیص کے بعد بالاتفاق یہ طے پایا کہ ارکان مجلس عمل کی تعداد میں کسی قسم کی ترمیم باضابطہ کی ضرورت نہیں۔ البتہ تقسیم ہند کے انقلاب کی بناء پر حالات میں جو تغیر واقع ہوا ہے اس کے پیش نظر موجودہ مجلس عمل ایک نیا دستور اساسی مرتب کرے اور جلد از جلد مجلس عاملہ کا اجلاس طلب کیا جائے۔"

یہ کارروائی قرارداد مقاصد کے بعد کی ہے جس سے معلوم ہوا کہ قرارداد مقاصد کے پاس ہونے کے بعد دستور اسلامی کی تدوین کا علامہ عثمانی کو بے حد احساس تھا۔ چنانچہ وہ آخر دم تک اس کام میں لگے رہے اور بقول مولانا احتشام الحق جو انہوں نے مجھ سے کہا کہ شیخ الاسلام مولانا عثمانی علیہ الرحمۃ دستور اسلامی کا ایک ضخیم مسودہ تیار کر چکے تھے جو میرے یعنی مولانا احتشام الحق کے پاس ہے۔

وفات شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی

۱۳ر دسمبر ۱۹۴۹ء مطابق ۲۱ر صفر ۱۳۶۹ھ بروز سہ شنبہ (منگل) گیارہ بجکر چالیس منٹ پر بوقت صبح شیخ الاسلام کا چونسٹھ سال ایک ماہ بارہ یوم کی عمر میں بمقام بغداد جدید (بہاولپور) مخدوم زادہ حسن محمود صاحب وزیر بہاولپور کی کوٹھی پر انتقال ہو گیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ وزیر بہاولپور کی درخواست اور دعوت پر ۸ر دسمبر ۱۹۴۹ء کو جامعہ عباسیہ بہاولپور کی تعمیر جدید کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے بروز جمعہ تشریف لے گئے تھے۔ بیمار تو پہلے سے چلے آرہے تھے۔ کراچی میں وزیر اعظم لیاقت علی شہید کے اصرار پر ڈاکٹر محمد شاہ (ایم شاہ) چیف میڈیکل آفیسر کراچی کا علاج تھا۔ انہوں نے ایک ٹیکہ لگایا تھا اور کھانے کو گولیاں بھی دی تھیں مگر کوئی افاقہ نہ ہوا تا آنکہ فرشتہ اجل سے ملاقات ہوئی۔ مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی سابق استاد دار العلوم دیوبند، مہاجر پاکستان مقیم بہاولپور ثم مہاجر مدینہ منورہ متوفی اکتوبر ۱۹۶۵ء نے آپ کو غسل دیا جو علامہ مرحوم کے شاگرد بھی تھے۔ جنازہ بغداد جدید سے کراچی لایا گیا اور اے۔ ایم قریشی کی کوٹھی پر جہاں مولانا مقیم تھے پہنچایا گیا۔ اگلے روز قریشی صاحب کی کوٹھی سے جنازہ اٹھایا گیا۔ نماز حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی شاگرد عزیز نے پڑھائی اور آپ کے جسد خاکی کو اسلامیہ کالج کراچی کے احاطے میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ نور اللہ مرقدہ۔ ؎

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے ☆ سبزۂ نورستہ تیرے گھر کی دربانی کرے

دستور سازی کا کام اور جمعیۃ العلماء اسلام

آپ کی وفات کے بعد مولانا سید سلیمان ندوی کو ہندوستان سے پاکستان آنے کی دعوت دی گئی۔

انہوں نے کچھ شرطیں پیش کیں، حکومت پاکستان کے ایک عظیم شخص نے جو ہندوستان گئے تھے کہا کہ علامہ شبیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بغیر کسی شرط کے حکومت کے ساتھ مل کر کام کیا اور اپنی شخصیت کے باعث وہ تمام حکومت پر حاوی اور غالب تھے۔ آپ بھی اپنی شخصیت کے ذریعہ اگر چاہیں تو ان پر چھا سکتے ہیں چنانچہ ۱۹۴۹ء میں علامہ عثمانی کی وفات کے بعد وہ پاکستان آگئے اور اسلامی بورڈ کے علما کی انہوں نے قیادت سنبھالی۔ مولانا محمد متین صاحب اپنے مضمون میں لکھتے ہیں۔

"مولانا سید سلیمان صاحب ندوی صدر اور مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا عبدالخالق صاحب سابق پروفیسر کلکتہ، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب اور مولانا جعفر حسین صاحب مجتہد (شیعی عالم) ہر یہ بورڈ شامل تھا جس کے سیکرٹری مولانا ظفر احمد صاحب انصاری مقرر ہوئے۔ ان حضرات نے تقریباً چار سال دستور ساز اسمبلی کے ساتھ ہر مسئلے میں اس کی اسلامی حیثیت کو تحریراً و تقریراً واضح فرمایا۔ اور جب مسودہ دستور مکمل ہو کر سامنے آیا اور اس میں دیکھا گیا کہ بہت سے مسائل میں بورڈ کے مسودوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے تو پورے دستور پر نظر ثانی کر کے ایک مسودہ ترمیمات کا مرتب کر کے حوالۂ اسمبلی کر دیا گیا۔" (انقلاب ۴ مارچ ۱۹۵۶ء)

غرض یہ ہے کہ یہ بورڈ اور دوسرے علما جو مختلف مکتبہ ہائے فکر سے تعلق رکھتے تھے کام کرتے رہے۔ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی، مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کام میں لگے رہے اور حکومت سے کوششیں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ۱۹۵۰ء میں اکتیس (۳۱) علماء و مشائخ اور ۱۹۵۱ء میں تینتیس علماء علما اور مشائخ کو جو تمام دینی جماعتوں کے سربراہ تھے یکجا کر کے متفقہ دستوری سفارشات حکومت کے سامنے پیش کیں اور جب دستوریہ میں ان سفارشات کا ایک بڑا حصہ آ گیا تو دستوریہ توڑ دی گئی۔ اسلامی بورڈ بھی توڑ دیا گیا، پھر مشرقی پاکستان سے مولانا اطہر علی صاحب نائب صدر مرکزی جمعیۃ العلماء اسلام صدر صوبائی جمعیۃ مشرقی پاکستان نے الیکشن لڑنے کے لئے نظام اسلام پارٹی کے نام سے ایک جماعت بنائی جس نے بڑا کام کیا۔ نظام اسلام پارٹی نے ۲۲ نشستیں حاصل کیں جن میں چار ممبر دستور ساز اسمبلی میں منتخب ہو کر آئے۔

ادھر جماعت اسلامی بھی اسلامی آئین کے لئے جدوجہد کرتی رہی۔ مفتی محمد حسن صاحب مہتمم و بانی مدرسہ جامعہ اشرفیہ لاہور صدر رہے اور ان کی صدارت میں بھی مفتی صاحب، مفتی محمد شفیع صاحب و دیگر حضرات مصروف رہے۔ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ وفات پا چکے تھے۔ مفتی محمد حسن صاحب صدر اور مفتی محمد شفیع صاحب نائب صدر رہے۔ دیگر علماء اور مشائخ بھی برابر تعاون کرتے رہے۔ جمعیۃ العلماء اسلام کی دور دور تک تمام ملک کے دونوں حصوں میں تقریباً ایک ہزار شاخیں قائم ہو گئیں۔

الغرض ۱۹۵۶ء میں چودھری محمد علی صاحب کی وزارت کے دور میں مالیہ کو چھوڑ کر باقی اکثر آئین اسلامی مرتب ہو چکا تھا لیکن صد افسوس کہ کابینہ کو معطل کر دیا گیا اور جب مرکزی کابینہ توڑ دی گئی تو قانون بھی ختم ہو گیا۔ اور ساری کی کرائی محنت پر پانی پھیر دیا گیا۔

ایک وقت علماء نے ۲۲ نکات پر مبنی آئین اسلام بنانے کی حکومت سے استدعا کی اور یہ بائیس نکات متفقہ طور پر تسلیم کئے گئے تھے۔

علماء میں تبدیلی خیالات

جمعیۃ العلماء اسلام جو تمام مکتبہ ہائے فکر کے علماء کے لئے کھلی ہوئی تھی اور علامہ عثمانی نے نہایت وسعت قلبی سے تمام قسم کے علماء کو اس میں جوڑ رکھا تھا اور بعد میں بھی ایک عرصے تک آئین اسلام کے مطالبے میں متحد تھے اور اب بھی متحد ہیں لیکن اب علماء مختلف خیالات میں تقسیم ہو گئے۔ ایک طرف تھانوی گروپ مولانا احتشام الحق کی طرف منسوب ہے اس گروپ کے سربراہوں میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اکابر میں شمار ہوتے ہیں لیکن پیرانہ سالی کی وجہ سے دونوں حضرات زیادہ تر درس و تدریس میں مشغول رہتے ہیں۔ کراچی میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے دارالعلوم قائم کر رکھا ہے اور ٹنڈو اللہ یار میں مولانا احتشام الحق صاحب نے جو مدرسہ عربیہ جاری کیا ہوا ہے مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی اس کے شیخ الحدیث ہیں۔ جمعیت پر اب تقریباً مولانا احتشام الحق کا غلبہ ہے۔ مولانا احتشام الحق صاحب کی شہرت اور سیاست مولانا شبیر احمد صاحب کی ممنون ہے اور مفتی محمد شفیع صاحب بھی مولانا شبیر احمد صاحب کے خصوصی اور باعظمت شاگردوں میں سے ہیں انہوں نے ہی مفتی صاحب کو ہندوستان سے بلایا تھا۔

۲۔ دوسری جماعت بریلوی مکتبۂ فکر کی ہے جو "جمعیۃ العلماء پاکستان" کے نام سے موسوم ہے۔ ان کا علیحدہ منشور ہے اور جداگانہ جماعت ہے جو اپنے اغراض و مقاصد کے ساتھ کام کر رہی ہے۔ آج کل اس کے صدر مولانا قمر الدین صاحب سیالوی ہیں۔

۳۔ "جمعیۃ اہلحدیث" ان کا زاویۂ نگاہ دوسرا ہے اور سیاسیات کا مرکز بھی جدا ہے۔

۴۔ چوتھا گروپ "جمعیۃ العلماء اسلام" کا ہے۔ مفتی محمود صاحب اور مولانا غلام غوث ہزاروی اس کے خاص رکن ہیں اور مولانا عبداللہ صاحب درخواستی اس کے صدر ہیں۔ دراصل مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا ظفر احمد صاحب، مولانا احتشام الحق صاحب اور مولانا درخواستی، مفتی محمود صاحب اور مولانا غلام غوث ہزاروی ایک ہی مرتبہ فکر کے آدمی ہیں مگر سیاسیات میں اول الذکر علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور ثانی الذکر یعنی ہزاروی مولانا حسین احمد صاحب مدنی سے متاثر ہیں۔ کاش علما سب ایک ہوتے تو امت کو راحت ملتی۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا | اللہ کی رسی یعنی قرآن کو مضبوطی سے سب مل کر پکڑلو اور فرقے فرقے مت ہو جاؤ۔ ہمیں وحدت کا سبق دیتی ہے۔ کاش تمام مکتبہ ہائے فکر کے علما ایک جگہ جمع ہوں اور اختلافی مسائل کو ختم کر کے ایک خیال پر جمع ہو جائیں اس مقصد کے لئے ان کو باہم مل کر فیصلہ کرنا چاہیئے۔

الغرض علماء نے آئین اسلام کے لانے میں متفقہ طور پر بڑی کوششیں کیں۔ مگر حکومت کے گورنروں اور صدروں، اسمبلی کے ممبروں اور وزراء میں مسلسل اختلاف رہا۔ اس کی داستان امجد میر صاحب کے الفاظ میں سنئے جو مضمون کی شکل میں ۲۴ مارچ ۱۹۵۶ء کے اخبار انقلاب کراچی کے اسلامیہ جمہوریہ نمبر میں شائع ہے اور جو حسب ذیل ہے۔

اس مضمون کے دو تین پیرے ہم اس سے پہلے لکھ چکے ہیں لیکن ترتیب مضمون کے باعث یہ تھوڑی سی عبارت تکرر پیش کی جا رہی ہے۔

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے دسمبر ۱۹۷۱ء تک

دستور سازی کا جائزہ

آئین سازی کی کوششوں کی تاریخ ۱۰ اگست ۱۹۴۷ء کی صبح سے شروع ہوتی ہے اس دن غیر منقسم ہندوستان کے آخری گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے حکم کے تحت نو منتخب شدہ دستوریہ پاکستان کا پہلا اجلاس کراچی میں منعقد ہوا مسٹر لیاقت علی خان کی تحریک اور خواجہ ناظم الدین کی تائید پر دستوریہ کے ایک غیر مسلم رکن مسٹر جوگندر ناتھ منڈل اجلاس کے چیئرمین مقرر ہوئے دستوریہ کے ارکان میں قائد اعظم محمد علی جناح مسٹر ایچ۔ ایس سہروردی۔ لالہ بھیم سین سچر، مسٹر اے کے فضل حق خواجہ ناظم الدین سردار نشتر نواب ممدوٹ وغیرہ جیسی شخصیتیں شامل تھیں۔

قائد اعظم کی صدارت:۔

دوسرے روز متفقہ طور پر قائد اعظم کو دستوریہ کا پہلا پریزیڈنٹ منتخب کیا گیا قائد اعظم نے اس موقعہ پر اپنا وہ یادگار خطبہ دیا جسے نئی اور پرانی دستوریہ میں آج تک بار بار دہرایا جا چکا ہے۔ قائد اعظم نے اس خطبے میں فرمایا۔

"اس ملک میں سیاسی طور پر ہندو ہندو اور مسلمان مسلمان نہیں رہیں گے" ہندوؤں کی طرف سے مخلوط انتخابات کی حمایت میں قائد اعظم کے یہ الفاظ اکثر دہرائے جاتے ہیں۔ ۱۲ اگست کو اسمبلی نے مملکت کے شہریوں اور اقلیتوں کے بنیادی حقوق کے تعین کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی۔ دو یوم بعد چودہ اگست کے دن یوم آزادی کی تقریب کے موقعہ پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن بذریعہ

طیارہ کراچی آئے۔ دستوریہ پاکستان سے خطاب کیا اور اس ملک کے سیاسی افق سے ہمیشہ کے لئے غائب ہو گئے۔

قرارداد مقاصد:۔

دستوریہ کے قیام کے تقریباً ۱۹ ماہ بعد پہلی بار سنجیدگی کے ساتھ دستور بنانے کی کوشش شروع کی گئی۔ ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کے دن اس وقت کے وزیر اعظم مسٹر لیاقت علی خان نے دستوریہ میں دستور کا دیباچہ پیش کیا جو بعد ازاں قرارداد مقاصد کے نام سے مشہور ہو کر تاریخی حیثیت اختیار کر گیا۔ اسے چند ترامیم کے ساتھ موجودہ دستور میں شامل کر لیا گیا ہے۔

بنیادی اصولوں کی رپورٹ:۔

اس کے بعد ۱۲ مارچ کے دن دستوریہ نے ۲۴ افراد پر مشتمل بنیادی اصولوں کی ایک کمیٹی مقرر کی کمیٹی نے ڈیڑھ سال کے طویل غور و خوض کے بعد ۲۸ ستمبر ۱۹۵۰ء کو اپنی عبوری رپورٹ پیش کی۔

۲۱ نومبر ۱۹۵۰ء کو مسٹر لیاقت علی خان نے ایک اور تحریک پیش کی جس میں ان لوگوں کو جو بنیادی اصولوں کی ترتیب کے لئے دستوریہ کو مشورہ دینا چاہتے تھے مشورے بھیجنے کے لئے ۳۱ جنوری ۱۹۵۱ء تک کی مہلت دیتے ہوئے اس کمیٹی پر غور و خوض ملتوی کر دیا گیا۔

وفاقی حکومت:۔

بنیادی اصولوں کی عبوری کمیٹی میں پاکستان کے لئے ایک وفاقی حکومت کی سفارش کی گئی تھی جس میں ایوان زیریں اور ایوان بالا کے نام سے دو ایوان قائم کرنے کی سفارش تھی۔ ایوان بالا میں اس وقت کے چھ صوبوں مشرقی بنگال، پنجاب، سرحد، بہاولپور، سندھ اور بلوچستان کے لئے مساوی نمائندگی اور ایوان زیریں (نمائندگان) میں آبادی کی بنیادوں پر نمائندگی کی رعایت رکھی گئی۔ اس کمیٹی کے مطابق مرکز کو مضبوط رکھا گیا اور وفاقی مرکزی حکومت کا نام صرف پاکستان رکھا گیا۔ اس طرز حکومت میں ایوان زیریں اور ایوان بالا کے مشترکہ اجلاس میں بجٹ پاس کرنے کی رعایت رکھی گئی۔

مشرقی بنگال میں احتجاج:۔

مشرقی بنگال میں بنیادی اصولوں کی عبوری رپورٹ کے خلاف شدید احتجاج کیا گیا۔ مشرقی بنگال کی طرف سے بنیادی اعتراض یہ تھا کہ ان تجاویز کے تحت مشرقی بنگال کو آبادی کی اکثریت والا صوبہ ہونے کے باوجود دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس میں اقلیت کی حیثیت حاصل ہو جاتی تھی انہیں خدشہ تھا کہ ایوان بالا کے ارکان جس میں پانچوں صوبوں کو برابر نمائندگی حاصل ہونے والی تھی دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس میں اکثر مشرقی بنگال کی اکثریت ختم کر دیں گے۔

مسلم لیگ اسمبلی پارٹی نے اس صورت پر غور کیا اس اجلاس میں مشرقی بنگال کے مسلم لیگی لیڈر مسٹر نورالامین نے ان سفارشات پر نکتہ چینی کی۔

مسلم لیگ کے زوال کی ابتداء

عبوری کمیٹی کی رپورٹ شائع ہوتے ہی مشرقی بنگال میں عوامی احتجاج کا سلسلہ شروع ہو گیا اس مرحلے پر عوامی لیگ

کے لیڈر مولانا عبدالحمید بھاشانی وغیرہ نے مسلم لیگ کے خلاف جو اس کمیٹی کی محرک تھی عوامی محاذ قائم کیا اور اس رپورٹ اور خود مسلم لیگ کے خلاف ملک گیر تحریک شروع کر دی اور اعلانیہ طور پر کہا گیا کہ اس رپورٹ کے ذریعہ مغربی پاکستان کے صوبہ پنجاب کو پورے طور پر مسلط کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ عوامی لیگ کا احتجاج رنگ لایا یہ احتجاج بعد ازاں مشرقی بنگال کی تمام سیاسی پارٹیوں کی طرف سے مسلم لیگ کے خلاف متحدہ محاذ کی صورت میں مشرقی بنگال کے سیاسی افق پر چھا گیا۔ متحدہ محاذ نے عام انتخابات میں مسلم لیگ کو عبرتناک شکست دے کر بظاہر مشرقی بنگال سے مسلم لیگ کا وقار ختم کر دیا۔

اسی رپورٹ سے مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان پہلی مرتبہ مساوی نمائندگی کے حق میں آواز اٹھی۔ یہ آواز اتنی قوت پکڑ گئی کہ اس رپورٹ پر ۳۱ر جنوری ۱۹۵۳ء کو دستوریہ کے ایوان میں غور و خوض نہ ہو سکا۔

تعطل:۔

اس تعطل کو دور کرنے کے لئے کئی ماہ تک کراچی اور نتھیا گلی (کوہ مری) میں مشورے ہوتے رہے۔ دو سال کی طویل مدت کے بعد کی بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے اپنی آخری رپورٹ پیش کر دی۔ یہ رپورٹ اس وقت کے وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین نے پیش کی۔ مگر انہوں نے رپورٹ کو دستور کے ایوان میں رکھنے کی تحریک پیش کرنے سے گریز کیا۔

پیرٹی اور پنجاب کی مخالفت:۔

ان کے گریز کی اصل وجہ یہ تھی کہ کمیٹی کی جمہوری رپورٹ کی مخالفت بنگال کی طرف سے ہوئی مگر خواجہ ناظم الدین کی رپورٹ پر پنجاب کی طرف سے شدید نکتہ چینی کی گئی کیونکہ اسمبلی میں پہلی مرتبہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے لئے نمائندگی میں مساوات کا اصول روا رکھا گیا۔

مساوی نمائندگی:۔

اس رپورٹ میں خواجہ ناظم الدین نے مشرقی و مغربی پاکستان کے لئے مساوی نمائندگی کی بنیادوں پر ایوان بالا میں ۱۲۵ اور زیریں میں ۔۔ نشستیں مقرر کیں یہاں تک تو ٹھیک تھا۔

مغربی پاکستان سے بدلہ:۔

لیکن اصل فتنہ یہ تھا کہ مشرقی پاکستان کے مقابلے میں مغربی پاکستان کو نہایت ہوشیاری کے ساتھ پنجاب، سندھ، سرحد، بہاول پور، قبائلی علاقے، بلوچستان، ریاست خیر پور اور وفاقی دار الحکومت ۹ حصوں میں بانٹ دیا گیا یہی نہیں بلکہ اسمبلی میں مغربی پاکستان کے حصہ کی نشستوں کو آبادی کی بنیادوں پر بانٹ دیا گیا۔

مغربی پاکستان کا احتجاج:۔

مغربی پاکستان نے اس رپورٹ کے خلاف شدید احتجاج کیا۔ اس کا موقف تھا کہ مشرقی بنگال کسی ایک چھوٹے صوبے کو اپنے ساتھ ملا کر مغربی پاکستان کو اسمبلی میں اقلیت بنا سکتا ہے۔ یہ مساوی نمائندگی کے اصول کے منافی بات تھی در اصل یہیں سے ایک

یونٹ کی تحریک کی داغ بیل پڑی۔

اس رپورٹ میں مملکت کا نام پاکستان ہی رکھا گیا۔ اسلامی اصولوں کے متعلق ایک دفعہ رکھی گئی جس میں کہا گیا تھا کہ کوئی اسمبلی ایسا قانون بنانے کی مجاز نہیں ہو گی جو قرآن اور سنت کے خلاف ہو۔ صدر مملکت کو اسمبلی کے قوانین کے اسلامی و غیر اسلامی ہونے کے متعلق مشورہ حاصل کرنے کے لئے علماء کا ایک بورڈ قائم کرنے کا بھی اختیار دیا گیا تھا۔

ناظم الدین کی برطرفی:۔

اپریل ۱۹۵۳ء میں اس رپورٹ کو دستوریہ میں پیش کئے بغیر خواجہ ناظم الدین کی وزارت کو برطرف کر دیا گیا۔

محمد علی بوگرہ کا فارمولا:۔

محمد علی بوگرہ کو واشنگٹن سے بلا کر وزارت عظمٰی کے منصب پر فائز کیا گیا انہوں نے جلد از جلد دستور مکمل کرنے کے عہد کے ساتھ حکومت کا نظم و نسق سنبھالا اور اپنی طرف سے مساوی نمائندگی کا ایک فارمولا وضع کیا جو بقول ان کے ناظم الدین رپورٹ سے بہتر تھا انہوں نے یہ رپورٹ ۷ر اکتوبر ۱۹۵۳ء کو ایوان میں پیش کر دی۔

مزید رکاوٹیں:۔

لیکن صورت حال کو بہتر بنانے کی بجائے محمد علی بوگرہ فارمولے نے حالات اور خراب کر دیئے دستور کی راہ میں اور رکاوٹیں اٹھ کھڑی ہوئیں جو اس وقت تو معمولی تھیں مگر ایک سال بعد یہ رکاوٹیں نکتہ عروج پر پہنچیں اور حالات کے دھارے کو بدل دیا۔

فارمولے میں ترمیم:۔

پارٹی کے طویل اجلاسوں اور پس پردہ مشوروں کے بعد بالآخر ایک اور فارمولا تیار ہوا۔ جو در حقیقت محمد علی کا پرانا فارمولا تھا جس میں صرف ایک تحفظ کی دفعہ شامل کر دی گئی جس کا مقصد یہ تھا کہ ایک صوبہ دوسرے پر بالادستی حاصل نہ کر سکے۔

تحفظ کی دفعہ:۔

اس تحفظ کی دفعہ کا مطلب یہ تھا کہ صدر مملکت کے انتخاب اور وزارت پر اعتماد یا عدم اعتماد کی تحریک کا فیصلہ دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس کی اکثریت کرے۔ اس میں یہ شرط بھی تھی کہ ایسے فیصلے میں ملک کے دونوں حصے کے تیس فیصدی نمائندے شریک ہوں۔ اس طریق کار کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا گیا تھا کہ اس دفعہ کے تحت ملک مشرقی اور مغربی علاقوں دو حصوں میں منقسم سمجھا جائیگا۔

مغربی پاکستان کی تقسیم:۔

مشرقی بنگال کے لئے یہ توضیح ٹھیک تھی۔ مگر مغربی پاکستان کے لئے اس میں دقت یہ تھی کہ اس میں بلوچستان، ریاست ہائے بلوچستان، بہاولپور اور وفاقی دار الحکومت، چاروں مختلف علاقوں کو غیر طبعی طور پر ایک یونٹ بنا دیا گیا تھا۔ دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس میں نمائندگی مساوی رکھی گئی۔ نیز مساوات کے اصول کے مطابق یہ فیصلہ کیا گیا کہ صدر مملکت جس حصہ ملک سے منتخب ہوں وزیر اعظم لازماً دوسرے حصہ ملک سے چنے جائیں۔ اس تجویز میں بنیادی اصولوں کی سفارشات

کی تمام دفعات حسب سابق قائم رکھی گئیں۔

ایوان بالا کی ہیئت:-

اس رپورٹ کے مجوزہ ایوان بالا پر جس میں بالواسطہ انتخاب کے چنے ہوئے پچاس نمائندے رکھے گئے۔ شدید نکتہ چینی کی گئی مزید براں نکتہ چینی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس ایوان کو ایوان زیریں جیسے اختیارات دیئے گئے۔ حالانکہ اس میں براہ راست چنے ہوئے نمائندوں کی تعداد ۳۵۰ رکھی گئی۔

پنجاب کی رضامندی:-

لیکن مساوی نمائندگی کا یہ فارمولا لیگ اسمبلی پارٹی نے مسٹر محمد علی بوگرہ کی زیر صدارت منظور کر لیا۔ اس اجلاس میں پنجاب کی طرف سے میاں ممتاز دولتانہ، چودھری محمد علی، مسٹر گورمانی اور ملک فیروز خاں نون بھی شامل تھے۔

مسلم لیگ میں اختلافات:-

لیکن اس رپورٹ کے ایوان میں پیش ہونے (۱۰ اکتوبر ۱۹۵۳ء) اور اس کی منظوری کے ایک سال بعد تک حالات کافی حد تک بدل گئے اور مسلم لیگ کی صفوں میں صوبائی بنیادوں پر اختلافات بڑھ گئے۔

پنجاب کے لیڈروں کو اس وقت ہوش آیا کہ یہ فارمولا جس کا خیر مقدم کیا جا چکا ہے پنجاب کو نقصان پہنچانے کا باعث بنے گا اس کا ازالہ کرنے کیلئے پنجاب کے لیڈروں کی طرف سے علاقائی فیڈریشن اور مغربی پاکستان کو ایک صوبہ بنانے کی تجویز پیش کی گئیں۔

علاقائی فیڈریشن کی تجویز:-

جب ۱۵ ستمبر ۱۹۵۴ء کو محمد علی بوگرہ نے پارلیمان میں مرکز اور صوبوں کے اختیارات کی فہرست پیش کی جس میں مضبوط ترین مرکز رکھا گیا تھا۔ ملک فیروز خاں نون نے علاقائی فیڈریشن کی بر زور حمایت کی۔ ملک شوکت علی (پنجاب) اور عبدالغفار خاں (سرحد) نے حمایت کی۔

مخالفت کا طوفان:-

یہ تجویز پیش ہوتے ہی مشرقی بنگال کے مسلم لیگی لیڈروں نے مخالفت کا طوفان برپا کر دیا اور انہوں نے شدومد کے ساتھ مطعون کرنا شروع کر دیا۔ خان عبدالقیوم خاں (سرحد) خواجہ ناظم الدین اور مسٹر فضل الرحمٰن (مشرقی بنگال) نے ان پر شدید نکتہ چینی کی۔ مسلم لیگ کے لیڈروں اور گروہوں میں اقتدار کے لئے رسہ کشی کی تیز مہم شروع ہو گئی۔ سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا دور شروع ہو گیا۔

پروڈا کی تنسیخ:-

حالات بڑی سرعت کے ساتھ بدلنے لگے۔ ۱۹ ستمبر ۱۹۵۴ء کو دستوریہ نے محمد علی بوگرہ گروپ کے اشارے پر پروڈا ایکٹ کی تنسیخ کا قانون پاس کر دیا کیونکہ خوف تھا کہ گورنر جنرل مشرقی بنگال کے چند مسلم لیگی لیڈروں کے خلاف پروڈا کے تحت کارروائی نہ شروع کر دیں۔

گورنر جنرل کے اختیارات پر وار:-

اس سے دوسرے روز ۲۱ ستمبر کو بوگرہ گروپ کے ایماء پر اسمبلی نے ایک اور قانون پاس کر کے گورنر جنرل سے وزارت توڑنے

کے وہ اختیارات چھین لئے جن کے تحت ناظم الدین وزارت توڑ کر خود بوگرہ کو وزیر اعظم بنایا گیا تھا۔

رپورٹ کی منظوری:-

اسمبلی نے اسی روز ۸۲ ارکان کے ایوان میں صرف ۲۹ ووٹوں کی حمایت اور گیارہ ووٹوں کی مخالفت پر بنیادی اصولوں کی رپورٹ منظور کر کے وعدہ کر لیا کہ یکم جنوری ۱۹۵۵ء کے دن ملک کے اسلامی جمہوریہ ہونے کا اعلان کیا جائے گا۔

گورمانی اور نون کا احتجاج:-

حالات بدتر ہو چکے تھے مسلم لیگ کے لیڈروں کے اختلافات بڑھ کر کشیدگی اور کھچاؤ میں تبدیل ہو چکے تھے اس سے ایک روز پہلے ۱۴ ستمبر کو لیگ اسمبلی پارٹی کے اس اجلاس سے ملک نون اور مسٹر گورمانی احتجاجاً اٹھ کر چلے آئے تھے جس میں پروڈا کی تنسیخ اور گورنر جنرل کے اختیارات کم کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔

خفیہ کارروائیاں:-

رات کے اندھیرے میں گورنر جنرل کے اختیارات کم کرنے کا بل پاکستان کے غیر معمولی گزٹ کی اشاعت کی صورت میں چھاپا جا رہا تھا جس کے بغیر اسے اسمبلی میں منظور نہیں کیا جا سکتا تھا۔

یہ ساری کارروائیاں جس وقت کی جا رہی تھیں۔ پنجاب کا کوئی اہم رکن اسمبلی میں حصہ نہیں لے رہا تھا۔ وہ اس وقت دستوریہ میں واقع چودھری محمد علی کے دفتر میں بیٹھے آئندہ کے لئے طریق کار سوچ رہے تھے۔ دوسرے روز گورنر جنرل غلام محمد کو ایبٹ آباد سے کراچی دوڑنا پڑا۔

ادھر محمد علی بوگرہ مطمئن تھے کہ انہوں نے جو چاہا کر لیا ہے انہیں علم نہیں تھا کہ تقدیر ان کے اور خود ان کی دستوریہ کے مقدر پر کفری ہنس رہی ہے۔

محمد علی بوگرہ کی لاف زنی:-

جس دن اسمبلی نے بنیادی اصولوں کی رپورٹ کے ساتھ گورنر جنرل کے اختیارات کم کرنے کی منظوری دی وزیر اعظم محمد علی بوگرہ تقدیر کے چکر سے بے خبر اپنی کامیابی سے بے انتہا مسرور ہو کر اسمبلی کی عمارت میں پارلیمان کے ایوان کی تعمیر کی رسم کی افتتاح کی تیاریاں شروع کر رہے تھے۔ کیونکہ نئے دستور کے تحت ملک میں دو ایوان بننے تھے اور دستوریہ میں ہال صرف ایک تھا وہ اپنے لاابالی انداز میں یہ کہہ رہے تھے کہ ہم نئے ایوان پارلیمان کو اسلامی جمہوریت کا نمونہ، انفرادی آزادی اور انسانی فلاح کا محافظ بنائیں گے۔

ایوان کا اجلاس۔ دستور منظور کرنے کے لئے جس کا مسودہ سر ایور جیننگس تیار کر رہے تھے منظور کرنے کے لئے ایوان کا اجلاس ۲۷ اکتوبر تک ملتوی کر دیا گیا لیکن اجلاس کے التواء کے فوراً بعد اچانک ایک ایسا ڈرامائی واقعہ پیش آیا جو ان حالات کے پیش نظر متوقع تھا مگر دستوریہ کے برسر اقتدار گروہ کو اپنی سیاسی چالبازیوں کی کامیابی کا اتنا یقین تھا کہ کسی کو اس طرف توجہ مبذول کرنے کا خیال تک نہ آیا۔

لیگی لیڈر اور مسٹر سہروردی:-

بنیادی اصولوں کی رپورٹ کی منظوری کے بعد وزیر اعظم محمد علی بوگرہ شمالی امریکہ کے دورے پر روانہ ہو گئے اس دوران میں مغربی پاکستان کے مسلم لیگی لیڈر نے مسٹر ایچ ایس سہروردی سے جو ان دنوں زیورچ کے ہسپتال میں زیر علاج تھے۔ رابطہ قائم کرنے کی کوشش

شروع کر دیں۔ ایک اخبار نویس نے کراچی سے زیورچ تک کا سفر بھی کیا کچھ دنوں بعد مسٹر سہروردی سے مغربی پاکستان کے لیگی لیڈروں نے ایک بیان حاصل کر لیا جس میں دستوریہ توڑنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ ظاہر ہے مسلم لیگی لیڈر اب سہروردی سے ساز باز کر رہے تھے۔ مشرقی بنگال کے ایک اور عوامی لیڈر مسٹر عطاء الرحمٰن نے کراچی میں گورنر جنرل پاکستان اور بعد ازاں مسٹر سہروردی سے زیورچ میں ملاقات کرنے کے بعد کراچی میں ایک پریس کانفرنس منعقد کی اور کہا کہ گورنر جنرل دستوریہ کو توڑنے کے مجاز ہیں۔

دستوریہ کے خلاف آواز

ظاہر ہے دستوریہ کو توڑنے کا قصد کیا جا چکا تھا مسلم لیگی لیڈروں کی باہمی کشمکش نکتہ عروج پر پہنچ کر کسی ڈرامائی واقعہ کا پیش خیمہ بننے والی تھی۔

خان قیوم کا کردار

محمد علی بوگرہ کے حامیوں نے اپنے ملک واپس آنے کے پیغامات بھیجنے شروع کر دیئے۔ خان عبدالقیوم خاں نے یہاں اپنے مخالفین کو دھمکیاں دینا شروع کر دیں۔ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ خان عبدالقیوم خاں نے بنگال گروپ کے ساتھ کوئی سمجھوتہ کر کے مغربی پاکستان کے موقف کو سبوتاژ کیا تھا اور انہیں توقع تھی کہ چند یوم تک انہیں اس سمجھوتہ کا معاوضہ ملنے والا ہے اور وہ حسب سابق اپنے دشمنوں سے نبٹ لیں گے۔

پہلا ایکٹ

گورنر جنرل نے دستوریہ اور اس کے بنگالی ارکان کا رویہ دیکھ کر خاص طور پر پروڈا ایکٹ کی تنسیخ کے پیش نظر انہوں نے پروڈا کے تحت مغربی اور مشرقی پاکستان کے ان تمام لیڈروں مسٹر کھوڑو، ممتاز دولتانہ، حمید الحق چودھری، قاضی فضل اللہ اور غلام نبی پٹھان کے خلاف پروڈا کے تحت کی ہوئی کارروائی منسوخ کر دی۔

محمد علی بوگرہ کی واپسی:۔

مسٹر محمد علی بوگرہ دوڑتے ہوئے ملک واپس آئے اثنائے سفر میں انہوں نے ہر مقام پر اخباری نمائندوں کو یہی بتایا کہ ملک میں کوئی سیاسی بحران نہیں ہے۔ تیئس اکتوبر کی رات کو، کراچی کے ہوائی اڈے پر انہوں نے حسب معمول نہایت اعتماد کے ساتھ اخباری نمائندوں کو بتایا کہ وہ قائد اعظم کے یوم ولادت کی تقریب تک آئین منظور کرا دیں گے۔

فیصلہ کن رات:۔

جب اخباری نمائندوں نے ان سے ملکی صورت حال اور سیاسی بحران پر رائے زنی کے لئے کہا تو انہوں نے متعجب ہو کر پوچھا "بحران! کیسا بحران" ان باتوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس فیصلہ کن رات کو جو کچھ ہونے والا تھا انہیں اس کا مطلق خیال نہیں تھا۔

اکیلا مسافر

ہوائی اڈے سے نکل کر جب وہ اپنی لیموسین کار میں بیٹھے تو وہ تنہا تھے۔ حالانکہ ان کی بیوی ہوائی اڈے پر ان سے ملنے آئی ہوئی تھیں کار ہوائی اڈے سے نکلی تو انہیں اپنی منزل کا علم نہیں تھا۔ شائد ہوائی اڈے سے کراچی شہر تک پہنچنے کی مختصر سی مدت میں پہلی مرتبہ انہوں نے سنجیدگی کے ساتھ کچھ خدشات محسوس کئے ہوں کہ کیا ہونے والا ہے۔

گورنر جنرل ہاؤس میں:۔ گورنر جنرل ہاؤس میں ان کے اور گورنر جنرل غلام محمد کے درمیان جو کچھ گفت و شنید ہوئی۔ اس کا آج تک انکشاف نہیں ہوا۔ اتنا ضرور ہوا کہ جب محمد علی باہر آئے تو پہلی مرتبہ طویل ہوائی سفر کی تکان سے چور معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے دستوریہ کو توڑنے کی ضرورت کو تسلیم کر لیا تھا۔ جیسے لیڈر بھی اب اس کی غیر نمائندہ حیثیت پر معترض تھے۔

ہنگامی حالات کا اعلان:۔ جس وقت وہ گورنر جنرل ہاؤس سے باہر نکلے ہنگامی حالات کے اعلان کا مسودہ ترتیب پا رہا تھا۔

دستوریہ ختم ہو گئی:۔ اگلے روز ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو اچانک گورنر جنرل نے فرمان جاری کیا۔ جس کے مطابق دستوریہ توڑ دی گئی۔ انہوں نے یہ جرات مندانہ قدم اٹھا کر ملک کو بچا لیا۔ محمد علی بوگرہ کی قیادت میں نئی وزارت قائم کی گئی جس میں جنرل اسکندر مرزا (وزیر داخلہ) اور جنرل محمد ایوب خاں (وزیر دفاع) بھی شامل کرلئے گئے۔ چند روز بعد مرکزی وزارت میں دو اور وزیروں کا غیر متوقع اضافہ ہوا۔ یہ اضافہ ڈاکٹر خان صاحب اور مسٹر سہروردی جیسی شخصیتوں کے مرکزی کابینہ میں حیران کن شمول کے متعلق تھا۔

گورنر جنرل کے فرمان میں ملک میں جلد از جلد عام انتخاب کرنے کا وعدہ تھا۔ وزیر اعظم محمد علی بوگرہ نے بھی اس فیصلے کی تائید کی۔

ڈکٹیٹر شپ کے خلاف استغاثہ:۔ ملک کے ہر جمہوریت پسند طبقے نے گورنر جنرل کے اس فرمان کی تائید کی اور اطمینان کا سانس لیا کہ سازشوں پر مبنی ہوئی مستقبل کی عمارت کی خطرناک بنیادیں ختم کر دی گئی ہیں مگر ملک کے ایک خاص حصے کی طرف سے گورنر جنرل کے اس "غیر جمہوری" اقدام کے خلاف شدید احتجاج کرتے ہوئے گورنر جنرل پر "ڈکٹیٹر شپ" کا الزام عائد کرنے والوں نے گورنر جنرل غلام محمد کی ڈکٹیٹر شپ کے خلاف مولوی تمیز الدین کی طرف سے مقامی چیف کورٹ میں استغاثہ دائر کر دیا اور ان کے فرمان کی آئینی حیثیت کو چیلنج کرتے ہوئے دستوریہ کی آزاد اور خود مختار حیثیت کا دعویٰ کیا۔ پھر گورنر جنرل کی ڈکٹیٹر شپ کے خلاف اسی ماتحت عدالت نے فیصلہ دیتے ہوئے ان کے فرمان کو غیر آئینی قرار دے دیا اور "ڈکٹیٹر" غلام محمد کی حکومت نے صوبے کی ماتحت عدالت کا فیصلہ تسلیم کیا۔

ایک یونٹ کا خاکہ:۔ اس دور سے فائدہ اٹھا کر مغربی پاکستان کے لیڈروں نے مغربی پاکستان کے تمام صوبوں کو ایک وحدت میں مدغم کرنے کی عملی کوششیں شروع کر دیں۔ ایک انتظامی کونسل قائم کی گئی۔ دو صوبائی وزارتیں ختم کر دی گئیں اور تمام صوبائی وزارتوں کی ایک یونٹ کے حق میں منظوری لے لی گئی مسٹر گورمانی اور ڈاکٹر خان صاحب کو بالترتیب مغربی پاکستان کا گورنر اور وزیر اعلیٰ نامزد کر دیا گیا۔ ایک یونٹ کا منصوبہ تقریباً مکمل کر لیا گیا۔

فیڈرل کورٹ میں اپیل:۔ بعد ازاں مرکزی حکومت کی طرف سے فیڈرل کورٹ میں اپیل دائر کی گئی جس نے فیصلہ دے دیا کہ دستوریہ توڑنے کا اقدام آئینی تھا۔ ملک نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس وقت کے وزیر قانون مسٹر ایچ ایس سہروردی نے دستور مکمل کرنے کے لئے ایک دستوری کونسل طلب کرنے کی تجویز پیش کی جسے مخالف پارٹیوں نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

عدلیہ کی بالادستی کا اعتراف:۔ گورنر جنرل نے صورت حال دیکھ کر ۲۰ مارچ کو ایک فرمان کے ذریعہ دستور سازی

کے اختیارات حاصل کر لئے اور ملک میں خطرناک ہنگامی صورت حال کا اعلان کر دیا۔ گورنر جنرل کی طرف سے آئینی خلا دور کرنے کے لئے ان تمام قوانین کی توثیق کر دی گئی جو دستوریہ ختم ہونے کی وجہ سے قانونی حیثیت کھو بیٹھے تھے لیکن ایک معمولی مقدمے کی وجہ سے اچانک حالات نے ایک اور پلٹا کھایا۔ فیڈرل کورٹ نے یوسف پٹیل کے مقدمے میں فیصلہ دیا کہ گورنر جنرل کے توثیق شدہ قوانین آئینی حیثیت نہیں رکھتے۔ ڈکٹیٹر غلام محمد کی حکومت نے عدالت عالیہ کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ غلام محمد کی حکومت کے عزائم اور ارادوں سے عوام کو اسی لئے بے چینی پیدا ہو گئی تھی۔

چنانچہ ۱۶ اپریل کو گورنر جنرل نے بے اثر قوانین کو فیڈرل کورٹ کی مشروط منظوری پر نافذ العمل قرار دیتے ہوئے فیڈرل کورٹ سے اپیل کی کہ وہ ان قوانین کی حیثیت کے متعلق جلد از جلد فیصلہ دے۔ مرکزی حکومت نے وفاقی عدالت کے مشورے پر گورنر جنرل کے دستوریہ توڑنے کے فرمان اور آئندہ دستور سازی کیلئے دستوری کونشن طلب کرنے کے سوال پر بھی عدالت کی رائے طلب کر لی۔

بحران کا اختتام:۔ ۱۰ رمئی ۵۵ء کے تاریخی دن کو وفاقی عدالت نے گورنر جنرل کے دستوریہ توڑنے کے فرمان کی توثیق کر دی اور یہ فیصلہ کیا کہ وہ نئی دستور ساز اسمبلی قائم کرنے کے مجاز ہیں اور اس اسمبلی کے قیام تک عبوری مدت کے لئے قوانین کی توثیق کرنے کے مجاز ہیں۔ ملک کے ہر حصے میں ان فیصلوں کا خیر مقدم کیا گیا اور جس آئینی بحران کا خدشہ پیدا ہو چکا تھا وہ دور ہو گیا۔ وفاقی عدالت نے نئی دستوریہ کے لئے انتخابات کی شرط بھی عائد کر دی جس سے غیر نمائندہ دستوریہ منتخب ہونے کا امکان ختم ہو گیا۔ اس طرح عدالت کو دستوریہ کی نمائندہ یا غیر نمائندہ حیثیت کا فیصلہ کرنے کا بھی اختیار حاصل ہو گیا گورنر جنرل کے مضبوط اقدام اور عدلیہ کے آزادانہ فیصلوں میں ملک کی بحرانی کیفیت دور کر کے اسے ایک صحت مند جمہوریت کی شاہراہ پر گامزن کر دیا۔ ملک کی خوش قسمتی تھی کہ یہ تیسیا کی طرح پاکستان کے وجود سے چمٹی ہوئی سست الوجود دستوریہ ختم ہو گئی۔

نئی دستوریہ کا انتخاب:۔

چنانچہ ۲۸ رمئی گورنر جنرل نے ۸۰ نمائندوں پر مشتمل ایک نئی دستوریہ کے قیام کا اعلان کیا اور اس کے لئے بالواسطہ انتخابات کے لئے ۲۱ رجون ۵۵ء کی تاریخ مقرر کی۔ انتخابات ہوئے اور ۷ رجولائی کو نئی دستوریہ کا پہلا اجلاس کوہ مری میں منعقد ہوا اور ملک میں جمہوری آئین کے لئے توقعات پھر ابھرنے لگیں۔

مطالبہ پیمانہ تھا:۔ دستوریہ توڑنے کی کارروائی جس مطالبہ کی بنا پر عمل میں لائی گئی وہ نیا نہیں تھا یہ مطالبہ ۱۹۴۹ء میں بھی کیا گیا۔ لیاقت علی خان اور ناظم الدین کے دور میں اس دستوریہ میں متنازعہ آئین سازی کا کام اسی بنا پر کرنے سے گریز کیا جاتا رہا کہ خود ان قائدین کو یقین تھا کہ دستوریہ کی حیثیت غیر نمائندہ سی ہے مشرقی بنگال میں مسلم لیگ کی شکست کے بعد تو یہ مطالبہ اور بھی زور دار ہو گیا اور یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ کم از کم دستوریہ کے نصف ارکان مشرقی پاکستان کے نمائندہ نہیں رہے۔

ایک یونٹ کا قانون:۔ اسی دوران میں ایک یونٹ کے قیام کے انتظامات مکمل ہو چکے تھے۔ ایک یونٹ کے قیام کی اصل

اصل وجہ پاکستان کے مابین نمائندگی کا تنازع تھا جو ملک کے دونوں حصوں کی مخصوص جغرافیہ کی پوزیشن کے مشرقی پاکستان کا رقبہ مغربی پاکستان سے تقریباً پانچ گنا کم مگر آبادی اس سے سراسر زیادہ تھی۔ ان حقائق کی وجہ سے ایسی الجھنیں پیدا ہو گئیں جو دستور سازی کی راہ میں دستوریہ ٹوٹنے تک حائل رہیں۔ بلکہ یہی جھگڑا دستوریہ ٹوٹنے تک حائل رہیں بلکہ یہی جھگڑا دستوریہ کے سازشی ماحول کا ذمہ دار تھا۔ دستوری تعطل کی ذمہ داری نمائندگی کے جھگڑے پر تھی جسے حل کرنے کے لئے میاں افتخار الدین (آزاد) نے ۱۹۵۲ء میں تجویز پیش کی کہ مغربی پاکستان میں لسانی بنیادوں پر ذیلی فیڈریشن قائم کر دی جائے اور پھر مشرقی اور مغربی پاکستان کو ملا کر ایک کنفیڈریشن بنائی جائے جس میں مرکز کو صرف تین امور پر اختیار حاصل ہو۔ اس وقت تو مغربی پاکستان کے لیڈروں نے اس تجویز کو قابل اعتنا نہ سمجھا۔ مگر جب محمد علی بوگرہ نے ۱۵ ستمبر ۱۹۵۴ء کو صوبائی مرکزی اختیارات کی فہرست پیش کی تو ملک فیروز خاں نون نے کنفیڈریشن اسکیم کی تجویز پیش کی جس کی مخالفت خواجہ ناظم الدین اور فضل الرحمٰن کی طرف سے کی گئی دستوریہ ٹوٹنے کے ایک ماہ تین دن پیشتر ملک نون نے جو ان دنوں وزیر اعلیٰ پنجاب تھے مغربی پاکستان کے لیڈروں کی ایک کانفرنس لاہور میں بلا کر اس مسئلے پر ان کی حمایت حاصل کی۔ مگر بنگالی ارکان اپنی بات پر اڑے رہے۔ تاہم اس نظریہ کی مشرقی پاکستان سے مسٹر اے کے فضل الحق اور مغربی پاکستان سے خان عبدالغفار خاں نے بھی حمایت کی۔ تاہم بعد ازاں اس تجویز کو ختم کر کے ایک یونٹ کے منصوبے کو مکمل کرنے پر کوششیں مرکوز کر دی گئیں۔

نئی دستوریہ کا اولین اجلاس:۔ نئی دستوریہ کا اجلاس ۷ رجولائی ۱۹۵۵ء کو مری میں شروع ہوا مگر اصل کارروائی آٹھ اگست کے اجلاس کراچی سے شروع ہوئی اس دستوریہ نے سب سے پہلا کام ایک یونٹ کا بل منظور کرنے کا کیا مغربی پاکستان کے لیڈروں نے اسمبلی میں یونٹ کے حق میں تقریریں کرتے ہوئے بتایا کہ مشرق اور مغرب کے درمیان مساوی نمائندگی کا اصول مغربی پاکستان کا یونٹ قائم کے بعد ہی با اثر ثابت ہو سکتا ہے۔

یہاں تک کا مضمون ہم نے امجد میر سے لیا ہے۔ اس کے بعد ہم تاریخ پاک و ہند مولفہ ایم۔ اے قدوس ایم اے کی مولفہ تاریخ کی روشنی میں آگے چلتے ہیں۔ غلام محمد صاحب گورنر نے بوگرہ وزارت کو جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں اکتوبر ۱۹۵۴ء میں توڑ دیا تھا۔ مگر اس وزارت کو توڑ دینے کے بعد پھر بوگرہ صاحب ہی کو نئی کابینہ بنانے کی دعوت دی گئی تھی جو کام کر رہی تھی اسی میں سکندر مرزا اور محمد ایوب خاں صاحب وزارت دفاع میں لئے گئے تھے۔

ملک غلام محمد گورنر کے دور میں نئی دستوریہ اور چوہدری محمد علی:۔ مئی ۱۹۵۵ء میں نئی دستور ساز اسمبلی کا انتخاب ہوا جس کا انتخاب صوبائی مجالس قانون سازنے کیا اس میں متحدہ محاذ کے لیڈر مسٹر فضل الحق مشرقی پاکستان کے اور عوامی لیگ کے کئی ارکان نئی دستوریہ کے لئے چنے گئے۔ نئی دستوریہ کی مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی نے محمد علی بوگرہ کو نظر انداز کر کے چوہدری محمد علی صاحب کو وزیر اعظم چن لیا۔

ملک غلام محمد کی علیحدگی ۶ اکتوبر ۱۹۵۵ء:۔ ملک غلام محمد کا تمام جسم رعشے سے لرزاں تھا اور جسم پر فالج کا اثر تھا۔ وہ کام

کرنے کے بالکل قابل نہ تھے بلکہ دماغی توازن بھی کھو بیٹھے تھے۔ ان حالات میں میجر جنرل سکندر مرزا آگے بڑھے اور انہوں نے گورنری کا جام آگے بڑھ کر اٹھا لیا۔ کہنے کو کہا جاتا ہے کہ ملک صاحب ۶ر اکتوبر ۱۹۵۵ء کو مستعفی ہو گئے کیونکہ بیماری کی وجہ سے ملک صاحب کو آرام کرنے کا مشورہ دیا گیا اور ان کی جگہ یعنی قائمقام گورنر جنرل مرزا صاحب بنے تھے کیونکہ چھٹی کے بعد ملک صاحب نے استعفا دیدیا تھا مگر ہماری معلومات یہ ہیں کہ سکندر مرزا بزور بازو ایک ناکارہ بیمار گورنر سے استعفا لینے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

سکندر مرزا گورنر و صدر پاکستان
از ۶ر اکتوبر ۱۹۵۵ء تا ۱۹۵۸ء دور وزیر اعظم چوہدری محمد علی

چوہدری محمد علی کی وزارت کے دوران سکندر مرزا ۶ر اکتوبر ۱۹۵۵ء کے بعد صدر بن گئے چوہدری صاحب نے چھ ماہ کی مدت میں پاکستان کے لئے ایک نیا دستور بنا لیا جس میں قرارداد مقاصد کے اصولوں کو بنیاد کے طور پر تمہید کے طور پر شامل کیا۔ اس دستور کی رو سے ملک میں پارلیمانی نظام رائج کیا گیا۔ دونوں صوبوں کو مساوی نمائندگی دی گئی۔

نفاذ دستور ۲۳ر مارچ ۱۹۵۶ء

چوہدری صاحب کے دور وزارت میں بنایا گیا قانون ۲۳ر مارچ ۱۹۵۶ء کو یوم قرارداد پاکستان "بمقام ۲۳ر مارچ لاہور ۱۹۴۰ء کے موقع کے مناسب نافذ کر دیا گیا۔ گویا نو سال بعد پاکستان اسلامی جمہوریہ بنا اور نئے قانون کی بنا پر انگریزوں کا قانون ختم ہوا اور گورنر جنرل کا عہدہ جو حکومت برطانیہ کے زیر اثر تھا ختم ہو کر اب پاکستان کا گورنر "صدر پاکستان" کہلانے کا حقدار ٹھہرا۔

ون یونٹ ۱۹۵۶ء :۔ مغربی پاکستان کے تمام صوبوں کو توڑ کر ایک یونٹ بنانے کی تحریک غلام محمد جنرل کے زمانے میں ہوئی اور انکی گورنری کے بعد ون یونٹ بن گیا۔ ون یونٹ میں ڈاکٹر خان صاحب کو جو عبد الغفار سرحدی گاندھی کے بھائی تھے وزیر اعظم بنایا گیا۔ مسلم لیگ کے ارکان مسٹر عبد الرب نشتر اور اسماعیل صاحب چندریگر کو یہ بات ناگوار تھی کہ مسلم لیگ پارٹی سے وزیر اعظم لینے کی بجائے کانگریسی کو وزیر اعظم کیوں بنایا گیا۔ سکندر مرزا نے "ری پبلکن پارٹی" بنا کر اس تنازع کو ختم کیا گویا بزور بازو ڈاکٹر خان کو سنبھالا دیا۔

چوہدری محمد علی کا استعفا
۶ر ستمبر ۱۹۵۶ء

مسلم لیگ کے ارکان کو یہ بات بھی پسند نہ آئی انہوں نے ڈاکٹر خان کو مسلم لیگ میں شرکت کی دعوت دی تھی مگر وہ پکے کانگریسی تھے انہوں نے یہ شرکت مسترد کر دی۔

پاکستان میں کانگریس کا جال :۔ پاکستان میں بے شمار کانگریسی خیال کے مسلمان موجود ہیں اور انہوں نے یہاں آکر بڑے فوائد حاصل کئے ہیں لیکن وہ تاہنوز کانگریسی خیال پر پختہ ہیں۔ وہ پاکستان کو ابھی تک دل سے نہیں مانتے تو ڈاکٹر خان مسلم لیگ کی شرکت کو کیسے گوارا کرتے۔ عبد الغفار خان بھی گاندھی کے بھائی ہیں اور پاکستان کے مخالف ہو کر کابل میں بیٹھے ہیں۔

الغرض مسلم لیگ نے فیصلہ کیا کہ یا تو ون یونٹ کا وزیر مسلم لیگی ہونا چاہئے ورنہ ہم اپوزیشن (حزب مخالف) کا کردار ادا کریں گے چنانچہ مرکزی کابینہ کے تمام مسلم لیگی ممبروں نے استعفے دیدیئے اور انہی کے ساتھ چوہدری محمد علی صاحب نے بھی استعفا

دیدیا اس طرح ۶ر ستمبر ۱۹۵۶ء کو ان کی وزارت کا خاتمہ ہو گیا اور کابینہ ٹوٹ گئی۔

شہید سہروردی وزارت
ستمبر ۱۹۵۶ء تا اکتوبر ۱۹۵۷ء

اب شہید سہروردی وزیر بنے لیکن مخلوط انتخاب کے خیال کے باعث اور پھر نہر سویز پر برطانیہ کے حملے میں مصر کے خلاف بیان دینے کے باعث ان سے پبلک کو نفرت ہو گئی۔ اب ملک میں تین پارٹیاں برسر پیکار تھیں "مسلم لیگ"، "ری پبلکن" شہید سہروردی کی "نیشنل عوامی پارٹی"۔ نیشنل عوامی پارٹی جس کا ساتھ دیئے بغیر وزارت کامیاب رہ سکتی تھا۔ اول الذکر دونوں پارٹیاں یکساں قوت کی مالک تھیں مگر نیشنل عوامی پارٹی ون یونٹ کی مخالف تھی۔ ادھر ری پبلکن بھی ون یونٹ کے حق میں تھی۔ لہٰذا سکندر مرزا نے شہید سہروردی کو وزارت سے علیحدہ کر دیا۔

اسماعیل ابراہیم چندریگر کی وزارت
از اکتوبر ۱۹۵۷ء تا دسمبر ۱۹۵۷ء

مارشل لاء ۱۹۵۸ء سے پہلے ملک فیروز خان نون پاکستان کے وزیر اعظم تھے۔ ان کے زمانے میں صوبوں میں وزارتی بحران اپنی انتہاء کو پہنچ گیا۔ اسی بحران میں ۹ر مئی ۱۹۵۸ء کو ڈاکٹر خان وزیر اعظم مغربی پاکستان، کو عطا محمد ایک شخص نے قتل کر دیا ان کے بعد عبد الرشید صاحب صوبہ سرحد کے وزیر اعظم مغربی پاکستان بنے لیکن وہ ری پبلکن کے آدمی نہ تھے لہٰذا انہیں ہٹا کر مظفر علی قزلباش کو مغربی پاکستان کا وزیر اعظم بنایا گیا۔ یہ انگریز کے زمانے میں یونینسٹ پارٹی کے آدمی تھے۔

مشرقی پاکستان میں وزارت کے جھگڑے :۔ مشرقی پاکستان میں بھی وزارتوں میں رسہ کشی تھی وہاں بھی وزارتیں بنتیں اور ٹوٹتیں۔ اسی لئے نہرو نے کہا تھا کہ جتنے پاجامے میں بدلتا ہوں اسی طرح پاکستان میں وزارتیں بدلتی ہیں۔

۲۳ر ستمبر ۱۹۵۸ء کو مشرقی پاکستان کی اسمبلی کے ڈپٹی اسپیکر شاہد علی کو مخالفین نے حملہ کر کے ختم کر دیا۔ وہاں متحدہ محاذ اور عوامی لیگ کے درمیان سخت جنگ تھی۔

اقتصادیات :۔ ان حالات میں پاکستان کی اقتصادیات کا شیرازہ منتشر ہو کر رہ گیا اور صنعتی ترقی بھی رک گئی جس سے ملک کے خزانے پر بہت برا اثر پڑا۔ زراعتی میدان میں بھی ترقی رک گئی۔

ملک کی زبوں حالی

پاکستان لاکھوں مرد، عورتوں اور بچوں کی قربانی کے بعد بنا تھا۔ لیکن ذاتی اقتدار، حکومت کی ہوس اور بے راہ[illegible] نے پاکستان کے وقار کو ختم کر کے رکھ دیا تھا۔ ان ساتھ سالوں میں سات وزیر آئے اور گئے۔ سیاسی، اقتصادی اور اخلاقی قدریں پامال ہو چکی تھیں۔ باہر کے ملکوں میں ہمارا وقار ختم ہو رہا تھا۔ خزانہ خالی ہو چکا تھا، سمگلنگ، چور بازاری، رشوت ستانی، بلیک مارکیٹ زوروں پر تھی یہ سب کچھ سکندر مرزا کے دور میں ہوا۔ جب حالات اس درجے تک پہنچ گئے تو مارشل لاء آن پہنچا۔

پاکستان میں مارشل کا نفاذ ۲۰ر اکتوبر ۱۹۵۸ء، دستور ۱۹۵۶ء منسوخ :۔ ان حالات میں سکندر مرزا صدر[illegible]

نے ۷ر اکتوبر ۱۹۵۸ء کی رات میں ایک اعلان کے ذریعہ ۱۹۵۶ء کے آئین منسوخ کرکے مارشل لاء کا نفاذ کردیا۔ مارشل لاء کے ناظم اعلیٰ خان محمد ایوب خاں جو افواج پاکستان کے سالار تھے بنائے گئے صوبائی اور مرکزی حکومتیں توڑ دی گئیں۔ تمام سیاسی پارٹیاں ختم کردی گئیں۔ لیکن مارشل لاء کے ناظم اعلیٰ نے اس وقت کے حالات کا جائزہ لے کر یہ نتیجہ نکالا کہ سکندر مرزا جو ملک کی تباہی کا باعث بنا ہے اس کو راستے سے ہٹایا جائے۔

۲۷ر اکتوبر ۱۹۵۸ء کو سکندر مرزا مستعفی ہوگئے: چنانچہ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے صدر سکندر مرزا سے بزور بازو استعفا لے لیا اور سکندر مرزا ۲۷ر اکتوبر ۱۹۵۸ء کو مستعفی ہوگئے اور ملک سے باہر چلے گئے۔ اور ۱۹۶۹ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔

صدر محمد ایوب خاں از ۲۷ر اکتوبر ۱۹۵۸ء تا ۲۵ر مارچ ۱۹۶۹ء: گذشتہ حالات میں صدر محمد ایوب خاں نے ملک کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی اور دس سال تک بڑی شان سے حکومت کی ان کے زمانے میں امن قائم ہوا افراتفری جاتی رہی۔ آئے دن کی وزارتوں کا بننا اور بگڑنا ختم ہوا۔ تجارت، صنعت اور زراعت میں ترقی ہوئی۔ دس سال کے مسلسل امن کے زمانے میں کارخانے کھلے، باہر کے ملکوں سے تعلقات پیدا ہوئے۔ مہاجرین کی آبادکاری ہوئی۔ کلیموں کے معاوضے ملے۔ مکانات کی مستقل الاٹمنٹیں ہوئیں۔ معاشی استحکام پیدا ہوا۔ زرعی اصلاحات ہوئیں۔ خود غرض سیاستدانوں کو سیاست سے دور رکھنے کے لئے ایبڈو کا قانون نافذ کیا۔ اسلام آباد نہایت خوبصورت دارالخلافہ راولپنڈی کے قریب بنایا گیا۔ (تاریخ بی۔ اے کورس ایم۔ اے۔ قدوس ایم۔ اے)

صدارتی نظام اور صدارتی طرز کا قانون: صدر محمد ایوب خاں نے سوچا کہ پاکستان میں پارلیمانی نظام ناکام رہا ہے لہٰذا انہوں نے صدارتی نظام کو جیسا کہ امریکہ میں ہے جاری کرنا پسند کیا اور صدارتی طرز کا قانون پیش نظر رکھ کر منظور قادر وزیر قانون کے یہ کام سپرد کیا۔ نئے دستور میں "مضبوط صدر" کا انتظام کیا گیا۔ صدر چاہے تو اسمبلی کے پاس کئے ہوئے قانون کو مسترد کردے۔ اسمبلی کا اجلاس طلب کرنے، ملتوی کرنے اور اسمبلی کو توڑ ڈالنے کے اختیارات اس قانون میں رکھے گئے۔ بنیادی جمہوریتوں کا طریقہ رائج کیا گیا۔ غرضکہ یہ دس سال امن کے گذرے۔

جنگ پاک و بھارت از ۶ر ستمبر ۱۹۶۵ء تا ۲۳ر ستمبر ۱۹۶۵ء: ۶ر ستمبر ۱۹۶۵ء کو بھارت نے لاہور، سیالکوٹ اور دیگر پاکستان کی سرحدوں پر حملہ کردیا اور پاکستان کی سرحدوں میں گھس آئے۔ پاکستان کی بہادر فوج نے بھی بھارت کا کافی رقبہ فتح کرلیا۔ کشمیر میں چھمب اور جوڑیاں فتح کرلئے اور ادھر فیروزپور تک پہنچ گئے کھیم کرن بھی فتح کرلیا گیا۔ ہمارے قبضے میں بھارت کا ۱۶ سو مربع میل علاقہ تھا اور ان کے قبضے میں ہمارا چار سو مربع میل علاقہ تھا۔ بالادستی پاکستان کو حاصل تھی۔

اس جنگ میں فوج اور قوم نے دنیا کو اپنی بہادری اور قومیت کے جوہر دکھائے۔ دنیا پاکستان کی افواج کو مان گئی اور پاکستان کی عظمت اور وقار کو صدر ایوب کے زمانے میں جنگ کے بعد چار چاند لگ گئے۔

صدر محمد ایوب کا زوال: پاک بھارت جنگ کو سلامتی کونسل نے روک دیا۔ روس نے صدر ایوب خاں اور بھارت کے وزیر اعظم لال بہادر شاستری دونوں کو تاشقند بلایا اور دونوں کا فیصلہ کرادیا کہ فوجیں اپنی اپنی سرحدوں کو واپس جائیں اور آئندہ باہمی مذاکرات سے اختلافات کو دور کیا جائے۔ اس طرح روس نے سب کئے کرائے پر پانی پھیر دیا۔

یہ فیصلہ قوم پاکستان کو ناگوار گزرا۔ صدر ایوب خاں جب واپس آئے تو اسلام آباد کے اڈے پر ان کا سیاہ جھنڈیوں سے استقبال کیا گیا۔

اس موقعے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ملک کے لیڈر اٹھ کھڑے ہوئے جو عرصے سے اقتدار سے محروم تھے۔ طلبا کی طرف سے صدر کے خلاف تحریک شروع ہوئی اور بعد ازاں پاکستان کے لیڈر میدان میں آگئے۔ روزانہ جلسے جلوس، ہڑتالیں، مظاہرے، آتش زنی، لوٹ غارت کے بازار گرم ہوگئے یہاں تک کہ صدر نے راولپنڈی میں گول میز کانفرنس پر لیڈروں کو بلایا۔

گول میز کانفرنس کے مدعوین: ان لیڈروں میں ممتاز دولتانہ، نصراللہ خاں، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، ذوالفقار علی بھٹو، خان عبدالقیوم وغیرہم مغربی پاکستان سے اور مشرقی پاکستان سے مولوی فرید احمد، نورالامین صاحب، چودھری فضل القادر وغیرہم صدر محمد ایوب خاں کی طرف سے مدعو ہوئے لیکن ان سب نے کہا کہ جب تک شیخ مجیب الرحمٰن کو نہ چھوڑا جائیگا اور وہ شریک نہ ہونگے ہم کانفرنس میں شامل نہ ہونگے۔ شیخ مجیب الرحمٰن اس زمانے میں اگرتلہ سازش کیس کے باعث نظر بند تھے جو اب خود مختار بنگلہ دیش کے سلسلے میں آج مورخہ ۲۶ر دسمبر ۱۹۷۱ء تک ۲۵ر مارچ ۱۹۷۱ء سے مغربی پاکستان میں نظر بند ہیں۔ صدر محترم نے کہا کہ ان کو عارضی طور پر چھوڑا جاسکتا ہے مگر لیڈران کرام نہ مانے بالآخر صدر نے مجبور ہوکر انہیں چھوڑدیا۔ شیخ مجیب راولپنڈی آئے تو انہوں نے شیخ صاحب سے پوچھا کہ مشرقی پاکستان میں بھارت سے اسلحہ آرہا ہے لیکن انہوں نے نفی میں جواب دیا مگر دال میں کچھ کالا ضرور تھا۔ شیخ صاحب پر مقدمے کی سماعت ایس اے رحمان چیف جج ریٹائرڈ کر رہے تھے۔ وہاں کے لوگوں نے ان پر حملہ کردیا اور انہوں نے ننگے پاؤں بھاگ کر کسی جگہ جان بچائی اور پھر ہوائی اڈے پر پہنچ کر مغربی پاکستان آگئے۔ مقدمے کا تمام ریکارڈ حملہ آوروں نے تلف کردیا۔

بہر حال حالات درست نہ ہوئے ملک میں فسادات کا بازار گرم رہا۔ صدر ایوب نے قوم سے مخلصانہ اپیل کی اور ریڈیو پر کہا قوم دس سال کے امن سے اکتا گئی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ صدر میں بشری حیثیت سے بعض کوتاہیاں بھی تھیں جن کا انہیں خود اعتراف تھا اور زیادہ تر ان کے بیٹوں کی نالائقیوں سے ملک کے لوگوں کو نفرت ہوئی۔ مجبور ہوکر صدر محمد ایوب خاں مستعفی ہوگئے۔ صدر محمد ایوب خاں نے جو قانون بنایا وہ اسلامی قانون نہ تھا قرارداد مقاصد اب بھی ریکارڈ میں تھی اور یہی ۱۹۵۶ء کا رہا سہا اسلامی آئین پہلے ہی ختم ہوچکا تھا۔

صدر محمد یحییٰ خاں
۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء تا ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء

بہرحال صدر جنرل محمد ایوب خاں ملکی اور غیر ملکی سیاست کا شکار ہو گئے چونکہ انہوں نے اپنی خارجہ پالیسی کو آزاد رکھا تھا اور امریکہ کے ساتھ سیٹو اور سنٹو کے معاہدات کے باعث چین اور روس ناراض تھے اس لئے انہوں نے پشاور سے امریکہ کا اڈہ اٹھوا دیا۔ اب روس اور چین کا غبار تو رفتہ رفتہ چھٹ گیا لیکن امریکہ دشمن ہو گیا۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں اگرچہ پاکستان کو کامیابی تو ہوئی لیکن معاہدۂ تاشقند میں روس کے دباؤ نے سب کچھ کئے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ صدر محمد ایوب سے قوم خفا ہو گئی۔ ادھر ذوالفقار علی بھٹو صاحب کی گرفتاری نے ملک میں اور ہیجان پیدا کر دیا وہ اس سے پہلے اپنی تقریروں میں کسانوں، مزدوروں اور طلباء و عوام کی ہمدردی حاصل کر چکے تھے۔ ذوالفقار علی صاحب کو گرفتار کرنے کے بعد ایئر مارشل اصغر خاں میدان میں آ گئے انہوں نے بھی محمد ایوب خاں صاحب کی مخالفت کی بہرحال اندرونی اور بیرونی خلفشار کے باعث صدر محمد ایوب خاں ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء کو مستعفی ہو گئے اور اپنی جگہ چیف کمانڈر افواج جنرل محمد یحییٰ خاں صاحب کو صدر بنا گئے انہوں نے آتے ہی مارشل لاء جاری کیا جس کی رو سے جلسے، جلوس، تقریریں، بھڑکانے والی تحریریں، لیڈروں کی ایک دوسرے پر شعلہ فشانیوں اور ملک میں افراتفری کرنے والوں اور سیاسی جماعتوں پر پابندی لگا دی اور اس طرح ملک میں امن برقرار رہا ورنہ سارا ملک انتشار کا شکار ہو گیا تھا۔ صدر نے یہ بھی کہا کہ جلد حالات سازگار ہوتے ہی غیر جانبدارانہ اور منصفانہ بالغ رائے عامہ کے ذریعے انتخاب کرایا جائے گا۔

الیکشن کی تیاریاں
یکم جنوری ۱۹۷۰ء

اس عرصہ کے بعد الیکشن کی خاطر ملک میں سیاسی لیڈروں اور آزاد ملکی رہبروں کو تقریروں اور تحریروں جلسوں اور جلوسوں کی اجازت دیدی گئی چنانچہ بیسیوں سیاسی پارٹیاں میدان میں نکل پڑیں۔ بارہ کروڑ کے ملک میں مذاق کے طور پر بارہ کروڑ لیڈر تھے۔ مغربی پاکستان میں مسلم لیگ خان عبدالقیوم خاں کی۔ کونسل لیگ ممتاز دولتانہ کی عوامی جمہوریہ میاں نورالامین اور نصراللہ خاں کی نیشنل عوامی پارٹی سرحد میں ولی خاں ولد خان عبدالغفار کی۔ استقلال پارٹی اصغر خاں کی پیپلز پارٹی ذوالفقار علی بھٹو کی۔ جماعت اسلامی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی جمعیۃ العلماء پاکستان مولانا قمرالدین سیالوی کی۔ جمعیۃ العلماء اسلام ۱ مولانا احتشام الحق تھانوی کی زیر اثر شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ۔ جمعیۃ العلماء اسلام ۲ مولانا عبداللہ درخواستی، مفتی محمود اور مولانا غلام غوث ہزاروی کی وغیرہ۔ بنگال مشرقی پاکستان میں سب سے بڑی پارٹی عوامی لیگ شیخ مجیب الرحمٰن کی۔ نظام اسلام پارٹی مولوی فرید مرحوم کی۔ نیشنل عوامی مولانا عبدالحمید بھاشانی کی جو آجکل بھارت کے زیر سایہ کلکتے بھاگ کر چلے گئے ہیں اور خدا جانے کون کون سی پارٹیاں تھیں۔ یہ سب پارٹیاں الیکشن کے میدان میں کود پڑیں۔

غیر جانبدارانہ مرکزی الیکشن
۷ دسمبر ۱۹۷۰ء و صوبائی ۱۷ دسمبر ۱۹۷۰ء

۷ دسمبر ۱۹۷۰ء کو مرکزی الیکشن ہوا جس میں سندھ اور پنجاب سے پیپلز پارٹی بڑی اکثریت سے کامیاب ہوئی اور مشرقی پاکستان میں مجیب کی عوامی لیگ بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئی پولنگ سٹیشنوں پر حکومت نے زبردست انتظامات کئے تھے خیال تھا کہ کشت و خون کی ندیاں بہہ جائیں گی لیکن پاکستان کی قوم صدر یحییٰ کی الیکشن میں غیر جانبداری پر تحسین و آفرین پکار اٹھی۔ فوجی جہاز بھی اوپر گشت لگا رہے تھے الیکشن کو

صدر یحییٰ کا یہ کارنامہ ممتاز کیا گیا اور ہر طرف بڑی تعریفیں ہوئیں۔ ادھر کو صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوئے اس میں بھی پیپلز پارٹی بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئی اور مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب کی عوامی لیگ زبردست اکثریت سے جیتی۔

شیخ مجیب اور ذوالفقار علی بھٹو میں گفت و شنید

شیخ مجیب نے چھ نکات کی بناء پر مشرقی پاکستان کا دل جیتا تھا اور بھٹو صاحب نے روٹی، کپڑا اور مکان کا عوام سے وعدہ کیا تھا۔ اب دونوں اکثریت کے لیڈروں میں گفت و شنید کا سلسلہ جاری ہوا۔ چھ نکات میں زیادہ سے زیادہ صوبائی خود مختاری تھی۔ ان دونوں میں آئین کے لئے مرکزی اسمبلی کی کارروائی اور قانون سازی میں اتفاق نہ ہو سکا۔

اسلامی قانون دونوں میں سے کسی کا مطمح نظر نہ تھا

قرارداد مقاصد ۱۹۵۶ء کے قانون کی تنسیخ کے بعد ابتک اسلامی قانون نہ آیا۔ اور ان دونوں پارٹیوں کا بھی مطمح نظر یہ نہ تھا۔ الیکشن کے بعد ۱۲۰ دن کے اندر قانون بنانے کا قانون ہے۔ ۳ مارچ ۱۹۷۱ء کو صدر یحییٰ خاں نے مرکزی اسمبلی کا اجلاس ڈھاکے میں بلایا لیکن ذوالفقار علی بھٹو نے شرکت سے انکار کر دیا۔ صدر یحییٰ خاں نے اسے ملتوی کر دیا۔ التواء پر شیخ مجیب نے کہا کہ اگر ہمیں لاکھ بنگلہ دیش کے آدمیوں کی قربانی دینی پڑے تو ہم دیں گے لیکن اجلاس ملتوی نہ ہونے دیں گے۔ اب صدر یحییٰ نے دونوں کو ملانے کی کوشش کی اور بالآخر حالات کی خرابی کے باعث ۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء کو دستور ساز مرکزی اسمبلی کا اجلاس طلب کیا گیا لیکن شیخ مجیب نے شرکت سے انکار کر دیا۔ صدر نے شیخ مجیب اور ذوالفقار علی سے سلسلۂ کلام جاری رکھا حتیٰ کہ مارچ کا مہینہ آ گیا اور آغاز مارچ ۱۹۷۱ء سے مشرقی پاکستان میں جو کچھ غیر بنگالیوں کی خونریزی، ڈھاکے اور دیگر شہروں میں لوٹ مار، آتش زنی، ریل اور دیگر مواصلات کی تباہی، کئی گاڑی کے انجنوں کا بھارت جانا، خزانے کا لٹنا، اسٹیٹ بینک ڈھاکے کا تاراج ہونا غرضکہ اس مہینے میں حالات دگرگوں ہو گئے۔ اب چھ نکات کی جگہ مارچ ۱۹۷۱ء میں خود مختار علیحدہ "بنگلہ دیش" کی تحریک تھی۔ اس ماہ میں شیخ مجیب نے حکومت سے عدم تعاون کی تحریک شروع کی جس کی لپیٹ میں محب پاکستان اور غیر محب پاکستان دونوں قسم کی پبلک لپیٹ میں آ گئی۔ ان حالات میں پندرہ اپریل کو صدر محمد یحییٰ خاں ڈھاکے گئے گیارہ روز تک مسلسل گفتگو ہوتی رہی۔ میاں ذوالفقار علی بھٹو، خان عبدالقیوم، میاں نورالامین وغیرہم لیڈروں سے جو مشرقی بنگال آتے جاتے رہتے تھے صدر کا مشورہ ہوتا رہا حتیٰ کہ ان لیڈروں نے بھی شیخ صاحب سے گفتگو کی لیکن وہ چھ نکات سے پیچھے آنے کے لئے تیار نہ تھے۔ ان دنوں سارے بنگال میں شیخ مجیب کی حکومت تھی۔

ہندوستان کی مداخلت اور اسلحہ کی آمد

الیکشن سے بہت پہلے صدر محمد ایوب خاں کے دور میں مغربی پاکستان میں کراچی بندرگاہ کے ذریعے تقریباً اٹھارہ کروڑ روپیہ کا اسلحہ امریکہ، چیکوسلواکیہ، مغربی جرمنی اور روس کا بنا ہوا پہنچا۔ جس کا ایک حصہ صوبہ سرحد پہنچ گیا۔ لیکن اکثر اسلحہ پکڑا گیا مذکورہ ممالک کا مقصد الیکشن کے زمانے میں عام خونریزی کرانا تھا لیکن صدر یحییٰ خاں کے زمانے میں اس اسلحہ کو قبضے میں لے لیا گیا اور دشمنوں کا منصوبہ خاک میں مل گیا۔

الیکشن میں شیخ مجیب کی غیر معمولی کامیابی کے بعد چھ نکات کی جگہ "بنگلہ دیش" کی تحریک کے دوران بھارت نے مشرقی پاکستان کے

ڈاکوؤں کے درمیان گٹھ جوڑ کے واقعات سے پاکستان کے اخبارات بھرے پڑے ہیں۔ چنانچہ بھارت کے مداخلت کاروں اور مشرقی پاکستان میں شرپسندوں، ایسٹ بنگال رائفلز و پولیس سب ہی باغی ہو گئے اور انہوں نے مل کر غیر بنگالی کئی لاکھ کی تعداد میں قتل کر دیئے۔ یہ سب کچھ مشرقی پاکستان کے شہر ڈھاکہ کی یونیورسٹی کے ہندو پروفیسروں کے طلبہ میں زہر پھونکنے کا نتیجہ تھا جو مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے علیحدہ کرنے کے لئے پھونک رہے تھے اور ہم غافل تھے۔ یہ سب حالات ہم پاکستان کے اخبارات سے پیش کر رہے ہیں۔

پاکستان بڑی حکومتوں کی سازشوں کا نشانہ

پاکستان کی خارجہ پالیسی اب غیر جانبدارانہ تھی چین، روس اور امریکہ سب سے تعلقات تھے لیکن چین سے دوستی میں اضافہ زیادہ ہوا۔ روس کو یہ بات ناگوار گذری۔ ادھر پاکستان کے صدر یحییٰ چین اور امریکہ کو آپس میں ملا رہے تھے یہ بات بھی روس کو ناگوار گذری اور بھارت کو بھی لیکن امریکہ کو بھی ہم راضی نہ رکھ سکے کیونکہ ۱۹۷۱ء کی بین الاقوامی جنرل اسمبلی میں پاکستان نے اور اس سے کئی سال پہلے سے چین کو بین الاقوامی برادری کا ممبر بنانے کی بڑی کوشش کی ۱۹۷۰ء سے پہلے امریکہ اکثریت سے کامیاب ہوتا رہا اور چین یونائیٹڈ نیشنز کا ممبر نہ بن سکا۔ مگر ۱۹۷۱ء میں چین اکثر قوموں کی کثرت رائے سے ممبر بن گیا۔

چین کی ممبری نیز تائیوان کی برقراری

امریکہ غالباً یہ چاہتا تھا کہ عوامی چین ممبر بن جائے لیکن تائیوان چین کا ایک حصہ جو چیانگ کائی شک کے زیر اقتدار تھا اس کو بین الاقوامی برادری سے نہ نکالے جانے کا امریکہ حامی تھا۔ عوامی چین نے اس طرح سے شمولیت سے انکار کر دیا چنانچہ عوامی چین کامیاب ہوا۔ تائیوان کو نکال دیا گیا۔ پاکستان نے بھی اس میں چین کی حمایت کی۔ یہ بات بھی امریکہ کو ناگوار گذری۔ بہرحال مشرقی پاکستان میں وہ کچھ ہوا جو حکومت نے وائٹ پیپر (قرطاس ابیض) میں ظاہر کیا ہے۔

شیخ مجیب کی گرفتاری ۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء

ان حالات میں صدر یحییٰ خان نے میاں ذوالفقار علی بھٹو اور دیگر لیڈروں کے مشورے سے شیخ مجیب کو گرفتار کر کے مغربی پاکستان میں نظر بند کر دیا۔ ۲۵ مارچ سے پہلے ٹکا خان کو وہاں کا گورنر جنرل بنا دیا لیکن شیخ مجیب الرحمٰن کے خوف سے وہاں کے جج نے حلف اٹھوانے سے بھی انکار کر دیا۔ صدر نے ٹکا خان مشہور جنرل کو وہاں کا مارشل لا ایڈمنسٹریٹر بنا دیا اور مشرقی پاکستان کے حالات درست کرنے کا حکم دیا چنانچہ ٹکا خان نے تمام تخریب کاروں، بھارت کے ایجنٹوں اور مداخلت کاروں کا قلع قمع کر دیا جس کو تقریباً

ٹکا۔ اس اثنا میں شیخ مجیب الرحمٰن کے ساتھی تاج الدین، نذرالاسلام، قمر الزمان اور کتنے ہی دوسرے لیڈر عبد الحمید بھاشانی اور مشرقی پاکستان کے مسلمان اور ہندو بھارتی حکومت کے بیان کے مطابق بیس لاکھ بھارت کے بنگال کو بھاگ گئے۔

بڑی طاقتوں کی سازش اور بھارت کا واویلا

بھارت اور اس کے ساتھ اس کی ہمنوائی میں بی۔ بی۔ سی لندن وائس آف امریکہ اور روس کے ریڈیو نے پاکستان کے خلاف بنگلہ دیش کا زبردست پروپیگنڈا کیا جس سے صاف ظاہر ہوا کہ برطانیہ، امریکہ روس اور بھارت سب اس سازش میں شریک تھے کہ پاکستان کے مشرقی حصے کو ختم کر دیا جائے بلکہ سارے پاکستان کو ختم کر دیا جائے (نوائے وقت)

مارچ ۱۹۷۱ء سے ۲۲ نومبر ۱۹۷۱ء تک مشرقی پاکستان میں پاک بھارت جنگ

تقریباً چھ ماہ کے بعد ۳ ستمبر کو جنرل ٹکا خان کو واپس بلا لیا گیا اور جنرل نیازی کو وہاں کا مارشل لا ایڈمنسٹریٹر بنا دیا گیا جنہوں نے وہاں کا فوجی کام انصرام دیا۔ ایم مالک کو صدر یحییٰ خان نے وہاں کا گورنر بنا دیا اور عوامی مخلوط پارٹیوں کی کابینہ قائم کر دی۔ ۱۷ ستمبر ۱۹۷۱ء کو سپریم گورنر ہاؤس ڈھاکہ میں عہدے کا حلف اٹھایا۔ چیف جسٹس بی۔ اے صدیقی نے حلف لیا جو اس سے پہلے جنرل ٹکا خان کا حلف لینے سے ڈر کر انکار کر چکے تھے۔ اس عرصے میں بھارت مسلسل شرپسندوں اور مشرقی پاکستان کے لوگوں کو فوجی ٹریننگ دیکر اور اسلحہ سے لیس کر کے مشرقی پاکستان کی سرحدوں پر حملہ کرنے کے لئے بھیجتا رہا اور خود بھارت کی فوج بھی حملہ آور ہوتی رہی۔ یہ سلسلہ ۲۲ نومبر تک جاری رہا اور ہماری فوج برابر شرپسندوں کو قتل کرتی رہی۔ اسلحہ بھی چھینتی رہی اور ان کو گرفتار بھی کرتی رہی تا آنکہ ۲۲ نومبر ۱۹۷۱ء مطابق ۳ شوال کو بھارتی فوج نے بغیر اعلان جنگ مشرقی پاکستان پر اپنی فوجوں، ٹینکوں، ہوائی جہازوں سے حملہ کر دیا۔ جنرل نیازی نے بھارتی فوجوں کو قدم قدم پر شکست دی اور ہماری فوج نے بہادری کے خوب جوہر دکھائے۔ حیرت ہے کہ ایک محاذ پر ہمارے ۳۲ فوجیوں نے بھارت کے ڈھائی سو آدمی مار دیے اور ایک جگہ تقریباً چالیس پچاس فوجیوں نے ان کے پانسو آدمیوں کو تہ تیغ کر دیا اور تھوڑے سے فوجیوں نے ان کی بٹالینوں کا صفایا کر دیا۔ بھارت نے کئی جگہ جیسے ہلی، سلہٹ، دیناج پور، جو اگاچا، کومیلا، محاذ کھولے۔ کومیلا کے محاذ پر بھارتی رجمنٹ کو ۲۷ نومبر کو تہس نہس کر دیا گیا۔ سلہٹ سے بھارتی فوجوں کو نکال باہر کیا گیا۔ فینی کے علاقے میں بیلونیا کے مقام پر بھارتی فوج کو گھیرے میں لے کر اس کا مکمل صفایا کر دیا گیا۔ پاکستانی فوج بڑی بہادری کا ثبوت دیتی رہی۔ بالآخر روس جو کہ بھارت کے ساتھ تھا اور جس کا بھارت سے ۹ اگست ۱۹۷۱ء کو فوجی معاہدہ ہو گیا تھا اس کی مدد سے زبردست حملے شروع کر دیئے۔ پاکستان کے ایئر مارشل رحیم خان کا بیان مشرق اخبار مورخہ ۸ دسمبر ۱۹۷۱ء میں چھپا ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ روسی ہوا باز جاسوس طیاروں میں بیٹھ کر بھارتی ہوابازوں کی راہنمائی کرتے رہے ہیں۔"

نوائے وقت اخبار لاہور ۲۹ دسمبر ۱۹۷۱ء بدھ کے پرچے میں اپنے اداریہ کالموں میں لکھتا ہے۔

"قوم اخبارات یہ کسی صورت سے فراموش نہیں کر سکتے کہ حالیہ (نومبر و دسمبر ۱۹۷۱ء) بھارت پاک جنگ کے دوران پاکستان کے ساتھ دوستی کے آرزومند روس کے جرنیل نئی دہلی میں بیٹھے بھارتی جرنیلوں کو جنگی چالیں سمجھا رہے تھے۔ روس کے فوجی مشیر ہمارے خلاف استعمال ہونے والے الیکٹرانک آلات اور جدید ترین اسلحہ خود چلا رہے تھے اور روسی ہتھیاروں کے انبار چھوٹے سے (پارہ کردہ) کے ملک (پاکستان) کے خلاف جنگ میں جھونکے جا رہے تھے۔"

بالآخر روسی جرنیلوں کے مشورے پر جب پاکستانی فوجوں سے سرحدوں پر جنگ میں بھارتی فوجی عہدہ برآ نہ ہو سکے تو بھارت نے ہیلی کاپٹروں کے ذریعہ ڈھاکہ کے ارد گرد فوجیں اتارنا شروع کر دیں۔ پاکستانی فوج برابر مقابلہ کرتی رہی۔ جنرل نیازی نے کہا کہ ڈھاکہ میں فوج ہماری لاشوں پر سے تو گذر سکتی ہے ہم اسے ہرگز قبضے نہ دیں گے۔" (اخبار مشرق ۱۰ دسمبر ۱۹۷۱ء) اس عرصے میں بھارت کے کمانڈر انچیف مانک شاہ نے جنرل نیازی کو ہتھیار ڈالنے کی اپیل کی کیونکہ ڈھاکہ پر بھارتی فوج کا دباؤ بہت زیادہ ہو چکا تھا۔ اخبار نوائے وقت لکھتا ہے:۔

"ڈھاکہ کا محاصرہ کرنے والی بھارتی فوج روسی ہیلی کاپٹروں سے اتری اور روس کے ہی بھاری ٹینکوں کے سہارے آگے بڑھی تھی۔"

(نوائے وقت ۲۹ دسمبر ۱۹۷۱ء اداریہ کالم)

مغربی پاکستان اور بھارت میں جنگ کا آغاز ۳ دسمبر ۱۹۷۱ء

۳ دسمبر ۱۹۷۱ء مطابق ۱۴ شوال ۱۳۹۱ھ بروز جمعہ تین اور پانچ بجے کے درمیان بعد نماز جمعہ بھارت اور پاکستان میں مغربی پاکستان کی سرحدوں پر جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ اخبارات کی خبروں کے مطابق بھارت ہوائی جہازوں نے سری نگر، پٹھانکوٹ، امرتسر، انبالہ اور آگرے کے ہوائی اڈوں پر بعد نماز جمعہ سخت بمباری کی اور سخت نقصان پہنچایا۔ ۴ دسمبر ۱۹۷۱ء کا امروز لکھتا ہے "امرتسر، پٹھانکوٹ، اونتی اور سری نگر کے فضائی اڈوں کو تباہ کر دیا" ادھر مشرقی پاکستان کے بارے میں بھی امروز اخبار لکھتا ہے کہ پاک فضائیہ نے کومیلا اور سلہٹ میں دشمن کے چھکے اڑا دیئے۔ یہی اخبار اپنی ۴ دسمبر کی اشاعت میں لکھتا ہے "بھارتی فوج نے لاہور، سیالکوٹ، چھمب، جیسلمیر، راجستھان اور رحیم یار خاں کے محاذوں پر حملہ کر دیا ہے۔ ادھر مشرقی پاکستان کے متعلق لکھتا ہے، پانچ گنبد، اکھوڑہ اور شمشیر نگر پر گھمسان کی جنگ جاری ہے اور مختلف مقامات پر حملے پسپا کر دیئے گئے۔ ۵ دسمبر کے مشرق میں ہے کہ مغربی پاکستان کی طرف سے بھارت کے ہوائی اڈوں اتلواڑہ، جیسلمیر، بیکانیر، جام نگر، جودھپور، امرتسر، آگرہ، انبالہ، سری نگر، پٹھانکوٹ، آونتی پورہ اور اترلائی پر حملے کئے اور دشمن کے چھتیس ہوائی جہاز تباہ کئے اور پاکستان کے دو طیارے ضائع ہو گئے اور دو کو نقصان پہنچا۔ مغربی پاکستان کے محاذوں کے بارے میں کہا کہ "پاکستانی فوجوں نے فیروزپور اور حسینی والا کے وسیع علاقہ پر قبضہ کر لیا اور فاضلکا سیکٹر میں پاک فوج پیش قدمی کر رہی ہے۔"

صدر محمد یحییٰ خاں کا بیان ۴ دسمبر ۱۹۷۱ء :- صدر محمد یحییٰ خاں نے ریڈیو پاکستان سے تقریر کرتے ہوئے ۴ دسمبر ۱۹۷۱ء کو جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے فرمایا:-

"اہلِ وطن کے جانبازو! بڑھے چلو اور دشمن پر اللہ اکبر کی کاری ضرب لگاؤ، خدا ہمارے ساتھ ہے۔ دشمن نے ایک بار پھر ہمیں للکارا ہے اور بھارت کی مسلح افواج نے پاکستان پر مختلف اطراف سے بھرپور حملہ کیا ہے۔ . . . وقت آ گیا ہے کہ دشمن کو دندان شکن جواب دیا جائے۔ پاکستان کے بارہ کروڑ مجاہدوں کو خداوند کریم کی تائید و حمایت حاصل ہے اور ان کے دل نبی پاک کے عشق سے معمور ہیں۔ دشمن نے ایک بار پھر ہمیں للکارا ہے اور پاکستانی قوم کو ایک ہو جانے کا موقع دیا ہے تاکہ وہ دشمن کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں۔ عدل و صداقت پاکستان کے ساتھ ہے اس لئے پاکستانی مجاہدو دشمن پر قہر الٰہی بن کر ٹوٹ پڑو۔ دشمن کو بتا دو کہ ہر پاکستانی وطن عزیز کے لئے پوری طرح تیار ہے۔ ہماری بہادر افواج نے دشمن کی پیش قدمی روک دی ہے۔ جنگ میں فتح کا دارومدار تعداد اور ساز و سامان پر نہیں ہوتا بلکہ جنگ میں فتح جوش ایمانی بلند مقاصد اور تائید ایزدی سے ہوتی ہے۔ پاکستانی فوج عزم بالجزم کے ساتھ دشمن کو نہ صرف وطن کی سرزمین سے مار بھگائیگی بلکہ دشمن کو اس کی اپنی سرزمین میں تباہ و برباد کر دیگی۔ انشاء اللہ پاکستان کے شیر دل جوان جنہوں نے ۱۹۶۵ء کی جنگ میں بھارت کو خوفناک مار دی تھی اس دفعہ پہلے سے زیادہ خوفناک اور کاری ضربیں لگائیں گے۔" (مشرق مورخہ ۵ دسمبر ۱۹۷۱ء)

صدر کی اس تقریر سے پاکستانیوں کے حوصلے بے حد بلند ہو گئے مگر پردۂ غیب میں اب کی بار کچھ اور تھا جس کا حال دل تھام کر آئندہ سطور میں پڑھئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

بھارت کی پاکستان کے شہروں پر بمباری :- ۵ دسمبر ۱۹۷۱ء کا مشرق لکھتا ہے "کراچی، پشاور، اسلام آباد،

لائلپور اور ملتان کی شہری آبادی پر دشمن کی بمباری سے ۱۲ آدمی شہید اور کئی زخمی ہو گئے۔ بھارتی طیاروں نے شور کوٹ، سرگودھا، پشاور اور ڈھاکہ پر ۲۹ حملے کئے جن میں سے پانچ ڈھاکے پر کئے گئے۔ پشاور پر بمباری کے ارادے سے خوف کی اکبر پورہ کا ایک گاؤں پر پٹرول ٹینک پھینک گئے جس سے چار آدمی شہید اور کئی زخمی ہو گئے۔ اسی ۵ دسمبر کے مشرق کی یہ خبر بھی پڑھئے جو ۴ دسمبر سے متعلق ہے۔ لکھتا ہے "بھارت نے کل ۴ دسمبر کو مغربی پاکستان کے مختلف مقامات پر بھرپور حملہ کیا تھا۔ ہماری فوج دشمن کا سر کچلنے کے لئے بھارت کی سرحد میں داخل ہو گئی ہے اور بھارت کا کافی علاقہ قبضے میں لے لیا ہے چھمب، سیالکوٹ اور فیروزپور سیکٹر میں اہم کامیابیاں حاصل کی ہیں۔"

۵ دسمبر ۱۹۷۱ء، ۱۷ شوال ۱۳۹۱ھ، ۲۱ مگھر ۲۰۲۸ بکرمی :- امرتسر، چھمب اور فیروزپور کے علاقوں میں پیش قدمی جاری ہے۔ اکھنور کے محاذ پر کامیابیاں ہوئی ہیں۔ پونچھ پر پاک فوج کو بالادستی حاصل ہے چھمب کرن کی چوکی سمیت بھارت کی بیس چوکیوں پر پاکستان کا قبضہ ہو چکا ہے۔ لاہور سیکٹر میں اکبر پور، بلول، گوگا، ویرا اور دھسی سند کا علاقہ، بھنگی کا موڑ اور بیلی کنجری کا دریائی علاقہ اور میرکی سیکٹر میں تیرا ہماری دو آب کا اگلا علاقہ۔ آخری اطلاعات کے مطابق پاکستانی فوج کشمیر میں بارہ میل تک گھس گئی ہے۔ حسینی والا سیکٹر میں دریائے ستلج کے کنارے تک پہنچ گئی ہے۔ (مشرق اخبار لاہور ۵ دسمبر ۱۹۷۱ء)

مشرقی پاکستان کا محاذ جنگ :- ادھر مشرقی پاکستان کے متعلق ۵ دسمبر ۱۹۷۱ء کا مشرق اخبار لکھتا ہے کہ مشرقی پاکستان میں تمام محاذوں پر لڑائی جاری ہے۔ بھارتی فوجیوں نے اکھوڑا کے ریلوے سٹیشن پر زبردست حملہ کیا جسے پسپا کر دیا گیا ہے کشتیا کے علاقے میں کئی حملے کئے یہاں دشمن کا غلبہ معلوم ہوتا ہے۔ دشمن کی گولہ باری جاری ہے۔

یونائیٹڈ نیشنز کے سیکرٹری کو اطلاع، سلامتی کونسل کی قرارداد، روس کا ویٹو :- ۵ دسمبر ۱۹۷۱ء کو صدر یحییٰ نے یونائیٹڈ نیشنز کے سیکرٹری کو اطلاع دی کہ بھارت نے مغربی پاکستان کی تمام سرحدوں پر بھرپور حملے کر دیئے ہیں اور اسی قسم کی رپورٹ اندرا گاندھی نے سیکرٹری کو بھیجی کہ پاکستان نے بھارت پر مغربی حصے سے حملہ کر دیا ہے۔ ۵ دسمبر کو امریکہ نے ایک بھارت جنگ بند کرنے اور فوجوں کو پیچھے اپنے علاقوں میں واپس لانے کی تجویز سلامتی کونسل میں پیش کی لیکن روس نے یہ کہہ کر ویٹو کر دیا کہ مشرقی پاکستان کا کوئی سیاسی حل تلاش کیا جائے۔ روس نے سلامتی کونسل میں تین بار ویٹو کیا۔ ادھر یونائیٹڈ نیشنز کی جنرل اسمبلی میں امریکہ نے جنگ بندی اور اپنے اپنے علاقوں میں فوجیں واپس بلانے کے لئے تجویز پیش کی جو ۱۰۴ ملکوں نے تسلیم کر لی۔ برطانیہ، فرانس اور سات دیگر ملکوں نے رائے شماری میں حصہ نہیں لیا۔

پاک بھارت سفارتی تعلقات کا انقطاع، بنگلہ دیش کو بھارت نے مان لیا :- ۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو بنگلہ دیش کو مان کر مشرقی پاکستان کے پاکستان کا جزو ہونے کا انکار کر دیا جس پر پاکستان نے سفارتی تعلقات منقطع کر دیئے اس طرح دونوں ملکوں کے تعلقات بالکل ختم ہو گئے۔ سوئٹزرلینڈ کے جہازوں میں بھارتی عملہ اسلام آباد سے بھارت اور دہلی سے پاکستانی سفارتی عملہ اسلام آباد پہنچ گیا۔

سقوط مشرقی پاکستان
۱۶ ردسمبر ۱۹۷۱ء

الغرض مشرقی پاکستان میں ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء تک جنگ جاری رہی اور آخر کار جنرل نیازی نے جو ۲۲ نومبر ۱۹۷۱ء سے ۱۵ دسمبر ۱۹۷۱ء تک بڑی بہادری سے لڑا تھا اور جس نے کہا تھا کہ ڈھاکہ میں دشمن ہماری لاشوں پر سے گذر کر داخل ہو سکیگا، جنگ بندی کرنے کا اعلان کر دیا، بھارتی جنرل اروڑا اور جنرل نیازی کے درمیان ایک سمجھوتے پر دستخط ہو گئے۔ جب تک سرحدوں پر جنگ رہی پاکستانی فوج نے بھارتی فوج کو بری طرح کچلا لیکن روسی جرنیلوں کے مشورے سے بھارتی فوجیں ہیلی کاپٹروں کے ذریعہ ڈھاکہ کے ارد گرد بکثرت اتار دی گئیں جس سے پاکستانی فوج بے بس ہو کر رہ گئی۔

جنگ بندی کا راز سربستہ:۔ مشرقی پاکستان میں پاک فوج ۹۳ ہزار تھی اس کا ہتھیار ڈالنا ایک معمہ ہے جو آج تک حل نہ ہو سکا بعض کہتے ہیں کہ جنگ بندی کے حکم پر جنرل نیازی نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کیا لیکن بالآخر مجبور ہو کر جنگ بند کر دی۔

بعض کہتے ہیں کہ جنگ بندی کا اقدام غلط تھا۔

صدر یحییٰ کی ریڈیائی تقریر
۱۶ ردسمبر ۱۹۷۱ء

۱۶ ردسمبر ۱۹۷۱ء کو صدر یحییٰ نے رات کے ساڑھے سات بجے ریڈیو پاکستان سے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "مشرقی پاکستان سے افسوس کے ساتھ میں آپکو تشویشناک خبر سناتا ہوں کہ بحری، بری اور فضائی جنگ بند ہو جانے اور روس کی بھارتی امداد کی وجہ سے مشرقی پاکستان میں جنگ بند کرنی پڑی لیکن مغربی پاکستان میں جنگ برابر جاری رہے گی اور ہم دشمن سے برابر لڑینگے اور آخری فتح ہماری ہوگی۔" (مشرق اخبار مورخہ ۱۷ ردسمبر ۱۹۷۱ء)

مغربی پاکستان کے محاذوں پر جنگ بندی
۱۷ ردسمبر ۱۹۷۱ء

ابھی مشرقی پاکستان کی جاں فرسا اور دل گداز شکست سے قوم نڈھال تھی کہ ناگاہ ۱۷ ردسمبر ۱۹۷۱ء کو مغربی پاکستان کے محاذوں پر بھی صدر یحییٰ نے جنگ بند کر دی اور جنگ بندی کا نفاذ ۱۷ ردسمبر ۱۹۷۱ء کو عشاء کے بعد ساڑھے سات بجے ہوا۔ قوم صدر یحییٰ کی کل کی تقریر سے کہ ہر محاذ پر جنگ جاری رہے گی اور آج جنگ بندی کے اعلان سے مبہوت اور حیران رہ گئی۔ صدر کے الفاظ یہ تھے "جنگ سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا اور تصفیہ طلب مسائل پر پاکستان اور بھارت کے درمیان بات چیت ہونی چاہئے اس مقصد کے پیش نظر انہوں نے آج شام ساڑھے سات بجے سے مغربی پاکستان میں فائر بندی کا حکم دیدیا ہے" (اخبار مشرق ۱۸ ردسمبر ۱۹۷۱ء صفحہ ۱ کالم ۱)

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

لاہور اور دیگر مقامات پر صدر یحییٰ کے خلاف مظاہرے

اگلے روز ۱۸ ردسمبر ۱۹۷۱ء کو مغربی پاکستان کے لوگ سڑکوں پر نکل آئے اور ہر ایک نے صدر کو غدار کا لقب دیا۔ بچے بچے کی زبان پر یحییٰ کے لئے غدار کا لفظ آیا۔ ان حالات میں صدر نے میاں ذوالفقار علی بھٹو سے جو نیویارک سلامتی کونسل میں مشرقی پاکستان کے کیس کی وکالت کرنے گئے تھے اور جانے سے پہلے صدر نے میاں نورالامین صاحب مشرقی پاکستان کو وزیر اعظم اور بھٹو صاحب کو نائب وزیر اعظم اور وزیر خارجہ نامزد کر دیا تھا، وطن واپس آنے کی اپیل کی چنانچہ وہ لندن سے ہوتے ہوئے اسلام آباد پہنچے

صدر یحییٰ کا استعفا اور مسٹر بھٹو کی صدارت
بروز پیر ۲۰ ردسمبر ۱۹۷۱ء یکم ذیقعدہ ۱۳۹۱ھ

صدر یحییٰ خان نے ۲۰ ردسمبر ۱۹۷۱ء کو اقتدار ذوالفقار علی خان بھٹو کو سپرد کر دیا اور غداری کا تمغہ قوم سے لیکر گم ہو گئے۔ ہر طرف

مشورہ یہ پایا تھا کہ یحییٰ خان پر مقدمہ چلایا جائے۔ چنانچہ صدر بھٹو نے ایک کمیشن بٹھا دیا جس کے صدر حمود الرحمٰن صاحب چیف جج مقرر ہوئے جو تین ماہ کے اندر تحقیقات مکمل کرکے اپنی رپورٹ صدر کو دیں گے اور صدر قوم کے سامنے اس رپورٹ اور فیصلے کو پیش کریں گے۔

پاکستان کیلئے تاریخ کا سیاہ دور

قوم کی کمر ٹوٹ گئی:۔ مشرقی پاکستان میں فوج کے ہتھیار ڈالنے اور ڈھاکہ میں بھارتی فوج کے داخل ہونے، مشرقی پاکستان پر بھارتی فوج کے قابض ہونے نے پاکستانیوں کی کمر توڑ دی۔ دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، جگر چھلنی ہو گئے، آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے یہ آنسو خون کے آنسو تھے۔ وہ پاکستان جس کی بہادری کا سکہ ستمبر ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں تمام دنیا پر بیٹھ گیا تھا آج اس کی عظمت خاک میں مل چکی تھی آج اس کی فضاؤں میں حزن و ملال کے بادل منڈلا رہے تھے لبوں پر آہیں ابھریں سینوں میں دل مضطرب ہو گئے آہ۔ افسوس، صد افسوس ڈھاکہ میں بھارتی فوجیں داخل ہو گئیں، راتوں کی نیندیں اچاٹ ہو گئیں، نہ کھانے کو دل چاہتا نہ پینے کو عیش و آرام مکدر اور زندگی بے لطف ہو کر رہ گئی۔

مشرقی پاکستان کے لوگوں پر کیا گذری:۔ سقوط مشرقی پاکستان کے بعد بھارتی فوجیں اور مکتی باہنی جو دراصل مشرقی پاکستان کے غدار تھے اور جو مغربی بنگال (بھارت) میں بھاگ گئے تھے ان کو بھارت نے فوجی ٹریننگ دی تھی دونوں نے مل کر مشرقی پاکستان کے محب وطن لیڈروں اور لوگوں کو بری طرح ذبح کیا۔ رات دن قتل عام کا بازار گرم رہا۔ مغربی پاکستان کے ترانوے ہزار (۹۳۰۰۰) فوجیوں کے علاوہ تاجر، افسر، دکاندار اور دانشور تقریباً پچھتر ہزار لوگوں پر وہاں کیا گزری، الامان، الحفیظ۔ فوج بھارتی حکومت کے پنجے میں ہے اور دوسرے وہاں ظلم و ستم کا نشانہ بن رہے ہیں۔

پروفیسروں، ڈاکٹروں اور صحافیوں علما اور دیندار محب وطن کا قتل عام

اخبار نوائے وقت لاہور مورخہ یکم ذیقعدہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۰ ردسمبر ۱۹۷۱ء بیر کی اشاعت میں لکھتا ہے "مکتی باہنی (بھارتی فوجی) کے رکن ہاتھوں میں سٹین گنیں لئے ڈھاکہ کے گلی گلی اور کوچے کوچے ان لوگوں کا پتہ لگا رہے ہیں جنہوں نے انکے عدم تعاون کے مطالبے کو ٹھکرا کر حکومت پاکستان کے ساتھ تعاون کیا۔ سب سے پہلا نشانہ ڈھاکہ یونیورسٹی کے وہ (۲۵) پروفیسر اور دانشور بنے جنہوں نے حکومت مشرقی پاکستان کی اپیل پر ڈھاکہ یونیورسٹی کا کام چلایا۔ ان کو انکے گھروں اور پناہ گاہوں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر اکٹھا کیا گیا اور ان کو رسی گردنوں میں ان کے ہاتھ کمر پر (مشکیں باندھ کر) سب کے سامنے گولی سے اڑا دیا گیا اس وقت اس گراؤنڈ میں ۲۵ لاشیں ان دانشوروں کی پڑی ہیں بعض پروفیسروں کے بوسے کے بوسے کنبے کا صفایا کر دیا گیا ہے۔ ... دیہاتوں میں بھی قتل و غارتگری کا بازار گرم کر رہے ہیں۔ ڈھاکہ ریڈیو جس کا نام بنگلہ بیتار کیندر رکھا گیا ہے اس کے مطابق کئی منتخب ارکان اسمبلی بھی قتل کئے جا چکے ہیں بعض نامور لیڈروں کو بھی موت کے گھاٹ اتارا جا چکا ہے

ڈاکٹر مالک گورنر مشرقی پاکستان اور انکے وزراء پر کیا گذر رہی ہے

یحییٰ خاں صاحب نے ڈاکٹر اے۔ ایم۔ مالک کو مشرقی پاکستان کا گورنر بنا دیا تھا اور ٹکا خان چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر تھے۔ ٹکا خان کو بلا لیا گیا تھا انکی جگہ جنرل نیازی مشرقی پاکستان کی فوج کے انچارج رہے۔ ہتھیار ڈالنے سے پہلے ڈاکٹر مالک نے استعفا دیدیا تھا۔ کابینہ بھی اس افرا تفری میں ٹوٹ گئی

گئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کو موت کا نشانہ بنانے کی کوشش بھی کی گئی تھی جو انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل میں جا کر پناہ گزیں ہوئے۔ اب بھارت کی حکومت یا مکتی باہنی کی حراست میں ہیں۔ اخباری اطلاع کے مطابق ان پر مقدمہ چلایا جائے گا اور کتنے ہی اہلکاروں اور منتظمین اور افسروں کو قتل کر دیا گیا

خواجہ خیرالدین، صبور خاں، مولوی فرید احمد، چوہدری فضل القادر شہید کر دیئے گئے

نوائے وقت مورخہ ۹ ذیقعدہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۲ جنوری ۱۹۷۲ء لکھتا ہے " اسلام پسند جماعتوں کے سربراہ خواجہ خیرالدین[1] مسٹر فضل القادر چوہدری (صدر ایوب دور کے اسپیکر اور کنونشن لیگ کے قائمقام صدر) مولوی فرید احمد خاں، نظام اسلام پارٹی کے سابق مرکزی اسمبلی کے ممبر اور خاں عبدالصبور خاں (سابق وزیر) کو شہید کیا جا چکا ہے۔ عبدالصبور خاں صاحب کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ انہیں گرفتار کر کے ان کے ہاتھ باندھ دیئے گئے اور بعد ازاں انہیں ذبح کیا گیا۔ ان کی آنکھیں نکال دی گئیں، ناک، کان اور ہاتھ پیر کاٹ دیئے گئے۔" بی بی سی لنڈن ریڈیو کے حوالے سے مشرق اخبار لاہور لکھتا ہے کہ مکتی باہنی کے ارکان پاکستان کے حامیوں کا قتل عام کر رہے ہیں اور انہیں جس شخص کے بارے میں ذرہ برابر بھی شبہ ہو کہ اس نے پاکستان فوج کی مدد کی تھی اس کو فوراً گولی مار دی جاتی ہے۔" (۱۹ دسمبر ۱۹۷۱ء مشرق ص۱) کون مار رہا ہے۔ بنگالی مسلمان بھارتی کافر فوج کے ساتھ مل کر بنگالی اور غیر بنگالی اور پاکستان کے حامی مسلمانوں کو۔ یہ اسی قرآنی آیت کے ماتحت عذاب تھا جو مسلمانوں اور کافروں کے ہاتھوں مسلمانوں کو مسلمانوں کے ملک میں پہنچا۔ نوائے وقت مورخہ ۱۲ جنوری ۱۹۷۲ء مطابق ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۹۱ھ بروز بدھ کی اشاعت میں جاپانی اخبار "ساکی شمبن" کے نامہ نگار مقیم کلکتہ کے حوالے سے لکھتا ہے کہ میں نے باغی فوجیوں کو ایک شخص کا گلا کاٹتے دیکھا اور اس کے سینے پر باغیوں کو کودتے دیکھا۔ ایک اور پریس رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ڈھاکہ میں ایسے افراد کی لاشیں جنہیں ذبح کیا گیا تھا درختوں سے لٹکی ہوئی پائی گئیں اور جاپانی اخبار "سنکی چی شمبن" کے نامہ نگار نے لکھا ہے کہ ڈھاکہ میں بڑی بڑی شاہراہوں پر رضاکاروں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں کہ بھارتی فوجوں اور مکتی باہنی کے ٹرک ان لاشوں پر سے اور خون کے چشموں پر سے گذرتے رہے۔ بعض شہروں میں پاکستان کے حامیوں کی لاشیں مسلسل کئی دنوں تک درختوں اور کھمبوں پر لٹکی رہیں۔ غرضیکہ مشرقی پاکستان پر پہلے طوفان کی شکل میں عذاب الیم آیا پھر مارچ اور اپریل ۱۹۷۱ء میں پاکستانی فوجوں کے ہاتھوں غداروں کو سزا دی گئی اور بعد ازاں ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کے بعد بھارتی فوجوں اور مکتی باہنی کے ہاتھوں مشرقی پاکستانی مسلمانوں کے خون کے دریا بہے۔ نوائے وقت اخبار ۱۳ جنوری ۱۹۷۲ء ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۹۱ھ جمعرات کی اشاعت میں لنڈن ٹائمز کے حوالے سے لکھا ہے کہ "دائیں بازو کے افراد جیسے مجیب باہنی کہا جا رہا ہے اور مسلح غنڈے کھلے عام غیر بنگالیوں (بہاریوں) اور مغربی پاکستانیوں کے مکانات، کاریں اور دیگر ساز و سامان لوٹ رہے ہیں۔ لنڈن ٹائمز کے حوالے سے یہی اخبار لکھتا ہے کہ مشرقی پاکستان سے تمام اسلحہ، ٹینک، توپیں اور کثیر چھوٹے بڑے ہتھیار تیزی سے بھارت کو منتقل کئے جا رہے ہیں۔ دریں اثنا مشرقی پاکستان میں غیر بنگالیوں اور جماعت اسلامی کے ہزاروں حامیوں کو چن چن کر بھارتی فوج کی نگرانی میں ذبح کر دیا گیا ہے۔ اس میں کئی استاد رہنما بھی شامل ہیں۔ مکتی باہنی نے کسی غیر بنگالی مرد کو نہیں چھوڑا جبکہ عورتوں کو بڑی تعداد میں پکڑ کر ان کے زیورات اور دوسری قیمتی اشیاء چھین لی گئیں اور ان کے ساتھ بدفعلی کی گئی جس کے بعد انہیں قافلے کے قافلے کلکتہ پہنچائے جا رہے ہیں جہاں ان کو بیچا جا رہا ہے اور اگر کسی نے مزاحمت کی کوشش کی تو اسے گولی کا نشانہ بنا دیا جاتا ہے۔ ان اخلاق سوز حرکتوں میں بھارتی فوج برابر کی شریک ہے۔ (نوائے وقت ۱۳ جنوری ۱۹۷۲ء)

کہاں ہیں مسلمان جو مسلمان عورتوں کو کلکتے کے بازاروں میں بکتے ہوئے اور بے عصمت ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ کیا تم میں کوئی حجاج ابن یوسف بھی نہیں۔

صدر یحییٰ کے دور کا خلاصہ

جنگ سے پہلے صدر یحییٰ ہر محاذ پر بھارت کو نیچا دکھاتے رہے لیکن جنگ بندی سے کچھ دن پہلے اور اس کے بعد استعفےٰ تک قوم کی رائے ان کے متعلق بدل گئی۔ بچے بچے کی زبان پر یحییٰ غدار کے الفاظ چڑھے ہوئے ہیں۔ قوم کے مطالبے پر اب تحقیقات

[1] بعد کی خبروں میں بتایا گیا کہ مولوی فرید احمد صاحب کے سوا باقی تینوں قید میں ہیں۔ مصنف

ہوگی اور صحیح طور پر پتہ چلے گا کہ وہ غدار تھے یا جنگ بندی پر مجبور تھے۔ سب سے زیادہ قوم کو مغربی محاذ پر فوجوں کو آگے نہ بڑھنے دینے پر صدمہ و دکھ اور غیظ و غضب ہے۔ کوئی کوئی دبی آواز سے یہ بھی کہتا سنا جاتا ہے کہ اگر یحییٰ صاحب مغربی محاذ پر جنگ بند نہ کرتے تو مغربی پاکستان بھی ہاتھ سے نکل جاتا۔ حالانکہ روس نے بھی جنگ بندی کی دھمکی دی تھی اور اندرا گاندھی نے بھی کہا تھا کہ اب جنگ جاری رکھنا بے معنی ہے۔ ہمارا مدعا حاصل ہو گیا یعنی مشرقی پاکستان ہم نے لے لیا۔ اور تو اور سابق صدر محمد ایوب خاں صاحب کا ایک بیان جو نوائے وقت ۱۹ جنوری ۱۹۷۲ء میں چھپا ہے قابل غور ہے۔ انہوں نے کہا:-

"میں نے کئی مرتبہ یحییٰ خاں کو مشورہ دیا لیکن وہ ان سنی کرتے رہے۔ میں نے انہیں کہا تھا کہ مغربی پاکستان پر حملہ ہوا تو پاک افواج کو بھرپور پیشقدمی کرنے دی جائے لیکن یحییٰ خاں نہ مانے اور اس کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔ میں نے یہ مشورہ خالص جنگی نقطہ نظر سے دیا تھا۔"

۱۔ بہرحال یہ بدبختی اور بدنصیبی، یہ بدقسمتی صدر یحییٰ کے زمانے میں آئی کہ ملک کا ایک بازو کٹ گیا اور وہ بھارت کے قبضے میں جا پہنچا جس کا واپس آنا ناممکن سا نظر آتا ہے۔ آہ۔ آہ۔ آہ۔ افسوس صد افسوس۔ اور اگر بھارت کے قبضے سے کسی وقت نکل جائے تو یہ خدا کی قدرت ہے۔

۲۔ صدر یحییٰ نے جو ایک نہایت قابل ملامت کام کیا وہ ون یونٹ کے توڑنے کا کیا جس سے مغربی صوبوں کی یکجہتی کو بہت دھکا لگا اور جس سے صوبائی دھڑے بندیاں پھوٹ پڑیں اور صوبائی لیڈر اپنے اپنے صوبے کی خود مختاری کے طالب ہیں۔ بالخصوص عبدالولی خاں صاحب۔

آئین پاکستان کی تدوین یحییٰ خاں کے دور میں

۱۷ دسمبر ۱۹۷۱ء کو اعلان ہوا کہ ملک کے آئین کے بعض حصے ریڈیو پر پیش کئے جائیں گے لیکن ۱۷ دسمبر ۱۹۷۱ء کو مغربی محاذ پر جنگ بندی، قوم میں بحران اور غضب کے باعث وہ بھی ٹھپ ہو گیا۔

یحییٰ خاں کا قانون بھی اسلامی قانون نہ تھا

سنا گیا ہے کہ یہ قانون جو یحییٰ خاں صاحب نے اپنے مشیر کارنیلیس سے بنوایا تھا وہ بھی مکمل اسلامی قانون نہ تھا۔ البتہ اسلامی اور مغربی قوانین کا مجموعہ تھا۔ البتہ اس قانون میں ملک کا نام اسلامیہ جمہوریہ پاکستان رکھا رکھا گیا تھا اور نظریۂ پاکستان کی اس قانون میں ضمانت دی گئی تھی۔ بہرحال ہم یحییٰ خاں کی صدارت کو قوم اور ملک کی تباہی کا زمانہ تصور کرتے ہیں، خواہ ان کی نیت کچھ ہو۔ مشرقی پاکستان ہاتھوں سے نکل جانے اور مغربی محاذات پر جنگ بندی کے باعث شکست کے اسباب یہ ہیں:-

۱۔ مشرقی پاکستان میں مغربی پاکستان کے خلاف صوبائی نفرت اور تعصب

۲۔ مجیب کی مسلسل غداری، اگرتلہ سازش سے لیکر ۱۹۷۰ء کے الیکشن تک بھارت سے ساز باز۔

۳۔ چھ نکات پر مجیب کا اڑے رہنا اور اس کے ساتھیوں کی ہٹ دھرمی۔

۴۔ مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب کی حکومت پاکستان کے ساتھ عدم تعاون کی تحریک۔

۵۔ مشرقی پاکستان میں بھارتی اسلحہ کا پہنچنا اور تخریب کاروں کی مداخلت۔ بھارتی ایجنٹوں کی سرگرمیاں۔

۶۔ مشرقی پاکستان کے ہندوؤں کی ریشہ دوانیاں اور خفیہ تخریبی سازشیں، ہندو پروفیسروں کا ڈھاکہ یونیورسٹی میں مسلمان طلبہ کو مغربی پاکستان کے خلاف بھڑکاتے رہنا۔

۷۔ برطانیہ، امریکہ، روس اور یہودیوں کا بھارت کی پروپیگنڈے سے اور مادی امداد کرنا۔

۸۔ عوامی لیگ مشرقی پاکستان کے لوگوں کا غداری کرنا اور بھارت سے مل جانا لیکن کتنے ہی مشرقی پاکستان کے محب الوطن تھے مگر عوامی لیگ سے گھبرا کر ان کا دم بھرتے تھے۔

۹۔ ۱۵ راگست ۱۹۷۱ء کو بھارت کا روس سے فوجی معاہدہ کرنا اور ان کا بھارت کی بھرپور پاکستان کے خلاف جنگی اعانت کرنا۔

۱۰۔ پاکستان کے ساتھ چین کے تعلقات کا مسلسل بڑھنا اور روس کو ان تعلقات کا ناگوار ہونا۔

۱۱۔ مشرقی پاکستان کو حاصل کر کے روس کا وہاں اقتدار حاصل کرنا اور خلیج بنگال میں اپنی طاقت بڑھانا اور چین کے خلاف فوجی اڈے قائم کرنے کا ارادہ۔

۱۲۔ حکومت مغربی پاکستان یعنی صدر کا مارچ ۱۹۷۱ء میں مجیب کی سرگرمیوں کو ڈھیل دینا۔

۱۳۔ مجیب کے چھ نکات پر الیکشن لڑنے کی کھلی چھٹی دے دینا۔

۱۴۔ مشرقی پاکستان اور بھارت کی سرحدوں کی بھارتی مداخلت کاروں، ایجنٹوں اور دیگر ریشہ دوانیوں سے غفلت برتنا۔

۱۵۔ ایسٹ پاکستان رائفلز، پولیس اور بنگال کے افسروں اور اعلیٰ حکام کا غداری کرنا۔

۱۶۔ بھارت کا مغربی پاکستان سے اور مشرقی پاکستان کے درمیان بحری، بری، فضائی ناکہ بندی کرنا اور فضائی ناکہ بندی کے لئے ۳۰ جنوری ۱۹۷۱ء کو ہاشم اور اشرف دو بھارتی ایجنٹوں مقبوضہ کشمیری باشندوں کے ذریعہ "گنگا" نامی بھارتی جہاز کو بھارت کی سازش کے تحت لاہور کے ہوائی اڈے پر اتروا کر جلانا اور مغربی پاکستان کی ہوائی سروس کو بھارت کا اس طرح بند کر دینا اور محمد ہاشم، محمد اشرف، مقبول بٹ، میر عبدالقیوم، عبدالمنان۔ یہ وہ سارے امور ہیں جن کے باعث پاکستان کو شکست ہوئی لیکن سب سے بڑی وجہ یہ ہے

روس کا بھارت کی جنگی مدد کرنا ہے

اگر روس اپنے بے شمار اسلحہ اور فوجی آدمیوں سے بھارت کی مدد نہ کرتا تو بھارت پاکستان کو بفضل خدا ہرگز شکست نہ دے سکتا تھا لہٰذا اکیلا پاکستان اور اس کے مقابلے میں روس اور بھارت اور مغربی ممالک بالخصوص برطانیہ، امریکہ، روس اور یہودیوں کا گٹھ جوڑ۔ ان حالات میں پاکستان کیلئے جنگ بند کرنے کے سوا چارہ کیا تھا۔ بھارتی جنرل جگجیت سنگھ اروڑا نے اپنے ایک بیان میں روس کا شکریہ ادا کیا ہے کہ اسکی وجہ سے بھارت جنگ جیت سکا۔

مغربی محاذوں پر بھرپور پیشقدمی:۔ اگر مغربی پاکستان کے محاذوں پر بقول صدر محمد یحییٰ خاں بھرپور پیشقدمی کر کے کشمیر اور بھارتی پنجاب کو لے لیا جاتا اور ایسا ممکن تھا تو پھر مشرقی پاکستان کے ہاتھوں سے نکل جانے کا خسارہ پورا ہو جاتا اور ہم بھارت سے برابری کا دعویٰ کر سکتے۔ پاکستان کی عزت بھی رہ جاتی اور دنیا میں پاک فوج کی بہادری کا سکہ دوبارہ بیٹھ سکتا مگر ہائے افسوس اب ہماری آنکھیں ندامت سے نہیں اٹھ سکتیں۔ اگر دنیا کے مسلمان متحد نہیں ہوتے۔ عرب کے مسلمان یہودیوں سے پٹ گئے۔ مصر کا بڑا علاقہ ان کے قبضے میں ہے اور ادھر اردن سے فلسطین اور بیت المقدس نکل کر یہودیوں کے پاس جا پہنچا مگر یہ سب کچھ مسلمان دیکھ رہے ہیں مگر پھر نہیں سمجھتے۔ وہ ذلت اور مسکنت جو یہودیوں کیلئے لکھی گئی تھی وہ اب مسلمانوں میں منتقل ہو گئی۔

مغربی پاکستان پر عذاب کا تسلط:۔ ادھر مغربی پاکستان کی مشرقی آبادیوں پر بھارت نے بہت بمباری کی۔ کراچی، پشاور، اسلام آباد، راولپنڈی، وزیرآباد، سیالکوٹ، رحیم یار خاں، لاہور، کوٹ لکھپت اور دیگر شہروں، قصبوں اور دیہاتوں پر بھارتی ہوائی جہازوں نے بمباری کر کے تباہی مچا دی۔ اخبار مشرق کے مطابق صرف سیالکوٹ میں تین سو آدمی شہید ہو گئے لیکن مشاہدہ کرنے والوں کا اندازہ ہے کہ سیالکوٹ میں لاریوں کے اڈے پر جو بمباری ہوئی اس سے اور سیالکوٹ اسٹیشن پر بمباری سے ایک ہزار سے کم مسلمان

شہید نہیں ہوئے۔ لوگوں کے جسموں کی ہڈیاں اور بوٹیاں اڑ اڑ کر فضا میں بکھر گئیں اور لاشوں کے ٹکڑے ٹکڑے ملبے سے اٹھا کر بوروں میں بھر کر اور گڑھوں میں ڈال کر چھپا دیئے گئے۔ نہ کفن نصیب ہوا اور نہ نماز جنازہ ادا ہوئی۔ ہمارے ایک اندازے اور اخباروں کی اطلاعات کے مجموعی اندازے سے پتہ چلتا ہے کہ دو ہزار آدمیوں سے کچھ زیادہ مغربی پاکستانی اس طرح شہید ہو گئے۔

یہ عذاب پاکستانیوں پر کیوں؟:۔ یہ عذاب کیوں پاکستانیوں پر آیا اس کی وجہ صرف وہی ہے جو ہم نے علامہ عثمانی شبیر احمد صاحب کے گذشتہ خطبوں میں ایک جگہ نہیں بلکہ کئی جگہ پڑھا۔ شیخ الاسلام کے یہ فرمودات ایک دفعہ پھر پڑھیئے لکھتے ہیں:۔

"خدائی نظام (یعنی قرآن و سنت کے مطابق قانون) کا احیاء تاریخ میں تمہارا نام روشن کریگا اور اللہ و رسول کے سامنے سرخرو کرے گا۔ یاد رکھو کہ خدا کا دیا ہوا یہ موقع (یعنی پاکستان کا بن جانا) بھی اگر ہاتھ سے کھو دیا تو دنیا و آخرت دونوں کی تباہی سے کوئی چیز تمہیں نہیں بچا سکتی۔" (خطبہ ڈھاکہ ص ۲۸)

دنیا کی تباہی تو آپ نے دیکھ ہی لی کہ کس طرح ہمارے ملک کا ایک حصہ بھارتی کافروں کے قبضے میں آ گیا۔ وہاں مسلمانوں کا کس طرح قتل عام ہوا، عورتوں کی عصمتیں لٹیں، مسلمان ذلیل ہو گئے۔ رہا آخرت کا عذاب تو وہ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے ان لوگوں کو ملے گا جنہوں نے یہاں قانون الٰہی نہیں چلایا اور نہ چلنے دیا۔ وہ اس کے انجام کے لئے تیار رہیں۔

علامہ عثمانی نے ڈھاکے میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:۔

"یاد رکھئے کہ اگر پاکستان میں اسلامی اصولوں پر حکومت کی بنیاد نہ رکھی گئی تو پاکستان زندہ نہ رہ سکے گا۔"

(اخبار زمیندار لاہور ۱۳ فروری ۱۹۴۹ء اور مجیب الشان ۱۹۵۸ء کا ہفت آواز کی شاعت)

اب آپ نے دیکھ لیا کہ پاکستان کا ایک بازو یعنی مشرقی پاکستان آپ کے ہاتھ سے نکل گیا اور اب اس پر بھارت کی فوج قابض ہے۔ شیخ الاسلام نے فرمایا:۔ "قائد اعظم نے کہا ہے کہ پاکستان قائم رہنے کے لئے بنا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ اس صورت میں ہے جبکہ یہاں پاکستان میں اسلامی آئین نافذ کیا جائے ورنہ اس کا رہنا ضروری نہیں۔"

مشرقی پاکستان سیکولر اسٹیٹ ہوگی
شیخ مجیب الرحمٰن "بنگلہ دیش" کے وزیر اعظم کا بیان

اس کے برعکس اب پاکستان کا بڑا حصہ مشرقی پاکستان جو اب بھارت کے زیر اقتدار آ گیا ہے وہاں کے متعلق "بنگلہ دیش" نام نہاد کے وزیر اعظم شیخ مجیب الرحمٰن نے ۱۰ جنوری ۱۹۷۲ء کو ڈھاکہ رمنا ریس کورس گراؤنڈ کے ۱۰ لاکھ کے ہجوم میں کہا:۔ "پاکستان کے ساتھ ہمارے تمام رشتے ہمیشہ کے لئے ختم کر دیئے گئے ہیں۔"

اور اندرا گاندھی وزیر اعظم بھارت سے دہلی میں دوران گفتگو میں ۱۰ جنوری ۱۹۷۲ء کو کہا:۔

"اب ملک (یعنی مشرقی پاکستان نام نہاد بنگلہ دیش) جمہوریت، سوشلزم اور غیر مذہبی نظریات کا حامل ہوگا۔" (نوائے وقت ۱۱ جنوری ۱۹۷۲ء ص ۱ کالم ۲)

آپ نے سن لیا کہ مشرقی پاکستان جو اسلامی نظریۂ حیات کے لئے بنایا گیا اور مشرقی پاکستان جو بنگال کے لوگوں شیر بنگال فضل حق خواجہ ناظم الدین، شہید سہروردی اور دیگر بنگالی حضرات نے اس میں اسلام کا آئین جاری کرنے کے لئے متحدہ پاکستان میں شامل کیا تھا اب اسی بنگال کا ایک مسلمان بھارت کے ساتھ مل کر اور اسکو وہاں بزور شمشیر قبضہ دلا کر لادینی اور غیر مذہبی اسٹیٹ بنانے کا اعلان کر رہا ہے فلاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ اللہ رے کفر دوستی اور اسلام دشمنی۔

شیخ مجیب کی اسیری اور رہائی موت کے منہ سے خلاصی شیخ مجیب کو جیسا کہ صدر یحییٰ نے کہا تھا کہ وہ غدار ہے ۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء کو گرفتار کر کے مغربی پاکستان لایا گیا۔ یہاں اس پر مقدمہ چلایا گیا۔ امریکہ کے ریڈیو کے حوالے سے نوائے وقت اخبار لکھتا ہے۔

"واشنگٹن ۹ جنوری۔ وائس آف امریکہ کے نامہ نگار نے اطلاع دی ہے کہ سابق صدر یحییٰ نے فوجی عدالت کے سزائے موت کے فیصلے کی توثیق کر دی تھی اور ۱۵ دسمبر ۱۹۷۱ء کو شیخ مجیب الرحمٰن کو تختہ دار پر لٹکانے کا حکم دیا تھا جیل میں ان کی کوٹھڑی کے ساتھ والی کوٹھڑی میں پھانسی گاڑ دی گئی تھی اور ان کے لئے قبر بھی کھود دی گئی تھی جہاں دفن کرنا تھا۔ جب ۱۵ دسمبر ۱۹۷۱ء کو بھارتی فوجیں ڈھاکے میں اتر پڑیں اور یحییٰ خاں کا اپنا اقتدار خطرے میں پڑ گیا تو جیلر شیخ مجیب الرحمٰن کو اپنے گھر لے گیا اور دو دن اس نے اپنے گھر میں چھپائے رکھا۔ اس دوران یحییٰ خاں کو اقتدار جناب بھٹو کے حوالے کرنا پڑا اور شیخ مجیب الرحمٰن موت کے منہ سے بال بال بچ گئے۔" (نوائے وقت ۱۰ جنوری ۱۹۷۲ء ص۱)

ذوالفقار علی بھٹو کو صدارت ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء کو ملی اور ۸۔۹ جنوری ۱۹۷۲ء کی درمیانی شب رات کے تین بجے شیخ مجیب کو انہوں نے رہا کر دیا۔ خصوصی طائر کو پی۔ آئی۔ اے کے ہوائی جہاز میں شیخ صاحب کی خواہش کے مطابق ۹ جنوری کو لندن بھیجا گیا جہاں وہ غداوندان لندن سے ملے جو بنگلہ دیش میں شریک تھے۔ ۹ جنوری ۱۹۷۲ء کو صبح وہ لندن پہنچ گئے۔ ۱۰ جنوری کو وہ لندن سے ماسکو پہنچے جو بنگلہ دیش کے زبردست حامی تھے۔ ان کو سلام کر کے وہ دہلی پہنچے۔ پالم پور کے اڈے پر وی۔ وی گری صدر بھارت اور اندرا گاندھی وزیر اعظم نے ان کا استقبال کیا۔ سلامتی کے چبوترے پر صدر بھارت اور شیخ مجیب نے سلامی لی۔

معاملہ برعکس یحییٰ خانصاحب نظربند:۔ مجیب صاحب کے برعکس یحییٰ خاں صاحب آج کل نظر بند ہیں۔ ان پر ۱۰ جنوری سے مقدمہ چلے گا۔ دیکھئے تقدیر میں کیا لکھا ہے۔

صدر بھارت کی تقریر:۔ گارڈ آف آنر کے بعد شیخ صاحب کا خیر مقدم کرتے ہوئے صدر بھارت نے کہا کہ ہمیں ان کا استقبال کر کے بڑی خوشی ہوئی کیونکہ وہ سات کروڑ بنگالی عوام کے نمائندے ہیں اور جنہوں نے آزادی میں حصہ لے کر فتح حاصل کی۔ شیخ مجیب کا وجود بھارت اور بنگلہ دیش کے درمیان پائیدار دوستی کا باعث ہوگا۔

شیخ مجیب کی جوابی تقریر جے ہند اور جے بنگلہ دیش شیخ مجیب الرحمٰن نے جوابی تقریر میں کہا کہ "بھارت اور بنگلہ دیش کے تعلقات ابدی ہیں کیونکہ بھارت نے بنگلہ دیش کی آزادی کے حصول میں مدد دی اور آج میں اپنے ملک کی طرف واپس جا رہا ہوں جو کہ آزاد ہے، خود مختار ہے (خود مختار اور آزاد کہاں ہے) میرا سفر اندھیرے سے اجالے کی طرف، جیل سے آزادی کی طرف ہے۔ میں اپنے خیالوں کے دیش میں ۹ ماہ کے بعد جا رہا ہوں۔ الخ اپنی تقریر ختم کرتے ہوئے شیخ مجیب نے جے بنگلہ دیش اور جے ہند کے نعرے لگائے۔

ہوائی اڈے سے شہر دہلی کو اندرا کی تقریر دہلی کے ہوائی اڈے سے وہ پریڈ گراؤنڈ پہنچے جہاں جلسہ عام میں جو دہلی کے شہریوں کی طرف سے تھا اندرا گاندھی نے خیر مقدم کرتے ہوئے کہا:۔

"میں نے تین وعدے کئے تھے کہ مکتی باہنی کی پوری مدد کروں گی تارکان وطن کو ان کے گھروں میں واپس پہنچاؤں گی اور شیخ مجیب کو رہا کراؤں گی۔ یہ وعدے میں نے پورے کر دیئے۔"

شیخ مجیب کی جوابی تقریر:۔ شیخ مجیب نے تقریر میں کہا کہ بھارت اور بنگلہ دیش کے درمیان دوستی ابدالآباد تک قائم رہے گی۔ اب دونوں ملک بھائیوں کی طرح رہیں گے۔ میرے ملک کے عوام حکومت بھارت کے اور بھارتی عوام کے تاقیامت احسان مند رہیں گے جنہوں نے ہماری پوری پوری مدد کی۔" (نوائے وقت ۱۱ جنوری ۱۹۷۲ء)

شیخ مجیب کی دہلی سے ڈھاکہ کو روانگی:۔ دہلی سے روانہ ہو کر وہ ٹھیک ایک بجکر ۴۳ منٹ پر تیج گاؤں کے اڈے پر اترے جہاں ۱۰ لاکھ بنگالیوں نے انکا استقبال کیا۔ نذر الاسلام قائمقام صدر، تاج الدین وزیر اعظم اور بنگلہ دیش کی کابینہ کے ارکان، ان کے والدین، رشتہ دار، برطانیہ، امریکہ، روس، پولینڈ، نیپال، یوگوسلاویہ، جاپان اور چیکوسلواکیہ کے قونصل بھی اڈے پر موجود تھے۔ اب چوہدری ابوسعید صدر، شیخ مجیب الرحمٰن وزیر اعظم بنگلہ دیش بنا دیئے گئے ہیں اور اس طرح پاکستان کا ایک جزو اعظم کٹ کر بھارت کے زیر اقتدار پہنچ گیا ٹھیک اسی طرح جس طرح شیخ عبداللہ کو فریب میں لا کر کشمیر قبضے میں لایا گیا تھا۔ تا اب تک کشمیر سے بھارت کی فوجیں نکلیں اور نہ بنگلہ دیش سے نکلنے کی امید۔ شیخ عبداللہ اور میاں افضل دونوں جلاوطنی کی زندگی دہلی میں گذار رہے ہیں۔ شیخ مجیب بھی کسی وقت دیش نکالا دیئے جائیں گے کیونکہ جس وقت بھارت دیش نے ہزاروں اپنے فوجیوں کی قربانی دے کر اسے لیا ہے وہ کیسے اسے آزاد کر دیگا۔ کہاں گئے غازی مسلمان، محمود غزنوی، صلاح الدین ایوبی، طارق اور محمد بن قاسم کی جگہ ہائے افسوس صادق جعفر، غلام محمد بخشی، غلام صادق، میر قاسم اور شیخ مجیب نے لے لی۔ فیا مصیبتا و یا ویلا۔

اندرا گاندھی کی دھمکی:۔ مشرقی پاکستان کو ہڑپ کرنے کے بعد اس نے کہا ہے کہ ابھی تو ہم نے ایک لڑائی جیتی ہے ابھی جنگ جیتنی باقی ہے۔ اس کا اشارہ آزاد کشمیر اور مغربی پاکستان کی طرف ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور بہادری مدد فرمائے۔

مغربی پاکستان کے بچاؤ کی صورت

ہمیں مغربی پاکستان کے بچاؤ کے لئے بقول علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی حسب ذیل امور کی ضرورت ہے:۔

(۱) مغربی پاکستان میں جلد اسلامی آئین نافذ کر دیا جائے (۲) شراب، سود، قمار بازی اور ہر طرح کے افعال شنیعہ سے معاشرے کو پاک کیا جائے اور پاکستان کو صحیح معنی میں پاکستان بنایا جائے (۳) ملک کو فلاحی ملک بنایا جائے اور خارجہ پالیسی کو مضبوط اور فعال بنایا جائے (۴) احکام خداوندی کی حتی الامکان تعمیل کی جائے (۵) ملک کے غداروں سے ملک کو پاک کیا جائے۔

سقوط مشرقی پاکستان کے غم میں کئی مر گئے:۔ مشرقی پاکستان کے سقوط کے غم میں مغربی پاکستان کے کئی آدمی مر گئے یہ وہی پاکستان ہے جس کے حصول میں ۱۹۴۷ء میں ایک لاکھ کے لگ بھگ مسلمان شہید ہوئے پچاس ہزار مسلمان عورتیں سکھوں اور ہندوؤں کے گھروں میں مجبوراً مرتد ہو گئیں اور اب ہماری پھوٹ اور صوبائی تعصب اور دشمن کی ریشہ دوانیوں سے اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے آج قائد اعظم بانی پاکستان، علامہ شبیر احمد معمار ثانی پاکستان، لیاقت علی شہید، عبدالرب صاحب نشتر، شیر بنگال فضل حق کی روحیں عالم برزخ میں بیتاب ہو گئیں۔

شیخ الاسلام پاکستان کے معمار ثانی:۔ ہم نے یہ کوئی مبالغہ آرائی نہیں کی کہ علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی پاکستان کے معمار ثانی تھے آپ نے انکے خطبوں، اپیلوں، بیانات سے خود اندازہ لگا لیا ہو گا کہ وہ پاکستان کے قائد اعظم کے بعد دوسرے محسن تھے مولانا ظفر احمد انصاری موجودہ رکن مرکزی اسمبلی اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:۔

"مولانا شبیر احمد صاحب کی مسلم لیگ میں شرکت نے انکی پرزور بیانات اور روح پرور تقاریر نے دیوبندی مسلک کے علماء میں ایک ہلچل پیدا کر دی اور بہت سے دیوبندی علماء کا مؤید بنا دیا انکی اسی وجہ سے ایسے بہت سے علماء جو پہلے مولانا حسین احمد صاحب مرحوم اور انکے رفقاء سے متاثر تھے تحریک پاکستان کے معاون بن گئے" (چراغ راہ کراچی نظریہ پاکستان نمبر صـ۲۱۵)

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ علماء دیوبند میں بہت سے حضرات بالخصوص حضرت مولانا اشرف علی صاحب کے متعلقین سب ہی لیگ میں شامل تھے۔ خود دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے اکثر ممبر کانگریس کی تائید میں نہ تھے۔ لہٰذا علمائے دیوبند کے خلاف یہ پروپیگنڈا غلط ہے حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق جمعیۃ العلماء ہند دہلی سے تھا اسی تعلق سے وہ کانگریس کے ہمنوا تھے نہ کہ دارالعلوم کے صدر مدرس کی حیثیت سے۔

ہاں تو علماء دیوبند میں علامہ عثمانی نے ہندوستان کے مسلمانوں کو لیگ کا ہمنوا بنانے میں بڑا کام کیا۔ مولانا ظفر احمد انصاری لکھتے ہیں:۔

"مولانا عثمانی مرحوم کی جانب سے لیگ کی حمایت میں تقریروں اور بیانات سے نیز کلکتہ کی جمعیۃ العلماء اسلام کی کانفرنس سے جو فضا پیدا ہوئی اس سے وہاں کے حالات بدلے اور وہاں بھی (سلہٹ میں) ریفرنڈم (استصواب رائے عامہ) میں لیگ کو کامیابی حاصل ہوئی۔ مولانا عثمانی اور انکے رفقاء مفتی محمد شفیع صاحب اور مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کی شرکت نے دینی حلقوں کی فضا کو بہت متاثر کیا نیز خود عوام پر بھی مولانا (شبیر احمد صاحب) کی شرکت اور انکی سرگرمیوں کا بڑا خوشگوار اثر پڑا اور لیگ کے موقف کے متعلق دینی حیثیت سے ان میں جو اضطراب تھا وہ دور ہو گیا۔ لاہور، بمبئی، پشاور اور یو۔پی کے متعدد مقامات پر مولانا شبیر احمد عثمانی نے شرکت اور صدارت کی علماء کی پوری تحریک حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی قیادت میں کارفرما رہی اور خود مسلم لیگ کی مجلس عاملہ میں بھی ۱۹۴۶ء کے سارے اجتماعات میں مولانا عثمانی کو خصوصی دعوت پر شریک کیا جاتا رہا۔" (چراغ راہ نظریہ پاکستان نمبر صـ۲۳۵)

دستور اسلامی کی تدوین کے بارے میں جب اسمبلی نے قرارداد پاس کی تو اس کمیٹی کے متعلق ظفر احمد صاحب انصاری لکھتے ہیں:۔

"کمیٹی میں مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا اکرم خاں، ڈاکٹر غلام محمد ایم۔ ایچ گزدر وغیرہ تھے ایک طبقہ ہمیشہ اس بات کی برابر کوشش کر رہا تھا کہ دستور سیکولر (لادینی) ہو اسلام کے تقاضوں کا صحیح شعور بہت کم لوگوں کو تھا۔ لادینیت پسند طبقے کی کوشش یہ تھی کہ ہندوستان کی قرارداد مقاصد (لادینی آئین) پر بسم اللہ کا اضافہ کر کے اسے منظور کر لیا جائے لیکن مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے بڑی ہمت اور بالغ نظری سے ان تمام حضرات کا مقابلہ کیا اور وہ مسودہ تیار کرایا جو بعد میں آیا یعنی (قرارداد مقاصد کے نام سے) پیش ہوا۔ یہ مسودہ بڑی بحث و تمحیص کے بعد تیار ہوا اور درمیان میں بعض مراحل تو ایسے بھی آئے کہ مولانا (شبیر احمد صاحب) کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ اگر سیکولر گروپ نے اپنا انداز نہ بدلا تو ہم تمام واقعات ملک کے سامنے لے آئیں گے۔" (چراغ راہ صـ۲۱۷)

تقسیم ملک کے بعد ایک ہفتہ پہلے مولانا عثمانی صاحب کراچی تشریف لے آگئے تھے آپ نے یہاں آنے کے بعد جو کچھ کیا۔ مولانا ظفر احمد انصاری لکھتے ہیں:

"اس زمانے میں مولانا عثمانی صاحب برابر ذمہ داران حکومت سے ملتے رہے مختلف مسائل پر بیانات کے ذریعہ قوم کی رہنمائی کرتے رہے اور جو بھی مسائل پیش آتے ان کے حل کیلئے جس طرح جو کام مناسب خیال فرماتے تھے وہ کرتے رہے۔" (چراغ راہ نظریہ پاکستان نمبر)

علامہ عثمانی ایک بیدار مغز عالم حضرت تھانویؒ اور لیاقت علی کی نظر میں

حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند ہندوستان سے ایک دفعہ پاکستان آئے تو خان لیاقت علی خاں مرحوم سے علامہ عثمانی کا ذکر آیا

تو وزیر اعظم نے فرمایا ہمارے لئے علامہ شبیر احمد صاحب کی ذات باعث رحمت تھی جب کوئی ملکی دشوار مسئلہ پیش آتا اور اس کا حل سمجھ میں نہ آتا تو علامہ کے پاس جاتے اور اس کا حل معلوم کر کے خوش خوش واپس آتے۔ اس لئے علامہ عثمانی برابر ملکی معاملات میں پاکستان کی رہنمائی فرماتے رہے۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۹ جون ۱۹۴۱ء کو مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں لیگ کے کارفرما حضرات بالخصوص قائد اعظم کو تبلیغ کے لئے جب بھیجا تو آپ نے علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کو اس وفد کا امیر منتخب کیا تھا اور فرمایا تھا۔

"جناح صاحب سے جو باتیں کرنی ہیں ان میں مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کو خط میں لکھ چکا ہوں وہ امیر الوفد بھی ہیں اور گفتگو کا سلیقہ بھی ان کو بہت بہتر آتا ہے۔" (تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی صـ۸۲)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جیسا شخص بھی علامہ عثمانی کی علمیت اور سلیقہ گفتگو کے قائل تھے۔
مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی اپنی خود نوشت سوانح عمری انوار النظر میں لکھتے ہیں:۔

"حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے سرحد کے ریفرنڈم میں مسلم لیگ کی کامیابی پر قائد اعظم کو مبارکباد دی تو انہوں نے جواب میں فرمایا مولانا! مبارکباد کے مستحق تو آپ ہیں۔" (انوار النظر صـ۸)

مولانا ظفر احمد عثمانی ایک اور جگہ لکھتے ہیں:۔ "قرارداد مقاصد کے پاس کرانے میں حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی سعی بلیغ کو بڑا دخل تھا۔" (انوار النظر صـ۸۶)

قائد اعظم کو علامہ عثمانی کی خدمات کا اعتراف سلہٹ اور کراچی میں پرچم کشائی!

حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی اور مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی بھرپور کوششوں اور مسلم لیگ نیز تعمیر پاکستان کے لئے مساعی کے اعتراف میں جب ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ یعنی ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء بروز جمعۃ المبارک جشن پاکستان منایا جانے لگا تو ملک کی سب بڑی مقتدر ہستی قائد اعظم محمد علی جناح مرحوم نے مغربی پاکستان کراچی میں علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کو اور ڈھاکے میں وزیر اعظم مشرقی پاکستان نے مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کو پرچم کشائی کا اعزاز بخشا۔ تلاوت قرآن مجید اور مختصر تقریر کے بعد علامہ شبیر احمد صاحب نے اپنے دست مبارک سے پرچم لہرایا۔

یہ ہیں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی جنکے خطبوں، تقریروں اور بیانات میں نظریہ پاکستان کے تمام گوشے اجاگر ہو چکے ہیں اور جن کا پڑھنا ہر پاکستانی کے لئے نہایت ضروری اور اہم ہے ہم نے اس مجموعے میں مختصر طور پر ان تمام خیالات اور سیاسی واقعات کو بھی پیش کر دیا ہے جن میں ہندوستان و پاکستان کے سیاسی حالات بالخصوص آئین اسلام کی تاریخی جدوجہد اور دسمبر ۱۹۷۱ء تک کے حالات شامل ہیں اور چونکہ جنگ دسمبر کے حالات بھی سامنے آچکے تھے اس لئے مختصراً انکو بھی بیان کر دیا ہے البتہ اس جنگ کے مفصل حالات پر ہم جلد ہی کتاب علیحدہ پیش کریں گے اب صدر مملکت ذوالفقار علی بھٹو ہیں جنہوں نے تمام صوبوں میں پیپلز پارٹی کے گورنر مقرر کر دئیے ہیں۔ ۱۶ یا ۱۷ جنوری ۱۹۷۲ء کو پاکستانی صدر مملکت ذوالفقار علی بھٹو نے تعلیمی اصلاح کا اعلان کرتے ہوئے کہا ہے کہ تعلیم میں سوشلزم کا خاص موضوع ہوگا۔ الغرض پاکستان تو اسلام کیلئے بنا تھا اب یہاں سوشلزم لایا جا رہا ہے یہ عذاب و قہر الٰہی ہے۔ اللہ تعالیٰ پاکستان کو محفوظ رکھے اور اسکی عظمت رفتہ کو پھر واپس لائے مشرقی پاکستان مغربی پاکستان اور کشمیر کو رب العالمین متحد فرما کر پاکستان کو تابندہ اور پائندہ بنائے اور اشتراکیت اور سوشلزم سے تمام ممالک اسلامیہ کو محفوظ رکھے نیز ان سب ممالک کو اسلامی قانون جاری کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (محررہ یکم ذوالحجہ ۱۳۹۱ھ ۱۸ جنوری ۱۹۷۲ء)

(نوٹ) نظریہ پاکستان کے حالات سے فارغ ہو کر اب ہم علامہ عثمانی کی مؤثر کن تقریریں پیش کرتے ہیں یہ حالات ہم نے مکتوبات عثمانی میں بھی پیش کئے ہیں جو انوار عثمانی کے نام سے موسوم ہیں اور یہاں بھی درج کئے جاتے ہیں۔

تقاریر مؤتمر مکہ

منعقدہ ذیقعدہ ۱۳۴۴ھ مطابق مئی ۱۹۲۵ء

از

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی

اس حصے میں علامہ کی وہ تقریریں ہیں

جو

موصوف نے شاہ حجاز ابن سعود اور علماء کی مجالس میں بزبان عربی فرمائیں۔

تعارف مؤتمر

شاہ عبدالعزیز ابن سعود شاہ حجاز و نجد نے جب مکہ و مدینہ زادہما اللہ شرفاً کو بزور شمشیر حاصل کیا تو ان سے پہلے شریف مکہ حسین نے ترکوں سے غداری کی تھی برسر اقتدار تھا۔ شاہ ابن سعود نے اقتدار حاصل کرنے کے بعد ان تمام مآثر اور پختہ قبوں کو منہدم کرا دیا جو ترکوں نے بطور یادگار صحابہؓ اور دیگر مقدس حضرات کے مزارات پر بنوائے تھے۔ جنگ احد کے شہید صحابہؓ کے مزارات پر قبے بنوائے گئے تھے اور ایک گنبد پر انکا نام بھی تھا۔ اسی طرح جنت البقیع میں ازواج مطہرات نیز حضرت فاطمہؓ حضرت امام حسنؓ وغیرہم کے قبے بھی گرا دیئے گئے۔ اب ان کی قبروں کے چاروں طرف اینٹیں رکھی ہوئی ہیں۔ شاہ ابن سعود کے اس عمل سے دنیائے اسلام میں ایک ہیجان برپا ہوگیا چنانچہ انہوں نے ممالک اسلامیہ کے علما اور غیر ممالک اسلامیہ کے علماء کو بھی مثلاً ہندوستان جس میں کروڑ مسلمان بستے تھے مدعو کیا اور ایک مؤتمر منعقد کی یہ مؤتمر مکہ مکرمہ میں منعقد ہوئی جو ذیقعدہ ۱۳۴۴ھ مطابق مئی ۱۹۲۵ء میں منعقد ہوئی ہندوستان سے جمعیۃ العلماء ہند دہلی کی طرف سے علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی اور مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی اور تحریک خلافت کی طرف سے مولانا محمد علی جوہر مولانا سید سلیمان صاحب ندوی اور مولانا شوکت علی صاحب نے شرکت فرمائی۔ ذیقعدہ ۱۳۴۴ھ کے دوسرے ہفتے میں علامہ عثمانیؒ مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور ۴ ذیقعدہ سے مؤتمر اور شاہ اور علماء کی مجلسوں میں شرکت فرمانے لگے تھے یہ سب حالات علامہ کی خود نوشت ڈائری سے معلوم ہوئے ہیں جو راقم الحروف کو انکے چھوٹے بھائی مفضل حق عثمانی مرحوم سے ۹ نومبر ۱۹۵۸ء کو دستیاب ہوئی چنانچہ انکی یہ تقریریں انہی کے تحریر کردہ الفاظ میں جو انہوں نے اردو میں درج کی ہیں ہم پیش کر رہے ہیں۔ مختلف محفلوں اور مجلسوں میں علامہ کی ان عربی تقریروں سے متاثر ہوکر مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے مضمون میں لکھا تھا۔

"مکہ میں مؤتمر کے جلسے ایک ماہ کے قریب ہوتے رہے (۴ ذیقعدہ ۱۳۴۴ھ سے ۲ ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ تک) ان میں ہم لوگ شریک ہوتے رہے اور اکثر مولانا شبیر احمد صاحب بھی شریک ہوتے تھے۔ اسی سفر میں مجھے علم ہوا کہ موصوف عربی تحریر اور تقریر پر اچھی طرح قادر تھے۔ سلطان ابن سعود نے خلافت اور جمعیت کے دونوں وفدوں کو ایک ساتھ ملنے کو بلایا اور مختلف موضوعوں پر گفتگو کی مولانا شبیر احمد صاحب نے اس موقع پر اچھی اور شستہ گفتگو کی اور سلطان اسکو دیر تک سنتے رہے۔"

(رسالہ معارف اپریل ۱۹۵۰ء)

مرتب

مجلس شاہ ابن سعود میں علامہ عثمانی کی

پہلی تقریر: دین کے فروعی مسائل میں اختلاف

۴ ذیقعدہ ۱۳۴۴ھ
۴ بجے عربی ٹائم

بندہ نے ایک مبسوط تقریر کی جس میں ان (شاہ ابن سعود) کے مکارم اخلاق اور اکرام ضیف کو بیان کر کے اپنی جماعت دیوبند اور اپنے مسلک و مشرب کی تصریح کی کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع پر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں ہر چیز ہے اور یہ کہ کتاب و سنت کا استعمال اور متن کے مظان و محال (مواقع اور محل) کی معرفت رائے اور اجتہاد کی محتاج ہے۔ ایک طرف زینب سے نکاح ہے دوسری طرف لَوْلَا حَدَاثَةُ قَوْمِكِ بِالْجَاهِلِيَّةِ الخ الحدیث ایک طرف جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (اے نبی کفار اور منافقین سے جہاد کیجیے اور ان پر سختی اختیار کیجیے) ہے۔ دوسری جانب فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ (اللہ کی رحمت کی وجہ سے ہے کہ آپ انکے لئے نرم ہوگئے) اور قصہ جنازہ عبداللہ بن ابی ہے ان اخلاق کا ثمرہ ترقی اسلام تھا چنانچہ عبداللہ بن عبداللہ (ابن عبداللہ ابی) خود مسلمان ہوگئے۔ تغلیظ (سختی) اور لین (نرمی) کے محال (مواقع) انکے سمجھنے میں غلطی ہو جاتی ہے۔

چنانچہ اختلاف بہت سے ہیں۔ اختلاف بین الاسلام والکفر، اختلاف بین النفاق والاخلاص، اختلاف بین السنۃ والبدعۃ، اختلاف بین الطاعۃ والمعصیۃ، اختلاف بین الاحکام۔ هذا هو الذي هو رحمة للامة (احکام دین کے فروع میں اختلاف امت کے لئے رحمت ہے) ایں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ ہر صنف کے ساتھ جداگانہ تھا (اور اخلاق نبوی کے تحت ہر صنف کے ساتھ معاملہ جداگانہ اخلاق کے ماتحت تھا) باوجودیکہ (کفار کیساتھ) وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (کفار کیساتھ جہاد میں سختی کیجئے) کے آپ مخاطب تھے۔ لیکن خَشْيَةَ أَنْ يَقُولَ النَّاسُ إِنَّ مُحَمَّدًا صلى الله عليه وسلم يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ (اس خوف سے کہ کوئی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نہ کہدے کہ آپ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں) ابھی موجود ہے۔ اختلاف فروع (جزئیات دین میں اختلاف) مثلاً رفع یدین، قرات فاتحہ، آمین کہنا (بالجہر) زور سے وغیرہ صحابہ تابعین تبع تابعین خیر القرون اور ائمہ مجتہدین میں رہا ہے ہم ان چیزوں میں رواداری برتتے ہیں بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ (علم میں وسعت) السید سلیمان (مولانا سید سلیمان ندوی) جیسی اور بَسْطَةً فِي الْجِسْمِ (موٹے جسم والے) شوکت علی جیسی (صفت) جنہیں حاصل ہے إِنَّمَا الدِّينُ النَّصِيحَةُ لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُؤْمِنِينَ وَعَامَّتِهِمْ (اس کے سوا نہیں کہ دین خیرخواہی ہے اللہ کیلئے، اس کے رسول، مومنین اور ائمہ اور عوام کے لئے خیر خواہی ہے) پس جبکہ آپ نے ہم کو شرف بخشا اور خود دعوت دی تو ضروری ہے کہ ہم صاف صاف مشورہ دیں اور خیانت نہ کریں (کہ خوشامد کر کے غلط اور مافی الضمیر کے خلاف بات کریں) ہم جھوٹ نہیں کہیں گے (بلکہ سچ بول کر کلمۂ حق بلند کریں گے) نہ اپنے بواطن الصدور (مافی الضمیر) کو پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں بلکہ (ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم آپ کو صاف مشورہ دینگے اگر آپ قبول کر لینگے فنعما ونعمت (بہت خوب) (اور اگر ہمارے مشورے کو رد کر دینگے تو ہم اپنے گھر واپس چلے جائینگے لیکن بحول اللہ وقوتہ (اللہ کی قوت اور طاقت کے ساتھ) اپنا فرض ادا کر کے جائیں گے۔

ہم ہندوستان سے بہت کچھ خیر و برکات کی امیدیں لیکر آئے ہیں۔ امید ہے کہ فائز المرام ہو کر واپس جائیں گے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ آپکی حکومت کے بارے میں ہندوستان کے مسلمان امن و امان کی خبریں سنکر بے حد مسرور ہیں لیکن ہم کو امید رکھنا چاہئے کہ ہم واپسی پر اگر مقدر ہے اس سے زیادہ مسرور ہونگے جتنا آنے کے وقت تھے۔

علامہ کی دوسری تقریر قبر پرستوں کے متعلق

علامہ شبیر احمد صاحب کی تقریر کے بعد سلطان ابن سعود نے تقریر میں کہا کہ اصلی توحید جس کی دعوت تمام انبیاء علیہم السلام دیتے آئے ہیں اسے ہم کتاب بالکتاب والسنت ہمکو کوئی چیز نہیں ہٹا سکتی۔ یہود و نصاریٰ نجی کو اسی لئے کافر کہا جاتا ہے کہ وہ غیر اللہ کو پوجتے ہیں (لہٰذا قبر پرستی کی ہم حوصلہ افزائی نہیں کر سکتے۔ اسی لئے قبے اور مزارات گرائے گئے)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آدم (علیہ السلام) سے لیکر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک سب (انبیاء) نے توحید کی تعلیم دی اور شرک کو روکا اور اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ (اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو) کہا جس سے مراد توحید عبادت ہے لیکن کلام عبادت کے معنی میں ہے۔

عبادت کے معنی | مثلاً ہر سجود لغیر اللہ (اللہ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنا) ضروری نہیں کہ عبادت لغیر اللہ کے تحت میں آئے۔ اور (ایسا کرنا) ہماری شریعت میں مطلقاً حرام ہو یہ جداگانہ چیز ہے لیکن اگر سجود صنم (بت کو سجدہ کرنے) اور سجود صلیب (سولی کو سجدہ کرنے) کی طرح شرک جلی اکبر تھا تو عبادت غیر اللہ ازلاً و ابداً کسی امت اور کسی نبی کیلئے ایک لمحے کیلئے جائز نہیں ہو سکتی تھی حالانکہ جواز منصوص ہے۔

سجدہ کے معنی | بعض مفسرین سجدے کو انحناء (جھکنے) کے معنی میں لیتے ہیں اور بہت سے جبہہ علی الارض (زمین پر پیشانی رکھنے) کے باوجود یکہ کسی ایک عالم کو بھی کہیں یہ خیال نہیں ہوا کہ کسی زمانے میں شرک مباح تھا اور توحید کا ماننا ضروری نہ تھا۔ سجود صنم و صلیب صرف سجود لغیر اللہ ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ شعائر خاصہ اقوام کفار ہونے کی وجہ سے کفر قرار دیئے گئے ہیں۔ آپ ساجد قبر کو تادیب و تعزیر (سزا) کریں لیکن آپ اس کے دم (خون) اور مال کو عباد اصنام (بت پرستوں) کی طرح مباح نہیں کر سکتے جس شخص کے ہاتھ میں خدا نے زمام حکومت دی ہے خصوصاً اس بقعہ مبارکہ (حجاز) کی اس کے لئے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ٹھنڈے دل سے ہماری معروضات پر غور کیا جائے گا اور مزید گذارش کے واسطے بھی جب آپ موقع دینگے حاضر ہیں۔ ہماری تمنا ہے کہ کلمۃ اللہ بلند ہو اور مسلمانوں کا شیرازہ مجتمع ہو۔ اور کفار سے موالات وتناصر (دوستی و تعاون) کی سب رگیں کاٹ دی جائیں اور اس کا استیصال ہو جائے۔ خدا تعالیٰ ہم سب کو توفیق خیر عطا فرمائے۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

نوٹ: علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کی تقریر پر شاہ اور دیگر علماء کی رائیں۔ (میری اس تقریر کو سن کر امیر (شاہ ابن سعود) نے کہا کہ میں آپ کا ممنون ہوں۔ آپکے خیالات اور بیان میں بہت رفعت اور علو ہے اور دقیق مسائل پر مشتمل ہے۔ عبدالعزیز عتیقی (نجدی عالم) نے میرا شکریہ ادا کیا کہ آپ نے نہایت صراحت سے خیالات ظاہر کئے۔ سید سلیمان (ندوی) نے کہا کہ تم نے اپنا فرض بے خوف و خطر ادا کر دیا۔ سب مجمع کو بہت خوشی ہوئی۔ شیخ عبدالعزیز عتیقی نے یہ بھی کہا کہ شاہ مولانا شبیر احمد صاحب کی تقریر سے بہت خوش ہوئے اور انکی تقریر کے اپنے علماء سے (ذکر) بھی سنے ہیں (ڈائری مولانا عثمانی) اس مجلس کی کارروائی اخبار ام القریٰ مکہ میں ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۴۴ھ کو چھپی ہے)

علامہ عثمانی کی تیسری تقریر

(حنبلی، حنفی، اہل حدیث اور جمعیت علماء اہل نجد کے افکار کا جائزہ)

تیسری تقریر مجلس شاہ میں ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۴۴ھ | پہلے ہم آپ کی عنایتوں کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ دلوں کے حال کو جانتا ہے ہم متکلمین میں سے نہیں اور نہ ہی حذاق سیاست اور رجال سیاست میں سے ہوں ہمیں ملوکیت اور جمہوریت کے قصے سے تعرض کرنا نہیں چاہتا کہ دوسرے لوگ جو اس کے اہل ہیں وہ آپ سے اس میں کلام کریں گے اور مناظرہ بحث کر سکتے ہیں۔ ہمارا شغل تعلیم و تدریس ہے۔ ہندوستان (بھارت و پاک) میں ہمیں خبر پہنچی کہ آپ (شاہ سعود ابن عبدالعزیز) بلاد مقدسہ (مکہ و مدینہ) میں فاتحانہ داخل ہو گئے اسی کے ساتھ ہم کو بشارت ملی کہ شریف حسین (انگریزوں کا پٹھو اور خلافت عثمانی ترکوں کا غدار) کے ذمائم اور قبائح سے یہ سرزمین (حجاز) پاک ہو گئی جیسا کہ مجھ سے پہلے شیخ رئیس الوفد (مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ) نے بیان کیا۔ ہم نے خدا کا شکریہ ادا کیا۔ ہم کو بشارت ملی کہ حجاز کے راستے مامون ہو گئے اور حجاج و زائرین کے لئے کوئی کھٹکا نہیں رہا ہم نے خدا کا شکر ادا کیا۔ ہمارے نزدیک سب سے عظیم بشارت جس نے ہمارے کانوں کو کھٹکھٹایا وہ یہ تھی کہ ایک بادشاہ خصوصاً ان بلاد مقدسہ میں جو مہد اسلام ہیں اور جن سے ہدایت کے چشمے پھوٹے ہیں یہ پکارتا ہے کہ ہمارا قانون صرف کتاب و سنت ہے وہ صرف اسی کی طرف دعوت دیتا ہے اور اسی کو ہر معاملے میں حکم ٹھہراتا ہے۔ یہ آواز ہمارے نزدیک سب سے زائد عزیز اور محبوب اور لذیذ اور اس زمانے میں سب سے نادر آواز تھی۔ بسیط ارض پر آج کوئی ملک اور مسلمان بادشاہت نہیں جو یہ اعلان کرے کہ ہم یورپ کے اور انسانوں کے بنائے ہوئے اور تراشے ہوئے قوانین کی جگہ صرف کتاب سنت کو دستور عمل بناتے ہیں۔ صرف آپ کی طرف سے یہ آواز ہم نے سنی اور اسی لئے آپکے ساتھ کلام کرنا ہمارے لئے سہل ہو گیا۔ جو شخص ہوا پر چلے اور ہوا پر بیٹھے اور ہوا پر کھڑا ہو اس سے کوئی معقول بات کہنا بیکار ہے۔ لیکن ہمارے اور آپکے درمیان اگر نزاع ہو تو خدا کے فضل سے ایک مسلم حکم (جج) موجود ہے اور وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ تعامل سلف صالحین اقوال ائمہ مجتہدین ہیں۔ آپکے ملکے میں داخل ہونے سے پہلے آپکی نسبت یعنی شعب نجدیین کے متعلق ہندوستان میں بہت سے خیالات تھے۔ اگرچہ ہم ہمیشہ سے حافظ ابن تیمیہ اور ابن قیم کی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہے ہیں۔ ان سے مستفید بھی ہوتے ہیں اور بعض تفردات (ذاتی رائے) وغیرہ میں ان پر انتقاد (تنقید) بھی کرتے رہے ہیں لیکن خاص طائفہ نجدیہ کے معتقدات کا حال ہم کو محقق نہ تھا چند روز ہوئے ہم نے دو کتابیں آپ کی پڑھیں "الہدیۃ السنیۃ" اور "مجموعۃ التوحید" انکے مطالعہ سے بہت سی چیزیں جو آپکی طرف منسوب ہو رہی تھیں ان کا افتراء ہونا ثابت ہوا۔ پھر بھی چند مسائل میں اختلاف رہا بعض اختلاف چنداں دقیق اور اہم نہیں جیسا کہ مسئلہ شفاعت میں بعض میں قریب قریب نزاع لفظی کے ہے ہاں سخت اختلاف ان لوگوں کی تکفیر میں ہے جو قبر کو سجدہ کرتے ہیں یا اس پر چراغ جلاتے ہیں یا غلاف چڑھاتے ہیں یا ہم

ان امور کو بدعت اور منکر سمجھتے ہیں اور ہمیشہ علماء نجد سے جہاد بالقلم واللسان کرتے رہیں لیکن عباد الاوثان (بت پرستوں) اور یہود و نصاریٰ کی طرح مباح الدم والمال (جنکا خون کر دینا اور مال لوٹ لینا مباح ہو) نہیں سمجھتے جس کا ذکر میں پہلی ملاقات میں آپ سے تفصیلاً کر چکا ہوں اور آئندہ اگر وقت نے مساعدت کی اور خدا نے توفیق بخشی تو شیخ عبداللہ بلیہد (نجد کے قاضی القضاۃ چیف جج) وغیرہ سے اس پر مفصل کلام کیا جائیگا۔ ہمارے یہاں یہ مشہور تھا کہ نجدی تقلید (کسی امام کی پیروی) کے دشمن اور اسکو شرک سمجھتے ہیں اور ائمہ اربع کی کچھ پروا نہیں کرتے لیکن ہم نے الہدیۃ السنیہ میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بیٹے شیخ عبداللہ کی تحریر پڑھی جس میں لکھا ہے کہ ہم دعویٰ اجتہاد کا نہیں رکھتے بلکہ فروع و احکام میں ہم امام احمد بن حنبل کے متبع ہیں الا یہ کہ کوئی نص جلی (صاف قرآنی حکم) صریح غیر مخصص غیر معارض یا قوی سند یا قابل تاویل آجائے تو مذہب احمد بن حنبل کا چھوڑ کر ائمہ اربعہ میں سے کسی کا قول اختیار کر لیتے ہیں۔ بہر حال ائمہ اربعہ کے دائرے سے باہر نہیں جاتے حتیٰ کہ حافظ ابن تیمیہ اور ابن قیم کا قول طلاق ثلاثہ کے مسئلے میں ہم نے اسی لئے چھوڑ دیا ہے کہ وہ ائمہ اربعہ سے علیحدہ تھا اگر آپ ایسے حنبلی ہیں تو ہم ٹھیک ایسے ہی حنفی ہیں۔ اور یہ حنبلیت ایسی ہے کہ مسلمانوں کا سواد اعظم یعنی مقلدین ائمہ اربعہ کے نزدیک چنداں محل طعن نہیں ہو سکتی۔ اگر ہوگی تو اس شرذمہ قلیلہ (چھوٹی سی جماعت) کے نزدیک جو اپنے آپکو "اہل حدیث" کہتی ہے اور جسے یہاں اس کا نام غیر مقلدین کی جماعت ہے کیونکہ وہ اپنے آپکو ہر ایک امام کی تقلید سے علیحدہ رکھتے ہیں۔ بلکہ ان میں کے بعض تقلید ائمہ کو شرک (فی النبوۃ) بتلاتے ہیں، ہم اُمید کرتے ہیں کہ آپکی یہ حنبلیت زیادہ نمایاں اور اس سے زیادہ مشہور ہو جتنی کہ اب تک ہوئی ہے۔

ہمارے ہندوستان میں مقلدین اور غیر مقلدین میں لڑائیاں ہوئیں اور فسادات ہوئے لیکن آپ اس آگ کو زیادہ مشتعل ہونے سے بچائیں اور مسلمانوں کو عدم تقلید کی جنگ میں پڑنے سے بچائیں۔

پختہ قبریں بنانا اور مقدس شخصیتوں کے قبے گرانا | چند ضروری امور اور ہیں۔ ہم بناء علی القبر (قبر پر تعمیر کرنے) کو ناجائز سمجھتے ہیں ہم نے فتوے دینے میں عجلت کی ہے لیکن ہدم قباب (صحابہ کی قبروں کے قبے گرانے) میں ضرورت تھی کہ بہت تانی (سوچ بچار) اور حکمت سے کام لیا جاتا۔

جب ولید بن عبدالملک نے عمر بن عبدالعزیزؒ کو حکم دیا کہ حجرات ازواج النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہدم کر کے مسجد کی توسیع کریں تو انہوں نے ہدم کا حکم دیا حتیٰ کہ تینوں قبریں کھل گئیں، اس وقت عمر بن عبدالعزیز اتنے روئے تھے کہ کبھی اس قدر روتے ہوئے نہ دیکھے گئے۔ حالانکہ خود ہی حکم دیا تھا پھر نہ صرف قبر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بلکہ تینوں قبروں پر بناء تعمیر کرائی۔ میری غرض اس وقت تجویز بنا نہیں بلکہ یہ بتلانا ہے کہ قبور اعاظم و اکابر کے ساتھ ہدم وغیرہ کا معاملہ ایسا ہے جس کو قلوب میں ایک تاثیر اور دخل ہے۔ مقابر کے معاملہ میں زیادہ نہیں کہنا چاہتا اور شیخ کفایت اللہ پہلے کہہ چکے ہیں۔

مسئلہ مآثر یعنی مقامات متبرکہ | مآثر (آثار متبرکہ) کے متعلق میں کہونگا کہ حدیث اسراء (معراج) میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے نقل کیا ہے کہ آپکو جبرئیل نے چار جگہ اتارا اور نماز پڑھوائی اور بتلایا کہ یہ یثرب یا طیبہ ہے والیہ المہاجرۃ (اور اسکی طرف ہجرت ہوگی) یہ طور سینا (کوہ طور) ہے۔ حَيْثُ كَلَّمَ اللهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا (جہاں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا) یہ مدین ہے۔ حَيْثُ وَرَدَ مُوسَىٰ وَمَسْكَنُ شُعَيْبًا (جہاں موسیٰ علیہ السلام

مصر سے بھاگ کر آئے تھے اور حضرت شعیب علیہ السلام کا شہر ہے) یہ بیت اللحم ہے حَيْثُ وُلِدَ الْمَسِيحُ عَلَيْهِ السَّلَامُ (جہاں عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے) پس اگر طور پر اس لئے آپ سے نماز پڑھوائی گئی کہ وہاں حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا تو جبل النور (عرفات میں پہاڑ کا نام جہاں آدم وحوا کی ملاقات ہوئی تھی) پر جانے اور نماز پڑھنے سے ہم کیوں روکے جائیں جہاں کہ اللہ کا کلام لے کر جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ سب سے پہلے جو مولد (جائے ولادت) مسیح پر حضور سے دو رکعتیں پڑھوائی گئیں تو کیا غضب ہے کہ امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مولد النبی میں دو رکعت نہ پڑھ سکے۔ مدین میں شعیب علیہ السلام رہتے تھے اور حضرت موسیٰ وہاں چند سال ٹھہرے تھے پھر مسکن خدیجہؓ جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اٹھائیس برس رہے اور جس کو طبرانی وغیرہ نے افضل البقاع بعد مسجد الحرام (خانہ کعبہ کے بعد زیادہ افضل جگہ) لکھا ہے کیوں اس قابل نہیں کہ وہاں دو رکعتیں پڑھی جائیں یا جبل الثور جہاں آپ تین روز مختفی رہے اس پر نماز کیوں نہ پڑھی۔ یہ حدیث تبرک باثار الصالحین میں اصل اصیل ہے۔ پھر قصہ عتبان بن مالک کا ذکر کیا اور حدیبیہ (جہاں آنحضور علیہ الصلوٰۃ کی کفار سے ۶ھ میں صلح ہوئی تھی) کا قصہ جس میں نخامہ اور شعر اور ماء وضو وغیرہ کا متبرک ہونا مذکور ہے۔ پھر عبداللہ بن عمرؓ کی بخاری والی حدیث (میں ہے) ذکر کی۔ پھر کہا کہ ہم جانتے ہیں کہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے شجرۃ الرضوان کو (جہاں صحابہ نے حدیبیہ کے مقام پر درخت کے نیچے جہاد پر بیعت لی تھی) کٹوا ڈالا تھا لیکن یہ صرف مصلحت تھی قطع ذرائع شرک اور حسم مادۂ شرک کے لئے۔ اگرچہ یہ مصلحت اب بھی موجود ہے لیکن دوسری طرف آج مسلمانوں کے ائتلاف قلوب (دل جوڑنے) کی مصلحت ہے اور ان کو ان بلاد مقدسہ کی طرف اور اس حکومت کی طرف سے جو یہاں حکومت کرے نفور ہونے سے بچانا ہے اور تشتت و تفرق کو کم کرنا ہے۔ دونوں مصالح کا موازنہ آپ خود کر سکتے ہیں۔

بہر حال اب کلام اصل مسئلے میں نہیں ہے بلکہ مصالح کے توازن میں ہے۔ اس میں پوری احتیاط کرنی چاہئے۔ آپ بدعات اور منکرات (گناہ کے کاموں) سے لوگوں کو روکیں، نصیحت کریں، تادیب کریں لیکن اصل چیز کو محو نہ کریں۔

وَإِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّينِ فَإِنَّ الْغُلُوَّ فِي الدِّينِ قَدْ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ أَوْ كَمَا قَالَ. وَقَالَ اللهُ تَعَالَىٰ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللهِ إِلَّا الْحَقَّ. يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا وَبَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا.

اور دین میں حد سے آگے بڑھنے سے بچو کیونکہ دین میں زیادتی نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر چھوڑا ہے یا جیسے حضور نے فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اہل کتاب اپنے دین میں تم زیادتی مت کرو اور اللہ کے بارے میں مت کہو مگر وہ جو حق ہے بس آسانی کرو اور تنگی مت کرو اور خوشخبری دو اور نفرت مت دلاؤ اور اے اللہ کے بندو بھائی بھائی بن کر رہو۔

ہماری غرض یہ ہے کہ آپ ان حقائق پر غور کریں ہم لڑنے نہیں آئے ہیں بلکہ صاف بات کرنے آئے ہیں آپ تعجیل نہ کریں اور ایسا کام کریں جو دلوں کو مطمئن کر دے واللہ ولی التوفیق (ڈائری علامہ شبیر احمد عثمانی)

جائزہ | مذکورہ بالا علامہ عثمانی کی تقریر اپنی جگہ بڑی ہی عالمانہ اور محققانہ ہے۔ اس تقریر میں زیادہ زور اس بات

یہ ہے کہ مقامات متبرکہ کو مٹا دینا اور وہاں پر نفل نماز برکت پڑھنے نہ دینا اچھا فعل نہیں در انحالیکہ شریعت میں اسکے جواز میں کوئی شبہ نہیں، نیز بزرگان دین بالخصوص صحابہ کے مزارات پر قبے بنوانے کی ضرورت نہیں لیکن اگر بنا دیئے جائیں تو ان کو منہدم کرنے میں احتیاط عمل میں لائی جائے۔ ویسے عام مومنین کی قبروں کے چاروں طرف اگر کچی چہار دیواری بنوا دی جائے اور درمیان سے کچی رہے تو مضائقہ نہیں"۔

علامہ عثمانی موتمر مکہ کی ایک مجلس علماء کا ذکر کرتے ہوئے ڈائری میں لکھتے ہیں:۔

۳۰ ذو القعدہ ۱۳۴۴ھ مختلف ادبی اور علمی مذاکرات ۳۰ ذو القعدہ ۱۳۴۴ھ کو قاضی القضاۃ اور نجد کے علماء میں سے سب سے زیادہ مشہور عبداللہ ابن بلیہد نے مدعو کیا۔ دونوں وفد (یعنی خلافت اور جمعیۃ العلماء) گئے۔ وہاں فلسطینی وفد کے ارکان اور بعض دوسرے معززین بھی تھے۔ کوئی خاص مسئلہ نہ تھا مختلف مذاکرات ادبی و علمی رہے۔

مجادلے کی مشروعیت یعنی شرعاً اجازت مجادلہ کی مشروعیت پر میں نے قَدْ جَادَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا[1] پیش کیا اور امام ابوالحسن اشعری[2] کے استدلال کا حوالہ دیا اور کہا کہ کہیں اکثر مجادلہ کی ضرورت پڑتی ہے قوم نوح علیہ السلام نے کفر و ضلالت میں تمادی (بہت سرکشی) کی اس لئے اکثار مجادلہ کی ضرورت ہوئی چنانچہ دوسری جگہ رَبِّ اِنِّىْ دَعَوْتُ قَوْمِىْ لَيْلًا وَّنَهَارًا الی آخر الآیات۔ اے میرے رب میں نے اپنی قوم کو رات دن (دین کی طرف) آخری آیات تک۔

تعریف مجادلہ مجادلہ کے معنی کسی مسئلے یا معاملے میں زور اور جد (شدت) کے ساتھ کلام کرنا ہے کما فی قولہ تعالیٰ (جیسا کہ اللہ کے کلام میں ہے) يُجَادِلُنَا فِىْ قَوْمِ لُوْطٍ ۝ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ (ابراہیم (علیہ السلام) قوم لوط کے بارے میں بشدت ہم سے کلام کر رہے تھے بیشک ابراہیم البتہ بردبار اللہ کے عاجز بندے اور اس کی طرف رجوع کرنے والے تھے)

یہاں (اس آیت میں) مجادلہ کی مذمت نہیں ہے۔ نہ یہ مجادلہ فی آیات اللہ (اللہ کی آیات میں جھگڑنا) ہے۔ البتہ اس مجادلے کے غیر موثر ہونے پر تنبیہ کر دی ہے۔ (چنانچہ ارشاد الٰہی ہے)

يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ

اے ابراہیم اس (مجادلہ) سے اعراض کرو کیونکہ آپکے رب کا امر ہو چکا ہے (کہ قوم لوط پر عذاب نازل کیا جائے۔ مرتب)

اختلاف مشاہد انبیاء اختلاف مشاہد انبیاء کا ذکر آیا تو میں نے (علامہ عثمانی) یہ حدیث پڑھی:۔

نَحْنُ اَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ اِبْرٰهِيْمَ وَلَوْ لَبِثْتُ فِى

ابراہیم علیہ السلام کی بہ نسبت ہم شک کرنے کے زیادہ مستحق ہیں۔

[1] یہ قوم نوح علیہ السلام نے نوح علیہ السلام سے اس وقت فرمایا جب وہ اپنی قوم کو ایمان لانے پر پورے زور سے بلا رہے تھے اور کہا يَا نُوْحُ قَدْ جَادَلْتَنَا الخ۔ انوار

[2] امام ابوالحسن قبیلۂ اشعر کے مشہور علم عقائد و کلام کے امام جن کے ہم لوگ عقائد میں پیرو ہیں جس طرح سے امام ابوحنیفہؒ کے فقہ میں ہم مقلد ہیں۔ انوار

السِّجْنِ طُوْلَ لَبْثِ يُوْسُفَ لَاَجَبْتُ الدَّاعِىَ وَ يَرْحَمُ اللّٰهُ لُوْطًا لَقَدْ كَانَ يَاْوِىْ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ۔

اور اگر میں یوسف علیہ السلام کی طرح زیادہ عرصے تک قید رہتا تو بلانے والے کی دعوت رہائی[1] کو قبول کر لیتا اور اللہ لوط علیہ السلام پر رحم کرے کہ وہ ایک رکن شدید کا ٹھکانا پکڑ رہے تھے۔

مَا عَاتَبَ الْمَرْءُ الْكَرِيْمُ كَنَفْسِهٖ کے سلسلے میں میں نے کہا کہ میرے خیال میں اسکے معنی یہ ہیں کہ ما عاتب المرء الكريم أحدًا معاتبته لنفسه۔ فان من شان الكريم ان ينظر الى معائب نفسه ويلومها ويعاتب عليها اشد كما يعاتب ويلوم غيرها كما قال الله تعالى بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ فالمرء الكريم لا يلقي معاذيره بل يلوم نفسه وَاِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ۔

ظرافت و خوش طبعی ابن بلیہد نے ضیافت کے لئے کہا تو (مولانا محمد علی جوہر کے بڑے بھائی) شوکت علی صاحب نے کہا کہ میں اس کے لئے ہر وقت تیار ہوں۔ میں (مولانا شبیر احمد صاحب) نے کہا:۔

اِنَّ هٰذَا هُوَ اِمَامُ اَهْلِ الْعَقْلِ وَالْاَكْلِ

بے شک یہ (شوکت علی صاحب) عقل اور اکل (کھانے) میں ہمارے امام ہیں (ترجمہ مرتب)۔ اس پر سب لوگ بہت محظوظ ہوئے۔ میں نے کہا:۔

لما نزلنا بجدة رأينا الاطفال الصغار يقولون مشيرًا الى شوكت علي شف هذا الرجال كبير" قلت ولفظ الرجال و ان كان من اغلاط العامة الا انه صحيح في حقه فانه ليس رجل بل هو رجال

جب ہم جدہ میں اترے تو ہم نے چھوٹے بچوں کو کہتے ہوئے دیکھا (سنا) کہ شوکت علی صاحب کی طرف اشارہ کر کے کہہ رہے تھے کہ اس بڑے رجال کو دیکھو۔ میں کہتا ہوں ایک رجل کو رجال کا لفظ کہنا عوام کی غلطی ہے لیکن انکے حق میں (معنی ہونے کی وجہ سے) درست ہے کیونکہ وہ ایک رجل نہیں ہے بلکہ کئی آدمیوں کے برابر ہے۔ (مرتب)

۴ ذی الحجہ بحث کسوۂ کعبہ ۴ ذوالحجہ ۱۳۴۴ھ کو لجنۃ الاقتراحات (مجلس علماء) میں کسوۂ کعبہ (غلاف کعبہ) کا مسئلہ پیش ہوا کہ اس میں بہت اسراف ہوتا ہے اسکے مصارف گھٹا کر دوسرے وجوہ خیر میں صرف کئے جائیں۔ حریر اور ذہب (ریشم اور سونے کے تاروں وغیرہ) کا استعمال بالاتفاق حرام ہے۔ اس پر (مولانا محمد علی صاحب (جوہر مرحوم) نے اور عبداللہ شیبی نے سختی سے مخالفت کی۔

غلاف کعبہ کے اسراف و عدم اسراف پر علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کی تحقیق پھر میں نے کہا کہ اس میں علماء نے بہت کلام کیا ہے حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں دو ورق کے قریب اس پر لکھے ہیں اور تاریخی بحثیں کی ہیں کہ سب سے پہلے کعبہ پر کسوہ (غلاف) کس نے ڈالا اور کس کس چیز کا ڈالا

[1] یوسف علیہ السلام بارہ سال قید میں رہے۔ جب عزیز مصر نے رہائی کا پیغام بھیجا تو انہوں نے پیغام بر سے پوچھا "ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے" اس قسم کی باتوں اور زن عزیز سے اپنی پاکدامنی کا اعتراف کرانے کے باعث جیل خانے سے نکلنے میں تاخیر کر دی۔ انوار

گیا لبعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اوّلاً دیباج و حریر کا کسوہ حضرت عباس بن عبدالمطلب کی والدہ نے ڈالا اور بھی اقوال ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے عہد میں دیباج و حریر کا غلاف تھا پھر اس میں تکلفات ہوتے رہے۔ علماء نے کسی وقت منع نہیں کیا بلکہ جن لوگوں نے اسکا زیادہ اہتمام کیا ان کو علماء نے دعائیں دیں کما فی الفتح (جیسا کہ فتح الباری شرح بخاری) میں ہے۔
کعبے کا حکم دوسرے تمام بیوت اور مساجد سے مستثنیٰ ہے اس پر علماء کا اتفاق ہے۔ اس کو بدعت یا منکر (حرام) قرار دینا صحیح نہیں۔

تجویز جزیرۃ العرب
۵ ر ذوالحجہ ۱۳۴۴ھ

۵ ر ذوالحجہ (۱۳۴۴ھ) کو لجنۃ الاقتراحات میں بڑی ردوکد کے بعد جزیرۃ العرب کی تجویز پیش ہوئی اس کی مخالفت میں رئیس وفد روسیہ (روسی عالم) نے طویل تقریر کی۔ اس میں زیادہ زور اس پر تھا کہ اس ریزولیوشن (جزیرۂ عرب سے نصاریٰ کے اخراج) کا نتیجہ حکومت حجازیہ اور موتمر کے حق میں بُرا ہوگا۔ یہ اعلان کر کے تمام دول اجنبیہ کو تشویش اور ہیجان میں ڈالنا ہے ہمکو حکمت اور تدبیر کے ساتھ قدم اٹھانا چاہئے۔ ایسا کام نہ کریں جس سے یہ حکومت حدیثہ حجازیہ (حجاز کی نئی حکومت) جو چنداں قوی نہیں ہے فنا ہو جائے۔ وصیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اَخْرِجُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارىٰ مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ) کا کسی کو انکار نہیں۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس وقت اسکے اعلان کا موقع بھی ہے اس کے نتائج کیا ہونگے۔ یورپ موتمر اور اس نئی حکومت کی طرف تاک رہا ہے اور اس کے احوال کا مراقبہ کر رہا ہے۔ ہم اسکو قوراً مشتعل نہ کریں۔ باقی جو مقصد تجویز کا ہے وہ سب مسلمانوں کے سینوں اور دلوں میں ہے۔ دیکھئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں کس طرح صلح اور معاہدہ کیا۔ کیا اس میں ہمارے لئے اسوۂ حسنہ نہیں ہے (روسی وفد کے رہنما کی) اس (تقریر) کے بعد میں نے تقریر کی۔

علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کی چوتھی تقریر

جزیرۃ العرب کی تجویز کی تائید اور روسی وفد کے رہنما کی تردید

میں نے کہا کہ وصیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ جزیرۂ عرب سے یہود و نصاریٰ کو نکال دو، کے ثبوت سے کسی کو انکار نہیں۔ صحیح احادیث میں مذکور ہے اور مقترح (جرح کرنے والے روسی عالم) نے اسی وصیت پر اپنے اقتراح کی بنیاد رکھی ہے۔ آپ سب اسکی ضرورت و اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں اور اعتراف کرتے ہیں کہ یہ ہر مسلمان کا عزیز ترین مقصد اور محبوب ترین تمنا ہے۔ لیکن آپ کہتے ہیں کہ حکومت حجاز کے لئے اس میں خطرہ ہے۔ وہ اپنے آپ کو اس طرح کے خطرات میں کیسے ڈال سکتی ہے۔ نہ ہم اس کو ایسا مشورہ دے سکتے ہیں میں کہتا ہوں کہ آپ حکومت کی طرف سے ایک ایسی چیز پیش کرتے ہیں جسکو خود حکومت پیش نہیں کرتی یہ غالباً وہ ہماری اس مصلحت اندیشی سے اچھی ہوگی ہمارے سامنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو وصیتیں ہیں جو اس دنیوی حیات کے آخری لمحات میں آپ نے

ساتھ ساتھ فرمائی ہیں۔ ایک اَخْرِجُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارىٰ مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ دوسرے لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارىٰ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَآئِهِمْ مَسَاجِدَ يُحَذِّرُهُمْ مَا صَنَعُوْا (لعنت کی اللہ نے یہود و نصاریٰ پر جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا اللہ انکو انکی اس کرتوت سے متنبہ کرتا ہے)
یہ دونوں وصیتیں آپ نے ساتھ ساتھ فرمائیں۔ فرق اتنا ہے کہ پہلی وصیت بصیغہ امر ہے مگر دوسری تحذیر کے پیرائے میں ہے۔ اب آپ دیکھئے کہ حکومت حجاز نے دوسری وصیت کے انفاذ اور اجراء میں جو قبور سے متعلق تھی کس قدر اہتمام اور مسارعت سے کام لیا۔ نہ عالم اسلامی سے مشورہ کیا نہ انکے اجتماع کا انتظار کیا نہ علماء و فضلاء سے تبادلۂ خیالات کی ضرورت سمجھی نہ اس کی قطعاً پرواہ کی کہ مسلمانوں میں اس فعل سے بجا یا بے جا کیسی تشویش اور ہیجان ہوگا کتنی بڑی تعداد مسلمانوں کی اور کتنی قومی ...... بے جا طور پر ...... اس عمل سے متوحش اور نفور ہونگے حکومت نے کہا کہ ہم کتاب اور سنت سے تمسک (حجت پکڑتے) ہیں۔ جب سنت صحیحہ ہمارے سامنے ہے تو پھر ہم کو کسی کا خوف نہیں۔ دنیا راضی ہو یا ناراض، کوئی ہمارا ساتھ دے یا نہ دے۔ ہم کو کچھ سروکار نہیں۔ ما شاء اللہ کان (جو ہونا تھا ہو گیا) ایسی حکومت جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک وصیت کے نفاذ میں کسی طرح کی مصلحت اندیشی اور اسلامی جماعتوں کی خوشی یا ناخوشی کی کوئی پرواہ نہیں کی ہم خیال نہیں کرتا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری وصیت کے صرف اعلان کرنے میں کفار کی تشویش اور اضطراب کی پرواہ کرے گی۔ ہم حکومت کی طرف اس خوف کو منسوب کرتے ہیں، جسے خود حکومت اپنی طرف منسوب کرنا پسند نہیں کرتی۔
میری غرض یہ ہے کہ موتمر کو یا حکومت حجاز کو جبکہ اس کا تعلق تمام عالم اسلام سے ہے ہر کام میں تانی اور تدبیر اور مصلحت اندیشی سے کام کرنا چاہئے۔ ہم کو یہ مناسب نہیں کہ ہم ایک برائی کے دفع کرنے میں اس سے بھی بڑی برائی پیدا کر دیں۔ میرے نزدیک ریزولیوشن کے اعلان میں کوئی حرج نہیں۔ الفاظ میں توسط اور تعدیل کا مضائقہ نہیں۔ لیکن اس ریزولیوشن سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ تمام دنیا آگاہ ہو جائے کہ مسلمانان عالم باوجود اپنے غایت تفرق و تشتت احوال کے اور باوجود سخت اختلاف اجیال و اقوام کے پھر بھی ایک متفقہ نصب العین رکھتے ہیں۔ اور وہ

جزیرۃ العرب خصوصاً حجاز کی حفاظت و صیانت ہے

یہ ایک ایسا مقصد ہے جو حاکم و محکوم، ضعیف و قوی، مستقل اور غیر مستقل، آزاد اور غلام ہر مسلمان کا مطمح نظر ہے جو انکے سینوں اور دلوں میں کالنقش فی الحجر ہے۔ جس کیلئے وہ اپنے تمام وسائل اور اپنی ہر چیز قربان کرنے کو تیار ہیں۔
دوسری بات یہ ہے کہ حکومت حجازیہ کے متعلق بہت سے لوگ ظنون (بدگمانیوں) اور اوہام میں مبتلا ہیں جن پر ہم ہندوستان میں مطلع ہو چکے ہیں (یعنی انگریزوں سے تعلق کے بارے میں)۔ اس ریزولیوشن سے مسلمانوں کے قلوب حکومت حجاز کی طرف سے مطمئن ہو جائیں گے اور ان کو شفاء صدور حاصل ہو جائے گی۔
صلح حدیبیہ کی سنت کا جو حوالہ (روسی عالم کی تقریر میں) دیا گیا ہے میں اسکو مانتا ہوں لیکن میں ایک دوسری

سنت بھی یاد دلاتا ہوں کہ اس وقت جس سے بڑھ کر اسلام کے حق میں سختی اور مصیبت کا کوئی وقت نہ تھا اور جبکہ چند معدودے نفوس آپ کے ساتھ تھے یا سی بلد اللہ الحرام (مکہ مکرمہ) میں جہاں آپ اور ہم مجتمع ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں نے اعلان حق اور دعوت الٰہیہ سے روکنا چاہا لیکن آپ نے فرمایا کہ

"اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں محمد (صلعم) کی جان ہے۔ اگر وہ لوگ آسمان سے اتار کر سورج کو میری ایک مٹھی میں اور چاند کو دوسری مٹھی میں رکھدیں تب بھی محمد اس چیز سے ہٹنے والا نہیں ہے جس کے لئے اس کے پروردگار نے اسے بھیجا ہے۔"

پس میں کہتا ہوں مقترح کی تجویز دونوں سنتوں پر مشتمل ہے۔ پہلے جز میں اعلان حق کیا جاتا ہے جس میں کوئی پرواہ نہیں کہ کون اس سے خوش ہوگا اور کون ناخوش اور تجویز کے دوسرے جز میں سنت حدیبیہ کی رعایت ہے کہ ہم کوئی اعلان جنگ نہیں کر رہے ہیں بلکہ جزیرۃ العرب کو ایک سلمی اور صلحی اور حیاوی مقام رکھنا چاہتے ہیں اور یہی ہماری کوشش ہے هذا ما كنت اريد التكلم به والامر بيد الله سبحانه وتعالى۔

شیخ قاضی ابوالعزائم نے اسکی بہت داد دی۔ ایک مصری نے کہا کہ ہم دونوں وصیتوں میں سے ایک کی استطاعت رکھتے ہیں دوسری کی نہیں اور حدیث میں آیا ہے اذا امرتکم بشیٔ فاتوا منه ما استطعتم (یعنی جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو جسکی تمہیں طاقت ہو اس کو بجالاؤ) میں نے کہا کہ اگر اخراج یہود و نصاریٰ ہماری استطاعت میں فی الحال نہیں لیکن اپنے فریضے اور نصب العین کا اعلان تو ہماری استطاعت میں ہے اور اعلان میں جو فوائد ہیں وہ میں بیان کر چکا ہوں۔

عبداللہ شیبی نے کہا کہ اگر سلطان کو یہ معلوم ہوتا کہ قبور والی وصیت پر عمل کرنے سے اس قدر تشویش او بیجان مسلمانوں میں پیدا ہو جائے گا تو وہ ہرگز ایسا نہ کرتے (ڈائری خود نوشتہ حضرت عثمانی)

یہ تمام تقریریں اور نوٹس جو ہم نے اوپر درج کئے ہیں حضرت علامہ کی بیاض سے لفظ بلفظ انہی کے الفاظ میں پیش کئے ہیں لیکن حسب ذیل تقریر اخبار زمیندار لاہور مورخہ ۱۸ صفر المظفر ۱۳۴۵ھ مطابق ۲۷ اگست ۱۹۲۶ء جلد ۱۳ سے نقل کرتے ہیں البتہ یہ تقریر درج کرنے سے پہلے آپ کی اطلاع اور واقفیت کے لئے اتنا اور درج کر دوں کہ شاہ ابن سعود کے بارے میں جبکہ انہوں نے پختہ مقابر اور آثار متبرکہ کو منہدم کرنے اور مٹانے کی کوشش کی تھی ہندوستان میں دو پارٹیاں تھیں۔ ایک پارٹی مولانا محمد علی جوہر ان کے بھائی شوکت علی کی تھی اور دوسری مولانا ظفر علی خاں مدیر اخبار زمیندار کی۔ اول الذکر شاہ کے مخالفین میں سے تھے اور موخر الذکر مولانا ظفر علی خاں شاہ کے موافقین میں سے۔ مولانا محمد علی جوہر نے موتمر مکہ میں شرکت کے دوران ایک خط ہندوستان بھیجا تھا جو ان کے اخبار ہمدرد میں چھپا تھا۔ ہندوستان کی طرف واپسی سے ذرا پہلے اس خط میں نجدیوں کے متعلق لکھا تھا کہ

"ہزاروں بلکہ ایک لاکھ کے قریب نجدی بدو تو نظر آتے تھے مگر حکومت کا ایک سپاہی یا پولیس والا نظر نہیں آتا تھا۔"

اور اسی خط میں نجدیوں کو انہوں نے بیہودے، گنوار، وحوش، اونٹوں سے زیادہ اور اخوان الشیاطین لکھا تھا مولانا محمد علی

جوہر مرحوم کے ان الفاظ کو ہندوستان کے دوسرے اخباروں نے بھی اچھالا۔ (زمیندار، ۱۸ صفر ۱۳۴۵ھ، ۲۷ اگست ۱۹۲۶ء)

ایک طرف حسن نظامی شاہ سعود کو "مہدی" کا لقب دے رہے تھے۔ اخبار زمیندار کی مذکورہ بالا اشاعت میں مولانا ظفر علی خاں لکھتے ہیں:۔

"حضرت خواجہ حسن نظامی بہت بڑے تناقض واقع ہوئے ہیں جہاں آپ کی مردم شناسی مسلم ہے وہاں آپ کی زمانہ شناسی سے بھی کسی کو انکار نہیں ہو سکتا ایک وقت تھا کہ خواجہ صاحب نے سلطان ابن سعود کو مہدی کے خطاب سے یاد کیا تھا لیکن عرب کے اس مہدی کی قبہ شکنی سے ناراض ہو کر آپ تھوڑی دیر کے لئے مہدی کو فرعون کہنے لگے۔ آپ نے پھر ایک کروٹ لی ہے اور ابن سعود کو دنیائے اسلام کا ہیرو (بطل عظیم) قرار دیا ہے۔ آپ اپنے رسالے منادی کی اشاعت مورخہ ۲۰ اگست ۱۹۲۶ء میں دنیائے اسلام کی بلند پایہ شخصیتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے سلطان ابن سعود کی نسبت لکھتے ہیں:۔

"مسلمانوں میں ابن سعود کے بعض افعال سے کتنا ہی اختلاف ہو لیکن دنیا کے مردم شناس آدمی جانتے ہیں کہ ان کے اندر وہی قوت موجود ہے جو دنیا کے ہیروز میں ہوا کرتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ عرب کی سرزمین نے ابن سعود کو کسی بڑے کام کے لئے پیدا کیا ہے۔" (زمیندار ۲۷ اگست ۱۹۲۶ء صفحہ ۲ کالم ۱)

ان حالات میں مولانا ظفر علی خاں کی نظروں میں علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کی حسب ذیل تقریر کتنی کچھ حقائق سے واقفیت کا سامان پیدا کرتی ہے۔

علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کی چھٹی تقریر

درد اسلامی میں ڈوبا ہوا بیان

(مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے موتمر مکہ کے آخری اجلاس میں یہ تقریر فرمائی ——— منقول از زمیندار اخبار)

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ برادران مکرم! اب موتمر کے اختتام کا وقت آپہنچا ہے۔

حضرات! میرا عقیدہ ہے کہ آپ کی وہ تمام قراردادیں جو آپ نے موتمر میں منظور کی ہیں اور وہ ساری گفت و شنید جو آپ کے مابین جاری رہی اس وقت تک بے سود ہے کہ ارکان موتمر کے مابین اخوت اور دوستی کے رشتے استوار نہ ہو جائیں اور آپکے توسط سے مسلمانان اکناف عالم اخوت و مودت کے ایک محکم رشتے میں مربوط نہ ہو جائیں۔ اس لئے ہمیں نیکی اور تقوے میں ایک دوسرے کی مدد کرنا لازمی ہے اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم میں سے ہر ایک فرد عامۃ المسلمین کے حالات کی نگرانی رکھے اور اپنے عزیز اوقات میں سے ایک حصہ اسلام کے مصالح عمومی پر غور و خوض کرنے اور مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنے کے اسباب و وسائل تلاش کرنے کیلئے وقف کر دے میرے نزدیک اس مقصد کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ اور سب سے اہم وسیلہ وہ ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مکہ مکرمہ اور اس کے ماحول کی تطہیر سے ہمارے لئے مہیا کر دیا ہے۔ سرزمین مقدس، باغیوںؒ اور خائنوں کی خباثتوں سے پاک ہو گئی ہے۔ اب مسلمان آزاد ہیں کہ اخوت اسلامیہ کی توثیق و تجدید، شریعت محمدیہ کے احیا اور کلمۃ اللہ کے اعلاء کے لئے بلا خوف و خطر بلاد مقدسہ میں جوق در جوق آئیں۔

ؒ شریف مکہ اور اس کے رفقاء کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے ترکوں سے جنگ عظیم ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء کے زمانے میں غداری کر کے انگریزوں کیساتھ مل گئے جنگ عظیم سے پہلے حجاز کا انتظام ترکوں کے ہاتھ میں تھا اور انہوں نے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک ریل جاری کر دی تھی انہوں نے صحابہ اور شہداء نے بدر ازواج مطہرات اور اہلبیت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزارات پر قبے بنائے تھے جنکو سلطان ابن سعود نے شرک کرنے والوں کے باعث گرا دیا تھا۔ (انوار)

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے علم و قضا میں اس عظیم و جلیل کام کا انصرام صاحب الجلالۃ عبد العزیز بن سعود نصرہ اللہ و أیدہ بروح منہ کے ہاتھوں کا مرہون تھا مرکز اسلام و قبلۂ مسلمین کو شریف حسین اور اس کے بیٹوں سے آزاد کرانے اور بلد الامین میں عالم اسلامی کے ایک ایسے آزادانہ اجتماع کا دروازہ کھولنے کی توفیق اللہ تعالیٰ نے انہیں کو عطا فرمائی اور اب مسلمانان عالم خدا کے اس گھر میں بیٹھ کر اپنے مصالح و منافع کیلئے باہم مشورہ کر سکتے ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ کے خوف کو اپنے دل میں جگہ دے کر ملامت کنندہ کی ملامت سے بے پروا ہو سکتے ہیں۔ یہ سب سے بڑا فضل اور سب سے بڑا کرم ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے سلطان عبد العزیز کو سرفراز فرمایا اور یہ اللہ تعالیٰ کا وہ احسان ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے قریباً قرن سے کسی فرد کو مشرف نہیں فرمایا۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔

حضرات! ہم نے مؤتمر کے سارے حالات مشاہدہ کئے۔ ان کے کیف و کم کا سارا منظر ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اجلاس پر کبھی انبساط کا نشاط افروز عالم طاری ہو جاتا تھا اور کبھی انقباض و کبیدگی چھا جاتی تھی بعض اوقات ہم آپس میں ایسی باتیں بھی کرنے لگتے تھے جن سے دلوں میں کدورت پیدا ہو جانے کا اندیشہ لاحق ہو جاتا تھا بلکہ اگر کسی بھائی کو مجالس کے امور کا تجربہ نہ ہو تو بعید نہیں کہ وہ بعض باتوں کو اپنی توہین و تذلیل پر محمول کرے لیکن ہمیں مسلمانوں سے حسن ظن رکھنے کا حکم ہے۔

جب[2] موسیٰ علیہ السلام غصہ اور افسوس سے بھرے اپنی قوم کی طرف واپس آئے تو تورات کی الواح کو زمین پر دے پٹکا اور اپنے بھائی کو داڑھی اور سر سے پکڑ کر گھسیٹنے لگے۔ ہارون علیہ السلام نے یہ معذرت پیش کی کہ اے میرے ماں جائے بھائی مجھے داڑھی اور سر سے نہ کھینچ مجھے ڈر تھا کہ کہیں تم یہ نہ کہنے لگو کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا۔

پس اگر ہم میں سے کسی نے مؤتمر میں اپنے بھائی کی داڑھی پکڑ کر کھینچی ہے تو غصے کے فرو ہو جانے کے بعد لازم ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے یہ کہے

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۝

اے میرے پروردگار مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے ہم پر اپنی رحمت نازل فرما اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

مومنین قانتین کی یہی شان ہے۔ وہ لوگ جن کے سینوں میں دولت اخلاص مضمر ہے اور وہ لوگ جن کی غرض و غایت اصلاح ہے ان کا یہی شیوہ ہے۔

مندوبین عالم اسلام کا یہ اجتماع جس طریقے پر وقوع پذیر ہوا اس کی نظیر زمانہ سابقہ میں مفقود ہے پس ہم پر لازم ہے کہ اس شہر کے پروردگار کا جس نے ہمیں خوف سے مامون اور ظاہری و باطنی نعمتوں سے مالا مال کیا اس عظیم الشان احسان پر سجدۂ شکر بجا لائیں۔ اس کے بعد ہم پر جلالۃ الملک السلطان عبد العزیز کا شکریہ ادا کرنا بھی لازم ہے جن کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ نے یہ جلیل القدر کام انجام دلایا۔ بلاد مقدسہ کے خادم کی حیثیت سے ان کو خاص عزت

[1] مؤالنیں شاہ کی طرف اشارہ ہے۔ (اقوال)
[2] فلما رجع موسى الى قومه غضبان اسفا قال بئسما خلفتموني من بعدي أعجلتم امر ربكم واخذ براس اخيه يجره اليه ۔ اور بھائی سے کہا لا تأخذ بلحيتي ولا برأسي ولا تشمت بي الاعداء۔

عظمت حاصل ہے اور خصوصاً جبکہ عظمۃ السلطان عدل، دینداری، وسعت قلب اور حسن اخلاق کی گوناگوں صفات سے بھی متصف ہیں۔ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسوۂ خلفائے راشدین و سلف صالحین و ائمہ متبوعین (اتباع کئے گئے) رضی اللہ عنہم اجمعین کے متبع ہیں۔ مزید براں اللہ تعالیٰ نے ظالموں، سرکشوں اور قطاع الطریق (رہزنوں) کے دلوں میں ان کا رعب ڈال دیا ہے حج و زیارت کے راستے بالکل مامون ہو گئے ہیں۔ جن لوگوں نے مکہ اور مدینے کے مابین سفر کیا ہے ان سے بالتواتر اسی شہادت کی تائید و تصدیق ہوتی ہے۔ شہادت دینے والے مختلف جماعتوں اور فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں لیکن اس ایک حقیقت میں وہ سب متفق اللسان ہیں کہ راستے بالکل مامون ہیں۔

جس طرح حجاز کی حکومت کو عالم اسلامی پر سیادت و قیادت میں برتری حاصل ہے اسی طرح اس پر ذمہ داریاں بھی اسی نسبت سے زیادہ اور وسیع ہیں۔ حکومت حجاز ان اسلامی قوتوں کے لئے جو مؤتمر میں مدعو کی گئی ہیں وسیلۂ ربط ہے اور امیر حجاز مؤتمر کی روح و رواں ہے۔ اگر اس میں فساد پیدا ہو گیا تو ساری مؤتمر پر فساد طاری ہو جائے گا۔

حضرات! مؤتمر حجاز کی کامیابی زیادہ تر حجاز کی مقامی حکومت کی استقامت، اس کی توجہ اور اس کے احساس پر منحصر ہے کہ وہ نجد کی نہیں بلکہ سارے مسلمانوں کی حکومت ہے۔ اور مسلمانان عالم اور حکومت جن دونوں کے ایک دوسرے کے حقوق ہیں، حکومت حجاز کو ان حقوق کے ادا کرنے میں خوف خدا، دینداری، صبر بالحق، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ضرورت ہے اور ان فرائض کی بجا آوری میں حکمت، تسہیل، فراخدلی، فیاضی اور تدریج کی ضرورت ہے تاکہ کسی بات کے ازالہ کرنے سے کوئی ایسی بات پیدا نہ ہو جائے جو اس سے بھی زیادہ بڑی زیادہ ضرر رساں اور زیادہ پریشان کن ہو۔ ان بدعات اور منکرات کے ازالہ کو جو اسلامی ممالک اور ان بلاد مطہرہ میں پھیل چکی ہیں بیجا نہیں سمجھتے بلکہ ہماری مراد یہ ہے کہ اہم تر مقصد کو مقدم رکھا جائے جب دو آفتیں پیش نظر ہوں تو دونوں میں سے ایک کو اختیار کرنا بمقتضائے حالات ابدی ہو تو ان دو مصیبتوں میں سے اس مصیبت کو بدرجۂ مجبوری اختیار کر لینا چاہئے جو مقابلتاً ہلکی ہو اور مصائب و آفات سے نجات حاصل کرنے میں حکمت و آہستگی کا شیوہ اختیار کرنا چاہئے اور غلو اور تعمق (گہرائی میں جانے) سے بچنا چاہئے کیونکہ تعمق فی الدین ہی پہلے لوگوں کے لئے باعث ہلاکت ہوا ہے کسی چیز پر شرک و بدعت یا گمراہی کا حکم لگانے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے۔

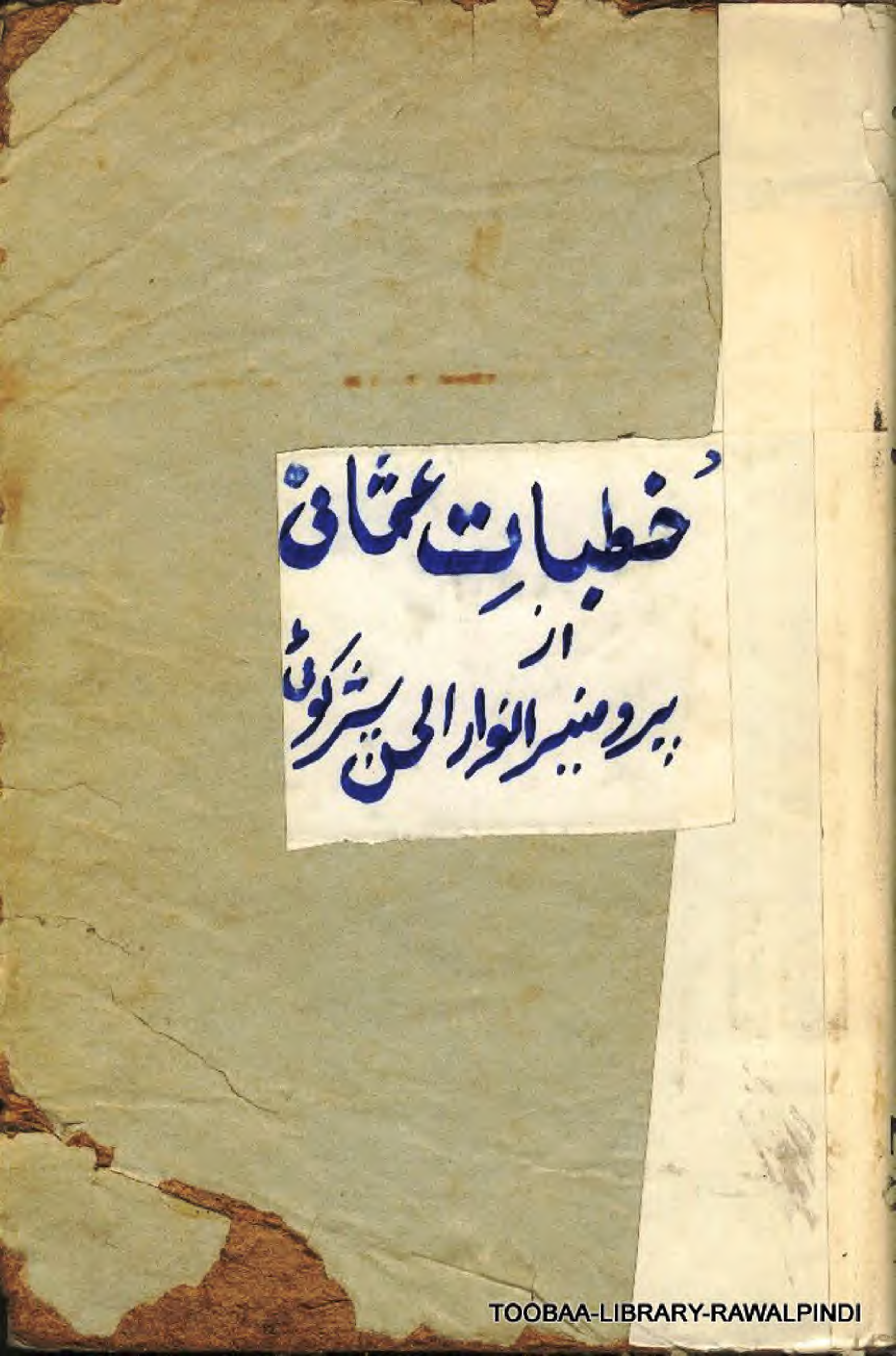
حضرات! آپ میری تقریر کا مقصد جانتے ہیں یہ تفصیل کا موقع نہیں ہے عظمت السلطان شاہ عبد العزیز بن سعود نے ہماری باتوں کو شرف سماعت بخشا اور ہماری تصریحات کو پسند کیا اور اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ ہم علمائے نجد وغیرہ کے ساتھ بحث و مذاکرہ کریں۔ ہم نے اکثر علماء کے ساتھ گفتگو کی۔ اب تک پورے طور پر بات چیت تو نہیں ہوئی لیکن جس قدر تبادلۂ خیالات ہوا ہے امید ہے کہ وہ ضرور بار آور ہوگا اور مسلمانوں میں اعتدال پیدا ہو جائے گا۔ مؤتمر کو چاہئے کہ یک زبان ہو کر حکومت حجاز کو اس بنیادی اصول کا احساس کرائے جماعت کی آواز میں جو تاثیر ہوتی ہے وہ افراد میں نہیں ہوتی۔ فَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ (وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین والحمد للہ رب العالمین) (زمیندار اخبار مورخہ ۲۲ اگست ۱۹۲۶ء ص۱)

الحمد للہ کہ علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ خطبات جن میں نظریۂ پاکستان کے ہر ہر گوشے پر عالمانہ محققانہ اور سیاسی نقطۂ نظر سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے میری اس حقیر کوشش سے منصۂ شہود پر آ رہے ہیں۔ یوں تو آپ کے سینکڑوں خطبے ترتیب دیئے جا سکتے تھے کیونکہ جمعیۃ العلماء ہند دہلی۔ جمعیۃ العلماء اسلام خلافت، جمعیۃ الانصار۔ خدام الدین لاہور، مسلم لیگ اور مواعظ حسنہ کے پلیٹ فارموں پر اس قدر آپ نے تقریریں کی ہیں اور خطابات کے جوہر دکھائے ہیں کہ ان کو ضبط تحریر میں نہیں لایا گیا۔ کاش آپ کے ہمراہ ان جلسوں میں یہ راقم الحروف ہوتا تو آپ کی تقریروں کو نوٹ کرتا ان سے کئی ضخیم جلدیں مرتب ہوتیں جن میں علوم و فنون کے خزانے سمیٹے جا سکتے۔ بس ان کلمات پر اپنی اس ناچیز خدمت کو ختم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور پاکستان کے دونوں حصوں کو پھر متحد کر کے اور ساتھ ہی کشمیر کو ملحق کر کے نظریۂ پاکستان کی فضا سے پھر خطۂ خداداد کو جس کا ایک حصہ اپنے ہاتھوں سے نکل چکا ہے معمور کر دیں اور اپنی قدرت اور رحمت سے تابندہ اور پائندہ بنا دیں۔

آخر میں یہ ناچیز مولانا حمید البیان صاحب فاضل دیوبند ہزاروی کا شکر ادا کرتا ہے جن سے مجھے زمیندار کا پرچہ ملا جس میں علامہ کی آخری تقریر طبع ہوئی ہے اور اپنے فرزند ڈاکٹر انصار الحسن اور اپنی لڑکیوں فرحانہ انوار اور صالحہ انوار اور اپنی شاگرد طلعت انجم کا کہ انہوں نے علامہ عثمانی کے خطبوں کو نقل کرنے میں محنت اٹھائی بالخصوص موخرۃ الذکر کا کہ انہوں نے کئی خطبے اُردو ٹائپ میں نقل کر کے دیئے۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء

آخر میں یہ مژدہ بھی پیش کر دوں کہ حیات عثمانی کی کتابت بھی شروع ہو چکی ہے جو علامہ کی از پیدائش تا وفات کے حالات زندگی پر مشتمل ہے۔ تجلیات عثمانی علامہ کے علمی سوانح اور علوم و فنون پر تبصروں سے متعلق ۱۹۵۸ء میں چھپ چکی تھی اور آپ کے علمی، سیاسی اور پرائیویٹ خطوط کا مجموعہ ۱۹۶۵ء میں چھپ چکا تھا۔ فالحمد للہ کہ علامہ عثمانی کی یہ خدمات اب مکمل ہو جائیں گی۔ فالحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

محمد انوار الحسن شیرکوٹی پروفیسر
مہبط انوار۔ ۱۲۹۔ ڈی پیپلز کالونی
لائلپور
مورخہ ۹ ذوالحجہ ۱۳۹۱ھ ۲۶ جنوری ۱۹۷۲ء
بروز چہار شنبہ پونے بارہ بجے دن


خطباتِ عثمانی
از
پیر و منیر انوار الحق شرکوٹیؒ

طوبیٰ لائبریری

راولپنڈی

اردو انگلش کتب اسلامی

تاریخی سفرنامے لغات